سیرت خاتم المرسلین ﷺ

ابوشعیب صفدر علی گوندل

نشریات

Marfat.com

Marfat.com

سیرتِ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

قبل از بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

ابو شعیب صفدر علی گوندل

نشریات

الحمد مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔ فون: 0321-4589419

DAMAGED
11-12/96/2024

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ

۲۰۱۷ء

نام کتاب: .... سیرتِ خاتم المرسلین ﷺ

مؤلف: .... ابوشعیب صفدر علی گوندل

اہتمام: .... ڈاکٹر شعیب احمد

کمپوزنگ: .... دُعا گرافکس

صفحات: ۴۱۶

ڈسٹری بیوٹرز

کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات
فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اردو بازار، لاہور فون: 37320318 فیکس: 37239884
ای میل: Kitabsaray@hotmail.com

فضلی بک سپر مارکیٹ
اردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔
فون: 32212991-32629724

Marfat.com

خاتم المرسلین

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے نام

Marfat.com

Marfat.com

ترتیب

پیش لفظ ـــــــــ ۱۱
خاندان ـــــــــ ۱۹
- خاندان کی مختصر تاریخ ۱۹
- ازواج واولاد ۲۲
- قدیم تاریخ عرب پردہ اخفا میں ۲۳
- نقل مکانی اور اولاد اسماعیل کے علاقے ۲۴
- عدنان بن ادد ۲۶
- عدنان سے قصی تک ۲۸
- عدنان کی اولاد ۳۰
- اولاد نزار بن معد ۳۱
- اولاد مضر بن نزار ۳۲
- اولاد الیاس ۳۲
- اولاد مدرکہ ۳۳
- بنوخزاعہ کا استیلا ۳۳
- خانہ کعبہ میں بت ۳۴
- عمرو بن لحی ۳۵
- بت پرستی کا رواج ۳۶
- اولاد مدرکہ ۳۹
- اولاد خزیمہ ۳۹
- اولاد کنانہ ۴۰
- اولاد مالک ۴۰
- اولاد فہر ۴۱
- اولاد غالب ۴۱
- اولاد لوی بن غالب ۴۱
- کعب بن لوی ۴۳
- اولاد کعب ۴۴
- اولاد مرہ بن کعب ۴۵
- اولاد کلاب ۴۵
- قصی بن کلاب ۴۶
- قریش کی ولایت کعبہ پر (برکات قرب میلاد مبارک) ۴۷
- صوفہ اور قصی کے درمیان جنگ ۴۷
- صوفہ وعدوان ۴۸
- بنوخزاعہ سے جنگ ۴۹
- قریش کی مکہ میں آبادی اور شہری ریاست ۴۹
- ریاست مکہ کے شعبہ جات ۵۱

Marfat.com

نساۃ	٥٢
قصی کے دور میں قبائل عدنان	٥٤
اولاد قصی	٥٥
اولاد عبد مناف	٥٦
رحلۃ الشتاء والصیف	٥٧
مطیبین اور احلاف	٥٩
اولادِ ہاشم	٦٠
عبدالمطلب	٦٠
اہم واقعات	٦١
نوفل کی زیادتی	٦١
زم زم کی دریافت	٦٢
معجزاتی فیصلہ	٦٣
اولاد عبدالمطلب	٦٥
ابوسفیان مغیرہ بن حارث	٦٦
زبیر بن عبدالمطلب	٦٨
ابوطالب بن عبدالمطلب	٦٨
عقیل بن ابی طالب	٦٩
جعفر بن ابی طالب	٦٩
علی بن ابی طالب	٧٠
عبداللہ بن عبدالمطلب	٧١
عبدالکعبہ بن عبدالمطلب	٧٢
ابولہب بن عبدالمطلب	٧٢
مقوم وحجل ابنا عبدالمطلب	٧٢
حمزہ بن عبدالمطلب	٧٣
ضرار بن عبدالمطلب	٧٣
عباس بن عبدالمطلب	٧٣
فضل بن عباس	٧٤
عبداللہ بن عباس	٧٥
باقی فرزندان عباس	٧٥
بنات عبدالمطلب	٧٧
ام حکیم بیضاء	٧٧
عاتکہ	٧٧
امیمہ	٧٧
صفیہ	٧٨
برہ	٧٩
اروی	٧٩
عبداللہ والد النبی صلی اللہ علیہ وسلم	٧٩
ذبیح اللہ (حضرت عبداللہ)	٨٠
مشیت الٰہی	٨٣
مماثلت	٨٣
نکاح اور وفات	٨٤
واقعہ فیل	٨٤
پس منظر	٨٥
اصحاب الاخدود	٩٠
ابرہہ	٩٠
بیت اللہ پر حملہ	٩٢

Marfat.com

خالصۃً اللہ سے دعا	۹۴
نصرت خداوندی	۹۵
غلط تاویل	۱۰۰
ایک غلط فہمی	۱۰۴
تنبیہ	۱۰۹
قربِ ولادت کی برکات	۱۱۱
عام الفیل۔سالِ ولادت	۱۱۳
حیاتِ طیبہ قبل بعثت	۱۱۴
ایران	۱۱۸
ہندوستان	۱۲۰
بدھ مت	۱۲۳
دیارِ مغرب	۱۲۴
دنیا کی عمومی حالت	۱۲۵
ولادت باسعادت	۱۲۶
وقت ولادت	۱۲۹
بعض غیر معمولی واقعات	۱۳۱
عقیقہ اور اسم مبارک	۱۳۴
آپ ﷺ کے دونوں نام معروف تھے	۱۳۵
ابو النبی عبداللہ کی وفات	۱۳۹
رضاعت	۱۴۰
بنوسعد میں	۱۴۰
رضاعی رشتہ دار	۱۴۴
شق صدر	۱۴۸
واپس مکہ میں	۱۵۰
عبدالمطلب اور سیف ابن ذی یزن	۱۵۱
سفر یثرب	۱۵۳
کفالت عبدالمطلب میں	۱۵۵
شرک سے اجتناب	۱۵۷
پاشناس	۱۵۹
عبدالمطلب کی وفات	۱۵۹
ابوطالب کی کفالت میں	۱۶۰
بارش کی دعا	۱۶۲
بحیرا راہب	۱۶۳
بکریاں چرانا	۱۷۰
خواہش اور عصمت الٰہی	۱۷۳
حربِ فجار	۱۷۴
حلف الفضول	۱۷۸
شغلِ تجارت	۱۸۱
حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال تجارت	۱۸۲
حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح	۱۸۴
زید بن حارث	۱۸۶
تجارتی سفر	۱۸۹
احبابِ خاص	۱۹۱
ابوبکر عبداللہ بن ابی قحافہ	۱۹۱
حکیم بن حزام	۱۹۳

Marfat.com

عباس بن عبد المطلب	۱۹۴
حمزہ بن عبد المطلب	۱۹۵
ضماد بن ثعلبہ ازدی	۱۹۵
قبل بعثت سیرت و اخلاق	۱۹۵
امور جاہلیہ سے اجتناب	۱۹۷
حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اولاد	۲۰۰
ایک قبیح جسارت	۲۰۷
ازدواجی زندگی	۲۱۱
حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی کفالت میں	۲۱۳
خانہ کعبہ کی تعمیر	۲۱۵
پہلی غیبی آواز	۲۱۸
آپ ﷺ کی تحکیم	۲۱۹
بنائے ابراہیمی میں تغیر	۲۲۱
آپ ﷺ کا حلیہ مبارک	۲۲۲
لباس	۲۲۴
شخصیت کے بعض نمایاں پہلو	۲۲۸
ملنے والوں کی رائے	۲۳۱
خلوت گزینی (دور تحنث)	۲۳۴
تحنث	۲۳۸
آپ ﷺ پورے عرب میں متعارف و محترم تھے	۲۴۲
بعثت کے وقت عرب کی حالت	۲۴۴
مکہ مکرمہ	۲۴۵
دار الندوہ	۲۴۶
مناصب	۲۴۶
قریش	۲۵۱
مکہ کی مرکزی حیثیت	۲۵۳
قریش کی اقتصادی اور تہذیبی حالت	۲۵۵
دوسرے عدنانی قبائل	۲۵۶
شہری قبائل	۲۵۷
بدوی قبائل	۲۵۷
حرب بسوس	۲۶۰
حرب داحس وغبرا	۲۶۱
اثرات	۲۶۱
وحدتِ لسانی	۲۶۳
سرحدی ریاستیں	۲۶۶
یمنی حکومت	۲۶۷
حکومت حیرہ	۲۶۹
ریاست غسانیہ	۲۷۱
عرب کے مذاہب	۲۷۲
یہودیت	۲۷۴
عیسائیت	۲۸۸
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات	۲۹۲
یہودی سازش	۲۹۵

Marfat.com

رہبانیت	۲۹۹
آخری توثیق	۳۰۱
انجیل اور مزید انحرافات	۳۰۲
صابئیت	۳۰۶
مجوسیت	۳۰۷
دہریت	۳۰۹
مشرکین عرب	۳۱۱
توحید	۳۱۲
دین ابراہیمی کی باقیات	۳۱۴
اوصاف حمیدہ	۳۱۶
ایمان اور کفر وشرک	۳۲۳
بت پرستی	۳۳۰
حجاز کے بت	۳۳۲
کعبہ کے بت	۳۳۶
قوم نوح کے بت	۳۳۸
عرب کے بعض مشہور بت	۳۴۱
بتوں کی کثرت	۳۴۴
کعبے	۳۴۵
مشرکانہ نظام عبادت	۳۴۷
حفاظت وانتظام	۳۴۹
آداب ورسوم	۳۴۹
نذرانے	۳۵۰
بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور	۳۵۱
زمین کی پیداوار میں حصہ	۳۵۳
مقررہ ایام میں زیارت	۳۵۴
اسواق	۳۵۴
شرک کے اثرات	۳۵۶
اعتقادی بگاڑ	۳۵۸
مذہب میں بگاڑ	۳۶۳
معاشرتی وسماجی بگاڑ	۳۷۲
ورقہ بن نوفل	۳۹۲

Marfat.com

Marfat.com

پیش لفظ

میرے والدِ گرامی ابوشعیب صفدر علی چوہدری ۲۹/اپریل ۱۹۴۱ء کو ضلع سرگودھا کے قصبہ دھریمہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولانا غلام نقشبند گوندل نہ صرف اپنے علاقے بلکہ قرب و جوار کے اضلاع میں اپنے علم، تقویٰ اور اصول پسندی کی وجہ سے جانے پہچانے جاتے تھے اور مسائلِ دینی میں ان کا فتویٰ بہت اعتبار کا حامل تھا۔ میرے والد کے دادا مولانا غلام نبی بھی اپنی درویشی، تقویٰ اور دین داری کی وجہ سے علاقے کے زعما میں شمار ہوتے تھے۔

میرے والد ماجد نے ۱۹۵۷ء میں میٹرک اور ۱۹۵۹ء میں سرگودھا بورڈ سے ایف۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۶۵ء میں پرائیویٹ امیدوار کے طور پر پنجاب یونیورسٹی سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۶۷ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ہی پرائیویٹ امیدوار کے طور پر ایم۔ اے اسلامیات اور ۱۹۶۸ء میں بی۔ ایڈ کیا۔ ۱۹۸۲ء میں ادارۂ تعلیم و تحقیق پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم۔ ایڈ کی ڈگری حاصل کی۔

میرے والد گرامی نے ۱۹۵۹ء میں، جب ان کی عمر ۱۹ سال تھی، ایف اے پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ مڈل سکول نہنگ، ضلع سرگودھا میں عارضی اسامی پر انگریزی استاد کے طور پر پہلی سرکاری ملازمت کی اور ۱۹۸۰ء تک گورنمنٹ مڈل سکول دھریمہ، چک نمبر ۵۸ شمالی رکھ دھریمہ، سندرال اور نواب پور کے سکولوں میں تدریسی فرائض انجام دیے اس کے ساتھ ہی وہ تحصیلِ علم کے رائج مراحل طے کرتے ہوئے اپنی تعلیمی سطح کو ایم اے تک لے آئے۔ ۱۹۸۰ء میں محکمے سے چھٹی لے کر حصولِ تعلیم کے لیے لاہور تشریف لے گئے اور ادارۂ تعلیم و تحقیق پنجاب یونیورسٹی لاہور میں ایم ایڈ کے باقاعدہ طالب علم رہے۔ ۱۹۸۳ء میں محکمہ سکولز نے ڈیپوٹیشن پر ان کی خدمات تین سال کے لیے پنجاب یونیورسٹی کے ادارۂ تعلیم و تحقیق کے سپرد کیں جہاں وہ ۱۹۸۵ء

Marfat.com

تک تدریس میں مشغول رہے۔ وہ پنجاب یونیورسٹی کے ہاسٹل نمبر چار نیو کیمپس میں اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ بھی تعینات رہے۔

یہی وہ دور ہے جب انھیں اپنی علمی پیاس بجھانے اور مطالعہ وتحقیق کا وافر موقع ملا۔ عربی زبان وادب سے بے پناہ محبت انھیں علامہ جاوید احمد غامدی کے مرکز المورد تک لے گئی جہاں انھوں نے مختلف عربی و دینی علوم کے علاوہ خصوصی طور پر جاہلی شاعری علامہ جاوید احمد غامدی سے سبقاً پڑھی اور ان کی زیرِ ادارت شائع ہونے والے معتبر اور موقر مجلّے الاعلام میں نائب مدیر کے طور پر کام کرتے رہے۔ اسی دوران ان کے دو علمی اور فقہی مقالات قرنِ اوّل کی پھلی اسلامی تحریک اورزانیِ محض کی سزا روایات کی روشنی میں شائع ہوئے جنھیں دینی، علمی اور تحقیقی حلقوں میں بے حد سراہا گیا اور درحقیقت یہی مقالات ان کی پہچان بنے۔

ادارۂ تعلیم وتحقیق، پنجاب یونیورسٹی میں ڈیپوٹیشن کے آخری سال کے دوران پنجاب پبلک سروس کمیشن کی لیکچرر اسلامیات کے لیے مشتہر ہونے والی اسامی پر ۱۹۸۵ء میں گورنمنٹ کالج جوہر آباد میں لیکچرار تعینات ہوئے۔ بعدازاں گورنمنٹ کالج سرگودھا (موجودہ سرگودھا یونیورسٹی) آگئے اور اپنی ریٹائرمنٹ، ۲۰۰۱ء تک اسی کالج میں خدمات انجام دیتے رہے۔ اس دوران ایک بار ان کا تبادلہ گورنمنٹ کالج سلانوالی میں ہوا مگر عمائدینِ شہر اور کالج انتظامیہ نے انھیں وہاں نہ جانے دیا۔ گورنمنٹ کالج سرگودھا میں اپنی مدتِ ملازمت کے دوران کالج کی جامع مسجد عابد میں باقاعدگی سے خطبۂ جمعہ دیتے اور ہر روز عصر کے بعد درسِ قرآن کا اہتمام کرتے رہے جس میں ہر عمر اور ہر طبقے سے طالب علموں کی کثیر تعداد شریک ہوتی تھی۔

جون ۱۹۹۰ء میں انھوں نے حج کی سعادت حاصل کی۔ اپنی عمرِ عزیز کے آخری حصے میں، وفات سے چند مہینے پہلے اچانک بیماری کے آثار ان کے خدوخال پر واضح ہونے لگے اور طبی معائنے کے بعد پتہ چلا کہ وہ جگر کے کینسر کے آخری مرحلے پر ہیں۔ تفصیلی معائنے کے لیے لاہور لے جایا گیا۔ ڈاکٹروں نے آپریشن تجویز کی جس سے انھوں نے انکار کیا اور دو راتیں شیخ زاید ہسپتال لاہور میں گزارنے کے بعد واپس سرگودھا آگئے۔ چند دن پی۔ اے۔ ایف ہسپتال سرگودھا میں زیرِ علاج رہنے کے بعد ۲۲ رجولائی ۲۰۰۲ء، پیر کے دن، تہجد کے وقت گورنمنٹ کالج

Marfat.com

سرگودھا میں اپنی رہائش گاہ پر جاں، جان آفرین کے سپرد کردی۔ان کا جنازہ ان کے بہنوئی چوھدری سراج الدین نے پڑھایا جن کے زھد وتقویٰ کی وجہ سے والد صاحب نے وصیت کررکھی تھی کہ ان کا جنازہ انہی سے پڑھوایا جائے وہ اپنے آبائی گاؤں شریفہ، تحصیل شاہپور ضلع سرگودھا میں اپنے والد ماجد کے پہلو میں آسودۂ خاک ہوئے۔

میرے والدِ مرحوم سلسلۂ نقشبندیہ کے معروف بزرگ صاحبزادہ مطلوب الرسول للّٰہی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے تھے۔ان کے والد اور دادا بھی للّٰہ ضلع جہلم کی اسی خانقاہ سے وابستہ تھے۔

والدِ مغفور نے اپنی شعوری زندگی کا بیشتر حصہ مطالعہ، تدریس اور اشاعت وتبلیغِ دین میں گزارا۔مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سے عقیدت واحترام کا رشتہ تھا، اپنے والد گرامی مولانا غلام نقشبند کو اپنا روحانی پیشوا مانتے تھے اور زندگی کے ہر چھوٹے بڑے فیصلے میں ان کی رائے اور مرضی کو حکم کا درجہ دیتے اور حرفِ آخر جانتے تھے۔وہ مجسم اطاعت اور سراپا فرماں برداری تھے۔

اپنے والد محترم کے بارے میں ان کا یہ قطعہ بہت حد تک ان کی عقیدت ومحبت کا آئینہ دار ہے:

وہ مرشد مرے اور استاد بھی ہیں　　نہاں خانۂ دل میں آباد بھی ہیں
رگوں میں مری ان کا خون دوڑتا ہے　　مری فکرِ صالح کی بنیاد بھی ہیں

ان کے والد گرامی مولانا غلام نقشبند نے دھریمہ میں مسجد الفاروق کے نام سے ۱۹۶۹ء میں ایک مسجد کی بنیاد رکھی تھی جو آج ایک عظیم الشان مسجد میں تبدیل ہو چکی ہے اور اس سے ملحق ایک مدرسہ۔۱۹۶۹ء سے ۱۹۸۰ء تک مولانا خود اس مسجد میں بڑی باقاعدگی سے خطبۂ جمعہ ارشاد فرماتے رہے۔۱۹۸۰ء تک میرے والد باقاعدگی سے اسی مسجد میں خطابت کرتے رہے۔یہاں یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ اپنے قیامِ لاہور کے پانچ سالہ دور میں بھی وہ ہر جمعہ کو التزام سے دھریمہ آتے اور اس دینی فریضے کو نبھاتے رہے۔اس دوران مختلف تعلیمی اور دینی تربیتی اداروں میں ان کے دروسِ قرآنی اس خدمت پر مستزاد ہیں۔۱۹۹۱ء میں خانہ وخاندان کے ساتھ دھریمہ سے ہجرت کرجانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ کام سرگودھا یونیورسٹی کی جامع مسجد عابد میں لیا اور وہ تادمِ آخر ترویج واشاعتِ دین میں مصروف رہے۔

Marfat.com

۱۹۹۰ء میں سفرِ حج سے واپسی پر انھوں نے بڑا مبسوط سفر نامۂ حج قلمبند کیا جو سرگودھا کے موقر جریدے ارقم میں حضورِ حق کے نام سے بالاقساط شائع ہوا۔ ان کے اس سفر نامے کو بھی بہت پذیرائی ملی۔ اس کے علاوہ ان کے کئی ٹھوس علمی اور فقہی مقالات ملک کے معتبر علمی مجلّات میں شائع ہوتے رہے۔ ''گوہر نایاب'' کے نام سے حضرت محی الدین قصوری کے مکتوبات حضرت غلام نبی للّٰہی کے نام ترجمہ کر رکھے ہیں۔

نبی کریم ﷺ سے انھیں غایت درجہ محبت تھی جس میں ۱۹۹۰ء کے سفرِ حج کے بعد غیر معمولی اضافہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ ہمہ وقت عشقِ نبی ﷺ سے سرشار رہتے تھے۔ ذکرِ مصطفےٰ ﷺ پر ان کی آنکھیں بھیگ بھیگ جاتی تھیں اور ان کی کوئی محفل شاذ ہی ایسی ہوتی جس میں سرورِ عالم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کی جھلکیوں کی فراوانی نہ ہوتی۔ وہ بلا مبالغہ ایک عرصے سے اٹھتے، بیٹھتے، کھانا کھاتے، لیٹتے، پیدل چلتے اور سفر کرتے ہوئے مطالعے کے عادی تھے اور یہ مطالعہ کثیر الجہات ہوتا تھا لیکن ۱۹۹۵ء کے بعد تو موضوعِ مطالعہ صرف ایک ہی رہ گیا تھا اور وہ تھا رسول رحمت کی سیرتِ طیبہ۔ عربی، فارسی، انگریزی، اردو اور پنجابی زبانوں پر یکساں گرفت کی وجہ سے مطالعے کا دائرہ وسیع تھا مگر مرکزِ مطالعہ وہی محبوب خدا کی ذاتِ والا صفات تھی۔

زندگی کے آخری پانچ چھ برسوں میں وہ ہمہ وقت سیرتِ خاتم المرسلین ﷺ لکھنے میں مصروف رہے۔ اس سارے عرصے میں انھوں نے شاید ہی کچھ اور لکھا ہو۔ ہمارے ہاں کتبِ سیرت عام طور پر حیاتِ قبل از بعثت، بعدِ بعثت، مکی دور، مدنی دور اور کسی حد تک پیدائش مبارکہ سے ذرا پہلے کے واقعات کا احاطہ کرتی ہیں لیکن ان کا ارادہ یہ تھا کہ وہ سرزمینِ عرب کے اوضاع و احوال بہت ابتدا سے یوں بیان کرتے چلے آئیں کہ قاری سرزمینِ عرب کے سماجی، معاشرتی، معاشی احوال سے کماحقہ آگاہی کے ساتھ ساتھ اُس حکمتِ ربانی کو بھی سمجھ سکے جس کے نتیجے میں کرۂ ارض کو جہانوں کی سب سے بڑی نعمت یعنی وجودِ مسعود محمدی سے نوازا گیا۔ وہ ایسی تمام جزئیات اور تفاصیل بیان کر دینا چاہتے تھے جو کسی بھی طرح، کسی بھی حوالے سے نبی کریم ﷺ کے وطن، حسب نسب، ذات اور مبارک زندگی سے مربوط ہوں۔ چنانچہ وہ بڑے صبر و تحمل، یکسوئی اور سرمستی میں لکھتے چلے گئے۔ وہ چاہتے تھے کہ یہ عظیم منصوبہ مکمل کر پائیں۔

وہ حلقۂ یاراں میں بریشم کی طرح نرم تھے۔ حلقۂ احباب بہت وسیع تھا اور اس بھی

Marfat.com

مسالک کے لوگ شامل تھے۔ اس حلقے میں عمر میں ان سے بڑے، چھوٹے اور ہم عمر سبھی شامل تھے اور وہ ان سب میں یکساں مقبول ومحبوب تھے۔ جوانوں میں سب سے جوان، بزرگوں میں بزرگ اور ہم عمروں کی آنکھ کا تارا تھے۔ ان کے خاص دوستوں میں علامہ جاوید احمد غامدی، پروفیسر جہانگیر تمیمی، پروفیسر عبدالغفور، پروفیسر ملک احسان، پروفیسر منیر بھٹی، پروفیسر غلام نظام الدین، مسعود احمد گوندل، ملک محمد معظم، ممتاز عارف، خدا بخش باہو، فیض صاحب، میجر محمد اقبال بھچر، محمد اسلم بھچر، ملک ضرار، ڈاکٹر قاضی محمد اصغر، ڈاکٹر قاضی محمد اکبر، طاہر قریشی جیسے مختلف المزاج لوگ شامل تھے۔ اہلِ خاندان میں معین نظامی، ڈاکٹر خالد رشید، مسعود احمد، حسین احمد اور غلام عباس سے بہت محبت کرتے تھے اور دلی طور پر خود کو ان کے بہت قریب محسوس کرتے تھے۔ ان کا گھر، ان کا دل، دستر خوان، ہاتھ اور وقت دوستوں، عزیزوں اور رشتہ داروں کے لیے ہمیشہ کشادہ رہتا۔ اپنے وسیع خاندان کے علاوہ کئی رشتہ داروں کی کفالت کرتے۔ قطع رحمی کو سخت ناپسندیدہ سمجھتے ہوئے ہمیشہ صلہ رحمی کی تلقین بھی کرتے اور ناقابلِ یقین حد تک اس پر عمل پیرا بھی رہتے۔ کوئی بھی شخص، کسی بھی کام کے سلسلے میں آتا تو اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑتے اور دامے، درمے، سخنے اس کی مدد کرتے۔ اولاد کے ساتھ ان کا رویہ بیک وقت دوستانہ بھی ہوتا اور بزرگانہ بھی۔ کسی بھی قسم کے دینی، دنیوی اشکالات پر بحث واستفسار پر کسی بھی ممکنہ حد تک جانے کی کھلی اجازت تھی لیکن اعمالِ شرعی کی بجا آوری میں کسی بھی قسم کی سُستی کو برداشت نہ کرتے۔ وہ بنیاد پرست مسلمان تھے اور اپنی بنیاد پرستی پر نازاں تھے۔

سادگی اور درویشی ان کی پہچان تھی۔ ظاہر وضع قطع اور تراش خراش کو مطلق اہمیت نہیں دیتے تھے البتہ لباس ہمیشہ صاف ستھرا اور اجلا پہنتے۔ سر پر سفید کپڑے کی ٹوپی یا پگڑی ہمیشہ رہتی اور فارغ وقت میں بیٹھے ہوتے یا پیدل چل رہے ہوتے ہمیشہ کسی گہری سوچ میں گم رہتے اور بسا اوقات آس پاس کے لوگوں اور ماحول سے بالکل بے نیاز ہو جاتے اور ان کی یہ ساری درخود رفتگی دینی اور فقہی موضوعات ومسائل پر غور وفکر میں صرف ہو رہی ہوتی۔

صدقِ مقال اور رزقِ حلال ان کی زندگی کے دو مرکزی ستون تھے۔ ہمیشہ سچ بات کرتے اور ڈنکے کی چوٹ پر کرتے، کوئی دنیوی مصلحت، خوف یا لالچ انھیں حق بات کہنے سے کبھی نہیں روک سکا۔ وہ اپنی حق گوئی کی وجہ سے ہر نقصان اٹھانے کے لیے ہمہ تن تیار رہتے تھے لیکن

Marfat.com

شاہد ہی زندگی میں انھیں نقصان اٹھانا پڑا ہو۔

بہت اعلیٰ ادبی ذوق، اور ٹھوس علمی مطالعات نے ان کے مزاج اور شخصیت میں ایک عجیب تعمق اور تاثیر پیدا کر دی تھی۔ شاعری کا بہت اعلیٰ ذوق رکھتے تھے اور عہدِ شباب میں شعر بھی کہتے تھے مگر پھر مشقِ سخن ترک کر دی۔ سینکڑوں اشعار ازبر تھے اور گفتگو میں ان کا برمحل استعمال کرتے تھے۔ جہاں بھی بیٹھتے، شمعِ محفل بن کر رہتے۔

فلسفۂ شہادت اور شہادتِ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اسباب و علل، واقعات اور بعدِ شہادت کے احوال و عواقب پر اور ان کے بیان پر عجیب ساحرانہ گرفت تھی۔ واقعۂ کربلا کے ایک ایک کردار اور ایک ایک واقعے کی جزئیات اتنی عمدگی سے بیان کرتے تھے کہ انسان خود کو عینی شاہد سمجھنے لگتا تھا۔ سالہا سال تک جامع مسجد الفاروق دھریمہ میں ۹ اور ۱۰ محرم کو ظہر سے مغرب تک ان دو دنوں کے واقعات بیان کرتے اور پس منظر اور بعدِ کربلا کے واقعات کئی خطباتِ جمعہ میں بیان کرتے رہتے۔ ایسے خطبات میں تمام مسالک کے لوگ کثیر تعداد میں شریک ہوا کرتے۔

ان کی ساری زندگی ایک واضح نصب العین کی حامل تھی اور وہ عمر بھر امر بالمعروف اور نہی المنکر کی عملی تفسیر بنے رہے۔ بڑوں کا احترام اور چھوٹوں سے پیار۔ ہم عمروں کے ساتھ ایک باوقار برابری اور دوستانہ فراخ دلی۔

صالح اولاد بلاشبہ صدقۂ جاریہ ہے اور اولاد کے نیک اعمال ماں باپ کے لیے ثواب و اجر کا مستقل ذریعہ ہیں۔ میری تین بہنیں اور ہم چھ بھائی ہیں۔ میرے علاوہ سب کے سب بہت نیک اور صالح ہیں۔ ایک مَیں جس کا نامۂ اعمال دفترِ خطا و عصیاں ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مہربانی اور شفاعت کی امید کے علاوہ دامن میں کچھ نہیں ہے۔ میرے والد گرامی نے آخرت میں پیش کرنے کے لیے میرے لیے ہی شاید سیرتِ خاتم المرسلین کے دست نویس یہ دو رجسٹر چھوڑے تاکہ وہاں میرے کام آ سکیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس کتاب کی اشاعت کا اہتمام کرنے کی یہ سعادت خاتم المرسلین حضرت محمد ﷺ کی بارگاہِ قدس میں میری شفاعت کا سبب بنے گی کیونکہ یہ ایسا عظیم کام ہے جو مجھ جیسے ہزاروں کا وسیلۂ شفاعت بن سکتا ہے۔ کیا عجب کہ یہ کتاب حضورِ حق میرے ہاتھ میں ہو اور غلامانِ رسول ﷺ میں مجھے بھی شامل کر لیا جائے اور ان کے سایۂ رحمت میں جگہ پاؤں اور دنیا میں باقی عمر ہمارے خانہ و خاندان پر رسولِ کریم ﷺ کی

Marfat.com

نظرِ کرم افزوں تر ہو جائے۔

میرا ارادہ ہے کہ اس کتاب کی اشاعت کے بعد میں والد مرحوم کی مذکورہ تمام تحریروں کو بھی مرتب کر کے زیورِ طباعت سے آراستہ کرسکوں۔ وما توفیقی الا باللہ

میں برادرِ ارجمند پروفیسر ڈاکٹر معین نظامی کا شکرگزار ہوں جن کا ساتھ میرا سرمایہ ہے اور ان سے تعلق میرے لیے باعثِ خیر و برکت ہے۔ ان کی تشویق مجھے والد ماجد کی تحریروں کی اشاعت پر سب سے زیادہ مائل بہ اقدام کرتی ہے۔

عزیز دوست پروفیسر ڈاکٹر زاہد منیر صاحب کا خاص طور پر شکرگزار ہوں کہ ان کی وجہ سے کتاب کی اشاعت کا اہتمام جلد ممکن ہو سکا۔

مجھے اپنی شریکِ حیات یعنی بیوی اور سرمایۂ حیات یعنی بیٹی کا شکریہ بھی ادا کرنا ہے کہ اب یہ دونوں میرے دست و بازو ہیں اور میرے ہر ثواب میں شریک۔

ڈاکٹر شعیب احمد
اسسٹنٹ پروفیسر

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاندان

نبی اکرم فداہ ابی و امی ﷺ ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ آپ کا شجرہ نسب اس طرح ہے:

محمد (ﷺ) بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قُصَیّ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لُوَیّ بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن ادد۔

عدنان بن ادد تک آپ کا شجرہ پشت بہ پشت متفق علیہ ہے البتہ عدنان سے اسماعیل علیہ السلام تک مختلف فیہ ہے۔ اس لیے کہ ماہرین انساب نے یہاں سے جو نسب بیان کیا ہے اس پر پشتوں کی تعداد مختلف گنوائی ہے اور بعض مقامات پر ناموں کا بھی اختلاف ہے۔ تاہم یہ بات بھی متفق علیہ ہے کہ عدنان بن ادد اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے ہے۔

خاندان کی مختصر تاریخ

جدید عصری تحقیق کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش اکیسویں صدی قبل مسیح میں ہوئی۔ آپ کا شجرہ نسب ابراہیم بن تارخ (آزر) بن ناحور بن ساروغ بن راعو بن فالخ بن عیبر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام ہے۔ آپ کی پیدائش عراق کے ایک شہر اُر میں ہوئی۔ یہ شہر اس زمانے میں سلطنت عراق کا دارالخلافہ تھا۔ عراق پر اس وقت ارغو خاندان کی حکومت تھی۔ اُر کے آثار اب بھی دریائے فرات کے کنارے موجود ہیں۔

آپ پچھتر سال کی عمر تک اپنے ہی علاقے میں اپنی ستارہ پرست قوم کو اللہ کا پیغام پوری استقامت اور صبر و استقلال کے ساتھ سناتے رہے۔ اور قوم کی خیر خواہی و اصلاح کا فریضہ

Marfat.com

سرانجام دیتے رہے۔آخر کار اپنے باپ اور بادشاہ وقت کے حکم سے بت شکنی کے جرم میں آگ میں ڈال دیے گئے۔آگ سے صحیح وسالم نکلے تو حکم خداوندی سے اپنے شہر سے ہجرت کر گئے۔شہر چھوڑتے وقت آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے:

انی ذاهب الی ربی سیهذین

''میں اپنے مالک ہی کی طرف جارہاہوں وہی رہنمائی کرے گا۔''

اُرسے نکل کر آپ نے حران کفر جو فلسطین میں ہے اپنا مرکز بنایا اور شام، فلسطین، اردن اور مصر میں گشت لگا کر صراط مستقیم سے بھٹکی ہوئی انسانیت کو اللہ کا پیغام سناتے رہے۔یہیں حران میں اللہ جل شانہ نے ۸۶ سال کی عمر میں ان کی مصری بیوی ہاجرہ کے بطن سے پہلا فرزند عطا فرمایا۔آپ نے نومولود کا نام اسماعیل رکھا۔چند روز کے بعد آپ حکم الٰہی سے اپنے اس اکلوتے بیٹے اور اس کی عصمت مآب ماں کو وادی مکہ میں اولین خانہ خدا کے پاس چھوڑ گئے۔یہ وادی تھامہ اور حجاز کے درمیان شمالاً جنوباً پھیلے کوہ سراط کے درمیان وادی غیر ذی زرع تھی۔جہاں انسانی زندگی برقرار رکھنے کا کوئی سامان بھی تو نہ تھا۔لاوے کی بنی چٹانوں پر گھاس کا تنکا تک نہ تھا، پھلوں کا تو ذکر ہی کیا۔کوئی جانور تک نہ تھا جس کا گوشت ہی کھایا جاسکے۔پانی کا دور دور تک نشان نہ تھا۔قریب میں کوئی آبادی نہ تھی۔اور خلیل الرحمٰن رحمٰن کے حکم پر دو جان ہائے ناتواں کو چھوڑ کر خود کوسوں دور جارہے تھے۔وہ ان دونفوس کے پاس جو متاع گراں بہا چھوڑے جارہے تھے وہ پانی کا مشکیزہ اور چند کھجوریں تھیں۔خالق کائنات کے خزانوں پر اعتماد تھا۔اس کی رحمتوں کا آسرا تھا اور اس کے حکم کی اطاعت کا لازوال جذبہ تھا۔آپ کو یقین تھا وہ شکور ہے اور اپنی اطاعت کرنے والوں کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔وہ انھیں محض اس غرض کے لیے اپنے مالک کی اولین عبادت گاہ کے پاس چھوڑے جارہے تھے کہ یہاں اقامت صلوٰۃ کریں۔اس گھر کے پاس جس کا نشان تک نامعلوم تھا۔چنانچہ اس نے اسی مالک کو پکار کر کہا:

﴿رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِیْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ﴾ (ابراھیم: ۳۷)

Marfat.com

”اے ہمارے رب میں نے تیری عزت والے گھر کے پاس بے آب و گیاہ وادی میں اپنی اولاد اس لیے بسائی ہے کہ یہ تیری نماز قائم کریں۔ اے اللہ لوگوں کے دلوں میں ان کے پاس آنے کا شوق پیدا فرما انھیں پھلوں کا رزق دے شاید یہ شکر گزار بنیں۔“

اور اللہ نے اپنے اطاعت شعار بندے کو جس طرح شرف قبولیت بخشا وہ اب کوئی راز نہیں۔ جب وہ اطاعت خداوندی میں ان دو برگزیدہ جانوں کو اس وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ کے رخصت ہونے لگا تو مجسم وفا و رضا، پیکر حیا بیوی نے پوچھ ہی لیا:

یا ابراهیم من امرك ان تترکنا بارضٍ لیس فیهازرع ولا صرع ولا ماء ولا زاد ولا انیس۔

”اے ابراہیم تجھے کس نے یہ حکم دیا ہے کہ تو میں ایسی جگہ چھوڑے جا رہا ہے جہاں نہ نباتات ہے نہ خوراک نہ پانی اور نہ ہی کوئی انیس و غمگسار۔“

جواب دیا:

ربی امرنی۔

”میرے مالک نے مجھے حکم دیا ہے۔“

اور ایمان و ایقان سے مالا مال بیوی نے جواب دیا:

فانهٗ لا یضیعنا [1]۔

”پھر وہ ہمیں ضائع نہیں ہونے دے گا۔“

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی اہلیہ ہاجرہ کی اسی للّٰہیت، اطاعت الٰہی، اخلاق اللہ کے خزانوں اور اس کی رحمتوں پر توکل کا اعجاز تھا اور اعلیٰ مقصد کے لیے ایثار و قربانی کا نتیجہ تھا کہ اللہ مختار کل نے معجزاتی طور پر بچے کے ایڑیاں رگڑنے کی جگہ پر چشمہ زمزم جاری کر دیا۔ جو ایک طرف ماں بیٹے کے لیے سامان زیست بنا اور دوسری طرف حرم کی سرزمین پر آبادی کا ذریعہ بنا۔

[1] قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کی دعا اور میاں بیوی کا مکالمہ بنی اسرائیل کی ساری روایات کی تردید کے لیے کافی ہیں۔ جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ سارہ نے ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ ہاجرہ اور اس کے بیٹے کو کسی دور افتادہ جگہ پر چھوڑ آؤ۔

Marfat.com

تھوڑے ہی عرصے بعد بنو جرہم کا ایک قبیلہ آ کر حضرت ہاجرہ کی اجازت سے مکہ میں آباد ہو گیا۔ یہ لوگ جرہم بن قحطان بن عیبر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح کی اولاد تھے اور اسی طرح حضرت اسماعیل ہی کے خاندان کی دوسری شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔

ازواج واولاد

جیسا کہ حضرت ابراہیم اور جرہم دونوں کے شجرہ سے ظاہر ہے کہ یہ دو بھائیوں عابر اور عیبر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح کی اولاد تھے۔ لہٰذا بنو جرہم حضرت اسماعیل علیہ السلام کے شرف نسب سے پوری طرح آگاہ تھے۔ آپ نے اپنا بچپن، لڑکپن اور جوانی انہی میں گزاری تھی۔ وہ آپ کے اوصاف حمیدہ اور سیرت و کردار سے بہت متاثر ہوئے۔ ذبح عظیم کا وقعہ ان کی موجودگی میں پیش آیا تھا۔ اس آزمائش میں باپ بیٹے کی استقامت سے بہت متاثر ہوئے۔ پھر ان کے آباء کے منہدم شدہ قبلہ کی تعمیر نو بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں ان کی موجودگی میں ہوئی جس سے حضرت اسماعیل کو ان کے ہاں تقدس و سیادت حاصل ہو گئی تھی۔ لہٰذا بنو جرہم کے سردار مضاض بن عمرو جرہمی نے اپنی بیٹی سیدہ بنت مضاض سے ان کا نکاح کر دیا۔

انہی سیدہ بنت مضاض سے آپ کے بارہ بیٹے پیدا ہوئے۔ سیدہ کا نام رعلہ بنت مضاض تھا۔ آپ کے بیٹوں کے نام یہ ہیں:

نابت، قیدار، اذبل، منشا، مسمعا، ماشی، دما، اذر، طیما، یطور، نبش اور قیذ ما۔ یہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گزر اوقات آب زمزم، وادی سے باہر کی کھجوروں، شکار اور جانوروں کے دودھ پر تھی۔ آپ نے تاریخ مکہ کے مصنف ابی الولید محمد بن عبداللہ بن احمد الارزقی کے مطابق ۱۸۹۲ ق م میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی۔ آپ نے بہ اختلاف روایات ۱۳۰ یا ۱۳۷ سال کی عمر میں وفات پائی اور اپنی والدہ [1] کے ساتھ حجر (حطیم) میں دفن ہوئے۔ اس طرح اندازہ یہ ہوتا ہے کہ آپ کی وفات اٹھارویں صدی قبل مسیح کے ابتدائی سالوں میں ہوئی۔

---

[1] جدید عصری تحقیق کے مطابق آپ کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ شہنشاہ مصر رقیونؔ کی بیٹی تھیں۔ رقیون شاہ مصر نے حضرت ابراہیم سے متاثر ہو کر اپنی بیٹی کا نکاح آپ سے کر دیا تھا۔ ←

۱۳۹۱۵۲
Marfat.com

قدیم تاریخ عرب پردۂ اخفا میں

اہل عرب کی طرح بنو اسماعیل ایک امی قوم تھی اور ان میں تحریر کا رواج نہ تھا۔ نبی اکرم ﷺ کی بعثت تک ان میں تاریخ نویسی کا کوئی تصور نہ تھا۔ خود مسلمانوں میں بھی تاریخ نویسی بنوعباس کے دور میں شروع ہوئی جب تدوین حدیث کا کام پورے زور سے جاری تھا۔ یہاں بھی تاریخ نویسی کے کام کی ابتدا سیرت النبی ﷺ کی تدوین کے مقدس کام سے ہوئی۔ چنانچہ سیرت پر اولین کتاب عروہ بن زبیر (م: ۲۹ھ) کی کتاب مغازی عروہ بن زبیر ہے۔ پھر ابان بن عثمان (م: ۱۰۵ھ) کی کتاب پھر وہب بن منبہ (م: ۱۱۲ھ) کی مغازی ہے۔ عام تاریخ نویسی پر کام اس کے بہت بعد میں شروع ہوا۔

اس دور میں بھی قدیم تاریخ عرب کے سلسلے میں جزیرہ نمائے عرب میں میسر آنے والے کتبات، قدیم شعراء کے کلام اور زبانی روایات پر انحصار مجبوری تھی اور اس کے ساتھ اسرائیلی غیر مصدقہ روایات بھی تاریخ نویسی کا ذریعہ تھیں۔ بعد میں جدید دور میں آثار قدیمہ کی تحقیق و تفتیش

← حضرت ابراہیم نے جب حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو مکہ میں بسایا تو رقیون نے غلہ کی ترسیل کے لیے دریائے نیل سے بحیرۂ قلزم تک نہر بھی کھدوائی تھی۔ اسرائیلی کتب میں یہ بات بڑی شدومد کے ساتھ درج ہے کہ ہاجرہ حضرت ابراہیم کی بیوی نہیں آپ کی اہلیہ حضرت سارہ کی لونڈی تھیں جو شاہ مصر نے ان کی کرامت سے متاثر ہو کر انہیں عطا کی تھیں۔ یہ لونڈی حضرت سارہ نے خود دی تھیں اور وہ یوں ام الولد ٹھہریں۔ یہ صریح طور پر خلاف واقعہ بات ہے۔ مگر بدقسمتی سے اسرائیلی روایات ہی سے اسلامی تاریخ میں جگہ پا گئی ہے۔ محسوس یہ ہوتا ہے کہ یہودیوں نے جو اپنی نسلی برتری کے دعویدار ہیں۔ یہ روایت اس دور میں تراشی ہے۔ جب بنو اسماعیل کے ساتھ ان کا تصادم ہوا ہے۔ یہود کی یہ روایت رہی ہے کہ جب بھی ان کا کسی قوم سے تصادم ہوا ہے انہوں نے اس کے نسب میں کیڑے نکالے ہیں۔ چنانچہ جب ان کا تصادم عمونیوں اور اموریوں سے ہوا جو حضرت لوط کی اولاد تھے۔ انہیں ولد الزنا ثابت کرنے کے لیے خود حضرت لوط علیہ السلام کی کردار کشی سے بھی گریز نہیں کیا۔ یہاں بنو اسماعیل سے نسب کی برتری ثابت کرنے کی کوئی سبیل اس کے سوا نہ تھی کہ انہیں لونڈی زادے ثابت کیا جائے۔ اس لیے کہ اسماعیل علیہ السلام اسحاق علیہ السلام کے بڑے بھائی بھی تھے اور پیغمبر بھی۔ اس طرح نسبی برتری بنو اسماعیل کا حصہ بنتی ہے۔

Marfat.com

میں میسر آنے والے کتبات سے بھی کچھ شواہد میسر آئے۔ تاہم ان سارے ذرائع تاریخ سے بعض واقعات تو میسر آ گئے ان بے ربط وقائع کو ہی تاریخ میں مرتب کر دیا گیا۔ البتہ کوئی مرتب تاریخ فراہم نہیں ہو سکی۔

اس طرح بنو اسماعیل کی تاریخ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات (اٹھارھویں صدی قبل مسیح) سے لے کر عدنان بن ادد تک کا پورا زمانہ کامل طور پر پردہ اخفا میں ہے۔

تاہم اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں تولیت کعبہ انہی کو حاصل تھی۔ بنو جرہم کا قبیلہ دین ابراہیمی قبول کر چکا تھا اور مکہ پر عملاً آپ کی حکومت تھی۔ آپ کی وفات کے بعد بنو جرہم کے سردار مضاض بن عمرو جو آپ کا سسر بھی تھا کعبہ کی تولیت پر متمکن ہو گیا۔ اس سلسلے میں بنو اسماعیل نے بھی اس سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ یا تو بنو اسماعیل نے اپنے نانا سے کوئی اختلاف نہیں کیا یا چونکہ یہ کل بارہ افراد تھے اور ان کے لیے بنو جرہم کے سردار سے اختلاف ممکن نہ تھا۔ وجہ کچھ بھی ہو مضاض جرہمی تولیت کعبہ پر قابض تھا اور یمن سے شام اور مغربی ممالک کو جانے والے تجارتی قافلوں سے ٹیکس بھی وصول کرتا تھا۔ مضاض ہی کے زمانے میں تہامہ سے عمالقہ کا ایک قبیلہ نقل مکانی کر کے مکہ کی مغربی جانب آ کر آباد ہو گیا۔ تولیت کعبہ پر مضاض ہی فائز رہا۔ البتہ عمالقہ کا سردار اپنی جانب سے گزرنے والے قافلوں سے ٹیکس وصول کرنے لگا۔ آخر کار عمالقہ اور جرہم کے درمیان جنگ ہوئی جو خانہ کعبہ کے عین جنوب مشرق میں جبل فاضع کے قریب لڑی گئی اس جنگ میں بنو اسماعیل نے اپنے ننھیال بنو جرہم کا ساتھ دیا۔ عمالقہ کو شکست ہوئی اور ان کا سردار سمیدع قتل ہو گیا اور یوں تولیت کعبہ کے علاوہ مکہ پر بنو جرہم کو مکمل اقتدار حاصل ہوا۔

نقل مکانی اور اولاد اسماعیل کے علاقے

بعد میں جب فرزندان اسماعیل علیہ السلام کی اولاد پھیل کر بارہ قبائل کی شکل اختیار کر گئی تو کسی وقت بنو اسماعیل کے مختلف قبائل ہجرت پر مجبور ہو گئے وجہ غالباً یہ ہوئی کہ وہ تولیت کعبہ سے تو محروم تھے ہی۔ مکہ پر بھی بنو جرہم اقتدار میں تھے اور تجارتی قافلوں سے حاصل ہونے والے ٹیکس سے بھی وہی متمتع ہو رہے تھے۔ بنو اسماعیل جن کا ذریعہ معاش اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کی پرورش تھی۔ اپنے گلوں کو لے کر زرخیر علاقوں کی تلاش میں ہجرت پر مجبور ہو گئے۔

Marfat.com

اس طرح صرف قیدار کی اولاد مکہ اور اس کے گرد و نواح میں آباد رہی۔ بنو نابت شمال مغرب میں عراق کے کنارے پر آباد ہوئے اور آہستہ آہستہ بیئرا تک کے علاقے تک پھیل گئے۔ بنو اذبل نے بنو قیدار اور بنو نابت کے درمیانی علاقے میں سکونت اختیار کی۔ بنو دوما نے حجاز اور بحیرہ قلزم کے درمیان تھامہ کو جائے سکونت ٹھہرایا۔ مسمعا کی اولاد نے شمال مغرب میں میسوپوٹامیہ میں قیام کیا۔ بنو مبشا جنھیں بنو مسماع بھی کہتے ہیں۔ نجد میں آباد ہوئے۔ بنو جدر، بنو قیدما اور بنو مسمعا کے بعض قبائل یمن میں جا آباد ہوئے۔ بنو نبیش نے ربع الخالی کے کنارے سکونت اختیار کی۔ اور بنو یطور بنو نبیش کے شمال اور بنو قیدار کے مشرق میں جبل الشیخ کے قرب و جوار میں جا اترے جبکہ بنو طیما نے خلیج فارس کے ساحلی علاقے کو اپنے لیے منتخب کیا۔ البتہ بنو مبشام کے تذکرے سے تاریخ خاموش ہے۔

اندازہ یہ ہوتا ہے کہ شمال کے بنی اسماعیل میں بنو قیدار کو اتنا اقتدار نصیب ہوا کہ قریبی اقوام شمال کے تمام اسماعیلیوں کو بنو قیدار کے نام سے جانتے تھے۔ بنو قیدار مغرب میں بحر احمر کے ساتھ ساتھ خلیج عقبہ اور دوسری طرف اندرون حجاز تک پھیلے ہوئے تھے اور بنو اسرئیل سے ان کا ٹکراؤ ہوتا رہتا تھا۔ انھوں نے یہاں کوئی منظم حکومت قائم نہیں کی تھی۔ البتہ قبائلی نظام کے تحت انھیں اس علاقے میں مکمل اقتدار و احترام حاصل رہا۔ بنو جرہم کے تولیت کعبہ اور مکہ پر قبضہ کے بعد اگرچہ بنو قیدار بھی مکہ سے نکل کر حجاز میں پھیل گئے تھے۔ تاہم بنو جرہم کے ساتھ ان کے تعلقات نہایت خوشگوار رہے اور بنو جرہم کے ہاں ان کو احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ محسوس ہوتا ہے کہ مشرق اور جنوب میں ہجرت کر کے جانے والے قبائل گردش زمانہ میں یا تو ناپید ہو گئے۔ یا وہاں کی آبادی میں ضم ہو گئے اور حضرت اسماعیل کی اولاد حجاز سے عراق کے کنارے تک اور خلیج عقبہ تک ان کے دو بیٹوں نائب اور قیدار کی نسل سے بکثرت پھیلی۔

بنو قیدار کا نام ہمیں داود علیہ السلام کی زبور میں ملتا ہے۔ جس کا زمانہ دسویں صدی قبل مسیح کا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے حضرت داود علیہ السلام نے اپنی حکومت سے قبل کچھ وقت بنو قیدار کے خیموں میں گزارا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی بنو قیدار کا ذکر فرماتے ہیں۔ بنو قیدار کے علاقے سے ملنے والے بعض کتبات سے معلوم ہوتا ہے اسیریا کے بادشاہوں نے ۷۴۵ ق م سے لے کر ۶۲۶ ق م تک اس علاقے کو اپنی ریاست میں شامل کرنے کی غرض سے متعدد تاختیں کیں مگر وہ علاقے پر

Marfat.com

غلبہ حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ تاہم ۶۲۶ ق م کے بعد کسی ایسی تاخت کا پتہ نہیں چلتا۔ ان چند بکھری اطلاعات کے سوا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات سے لے کر ۵۶۸ ق م میں بخت نصر کے حملہ تک بنو قیدار کی تاریخ کے بارے میں بالخصوص اور بنو اسماعیل کے دوسرے قبائل کے بارے میں بالعموم کسی نوعیت کی کوئی اطلاع تاریخ کے صفحات میں میسر نہیں آتی۔

عدنان بن ادد

اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں چھٹی صدی قبل مسیح میں عدنان بن ادد کو شمال مغربی عرب میں رہنے والے بنو نابت، بنو ادبل اور بنو قیدار کے قبائل میں جو اس زمانے میں مجموعی طور پر بنو قیدار کہلاتے تھے۔ آپ کو بہت شرف و اقتدار نصیب ہوا۔ یہ وہ شخصیت ہے جسے تاریخ عرب کبھی بھلا نہیں سکی۔ اس لیے بھی کہ اپنے زمانے میں انھیں بنو اسماعیل میں جو شرف و اقتدار نصیب ہوا وہ ماضی میں بنو اسماعیل میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ اس لیے بھی کہ اس کی اولاد اس کثرت سے پھیلی کہ عرب کے تمام قبائل کا سلسلہ نسب اسی سے منسوب ہے اور اس لیے بھی کہ امام الانبیاء، فخر موجودات، خاتم المرسلین، رحمۃ للعالمین، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و امی وعرضی وعرض آبائی انہی کی اولاد ہیں۔ آپ کا شجرہ نسب ادد تک پشت بہ پشت محفوظ ہے۔

عدنان بن ادد سے اوپر حضرت اسماعیل علیہ السلام تک اس لحاظ سے شجرہ محفوظ نہیں ہے کہ عدنان کے اجداد کے ناموں میں مختلف ناموں پر بھی اختلاف واقع ہوا ہے اور پشتوں کی تعداد پر بھی۔ حتیٰ کہ ابن قتیبہ اپنی کتاب المعارف میں عدنان کا شجرہ نسب قیدار بن اسماعیل علیہ السلام سے ملاتا ہے۔ الجوانی نے اپنی کتاب اصول الاحساب میں اور امام محمد المریدی نے اپنی کتاب روضۃ الالباب میں انھیں اولاد قیدار ہی میں شمار کیا ہے۔ جبکہ ابن ہشام اپنی شہرہ آفاق کتاب السیرۃ النبویہ اولاد نابت بن اسماعیل میں شمار کرتے ہیں۔ تاہم عدنان کے نسب میں اس اضطراب کے باوجود نساب اس بات پر متفق ہیں کہ عدنان اولاد اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ اس معاملے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہی سبب ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنا سلسلہ نسب عدنان تک بیان فرماتے اور اس سے اوپر کے بارے میں فرماتے کذب النسابون۔ نسابوں سے غلطیاں ہوئی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے "انی لا انتسب الیٰ معد، ولا ادری ماھو" ،"میں معد کی اولاد ہوں۔ وہ

Marfat.com

کون ہے میں نہیں جانتا۔'' یعنی مجھے نہیں معلوم کہ اس کے آبا کا شجرہ کیا ہے۔ اور وہ اسماعیل علیہ السلام کے کس بیٹے کی اولاد ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنی زبان وحی ترجمان سے جہاں عدنان کے شجرہ نسب میں اضطراب کی نشان دہی فرمائی ہے وہاں عدنان کے اولاد اسماعیل ہونے کی توثیق بھی آپ کی زبان مبارک سے وارد ہوئی ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت واثلہ بن الاسقع سے روایت نقل کی ہے:

سمعت من رسول الله ﷺ يقول ان الله اصطفیٰ كنانه من ولد اسماعيل واصطفیٰ قريشا من كنانه واصطفیٰ من قريش بنی هاشم واصطفانی من بنی هاشم۔

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اللہ نے اولاد اسماعیل میں سے کنانہ کو چن لیا پھر کنانہ میں سے قریش کو چن لیا اور قریش میں سے بنی ہاشم کو چن لیا اور بنی ہاشم میں سے مجھے چن لیا۔''

اسی طرح امام ترمذی نے آپ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے:

ان الله اصطفیٰ من ولد ابراهيم اسماعيل واصطفیٰ من ولد اسماعيل كنانه۔

''اللہ نے اولاد ابراہیم میں سے اسماعیل کو چنا اور اولاد اسماعیل میں سے کنانہ کو۔''

اوپر بیان کردہ ہر دو حدیث اس بات کو یقینی بنا دیتی ہیں کہ عدنان اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے ہیں اس لیے کہ فرمان رسالت مآب ﷺ کے مطابق آپ اولاد کنانہ میں سے تھے جبکہ کنانہ اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے تھے۔ جبکہ کنانہ کا متفق علیہ نسب یہ ہے: کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن نزار بن مضر بن معد بن عدنان۔

عدنان کا سال پیدائش کتب انساب میں ملتا ہے نہ وفات کے وقت اس کی عمر البتہ اتنا پتہ چلتا ہے ۵۶۸ ق م میں بیت المقدس پر بخت نصر کے حملے کے وقت وہ بقید حیات تھا اور اس وقت اس کے چھوٹے بیٹے معد کی عمر ۱۲ سال تھی یوں معد کی پیدائش ۵۵۶ ق م بنتی ہے۔ جبکہ عدنان کا بڑا بیٹا عک شادی کر کے یمن میں آباد ہو چکا تھا۔ خود عدنان کو اس وقت تک شمال مغرب کے تمام اسماعیلی قبائل میں سرداری کی حیثیت حاصل ہو چکی تھی۔ اس طرح اندازاً عدنان کی پیدائش

Marfat.com

ساتویں صدی قبل مسیح میں بنتی ہے۔

ہم قبل ازیں تحریر کر چکے ہیں کہ ۷۴۵ ق م سے ۶۲۶ ق م تک اسیریا کے بادشاہوں نے بنو قیدار پر غارتیں کی ہیں۔ آخری غارت ۶۲۶ ق م میں غالباً عدنان کے والد ادد کے زمانے میں ہوئی۔ ان آئے دن کی آویزشوں نے بنو اسماعیل کے متحارب قبائل کو باہم متحد ہونے پر مجبور کر دیا اور متحدہ قیادت کا شرف عدنان کے حصے میں آیا۔ عدنان نے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے قبائل بنو اسماعیل کو اس حد تک منظّم کر دیا اور ایک ایسی قوت بنا دیا کہ پھر شاہان اسیریا نے غارت گری کی جرأت کبھی نہیں کی۔ تا آنکہ ۵۶۸ ق م میں عراق کے ایرانی گورنر بخت نصر نے شاہ ایران کی اجازت سے بیت المقدس پر حملہ کے لیے پیش قدمی کی۔ اس نے بنی اسرائیل پر حملے سے قبل بنو اسماعیل کے قبائل پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ہمیں نہیں معلوم ہو سکا اس حملے کے اصل محرکات کیا تھے۔ وہ بنو اسرائیل پر حملے سے قبل اپنی پشت محفوظ رکھنے کی غرض سے بنو اسماعیل سے نمٹ لینا چاہتا تھا جو بنو اسرائیل کے چچا زاد تھے۔ اور یوں اس خاندانی اشتراک کے سبب اسے خوف تھا کہ اگر ان قبائل نے بنو اسرائیل کی حمایت کا فیصلہ کر لیا تو عقب سے ان قبائل کے حملے خطرناک ہو سکتے ہیں۔ یا یہ محض مہم جوئی کا شوق تھا۔ وجہ کچھ بھی ہو۔ بخت نصر اپنی سرحد عبور کر کے جنوب میں بنو نابت کے علاقے میں داخل ہوا تو عدنان اسماعیلی قبائل کا لشکر لے کر اس کے مقابل آیا۔ ابتدائی جھڑپوں میں عدنان کو حزیمت اٹھانا پڑی مگر تیار ہو کر عدنان نے ذات عرق میں پورے عرب قبائل کی قوت جمع کر لی بخت نصر اور عدنان کی فوجیں کئی روز تک ایک دوسرے کے مقابل کیمپ کیے رہیں۔ مگر فریقین میں سے کسی نے بھی حملہ کرنے کی جرأت نہیں کی۔ بالآخر بخت نصر نے مزید پیش قدمی کو ناممکن سمجھتے ہوئے بنو اسرائیل کی طرف کوچ کیا اور عدنان نے اس کا تعاقب نہیں کیا۔ اس واقعہ کے نتیجے میں حجاز سے لے کر شمال میں عراقی حکومت کی سرحد تک اور مغرب میں بحر احمر کے ساحل تک عدنان کو مکمل اقتدار حاصل ہو گیا۔

عدنان سے قُصّی تک

قبائل بنو اسماعیل کے اس اتحاد اور عدنان کے مکہ کے گرد و نواح سے لے کر عراق تک کے علاقے میں بلا شرکت غیرے اقتدار کے دور میں بھی بنو قیدار نے بنو جرہم سے کوئی تعرض نہیں

Marfat.com

کیا اور وہ حسب سابق مکہ اور تولیت کعبہ پر متمکن رہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ بنو جرحم نے ذات عرق کے مقام پر جو مکہ سے عراق کے راستے پر دو منزل کے فاصلے پر ہے عدنان کا ساتھ دیا ہو۔ عدنان کی وفات کب اور کس عمر میں ہوئی اس کی کوئی مصدقہ اطلاع کتب انساب میں نہیں ملتی۔

کتب انساب اور شعرائے عرب کا کلام اس بات پر کامل اتفاق رکھتے ہیں کہ عدنان کے بیٹے معد کی اولاد بہت کثرت سے پھیلی اور ان کے قبائل نے پورے جزیزہ نمائے عرب میں مختلف مقامات پر سکونت اختیار کر لی۔ یوں عرب کے سارے ہی قبائل اپنے آپ کو عدنان ہی سے منسوب کرتے ہیں۔ ماسوائے چند یمنی قبائل کے۔ اس طرح تاریخ اس بات پر متفق ہے کہ عرب کی ساری آبادی دو شخصیتوں قحطان اور عدنان کی اولاد پر مشتمل ہے۔ البتہ قحطان کے بارے میں یہ اختلاف موجود ہے کہ قحطان سے مراد قحطان بن عبیر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح ہے۔ یا یہ قحطان اولاد اسماعیل میں سے ہے۔ ہوسکتا کہ قحطان بھی دو اشخاص ہوں۔ اس لیے کہ یہ بات تو طے ہے کہ بنو جرہم اولیٰ اس قحطان کی اولاد تھے جو ابنائے سام بن نوح میں تھا اور یہ بھی معلوم ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دو بیٹوں جدر اور قیدما اور مسمعا کی اولاد میں سے بھی بعض قبائل نے یمن میں سکونت اختیار کر لی تھی اور بنو قحطان بن عبیر بن شالخ کی اولاد میں ختم ہو گئے تھے۔ ممکن ہے کہ اولاد اسماعیل سے ایک اور شخصیت یمن میں ہو کہ مختلف قبائل عرب اس کی اولاد ہوں۔

عدنان سے لے کر نبی اکرم ﷺ تک تقریباً گیارہ صدیوں کی تاریخ پر پھر اخفا کا پردہ ہے مگر اتنا دبیز نہیں جتنا پہلی اٹھارہ صدیوں پر ہے۔ ایک تو اس لیے کہ عدنان سے لے کر آپ تک پوری اولاد عدنان کا شجرہ ماسوائے چند مستثنیات کے محفوظ ہے۔ نیز ہر دور کی چند ایک ہی صحیح روایات محفوظ ہیں جن سے اس دور کی کوئی مرتب تاریخ تو میسر نہیں آتی۔ تاہم کچھ نہ کچھ ماحولیاتی تاثر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ایک مشکل یہ ہے کہ سنین کے نقل کرنے کا رواج بالکل نہیں تھا۔ بلکہ ہر امی قوم کی طرح ان کی تقویم ہر نئے اہم واقع سے آغاز کرتی تھی۔ چنانچہ کعب کی وفات سے واقعہ فیل تک ایک تقویم چلتی رہی تو واقعہ فیل سے بعثت تک دوسری اور بعثت سے ہجرت تک تیسری تقویم چلتی رہی ہے اور اس کے بعد سے اب تک مستقل سنہ ہجری چل رہا ہے۔ تاہم ارد گرد کے ایسے واقعات جن کی تاریخیں یقینی ہیں ان کے تقابل سے بعض شخصیات کے زمانے کا تعین ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

عدنان کی اولاد

عدنان کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے۔ بڑے بیٹے کا نام عک تھا۔ اس کی شادی یمن میں اشعریوں کے ہاں ہوئی اور وہ نقل مکانی کر کے انہی کے ہاں آباد ہو گیا۔ انہی کے نسب میں ضم ہو گیا۔ بعد میں اس کی اولاد کا ایک حصہ چین میں چلا گیا اور کچھ لوگ خراسان میں جا کر آباد ہو گئے۔ البتہ معد مکہ کے گرد ونواح میں حجاز ہی میں رہا۔ معد کو اس علاقے میں سیادت واقتدار اس سے کہیں بڑھ کر نصیب ہوا جو اس کے والد عدنان کو حاصل تھا اس لیے کہ اس وقت بنو قیدار کے بقید السیف لوگوں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی تاہم معد کے بعد عرب کے سارے ہی لوگ اپنا سلسلہ نسب معد تک بیان کرتے ہیں حالانکہ یہ کیسے ممکن ہے کہ جن قبائل نے معد کی زندگی میں اس کے والد عدنان کے ساتھ مل کر بخت نصر کا مقابلہ کیا تھا۔ وہ سارے کے سارے لوگ معد کے دور میں ختم ہو گئے ہوں۔ بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ معد کو وہ عظمت وشرف میسر آیا اور اس نے اپنی محنت سے قبائل قیدار کو اس حد تک منظّم کر دیا کہ وہ ایک ہی قبیلہ کی شکل اختیار کر گئے اور معد ہی کے نام سے پہچانے جانے لگے۔ ہوسکتا ہے کہ بعد میں کچھ عرصہ کے بعد وہ اپنے نسب کا ادارک نہ رکھتے ہوں جیسے بنو رقید ماہ اور بنو جدر اور بعض قبائل بنو مسمعا کے ساتھ ہوا۔

بخت نصر نے جس وقت قبائل عرب پر حملہ کیا۔ اس وقت معد کی عمر بارہ سال تھی اور اللہ نے اس دور کے دو انبیاء بنی اسرائیل برخیاہ اور ارمیاہ کو وحی کی کہ معد کو لے کر حران میں چلے جائیں اور انھیں یہ بھی بتایا کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم انہی کی اولاد میں سے ہوں گے۔ لہٰذا وہ ایک عرصہ تک حران میں رہے پھر واپس حجاز میں تشریف لے آئے پھر انھوں نے مضاض جرہمی کی اولاد میں سے جوشم بن جلھمہ کی بیٹی معانہ بنت جوشم سے شادی کی۔ جوشم اس وقت عمان اور عدن کے درمیان ریسوت میں قیام پذیر تھے۔

معد بن عدنان کے چار بیٹے تھے۔ قضاعہ بن معد، نزار بن معد، قنص بن معد اور ایاد بن معد۔ قضاعہ یمن میں جا کر مالک بن حمیر کے پاس آباد ہو گیا۔ اس کی اولاد یمن میں پھیلی پھر کسی وقت وہاں سے نقل مکانی کر کے مدینہ منورہ کے شمال میں تبوک کے قریب تیما کے مغرب میں آباد ہو گئی مدینہ اس وقت یثرب کہلاتا تھا۔ قنص کی اولاد ختم ہو گئی۔ البتہ بعض ماہرین عرب کا خیال ہے

Marfat.com

کہ حیرہ کا حکمران نعمان بن المنذر اولاد قنص کے بقایا لوگوں میں سے تھا۔ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ چونکہ وہ ربیعہ بن نصر حاکم یمن کی اولاد میں سے ہے جو اسعد ابوکرب تُبع سے پہلے وہاں حاکم تھا۔ لہٰذا وہ یمنی ہے۔ تاہم حضرت جبیر بن مطعم بن عدی رضی اللہ عنہ نے اسے قنص کے بقایا میں سے بتایا ہے۔ حضرت عمر کے پاس جب حیرہ کے مال غنیمت میں نعمان بن مندر کی تلوار آئی تو آپ نے جبیر بن مطعم سے جنھوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے علم انساب سیکھا تھا۔ پوچھا نعمان بن مندر کن لوگوں میں سے تھا تو انھوں نے کہا قنص کے بقایا لوگوں میں سے تھا۔ اس سے یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ نہ صرف نعمان بن مندر اولاد قنص میں سے تھا بلکہ ربیعہ بن نصر حاکم یمن بھی اولاد قنص میں سے تھا۔ ہو سکتا ہے کہ قنص بھی اپنے بھائی قضاعہ کی طرح یمن میں جا کر آباد ہو گیا ہو۔ مگر اس کی کوئی شہادت نہیں ملتی۔ ایاد بن معد حجاز سے ہجرت کر کے یمامہ میں چلا گیا تھا۔ یمامہ کے ایاد بھی اولاد معد بن عدنان تھے۔ البتہ نزار بن معد حجاز ہی میں رہے اور ان کی اولاد حجاز ہی میں پھیلی معد کے بعد حجازی قبائل میں نزار کو سرداری میسر رہی۔

اولاد نزار بن معد

نزار بن معد کے چار بیٹے تھے۔ مضر بن نزار، ربیعہ بن نزار، انمار بن نزار اور ایاد بن نزار۔ ابن اسحاق نے نزار کے صرف تین بیٹوں کا ذکر کیا ہے مضر، ربیعہ اور انمار۔ تاہم ابن ہشام نے چوتھے بیٹے کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور سند کے طور پر الحارس بن دوس کا یہ شعر پیش کیا ہے۔

وفتــو حســن اوجهھــم

مــن ایــاد بــن نــزار بــن معد

''وہ ایاد بن نزار بن معد کے خوبصورت جوان ہیں۔''

مضر اور ایاد کی ماں سودہ بنت عک بن عدنان جبکہ ربیعہ اور انمار کی ماں شقیقہ یا جمعہ بنت عک تھی۔

اولاد نزار بن معد میں سے ربیعہ کی اولاد حجاز سے نقل مکانی کر کے خلیج فارس کے قریب الاحساء اور الدھنا کے علاقے میں پھیلی۔ ربیعہ کی اولاد دو بڑی شاخوں بنو اسد اور بنو ضبیعہ میں منقسم ہوئی اور بنو اسد میں بنو بکر بن وائل اور بنو تغلب اور عنز کے تمام قبائل شامل ہیں اسی طرح بنو

Marfat.com

عبدالقیس، بنوحنیفہ اور بنو عجل کے سارے قبائل شامل ہیں۔ بنو بکر بن وائل میں سے مرہ اور اس کے دونوں بیٹوں ہمام اور جساس نے بہت شہرت پائی ہے یہ جساس وہی ہے جس نے بنو تغلب کے سردار کلیب بن ربیعہ بن مالک کو قتل کر دیا تھا اور یوں بنو بکر اور بنو تغلب کے درمیان مشہور جنگ حرب بسوس چھڑ گئی۔ اسی طرح بنو عنز بھی ربیعہ کی اولاد سے ہیں جبکہ حسدوس اور لھازم کے قبائل بھی بنو اسد بن ربیعہ ہیں۔ اسی طرح نزار بن معد ہر درجہ ذیل قبائل آپ کے شجرہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ بنو بکر، بنو تغلب، بنو عنز، بنو عبدالقیس، بنو حنیفہ، بنو عجل، سدوس، لہازم، بنو انمار، بنو ایاد۔ مشرق عرب کا مشہور سخی کعب بن مامہ اور مشہور خطیب قس بن ساعدہ بنو ایادہی میں سے تھے۔ قس بن ساعدہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں تھا۔ حج پر آپ نے اسے تقریر کرتے سنا ہے۔ بعثت سے پہلے فوت ہو گیا تھا۔

اولاد مضر بن نزار

اولاد نزار میں سے مضر حجاز میں رہے۔ مضر کے دو بیٹے تھے الیاس اور قیس عیلان۔ قیس عیلان کے بارے میں یہ روایت ملتی ہے کہ اس کا اصل نام قیس تھا عیلان یا تو اس کے گھوڑے کا نام تھا یا کتے کا۔ جو بہت تیز رفتار تھے۔ ان کی شہرت کے سبب عیلان اس کے نام کا حصہ بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے قیس کو کثرت اولاد سے نوازا اور اس کی اولاد مختلف قبائل کی صورت میں نجد اور حجاز میں مدینہ منورہ کے شمال سے لے کر مشرق میں نجد تک اور جنوب میں طائف تک پھیل گئے۔ تمام قبائل غطفان، تمام قبائل ہوازن جن میں بنو سعد بن بکر، بنو کلاب، بنو کعب، بنو جشم، بنو کعب بن ربیعہ، بنو منتفق، بنو خفاجہ، بنو ساول و بنو ثقیف شامل ہیں۔ بنو قیس عیلان میں بنو عبس و ذبیان و عدوان و باھلہ اور بنو سلیم کے قبائل جن میں رعل ذکوان عصیہ اور زعب بن مالک شامل ہیں۔ مضر پر ان قبائل کا شجرہ نبی ﷺ سے مل جاتا ہے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ اولاد قیس عیلان کی شاخ بنو سعد بن بکر سے تھیں۔

اولاد الیاس

الیاس بن مضر اور ان کی اولاد حجاز ہی میں رہے اور ان کی اولاد مکہ کے گرد و نواح میں

Marfat.com

آباد ہوئی۔ الیاس بن مضر کے تین بیٹے تھے۔ الیاس دین ابراہیمی پر تھے اور اپنی اولاد میں نبی آخرالزمان کے آنے کی بشارت دیتے تھے۔ (فتح الباری: ۴/۲۸۴)

مدرکہ بن الیاس، طانجہ بن الیاس اور معد بن الیاس۔ ان سب کی ماں لیلیٰ بنت عمران بن الحاف بن قضاعہ تھی۔ جو خندف کے لقب سے اتنی مشہور ہوئی کہ اس کی اولاد اسی کے نام سے پہچانی جاتی تھی، وجہ اس کی یہ ہوئی کہ اولاد ابھی چھوٹی ہی تھی کہ الیاس فوت ہو گیا۔ بیوی کو اپنے میاں سے اتنی محبت تھی کہ وہ غم میں پاگل ہوگئی اور کم عمر بچوں کو چھوڑ کر جزیرہ نمائے عرب میں ماری ماری پھرتی رہی اور الیاس کے غم میں روتی رہتی تھی۔

قمعہ بن الیاس یمن میں چلا گیا اور اولاد عمرو بن عامر میں شامل ہو گیا۔ طانجہ کی اولاد میں بنو تمیم، بنو ضبہ، بنو الرباب اور مزینہ الیاس پر آپ کے شجرہ نسب سے متصل ہو جاتے ہیں۔ یہ قبائل بنو حنیفہ اور مکہ کے درمیان یمامہ کے قریب آباد ہو گئے۔ جبکہ مدرکہ اور اس کی اولاد مکہ کے گردونواح میں آباد رہے۔

اولاد مدرکہ

مدرکہ کو اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے خزیمہ بن مدرکہ اور ہذیل بن مدرکہ عطا کیے۔ ان دونوں کی ماں بنو قضاعۃ میں سے تھی۔ مدرکہ پر بنو ہذیل کا سلسلہ نسب آپ سے مل جاتا ہے۔

بنو خزاعہ کا استیلاء

مدرکہ کے دور میں مکہ کی تاریخ کا اہم ترین حادثہ پیش آیا جس نے عرب میں ایک نئے دین کو جنم دیا۔ ۱۱۵ ق م میں مآرب کا بند ٹوٹا تو بنو قحطان کے قبائل ترک وطن پر مجبور ہو گئے۔ ان کا مشترکہ سردار عمرو بن عامر بن حارثہ ابن امرئ القیس بن ثعلبہ بن اسد تھا۔ اس کے ہمراہ ارز بنو غسان اور قضاعہ کے لوگ تھے۔ یہ یمن سے چلے ہیں تو مختلف مقامات پر قیام کرتے ہوئے مکہ کے قریب مرالظہران کی وادی میں اترے۔ یہاں سے ارد عمان کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور عمان میں جا کر آباد ہو گئے۔ حارثہ کے دو بیٹے اوس اور خزرج اور ان کی اولاد یہاں سے روانہ ہو کر یثرب میں آباد ہو گئے جبکہ حارثہ کے تیسرے بیٹے جفند اور اس کی اولاد نے سرحد شام پر سکونت

Marfat.com

اختیار کی وہ لوگ بنو غسان کہلائے۔ انھوں نے وہاں غلبہ واقتدار حاصل کر کے حکومت قائم کر لی جو تاریخ میں ریاست بنو غسان کے نام سے مشہور ہوئی اور تقریباً چار صدی سے زیادہ عرصہ تک قائم رہی یہ رومی سلطنت کے باجگزار تھے۔ یمن سے آنے والے لوگوں میں سے ایک بہت بڑی تعداد مرالظہران میں ہی رک گئی ان کا سردار ربیعہ بن حارثہ بن عمرو بن عامر ماء السما تھا۔ ان لوگوں نے بنو جرہم سے جو خانہ کعبہ کے متولی تھے۔ یہ درخواست کی کہ ہمیں اپنے قرب وجوار میں مرالظہران میں ایک سال کے لیے رہنے دیں پھر ہم جہاں مناسب جگہ میسر آئے گی چلے جائیں گے۔ یہ جگہ آج کل وادی فاطمہ کے نام سے ایک زرخیز وادی ہے۔ بنو جرہم نے انکار کیا۔ یوں ان کے درمیان اک خون ریز جنگ ہوئی جس میں بنو جرہم کو شکست ہوئی۔ اور بنو خزاعہ تولیت کعبہ اور سرزمین کعبہ ہر دو پر قابض ہو گئے۔ لگتا ہے کہ یہ مدرکہ بن الیاس کا دور تھا۔ اس وقت خزاعہ کا سردار ربیعہ بن حارثہ تھا۔ جو لحیٰ کے لقب سے مشہور ہوا۔ اور لحی کا بیٹا عمرو بن لحی مدرکہ کے بیٹوں خزیمہ اور ہذیل کا ہم عصر تھا۔ اس طرح یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ مدرکہ پہلی صدی قبل مسیح میں موجود تھا۔

ہم قبل ازیں تحریر کر چکے ہیں کہ عدنان ۵۶۸ ق م میں بخت نصر کے حملے کے وقت قبائل قیدار کا مشترکہ سردار تھا اور اس کا بیٹا معد اس وقت بارہ سال کا تھا۔ جبکہ نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت ۵۷۱ء میں ہوئی۔ اس طرح بخت نصر کے حملے سے لے کر آپ کی ولادت تک ۱۱۳۹ سال کا فاصلہ بنتا ہے جبکہ عبداللہ بن عبدالمطلب تک بیس پشتیں بنتی ہیں اور دو پشتوں کے درمیان اوسط عرصہ تقریباً ستاون سال بنتا ہے۔ جبکہ مدرکہ سے عدنان تک سات پشتیں بنتی ہیں اس طرح عدنان اور مدرکہ کی پیدائش اس اوسط کے حوالے سے تقریباً چار صدی کا واسطہ بنتا ہے۔ اس طرح یہ بات تقریباً یقینی ہو جاتی ہے کہ عرم کا بند مدرکہ کی زندگی میں ٹوٹا اور خزاعہ اس کی زندگی کے بعد دوسری صدی عیسوی میں کسی وقت قابض ہوئے۔

خانہ کعبہ میں بت

خانہ کعبہ کو سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ وہ عمارت طوفان نوح میں مسمار ہو گئی پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کعبہ کی جگہ خود بتائی اور انھوں نے حضرت

Marfat.com

اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر اسے دوبارہ تعمیر کیا۔ یہ گھر اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر خانہ کعبہ کے وقت ایک دعا فرمائی تھی:

﴿وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ﴾ (ابراہیم:۳۵)

''اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب اس شہر کو امن دینے والا شہر بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے بچالے کہ ہم بتوں کی پوجا کریں۔''

اولاد ابراہیم علیہ السلام میں سے بنو اسماعیل دین ابراہیمی پر رہے اور خانہ کعبہ بتوں سے قطعی طور پر پاک تھا۔ پہلی صدی عیسوی میں جب بنو خزاعہ مکہ پر قابض ہوئے تو اس کا سردار ربیعہ بن حارثہ کا بیٹا عمرو بن ربیعہ تھا۔ جو عمرو بن لحی کے نام سے مشہور ہوا۔ قدرت نے اسے اقتدار اور دولت ہر دو سے نوازا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بیس ہزار اونٹوں کا مالک تھا۔ اسے عرب میں رفتہ رفتہ اتنا اقتدار نصیب ہوا کہ اس کا فرمایا دین قرار پاتا تھا۔ یہی وہ شخص ہے جو پہلی بار خانہ کعبہ میں بت لایا اور اس نے بت پرستی کو رواج دیا اور بت پرستی کی بنیاد پر ایک الگ طرز حیات کی بنیاد رکھی جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پورے عرب کا دین قرار پائی۔

عمرو بن لحی

بنو خزاعہ اپنے آپ کو اولاد عمرو بن لحی قرار دیتے ہیں۔ عمر بن لحی کے بارے میں ماہرین انساب کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ بنو خزاعہ کا کہنا یہ ہے کہ ان کا شجرہ نسب یہ ہے:

بنو عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو بن عامر بن حارثہ بن امرئ القیس بن ثعلبہ بن مازن بن اسد بن الغوث یوں وہ اپنے آپ کو بنو قحطان گنتے ہیں جبکہ بنو مضر کے نساب کا کہنا ہے کہ عمرو بن لحی بنو اسماعیل میں سے تھا۔ بنو مضر کے نساب کی تائید ایک حدیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اکثم بن جون الخزاعی سے فرمایا:

یا اكثُ رأیت عمرو بن لحی بن قمعه بن خندف یحر قصبة فی النار، فما رایت رجلا اشه برجلٍ منك به فقال اكثم: عسی ان

Marfat.com

یضرنی شبهه یا رسول الله قال لا انك مومن وهو كافر، انهٗ كان اول من غير دين اسماعيل، فنصب اوثان، وبحر البحيره، سيب السائبه وحمى الحامى۔

"اے اکثم میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف کو دیکھا ہے وہ آگ میں اپنی آنتیں گھسیٹتا پھرتا تھا۔ میں کسی شخص کو کسی شخص سے اس سے زیادہ مشابہ نہیں پاتا جتنا تو اس سے ہے۔ اکثم نے عرض کیا یا رسول اللہ شاید یہ مشابہت مجھے نقصان دے۔ آپ نے فرمایا نہیں تو مومن ہے اور وہ کافر، وہ پہلا شخص تھا جس نے دین اسماعیل کو بدلا۔ تب بت نسب کیے بحیرہ، سائبہ اور حامی کو رواج دیا۔"

یہ حدیث اس کی تصدیق کر دیتی ہے کہ مضر کے نساب درست کہتے ہیں۔ عمرو بن لحی کا شجرہ نسب عمرو بن لحی (ربیعہ) بن قمعہ بن الیاس ہے اور وہ اسماعیلی ہی ہے۔

بت پرستی کا رواج

ابن ہشام نے بعض اہل علم کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ عمرو بن لحی شام میں کسی کام سے گیا۔ واپسی پر بلقاء میں عمالقہ کے ہاں ٹھہرا۔ وہاں اس نے ان لوگوں کو بتوں کی عبادت کرتے دیکھا۔ اس نے پوچھا یہ کیسے بت ہیں جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ انھوں نے کہا ہم ان سے بارش مانگتے ہیں تو بارش ہو جاتی ہے۔ ہم ان سے مدد مانگتے ہیں تو یہ ہماری مدد کرتے ہیں۔ اس نے کہا ان میں سے ایک مجھے دے دو کہ میں اسے مکہ میں لے جاؤں چنانچہ انھوں نے اسے ہبل نامی ایک بت دیا۔ جو اس نے لا کر مکے میں خانہ کعبہ کے اندر نصب کر دیا۔ اس طرح عرب میں بت پرستی کا رواج ہو گیا۔

ہوسکتا ہے کہ ابن ہشام کی یہ روایت درست ہو کہ عمرو بن لحی ہبل کا بت شام لایا ہو۔ ورنہ وہ یمن سے ہجرت کر کے مکے میں آیا تھا۔ اور وہاں قحطانیوں میں بت پرستی عام تھی۔ وہ ود، سواع، یعوق اور یغوث اور نسر کی پوجا کرتے تھے۔ اور یہ بت عمرو بن لحی نے ہی عرب میں مختلف مقامات پر نصب کروائے تھے۔

ہمیں قرآن مجید میں دو مقامات پر مصحف ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ملتا ہے۔ النجم میں اور

Marfat.com

الاعلیٰ میں ہر دو مقامات پر ان تعلیمات کا بھی تذکر کیا گیا ہے۔

﴿وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى ۝ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۝ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۝ ثُمَّ يُجْزٰهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ۝ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ۝ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ۝ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ۝ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ۝ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ۝ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ۝ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ۝ وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَا الْاُوْلٰى ۝ وَثَمُوْدَ فَمَا اَبْقٰى ۝ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ۝ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ۝ فَغَشّٰهَا مَا غَشّٰى ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى﴾ (النجم ۳۷ تا ۵۵)

”کیا وہ ان باتوں سے آگاہ نہیں ہوا جو موسیٰ اور اس ابراہیم کے صحیفوں میں ہے جس نے وفا کی انتہا کر دی یہ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کے لیے اس کے سوا کچھ نہیں جس کی اس نے سعی کی ہے اور یہ کہ اس کی سعی عنقریب دیکھی جائے گی۔ پھر اس کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔ اور یقیناً پہنچنا تیرے رب ہی کے پاس ہے۔ اور یہ کہ اسی نے ہنسایا ہے اور اسی نے رلایا ہے اور یہ کہ اسی نے موت دی اور اسی نے زندگی بخشی۔ اسی نے پانی کی بوند سے جب وہ ٹپکائی جاتی ہے نر اور مادہ کا جوڑا پیدا کیا۔ دوبارہ زندگی بخشنا اسی کا ذمہ ہے اور یہ کہ اسی نے غنی کیا اور جائیداد بخشی اور یہ کہ وہ شعریٰ کا رب ہے۔ اور یہ کہ اسی نے عاد اولیٰ کو ہلاک کیا اور ثمود کو ایسا مٹایا کہ کسی کو باقی نہیں چھوڑا اور ان سے پہلے قوم نوح کو تباہ کیا۔ بے شک وہ ظالم و سرکش لوگ تھے۔ اور اوندھی کرنے والی بستیوں کو اٹھا پھینکا اور اس نے ان پر وہ چھا دیا جو چھا دیا۔ پس اے مخاطب تو اپنے رب کی کن قدرتوں میں شک کرے گا۔“

Marfat.com

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۝﴾

(الاعلیٰ:۱۴تا۱۹)

"فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا پھر نماز پڑھی۔ مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے۔ یہی بات پہلے آئے ہوئے صحیفوں میں بھی کی گئی ہے۔ ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔"

اسی طرح قرآن مجید اس بات کا بھی اشارہ دیتا ہے کہ حضرت اسماعیل پر بھی کتاب اللہ نازل ہوئی۔

﴿وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ﴾

(البقرہ:۱۳۶)

"اور جو کچھ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب پر نازل کیا گیا۔"

﴿قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ﴾ (ال عمران:۸۴)

"کہہ دو ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور جو نازل کیا گیا۔ ابراہیم پر اور اسماعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر۔"

بنو اسماعیل نے صحف ابراہیم اور اسفار اسماعیل بنو اسرائیل سے بھی پہلے گم کر دی تھیں یہ وجہ ہے کہ آج توراۃ، زبور اور انجیل محرف شکل ہی میں سہی میسر آتی ہیں مگر صحف ابراہیم اور اسفار اسماعیل میسر نہیں آتی ہیں۔

بنو خزاعہ کا مکہ پر قبضہ پہلی صدی عیسوی میں ہوا ہے۔ اس وقت حضرت ابراہیم کو رخصت ہوئے تقریباً ۲۱۰۰ سال اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو رخصت ہوئے ۱۹۰۰ سال بیت چکے تھے۔ اہل مکہ اپنے آپ کو دین ابراہیمی کے پیروکار کہتے تھے مگر کتاب اللہ کو گم کر دینے کے نتیجے میں اتنے لمبے عرصے کے بعد دین ابراہیمی ان سے گم ہو چکا تھا۔ اصل دین میں سے چند چیزیں باقی

Marfat.com

رہ گئیں تھیں۔ مثلاً وہ ختنہ کرتے تھے۔ بیویاں نکاح کر کے لاتے تھے۔ اپنے مردوں کو دفن کرتے تھے۔ حج کرتے تھے اور اس میں وہی مناسک بجالاتے تھے۔ جو دین ابراہیمی میں تھے۔ وہ سچ بولتے تھے۔ وعدے کے پکے تھے۔ شجاع اور بہادر تھے۔ تاہم انھیں معلوم نہ تھا کہ دین ابراہیمی کیا ہے کتاب اللہ کو گم کر دینے کے بعد ان کے پاس صحیح اور غلط کا کوئی معیار نہ تھا۔ رفتہ رفتہ دین ابراہیمی ان کے لیے اتنا اجنبی بن چکا تھا کہ وہ بھول چکے تھے کہ دین ابراہیمی تو خالصۃً توحید کی دعوت دیتا ہے۔ چنانچہ خود بنی اسماعیل کے ایک شخص عمرو بن لحی نے بت لا کر رکھے جس کے آباء ابھی دوسری نسل میں یمن میں گئے تھے۔ مدرکہ اس کے دادا کا بھائی تھا اور خزیمہ اس کے والد کا حقیقی چچا زاد بھائی تھا۔ یہ لوگ یقینی طور پر اس کی نسل کو پہچانتے تھے۔ لہٰذا بنو اسماعیل نے انھیں پورے شرح صدر کے ساتھ قبول کر لیا۔

اولاد مدرکہ

مدرکہ کے دو بیٹے پیدا ہوئے خزیمہ بن مدرکہ، ہذیل بن مدرکہ۔ یہ دونوں بھائی عمرو بن لحی کے ہم عصر تھے۔ ہذیل نے طائف سے مشرق کی جانب رہائش اختیار کی۔ عمرو بن لحی نے اسے سواع کا بت دیا جو اس نے اپنے علاقہ میں رہاط میں نصب کیا۔ خزیمہ مکہ مکرمہ کے قرب و جوار میں آباد رہے۔ یہ دین ابراہیمی پر تھے۔ (زرقانی: ۱/۷۹)

عمرو بن لحی نے انہی کے زمانے میں ہبل کا بت خانہ کعبہ میں نسب کیا اور یوں یہ ہبل الخزیمہ کہلایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بنو ہذیل میں سے تھے۔

اولاد خزیمہ

خزیمہ کے چار بیٹے تھے۔ کنانہ بن خزیمہ، اسد بن خزیمہ، اسدہ بن خزیمہ اور الھون بن خزیمہ۔ کنانہ مکہ کے گرد و نواح میں رہے۔ وہ دین اسماعیل علیہ السلام پر تھے۔ حضرت واثلہ بن الاسقع سے روایت ہے:

قال سمعت رسول الله ﷺ يقول ان الله اصطفىٰ كنانه بن ولد اسماعيل واصطفىٰ قريشا من كنانه واصطفىٰ من قريش بنى

Marfat.com

هاشم واصطفانی من بنی هاشم۔ (رواہ مسلم)

''کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ اللہ نے اولاد اسماعیل میں سے کنانہ کو چن لیا اور کنانہ میں سے قریش کو چن لیا اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھے چن لیا ہے۔''

خزیمہ پر بنو کنانہ کے قبائل کے علاوہ بنو اسد اور بنو الھون جن میں عضل اور قارہ کے دو قبائل شجرہ میں آپ سے ملتے ہیں۔ یہ قبائل نجران اور مکے کے درمیان تبالہ کے قریب جا کر آباد ہوئے جبکہ کنانہ مکہ کے مشرق میں آباد رہے۔

اولاد کنانہ

نضر بن کنانہ کے دو بیٹے تھے۔ مالک بن نضر اور یخلد بن نضر۔ ابن ہشام نے ایک تیسرے بیٹے الصلت کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ ان کی ماں عاتکہ بنت عدوان بن عمرو بن قیس عیلان ہیں۔ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ نضر کا لقب قریش ہے اور اس کی اولاد ہی قریشی کہلاتی ہے جبکہ محققین کی رائے یہ ہے کہ قریش نضر کے پوتے فہر کا لقب ہیں۔ الصلت بن نضر کی اولاد آہستہ آہستہ ختم ہو گئی اور یخلد کے بارے میں بھی کوئی اندازہ نہیں کہ اس کی اولاد کیا ہوئی۔

اولاد مالک

مالک بن نضر بن کنانہ کا ایک ہی بیٹا فہر تھا۔ اس کی ماں جندلو بنت عامر بن الحارث بن مضاض جرہمی تھی۔ اس حوالے سے بھی یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ بنو خزاعہ مدرکہ ہی کے زمانے میں مکہ میں قابض ہوئے۔ کیونکہ مالک خزیمہ کا پوتا اور مدرکہ کا پڑپوتا ہے جبکہ نضر کی شادی الحارث مضاض جرہمی کی پوتی سے ہوئی جو خزیمہ کے قبضہ کے وقت موجود تھا جبکہ حاکم اس کا والد مضاض بن عمرو جرہمی تھا۔ فہر کو اپنے زمانے میں جتنا عروج نصیب ہوا اتنا اولاد عدنان میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ یہ تمام اولاد عدنان کا بلا اختلاف سردار تھا۔ اس کے زمانے میں حسان بن کلال حاکم یمن نے خانہ کعبہ پر حملہ کیا۔ وہ حمیر کے بادشاہوں میں سے تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ حجر اسود کو اکھاڑ کر یمن میں اپنی عبادت گاہ میں نصب کرے۔ اس لڑائی میں قبائل کنانہ، قبائل خزیمہ، (بنو قارہ اور

Marfat.com

بنوھون)اور جذام نے فہر کا ساتھ دیا۔حسان بن کلال کو شکست ہوئی۔وہ تین سال تک مکہ میں قید رہا اور فدیہ دے کر رہا ہوا۔اور واپسی پر یمن کے راستے میں فوت ہو گیا۔اوسط عمر کے لحاظ سے فہر حضرت عیسیٰ کا ہمعصر ہے۔محققین کے نزدیک فہر ہی کا لقب قریش ہے۔اور اسی کی اولاد قرشی اور قریشی کے لقب سے مشہور ہوئی۔

اولاد فہر

فہر بن مالک کے ہاں سات بیٹے تولد ہوئے۔ان کے نام یہ ہیں: غالب، حارث، محارث، اسد، عوف، جون اور ذئب۔فہر کی ساری اولاد لیلیٰ بنت حارث بن تیم بن سعد سے ہوئی فہر پر بنو محارب اور بنو حارث نبی ﷺ کے شجرہ میں شامل ہو جاتے ہیں حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح انہی بنو حارث کی شاخ بنو ضبہ بن الحارج میں سے تھے۔

اولاد غالب

غالب کی شادی عاتکہ بنت یخلد بن نصر بن کنانہ سے ہوئی۔غالب کے ہاں تین بیٹے لوئی، تیم الادرم اور قیس پیدا ہوئے۔قیس بن غالب کی اولاد اب ختم ہو چکی ہے۔آخری آدمی عبداللہ القسر ی کے زمانے میں فوت ہوا۔غالب پر بنو تیم الادرم بھی آپ کے شجرہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔

اولاد لوی بن غالب

اولاد غالب بن فہر میں سے لوی کو شہرت حاصل ہوئی۔لوی کا نکاح ماریہ بنت کعب بن القین بن جسر خزاعی سے ہوا۔اس کے بطن سے لوی کے تین بیٹے کعب، عامر اور سامہ پیدا ہوئے۔کعب کو بہت شہرت وعزت ملی۔انہی کی اولاد میں نبی اکرم ﷺ ہیں۔عامر کی اولاد بنو عامر کہلائی۔بنو عامر ہی کی ایک شاخ سے سہیل بن عمرو ہیں جنھیں حالت کفر وایمان ہر دو میں امتیازی حیثیت حاصل رہی۔فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتنہ ارتداد میں مکہ بھی بغاوت کر گیا ہوتا۔مگر ان کی ایک پُر اثر تقریر کے نتیجے میں

Marfat.com

ارتداد سے محفوظ رہا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار مکہ کی طرف سے یہ سہیل شرائط صلح طے کرنے آئے تھے۔ ابوجندل جوعین اس وقت حدیبیہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے جب شرائط طے ہو گئیں تھیں اور انھوں نے اپنے باپ کے مظالم کی داستان سنائی اور اپنے زخم دکھائے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جی بھر آیا۔ اس نے درخواست کی کہ مجھے واپس نہ کیا جائے مگر آپ نے معاہدے کی پابندی کرتے ہوئے اسے واپس کر دیا۔ انہی سہیل بن عمرو کا بیٹا تھا۔

ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا تعلق بھی بنی عامر کی ایک شاخ سے تھا اور ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی والدہ فاطمہ بنت زائدہ بنی عامر ہی کی ایک شاخ سے تعلق رکھتی تھیں۔

سامہ جو کعب کا تیسرا سگا بھائی ہے مکہ چھوڑ کر عدن میں جا آباد ہوا اور اس کی اولاد عمان میں ہے۔

لوی کی اولاد میں ایک اور بیٹے خزیمہ بن لوی کا تذکر بھی ملتا ہے اس کی والدہ بھی ماریہ بنت کعب ہی بیان کی جاتی ہیں۔ خزیمہ بن لوی کی اولاد عائذہ قریش کہلاتی ہے۔ اس نام کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ خزیمہ کے بیٹے عبید نے یمن کی ایک خاتون عائذہ بنت الخمس بن قحافہ خثعمی سے شادی کی ان کی اولاد اپنی والدہ کے نام کی نسبت سے عائذہ قریش کہلاتی ہے۔

ماریہ ہی کے بطن سے لوی کے ایک اور بیٹے سعد کا بھی تذکرہ ملتا ہے اس کی اولاد بنانہ کہلاتی ہے۔ بنانہ بنی قضاعہ کی ایک شاخ بنی ثعلبہ کے ایک گھرانے بنی القین میں سے تھی۔ بنانہ (اولاد سعد بن لوی) کے بچے کھچے لوگ بنوشیبان بن ثعلبہ کی شاخ اسعد بن ہمام میں پائے جاتے ہیں۔

لوی کی دوسری بیوی کا نام باردہ بنت عوف بن غنم بن عبداللہ بن غطفان تھا۔ اس کے بطن سے عوف بن لوی پیدا ہوا۔ یہ ابھی چھوٹا ہی تھا کہ لوی فوت ہو گیا۔ اس کی والدہ اپنے قبیلہ میں چلی گئی۔ وہاں سعد بن ذبیان غطفانی نے باردہ سے شادی کر لی۔ عوف والدہ کے ہمراہ تھے سعد بن ذبیان نے عوف کو متبنیٰ بنا لیا۔ یہی سبب ہے کہ اولاد عوف بن لوی اپنا سلسلہ نسب بنوغطفان سے جوڑتی ہے۔ عوف کی اولاد بنوغطفان میں سرداری کے منصب پر فائز ہوئی۔ چنانچہ حرم بن سنان مری، حارث بن عوف اور حصین بن حمام وغیرہ بنی عوف ہی میں سے تھے۔

حضرت عمر بن الخطاب امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا کہ اگر میں عرب کے کسی

Marfat.com

قبیلہ کے بارے میں یہ دعویٰ کرتا کہ وہ قریش میں سے ہیں تو میں بنومرہ بن عوف کے بارے میں یہ دعویٰ کرتا۔ ہم اس شخص (عوف بن لوی) کے بارے میں جانتے ہیں کہ وہ کہاں جابسا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ایک بار بنی مرہ بن عوف کے ایک شخص سے فرمایا اب بھی تم اگر اپنے نسب کی طرف لوٹنا چاہو تو لوٹ آؤ۔

ابن قتیبہ نے لوی کے ایک اور بیٹے الحارث کا بھی ذکر کیا ہے جس کی اولاد کے افراد قبیلہ ربیعہ کی ایک شاخ ہران میں شامل ہیں اور جشم بن الحارث کہلاتی ہے۔ طبری اور ابن درید نے لوی کے کسی حارث نامی بیٹے کا تذکرہ نہیں کیا۔ ابوالفرج نے کتاب الاغانی کی جلد نہم میں تحریر کیا ہے حارث مذکور سامہ بن لوی کا بیٹا تھا۔

لوی پر بنوعامر بن لوی نبی ﷺ کے شجرہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔

کعب بن لوی

نبی اکرم ﷺ کے اجداد میں سے کعب بن لوی کو بہت شہرت حاصل ہوئی ہے ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں کہ فہر حضرت عیسیٰ کا ہم عصر تھا۔ کعب فہر کی تیسری پشت میں ہیں اس طرح کعب کا زمانہ دوسری صدی عیسوی کا نصف آخر بنتا ہے۔ اس کی ایک تصدیق اس طرح بھی ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ولادت اور واقعہ فیل سے پہلے چار سو سال تک سنہ کعب کی وفات سے چلتا رہا۔ یہ روایت ایک طرف کعب کے زمانے کو متعین کر دیتی ہے کہ یہ دوسری صدی عیسوی کا نصف آخر تھا اور دوسری طرف عرب میں کعب کی حیثیت کو متعین کر دیتی ہے کہ کعب کو عرب میں وہ اقتدار نصیب ہوا کہ اس کی وفات مستقل تقویم کا ذریعہ بن گئی۔

کعب کے زمانے کا تعین ایک اور طرح بھی ہو جاتا ہے کہ ربیعہ بن نضر حاکم یمن کعب کا ہم عصر تھا۔ اس لیے کہ اسے ایک خواب آیا جس کی تعبیر کرتے ہوئے شق اور سطیح دو کاہنوں نے اسے یہ بتایا کہ یمن پر تیرے بعد حبشیوں کا قبضہ ہو جائے گا پھر حبشیوں سے ذی یزن کے گھرانے کا ایک فرد اقتدار چھین لے گا۔ پھر اولاد غالب میں نبی آخرالزمان پیدا ہوں گے۔ اور یمن پر ان کا قبضہ ہوگا۔ اس خواب کی تعبیر سن کر ربیعہ نے ایرانی بادشاہ پور ذی الاکتاف (۳۰۶ء تا ۳۷۸ء) کے زمانے میں اپنے بیٹے عدی کو اس کے دربار میں بھیجا تھا۔

Marfat.com

اولادکعب

کعب بن لوی کی شادی وحشیہ بنت شیبان بن محارب بن فہر بن مالک بن نضر سے ہوئی۔ وحشیہ کے بطن سے کعب بن لوی کے تین بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام یہ ہیں: مرہ بن کعب، عدی بن کعب، ھصیص بن کعب، مرہ بن کعب نبی اکرم ﷺ کے اجداد میں سے ہیں کعب پر بنو عدی بن کعب اور بنو جمح بن ھصیص اور بنو سہم آپ کے شجرہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ بنو عدی میں سے حضرت عمر ابن خطاب امیر المومنین اور سعید بن زید آپ کے صحابی ہیں جو عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ سعید بن زید کے والد بزرگوار زید بن عمرو بن نفیل بنو عدی کے مشاہیر میں سے ہیں۔ یہ عرب کے حنفاء میں سے تھے۔ شرک سے دور تھے۔ انھوں نے ہی نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے توحید پر مبنی درج ذیل اشعار کہے۔

أرب واحـــد ام الف رب
أديـن اذا تـقـسـمـت الامـور
تـركـت اللات والعزىٰ جميعاً
وكذالك يفعل الرجل الصبور

"رب ایک یا ہزار رب، جب اختیارات تقسیم ہو جائیں تو کوئی نظم باقی رہتا ہے۔ میں نے لات اور عزیٰ سب کو چھوڑ دیا اور ہر صاحب عقل یہی کرے گا۔"

ایک بار سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے زید کے بارے میں پوچھا کہ اس کا انجام کیا ہوگا تو آپ نے فرمایا وہ قیامت کے روز ایک الگ امت کی حیثیت سے اٹھایا جائے گا۔

نبی اکرم ﷺ کے دو بدترین دشمن امیہ بن خلف اور اس کا بھائی ابی بن خلف بنو جمح سے تعلق رکھتے تھے۔

عرب کے مشہور مدبر عمرو بن العاص اور ان کے صاحبزادے عبداللہ بن عمرو بن العاص کا تعلق بنی سہم سے تھا۔ دونوں باپ بیٹا صحابی ہیں۔ عمرو بن العاص صلح حدیبیہ کے بعد فتح خیبر سے پہلے ایمان لائے۔ جبکہ ان کے صاحبزادے عبداللہ قدیم الاسلام ہیں۔ انھوں نے نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی آپ کی احادیث مبارکہ ایک کتاب کی صورت میں لکھ لی تھیں اور اس کتاب

Marfat.com

کا نام الصادقہ رکھا۔اس طرح منکرین حدیث کا یہ دعویٰ بے بنیاد ہے کہ احادیث تو دوسو سال بعد مرتب ہوئیں۔

اولاد مرہ بن کعب

مرہ کی پہلی شادی ہند بنت سُریر بن ثعلبہ بن الحارث بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ سے ہوئی۔ ہند کے بطن سے مرہ کے دو صاحبزادے کلاب بن مرہ اور تیم بن مرہ پیدا ہوئے۔ کلاب نبی اکرم ﷺ کے اجداد میں سے ہیں۔مرہ کی دوسری شادی اسماء بنت عدی بن حارثہ بن عمرو بن عامر بن بارق سے ہوئی۔اسماء کے بطن سے مرہ کا ایک بیٹا یقظہ پیدا ہوا تاہم بعض ماہرین انساب کی رائے یہ ہے یقظہ بھی ہند بنت سریر بن ثعلبہ کے بطن سے پیدا ہوئے اور اسماء کے کوئی اولاد نہیں ہوئی اس طرح بنو تیم بن مرہ اور بنو مخزوم بن یقظہ ہر دو قبائل مرہ بن کعب پر آپ کے شجرہ نسب میں شامل ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق خلیفۃ الرسول وحبہ' بنو تیم بن مرہ میں سے تھے۔حضرت طلحہ بن عبید اللہ جنھیں نبی اکرم ﷺ سے زندہ شہید کا لقب ملا کہ آپ نے فرمایا طلحۃ ممن قضیٰ نحبہ'۔جنھوں نے احد کے دن آپ ﷺ کی مدافعت کرتے ہوئے نیزے اور تلوار کے پچھتر زخم کھائے۔اور ایک ہاتھ کی انگلیاں کٹ گئیں۔جنھیں آپ نے بدر کے موقع پر سعید بن زید کے ہمراہ قافلہ ابو سفیان کی خبر لینے کے لیے بھیجا تھا۔جنھیں عشرہ مبشرہ میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہے۔بنو تیم ہی سے تھے۔آپ کے صحابہ میں سے حضرت خالد بن ولید سیف اللہ کا تعلق قبیلہ بنو مخزم بن یقظہ سے تھا اور ابو جہل ،فرعون ہٰذہ الامۃ عمرو بن ہشام قبیلہ بنو مخزوم سے تعلق رکھتا تھا۔

اولاد کلاب

کلاب کی شادی فاطمہ بنت سعد بن سیل سے ہوئی جو ازد کی شاخ بنی جدرہ سے تعلق رکھتے تھے۔کلاب کے بڑے بیٹے کا نام زہرہ تھا۔اس کی اولاد بنو زہرہ کہلائی۔بنو زہرہ امام الانبیاء کے ننھیال ہیں۔آپ کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ تھیں۔صحابہ میں سے

Marfat.com

حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما بنی زہرہ ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ کلاب کے چھوٹے بیٹے کا نام زید تھا۔ جو بعد میں قصی کے نام سے مشہور ہوا۔

قصی بن کلاب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قصی بن کلاب کی اولاد میں سے ہیں۔ اولاد معد میں سے قصی ہی پہلا شخص ہے جسے ایک گونا حکومت پر متمکن ہونے کا موقع ملا اور یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے قریش کو مکہ میں لا بسایا۔ قصی ابھی دودھ پیتا بچہ تھا کہ کلاب فوت ہو گیا۔ کلاب کی وفات کے بعد ربیعہ بن حرام قضاعی حج کرنے آیا تو اس نے قصی کی والدہ فاطمہ بنت سعد بن سیل سے شادی کر لی۔ زہرہ چونکہ اس وقت تک بالغ ہو چکے تھے لہٰذا وہ مکہ میں رہے۔ قصی کو ان کی والدہ اپنے ساتھ بنو قضاعہ میں لے گئی۔ فاطمہ کے بطن سے ربیعہ بن حرام کا ایک بیٹا زراح بن ربیعہ پیدا ہوا۔

قصی بنو قضاعہ میں پل کر بالغ ہوئے۔ وہ ربیعہ بن حرام کے بیٹے گنے جاتے تھے۔ انھیں خود بھی اپنے والد کا نام معلوم نہ تھا۔ بنو قضاعہ کے ایک شخص سے ان کی تلخ کلامی ہو گئی اس نے انھیں طعنہ دیا کہ تم ہم میں سے نہیں ہو۔ وہ غصے میں اپنی والدہ کے پاس آیا اور قصہ بیان کیا اور حقیقت حال معلوم کی۔ اس نے کہا تو واقعی ان میں سے نہیں ہے بلکہ تیرا قبیلہ اس کے قبیلے سے بہتر ہے۔ اور تیرے ابا اس کے آباء سے زیادہ معزز ہیں۔ تو قریشی ہے۔ تیرا بھائی اور تیرے چچا زاد مکہ میں ہیں۔ اور وہ بیت اللہ کے ہمسائے ہیں۔ لہٰذا قصی ایک قافلے میں شامل ہو کر مکہ میں آ گیا۔ قصی کے بڑے بھائی زہرہ اس وقت نابینا ہو چکے تھے۔ تاہم انھوں نے قصی کی آواز سن کر انھیں اپنا بھائی تسلیم کر لیا اور کہا اس کی آواز بالکل میرے والد سے ملتی ہے۔

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق قصی نے کعبہ کے متولی حلیل بن حبشیہ خزاعی سے اس کی بیٹی حُبّیٰ کا رشتہ مانگا اور حلیل نے پیغام نکاح خوشی سے قبول کیا اور اپنی بیٹی کا نکاح قصی سے کر دیا۔ قصی کے اس سے چار بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام یہ ہیں: عبدالدار، عبد مناف، عبدالعزیٰ اور عبد۔ جب قصی کی اولاد پھیل گئی اور اسے مال و شرف حاصل ہو گیا تو حلیل فوت ہو گیا۔

Marfat.com

قریش ولایت کعبہ پر (برکات قرب میلاد مبارک)

حلیل خزاعی کی وفات کے بعد قصی نے قریش اور بنی کنانہ کے قبائل کو اس بات کا احساس دلایا کہ ولایت کعبہ پر قریش کا حق بنوخزاعہ اور بنوبکر ہر دو کے مقابلے میں زیادہ ہے۔اس لیے کہ قریش صریح طور پر اولاد اسماعیل علیہ السلام بھی ہیں اور انھیں باقی اولاد اسماعیل علیہ السلام پر شرف و سیادت حاصل ہے۔لہٰذا ہمیں ولایت کعبہ پر قبضہ کر لینا چاہیے قبائل قریش اور بنو کنانہ کے قبائل نے قصی کی بات کی تصدیق کی اور باہم تعاون کا فیصلہ کیا۔

قصی کو یہ خیال کیسے آیا اس کے بارے میں دو روایات میسر آتی ہے:

① حلیل خزاعی جب عمر رسیدہ ہو گیا اور کعبہ کا دروازہ کھولنے اور بند کرنے کے قابل نہ رہ گیا تو اس نے کعبہ کی چابیاں اپنی بیٹی جبی کے حوالے کر دیں۔کبھی کبھی قصی جبی کے میاں ہونے ناطے سے لوگوں کے لیے کعبہ کا دروازہ کھولتے اور بند کرتے تھے۔اپنی وفات کے قریب حلیل نے کعبہ کی تولیت کی وصیت قصی کے حق میں کر دی۔مگر بنوخزاعہ نے اس پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔اس پر قصی نے نسباً زیادہ حق دار ہونے کا دعویٰ کر کے قریش اور بنو کنانہ کو بنوخزاعہ کی مخالفت پر آمادہ کیا۔

② دوسری روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ حلیل کی وفات کے بعد کعبہ کی چابیاں ابی غبشان سلیم بن عمرو خزاعی کی تحویل میں دے دی گئیں اور اس نے شراب کے ایک مٹکے کے عوض قصی کو یہ منصب بیچ دیا۔مگر خزاعہ نے اس معاہدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ جس کے نتیجے میں قریش اور خزاعہ کے درمیان خونریز تصادم ہوا۔

صوفہ اور قصی کے درمیان جنگ

قریش اور بنو کنانہ کو اپنے حق تولیت پر متحد کر لینے کے بعد قصی نے اپنے ماں جائے بھائی رزاح بن ربیعہ خزاعی کو اپنے منصوبے کی اطلاع دی اور مدد کی درخواست کی چنانچہ رزاح اپنے سوتیلے بھائیوں۔من بن ربیعہ، محمود بن ربیعہ اور جلھمہ بن ربیعہ جو فاطمہ بنت سعد بن سیل سے نہیں ربیعہ کی دوسری بیوی سے تھے قضاعہ کے لوگوں کی ایک بھاری جمعیت کے ساتھ قصی کی

Marfat.com

مدد کے لیے مکہ پہنچ گئے۔

حج کے موقع پر بنوخزاعہ سے الجھاؤ اور جنگ کی تفصیلات طے کر کے قریش، بنوکنانہ اور بنو قضاعہ کے لوگ میدان عرفات میں جمع ہوئے۔ عام رواج کے مطابق جب صوفہ واپسی کی اجازت دینے لگے تو قصی اپنے بہت سے حامیوں کے ساتھ آگے بڑھا اور صوفہ سے کہا کہ ہم تمھارے مقابلے میں اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ لوگوں کو واپسی کی اجازت دیں۔ صوفہ نے انکار کیا۔ اس پر دونوں گروہوں کے درمیان تلوار چلی اور خوب خونریزی ہوئی یہ جنگ منیٰ سے واپسی پر عقبہ کے قریب ہوئی۔ صوفہ کو شکست ہوئی اور قصی ان کے اختیار پر قابض ہو گیا چنانچہ اسی کے حکم سے افاضہ ہوا۔

اگر چہ صوفہ کے ساتھ قصی کا اختلاف عرفات ہی میں ہو گیا تھا۔ تاہم وہاں جنگ سے غالباً اس لیے اجتناب کیا گیا کہ صوفہ عرفات اور منی سے تو افاضے اجازت دیتے تھے البتہ مزدلفہ سے افاضے کی اجازت عدوان کے ذمہ تھی اور قصی اور اس کے ساتھی ہر دو سے بیک وقت نمٹنا چاہتے تھے۔ دوسرے یہ کہ عقبہ کے قریب جگہ تنگ تھی اور یہاں لڑائی کی صورت میں دوسرے لوگوں کے لیے نکل جانا ممکن نہ تھا۔

صوفہ وعدوان

صوفہ الغوث بن مر بن اد بن طانجہ بن الیاس بن مضر بن معد کی اولاد تھے۔ الغوث بن مر کی والدہ کے اولاد نہ ہوتی تھی۔ یہ خود بنو جرہم سے تھی۔ اس نے نذر مانی کہ اللہ نے اگر اسے بیٹا عطا کیا تو وہ اسے خانہ کعبہ کی خدمت کے لیے وقف کر دے گی چنانچہ غوث کی پیدائش پر اسے کعبہ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا گیا۔ بالغ ہونے پر اسے بنو جرہم نے خانہ کعبہ کی خدمت کے سبب عرفات سے افادے کی اجازت پر مقرر کر دیا۔ یہ بنوخزاعہ کے اقتدار سے معاً قبل کا واقعہ ہے۔ بنو خزاعہ نے بھی عمرو بن لحی کے دور میں خادم حرم ہونے کے سبب اسے اپنے منصب پر قائم رکھا۔ الغوث کے بعد اس کی اولاد نسلاً بعد نسل اس منصب پر قائم رہی۔ حتی کہ الغوث کی نسل ختم ہو گئی تو بنو سعد بن زید مناۃ بن تمیم بن طانجہ بن الیاس میں سے صفوان بن الحارث کو بنو الغوث کے قریبی نسب کے سبب اس منصب پر مقرر کر دیا گیا جب قصی نے اس اجازت پر قبضہ کیا۔ اس صفوان کا بیٹا

Marfat.com

کرب بن صفوان عرفہ سے افاضہ کی اجازت پر مقرر تھا۔ بنوالغوث صوفہ کہلاتے تھے لہٰذا بنوصفوان بھی صوفہ کہلانے لگے۔

مزدلفہ سے افاضے کی اجازت پر عدوان کب سے فائز تھے معلوم نہیں ہو سکا۔ البتہ قصی نے جب صوفہ سے یہ منصب چھینا اس وقت ابوسیار عمیلہ بن الاعزل اس منصب پر مقرر تھا۔

بنوخزاعہ سے جنگ

بنوخزاعہ اس جنگ میں الگ تھلگ رہے تاہم انھیں گمان تھا کہ قصی ان سے بھی اسی طرح اختیارات چھینے گا جیسے صوفہ سے چھینے ہیں اور ہمیں خانہ کعبہ سے بے دخل کر دے گا۔ قصی نے ان سے بھی لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ فیصلہ قریش اور بنوکنانہ کے علاوہ بنوقضاعہ نے کیا بنوقضاعہ اس لڑائی میں بھی قصی کے ساتھ رہے۔ فریقین کے درمیان ابطح میں شدید لڑائی ہوئی۔ مگر کوئی گروہ بھی غالب نہیں آسکا۔ آخر اس شرط پر فریقین جنگ میں صلح ہوگئی کہ عرب کے کسی آدمی سے جھگڑے کا فیصلہ کروالیا جائے۔

چنانچہ فریقین نے باہمی رضامندی سے یعمر بن عوف بن کعب بن عامر بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ کو اپنا ثالث مقرر کیا۔ ہر دو کے دعاوی سننے کے بعد یعمر نے یہ فیصلہ دیا کہ قصی خزاعہ اور بنوبکر کے مقابلہ میں تولیت کعبہ کا زیادہ حق دار ہے لہٰذا خزاعہ تولیت کعبہ سے الگ ہو جائیں اور کعبہ کی چابیاں قصی کے حوالے کر دیں قریش اور بنوکنانہ نے بنوخزاعہ کے جو آدمی قتل کیے ہیں وہ باطل ٹھہراتا ہوں ان کا کوئی خون بہا نہ ہوگا۔ اور خزاعہ اور بنوبکر نے قریش اور بنوکنانہ کے جو لوگ قتل کیے ہیں وہ ان کا خوں بہا ادا کریں گے۔ اس فیصلہ کے بعد یعمر کا نام شداخ پڑ گیا۔ جس کے معنی ہیں خون کو باطل قرار دینے والا۔ اس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اکیس صدی بعد قریش کو تولیت کعبہ حاصل ہوگئی۔

قریش کی مکہ میں آبادی اور شہری ریاست

اسماعیل علیہ السلام نے اپنے والد بزرگوار کے ساتھ خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی لہٰذا بنوجرہم کے آجانے کے بعد بھی زندگی بھر مکہ پر انھیں اقتدار حاصل رہا اور تولیت کعبہ بھی انہی کا حصہ رہا آپ

Marfat.com

کے بعد آپ کے صاحبزادے نابت اور قیدار کعبہ کے متولی رہے۔ ان کے بعد تولیت کعبہ اور مکہ پر مضاض بن عمرو جرہمی قابض ہو گیا اور سترھویں صدی قبل مسیح سے پہلی صدی قبل مسیح میں بنوخزاعہ کے قبضہ تک بنو جرہم ہی مکہ کے حکمران اور کعبہ کے متولی رہے۔ پہلی صدی قبل مسیح سے ۴۳۲ء میں قصی کے قبضہ تک بنوخزاعہ مکہ کے حاکم اور خانہ کعبہ کے متولی رہے۔ اس سارے عرصہ میں اولاد اسماعیل پورے عرب میں قبائل کی صورت میں منتشر رہی البتہ اولاد قیدار مکہ کے گردونواح میں آباد رہی۔ پھر اولاد قیدار میں سے عدنان کی اولاد قبائل کی صورت عرب کے مختلف علاقوں میں جا آباد ہوئی تو بنو کنانہ مکہ کے شمال اور جنوب میں آباد رہے۔ اس سارے عرصہ میں مکہ کے گردونواح میں آباد رہنے والے قبائل اگرچہ مکہ میں ہر اختیار اور تولیت کعبہ سے محروم رہے مگر ورثائے اسماعیل علیہ السلام اور کعبہ کے ہمسائے ہونے کے سبب ہمیشہ احترام کے مستحق ٹھہرے اور سارے ہی قبائل ان کا احترام کرتے تھے۔

قصی سے پہلے قریش بھی دیار بنو کنانہ میں منتشر تھے۔ بنوخزاعہ کو شکست دینے کے بعد قصی نے قبائل قریش (اولاد فہر) کو مکہ میں جمع کیا۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے تقریباً بائیس صدی بعد پہلی بار کعبہ کے گرد انھیں آباد کیا۔ قبائل قریش میں سے ہر قبیلہ کا علاقہ یا محلّہ الگ تقسیم کیا۔ یہ مٹی اور پتھر کے مکانات کی ایک بستی تھی۔ جس کے اندر خانہ کعبہ کے گرد طواف کرنے والوں کے لیے بیضوی شکل میں مطاف چھوڑ دیا گیا۔ مختلف گلیاں اس مطاف تک آتی تھیں اور یہی حرم کے دروازے تھے اور حرم کی دیواریں ارد گرد آباد محلوں کی دیواریں ہوتی تھیں۔ قصی نے اس مطاف کی شمالی جانب مطاف کے عین کنارے پر دارالندوہ تعمیر کروایا جس کا ایک دروازہ حرم میں کھلتا تھا۔ یہ گویا قصی کی حکومت کا سیکرٹریٹ تھا۔ تمام اہم امور کے لیے مشورے اسی دارالندوہ میں ہوتے تھے۔ مختلف جنگی مہموں کے لیے لواء جھنڈا یہیں باندھا جاتا تھا۔ بالغ ہونے والے لڑکوں کی دستار بندی یہیں ہوتی اور بالغ ہونے والی لڑکی کو یہیں بالغ عورتوں کے کپڑے پہنائے جاتے اور یہ سارے کام خود قصی کے ہاتھوں سرانجام پاتے۔ قصی کو اس تولیت کعبہ کے نتیجے میں وہ سیاسی اور دینی اقتدار نصیب ہوا کہ اس کی زندگی میں بھی اس کی موت کے بعد بھی اس کی ہر بات دین کی حیثیت رکھتی تھی۔

Marfat.com

ریاست مکہ کے شعبہ جات

مکہ کی سرزمین کو مختلف قبائل میں تقسیم کرنے کے بعد قصی نے اس شہری ریاست میں چند معاشرتی شعبے بنائے:

(۱) الحجابہ: اس شعبہ کے سربراہ کے پاس خانہ کعبہ کی چابیاں ہوتی تھیں اور خانہ کعبہ کے اندر کوئی شخص اس کی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہوسکتا تھا۔ اسی طرح حرم کی صفائی کے انتظامات بھی اسی شخص کی ذمہ داری ہوتی تھی۔

(۲) سقایہ: اس شعبہ کے سربراہ کے ذمہ حاجیوں کے لیے زمزم کے پانی کا انتظام تھا۔ چمڑے کے بڑے بڑے حوض بنا کر حرم کے اندر زمزم کا پانی جمع کیا جاتا تھا۔ بسا اوقات پتھر کے مستقل حوض بھی بنا دیے جاتے تھے۔ حج کے دنوں میں زمزم کے پانی میں کہیں شہد ملا کر رکھا جاتا اور کہیں دودھ اور کہیں کھجور اور انگور کا رس ملا کر رکھا جاتا تاکہ حجاج کرام سیر ہوسکیں۔

(۳) رفادہ: رفادہ اس کھانے کو کہا جاتا ہے جو حجاج کرام کو کھلایا جاتا۔ قصی نے قبائل قریش کو مکہ میں آباد کرنے کے بعد انھیں یہ بات سمجھائی کہ اب تم خانہ کعبہ کے ہمسائے ہو جبکہ حجاج کرام اللہ کے مہمان ہیں۔ لہٰذا تمھیں چاہیے کہ تم حجاج کی میزبانی کرو۔ چنانچہ قریش کے لوگ ہر سال حج کے موقع پر قصی کو ایک مقررہ رقم ادا کرتے تھے۔ جس سے وہ منیٰ کے دنوں میں لوگوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔ یہ جو حج کے موقع پر حکومت کی طرف سے کھانا دیا جاتا ہے یہ وہی رفادہ ہے جس کا آغاز قصی نے کیا۔ جسے اسلام میں جاری رکھا گیا اور آج تک جاری ہے۔

(۴) الندوہ: اہم امور کے لیے مشاورت کے اجتماع کو ندوہ کا نام دیا گیا۔ اس غرض کے لیے مطاف کے شمالی کنارے پر جو مکان قصی نے تعمیر کروایا تھا وہ دارالندوہ کہلاتا تھا۔ اس مکان میں جب بھی ضرورت ہوتی تمام قبائل قریش کے سردار جمع ہوتے۔ اس کے لیے ایک شرط یہ بھی تھی کہ اس مشاورت میں چالیس سال سے کم عمر کا کوئی آدمی شامل نہیں ہوسکتا تھا۔ قصی نے یہ مکان عبدالدار کو دے دیا تھا اور بعد میں جب بنو عبد مناف اور بنو عبدالدار کے درمیان مذکورہ بالا مناصب تقسیم ہوئے تب بھی ندوہ چونکہ بنی عبدالدار کے حصے میں آیا لہٰذا دارالندوہ بنو عبدالدار ہی کے پاس رہا بعد میں قبل اسلام حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی نے بنو عبدالدار

Marfat.com

سے خرید لیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں یہ مکان حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے ایک لاکھ درہم میں خرید لیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکیم رضی اللہ عنہ بن حزام کو ملامت کی کہ تم نے آباء کے شرف کو بیچ دیا ہے تو انھوں نے فرمایا۔ اب تقویٰ کے سوا سارے شرف ختم ہو گئے۔ میں نے زمانہ جاہلیت میں یہ شراب کے ایک مٹکے کے عوض خریدا تھا اور اب ایک لاکھ درہم میں بیچا ہے گواہ رہنا۔ میں اس کی قیمت راہ خدا میں صدقہ کر رہا ہوں اب تمہی کہو کون خسارے میں رہا۔

⑤ اللواء: جنگ کی صورت میں علم برداری کا ایک منصب مقرر کیا گیا جو لواء کہلاتا تھا۔

قصی کی زندگی میں یہ سارے مناصب قصی کے لیے مخصوص تھے۔ البتہ باقی مناصب قصی نے انہی لوگوں کے پاس رہنے دیے جن کے پاس پہلے تھے چنانچہ مزدلفہ سے افاضہ پر عدوان کو اور عرفہ اور منیٰ سے افاضہ پر بنو صفوان کو ماضی کی طرح قائم رکھا۔ اسی طرح نسی پر نساۃ فائز رہے۔ (ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۱۲۴)

نساۃ

نسی کے لغوی معنی تو تاخیر کے ہیں۔ مگر اصطلاحاً اس کے معنی حرام مہینوں میں کسی مہینے کو مؤخر کر کے کچھ دوسرے مہینوں کو جو حلال تھے حرام قرار دینا۔ اسلام میں چار مہینوں ذی قعدہ، ذی الحج، محرم اور رجب کے مہینوں میں جنگ حرام ہے الا یہ کہ کفار خود اس مہینے میں جنگ کا آغاز کر دیں۔ حضرت آدم سے یہ حکم صلح و جنگ میں بنیادی حکم تھا۔ دین ابراہیمی میں بھی یہی چار مہینے حرام تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کوئی سولہ سترہ صدی تک صورت حال یہ رہی کہ عرب میں ان مہینوں میں مکمل امن رہتا تھا۔ حتیٰ کہ ان مہینوں میں اگر کوئی اپنے باپ کے قاتل کو بھی دیکھ لیتا تھا تو تعرض نہ کرتا تھا۔ یہاں تک القلمس حذیفہ بن عبد فقیم بن عدی بن عامر بن ثعلبہ بن حارث بن مالک بن کنانہ نے پہلی بار اپنی کسی مہم کے سلسلہ میں حرام مہینوں کو حلال قرار دے کر کچھ حلال مہینوں کو حرام قرار دینے کی بدعت پیدا کی۔ پھر یہ باقاعدہ ایک اختیار بن گیا اور دین کی حیثیت اختیار کر گیا۔

قلمس کے بعد اس کا بیٹا عباد پھر عباد کا بیٹا قلع اور پھر قلع کا بیٹا امیہ پھر امیہ کا بیٹا عوف اور پھر ابو ثمامہ جنادہ بن عوف اس اختیار کو استعمال کرتے رہے۔ حتیٰ کہ اسلام نے اس صریح کفر کو ختم

Marfat.com

کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہر سال حج کے موقع پر جنادہ بن عوف بن امیہ کنانی اعلان کرتا۔ (ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، مکتبہ حقانیہ پشاور: ص ۳۷۱)

الا ان ابا ثمامه لا یجاب ولا یعاب وان صفر العام الاول العام حلال۔

''آگاہ رہو ابو ثمامہ کو نہ تو جواب دیا جاتا ہے نہ عیب لگایا جاتا ہے اور آگاہ رہو پچھلے سال حرام قرار دیا گیا صفر اس سال حلال ہوگا۔''

چنانچہ جذل الطعان عمیر بن قیس کنانی فخریہ کہتا ہے:

لقد علمت معد بان قومی
کرام الناس ان لهم کراماً

''قبائل معد کو معلوم ہے کہ میری قوم سب لوگوں میں معزز ہے اور انھیں عز و شرف حاصل ہے۔''

السنا الناسئین علیٰ معد
شهور الحل نجعلها حراماً

''کیا ہم نسی کرنے والے نہیں ہیں قبائل معد پر ہم ہی تو حلال مہینوں کو حرام قرار دیتے ہیں۔'' (ایضاً: ص ۳۷۰)

نسی کی دو صورتیں عرب میں رائج تھیں:

① ایک صورت یہ تھی کسی جنگ و جدل اور غارت گری یا انتقام کی خاطر نساۃ سے کسی حرام مہینے کو ایک سال کے لیے حلال کروالیا جاتا اور دوسرے کسی مہینے کو حرام قرار دے کر حرام مہینوں کی تعداد پوری کر دی جاتی۔

② اس غرض کے لیے کہ حج ہمیشہ ایک موسم پر آتا رہے اور قمری حساب کے مطابق حج کے مختلف موسموں میں گردش کرتے رہنے سے انھیں جو زحمتیں اٹھانا پڑتی ہیں اس سے بچے رہیں۔ قمری سال کو شمسی کے مطابق کرنے کی غرض سے کبیسہ کا ایک مہینہ بڑھا دیتے تھے۔ اس طرح اگرچہ حج ایک ہی موسم میں آتا تاہم لوگ حج کرنے کے باوجود حج سے محروم رہتے اس لیے کہ اس طرح صرف چونتیسویں سال حج نو ذی الحجہ کو آتا تھا۔

Marfat.com

۳۳ سال دوسری تاریخوں پر لوگ حج کرتے۔

(ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور ۱۹۸۹ء، ۲:۱۹۳)

ان دونوں صورتوں کو اسلام نے ختم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾ (التوبہ: ۳۷)

"نسی تو کفر میں ایک مزید کافرانہ حرکت ہے جس سے یہ کافر لوگ گمراہی میں مبتلا کیے جاتے ہیں۔ کسی سال ایک مہینے کو حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال اس کو حرام کر دیتے ہیں تا کہ اللہ کے حرام کیے ہوئے مہینوں کی تعداد بھی پوری کر دیں اور اللہ کا حرام کیا ہوا حلال بھی کر لیں۔ ان کے برے اعمال ان کے لیے خوشنما بنا دیے گئے ہیں اور اللہ منکرین حق کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔"

نسی کے ختم کرنے کا حکم ۹ ہجری میں نازل ہوا۔ چنانچہ ۱۰ھ کو حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے دوران ارشاد فرمایا:

وان الزمان قد استدار کھئیتہ یوم خلق اللہ السموات والارض وان عدۃ الشھور عنداللہ اثنا عشر شھراً منھا اربعۃٌ حرم، ثلاثۃ متوالیہ درجب مضراً الذی بین جمادی و شعبان۔

"اور بے شک زمانہ گھوم کر اسی ہیئت پر آ گیا ہے جو اس دن تھی جب اللہ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا تھا اور مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ ان میں سے چار حرام ہیں تین لگاتار (ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم) اور رجب جو جمادی الآخر اور شعبان کے درمیان ہے۔"

قصی کے دور میں قبائل عدنان

قصی کے زمانے میں مکہ میں خانہ کعبہ کے گرد و نواح میں خدمہ اور قعیقعان کے درمیان

Marfat.com

قبائل قریش میں بنو قصی کے علاوہ بنو زہرہ، بنو مخزوم، بنو تیم، بنو جمع، بنو سہم، بنو عدی، بنو عامر اور بنو حارث کے قبائل کو آباد کیا گیا۔ مکہ کے گرد و نواح میں جنوب کی جانب وادی خیف کے قرب و جوار میں اور تہامہ میں قبائل بنو کنانہ آباد تھے۔ ان سے جنوب میں طائف کے گرد و نواح میں بنو ہوازن اور ان سے جنوب میں عقل مقارہ اور بنی خثعم آباد تھے۔ مکہ سے مشرق میں صحرائے نجد کے مغربی حصے میں بنو عامر میل الطریق کے قریب آباد تھے۔ وہاں سے مدینہ طیبہ کے جنوب مشرق تک قبائل سلیم و مازن آباد تھے اور مدینہ طیبہ کے مشرق سے شمال میں تیما کے گرد و نواح تک بنو قیس عیلان میں سے بنو عبس اور قبائل بنو غطفان آباد تھے۔ تیما شمال میں تبوک کے قریب بنو اسد دومۃ الجندل کے گرد و نواح میں قضاعہ اور بنو کلب بادیہ شام کے جنوب تک پھیلے تھے۔ مکہ کے شمال میں وادی فاطمہ میں بنو خزاعہ اور ان کے مغرب سے بنو ملکان اور بنو فقیم مدلج ضمرہ غفار کے قبائل مدینہ کے شمال مغرب تک پھیلے تھے۔ قبائل غطفان و سلیم کے مشرق اور شمال میں قبائل طی کندہ اور تنوخ لخم۔ درمیان میں نجد سے مشرق میں بنو مضر کے قبائل جنوب میں یمامہ میں بنو حنیف اور خلیج فارس کے قریب قبائل ربیعہ، عبدالقیس، بکر بن وائل اور یمامہ کے پاس بنو ثعلب آباد تھے۔

اولاد قصی

قبل ازیں ہم تحریر کر چکے ہیں کہ قصی کے چار بیٹے تھے۔ عبدالدار، عبد مناف، عبدالعزیٰ اور عبد۔ ان چاروں کی ماں حبی بنت حلیل خزاعیہ تھیں۔

(ایک روایت یہ ہے کہ عبد مناف کی والدہ عاتکہ بنت ہلال بن فالج بن ذکوان ہیں جو بنو سلیم سے تھیں)

اس قصی پر آپ کے شجرہ نسب میں بنو عبد مناف کے علاوہ بنو عبدالعزیٰ اور بنو عبدالدار شامل ہو جاتے ہیں۔ بنو عبدالدار میں سے مشہور آدمی مصعب بن عمیر ہیں جنھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا تھا۔ یہی مصعب بن عمیر جنگ اُحد میں شہید ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ کلید برداران کعبہ کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔ بنو عبدالعزی میں مشہور لوگ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، حکیم حزام رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر ابن العوام حواری رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ورقہ بن نوفل ہیں۔

یہ ایک غور طلب بات ہے۔ آپ کے پورے شجرہ نسب میں سے قصی کے بیٹوں کے نام

Marfat.com

مشرکانہ ہیں۔ عبدالعزیٰ کے معنی العزیٰ دیوی کا غلام ہے جس کا آستانہ نخلہ میں تھا جس کی سدانۃ بنی سلیم کے پاس تھی اور قریش کے شرکاء میں شامل تھی۔ عبدمناف کے بارے میں یہ طے ہے کہ یہ دراصل عبدمناۃ ہے۔ مناۃ کی تا کو فا میں بدلا گیا ہے۔ اس طرح اس کے معنی ہیں مناۃ دیوی کا غلام جس کا آستانہ قدید میں تھا اور جسے بنوقضاعہ، بنواوس وخزرج اور بنوغسان شریک مانتے تھے۔ قصی کی پرورش بنوقضاعہ میں ہوئی تھی۔

قصی کی زندگی میں ہی قصی کے تینوں بیٹے عبدالدار، عبدمناف اور عبدالعزیٰ صاحب اولاد تھے۔ اور بقول ابن اسحاق مکہ پر قبضہ سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے قصی کو کثرت اولاد اور مال سے نوازا تھا۔

غالباً قصی ہی کے دور میں اسعد ابوکرب تبع نے مدینہ سے واپسی پر خانہ کعبہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ پھر مدینہ طیبہ کے دو مخبروں کی اس اطلاع پر کہ خانہ کعبہ بیت اللہ ہے اس نے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا تھا۔ اس سے قبل یہودی احبار ہی کی اس اطلاع پر کہ یثرب نبی آخر الزمان کی مہاجرت گاہ ہے وہ مکان تعمیر کروا کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے آباء میں سے عمرو بن طلحہ کو دیا تھا جس میں نبی اکرم ﷺ نے قیام فرمایا تھا۔ عمرو بن طلحہ مذکور خزرج بن حارثہ کی نویں پشت میں ہے جو خزاعہ کے ہمراہ ۱۱۵ ق م میں عرم کا بند ٹوٹنے کے وقت ہجرت کر کے یثرب میں آباد ہوا تھا۔ اس طرح یہ شخص قصی کا ہمعصر بنتا ہے اس لیے کہ یہ بات اب معلوم ہے کہ قصی نے ۴۳۲ء میں منذر بن نعمان کے دور میں مکہ پر قبضہ کیا تھا۔ نیز ابن اسحاق کی یہ روایت بھی اس کی تصدیق کرتی ہے کہ یمن کے تین حمیری حکمرانوں نے کعبہ کو منہدم کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ پہلے دو بنوخزاعہ کے دور میں حملہ آور ہوئے جبکہ تیسرا اسد ابوکرب تبع قریش کے ابتدائی دور میں مکہ میں آیا۔

اولادِ عبدمناف

عبدمناف کا اصلی نام المغیرہ بن قصی تھا۔ عبدمناف کے چار بیٹے تھے۔ نوفل، مطلب، ہاشم اور عبدالشمس۔ مطلب، ہاشم اور عبدالشمس کی والدہ ماجدہ عاتکہ بن مرہ بن ہلال بن فالج بن ذکوان بن ثعلبہ بن بہثہ بن سلیم بن منصور بن عکرمہ تھیں جو عبدمناف کی والدہ عاتکہ بنت حلال بن فالج کی بھتیجی تھیں اور نوفل کی والدہ واقدہ بنت عمرو المازنیہ ہیں۔ ہاشم اور عبدالشمس جڑواں بھائی تھے۔

Marfat.com

رحلۃ الشتاء والصیف

مشرق و مغرب کے درمیان تجارت کے دو راستے تھے۔ ایک بری جو ایران عراق اور شام سے ہوتا ہوا دیار مغرب کو جاتا تھا اور دوسرا بحری جو بحر ہند اور بحیرہ عرب سے ہو کر بحیرہ قلزم کو جاتا تھا اور عدن کی بندرگاہ سے ایک زمینی راستہ ایلہ کی بندرگاہ تک جاتا تھا۔ عبد مناف کے بیٹوں کی پیدائش پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں ہوئی۔ قصی نے مکہ پر ۴۳۲ء میں قبضہ کیا۔ یہ وہ دور تھا جس میں ایران کی ساسانی حکومت اس بین الاقوامی تجارتی راستے پر قابض ہو چکی تھی جو شمالی علاقوں اور خلیج فارس سے گزر کر بلاد روم کو جاتا تھا۔ اس طرح اس زمینی راستے کی تجارت بہت چمک اٹھی تھی۔ جو جنوبی عرب سے بلاد شام اور مصر کو جاتا تھا۔ جنوبی عرب اور شام کے درمیان تمام راستے پر قبائل عدنان آباد تھے۔ جو اس راستے پر گزرنے والے قافلوں سے بھاری ٹیکس وصول کرتے تھے۔ یہ قبائل اتنے مضبوط تھے کہ یمن و شام کی سلطنتیں بھی اپنے تجارتی قافلوں کے گزرنے کے لیے یہ بھاری ٹیکس ادا کرتی تھیں۔

اولاد قصی میں سے ہاشم بن عبد مناف کو سب سے پہلے یہ خیال پیدا ہوا کہ محض گزرتے تجارتی قافلوں سے ٹیکس وصول کرنے کی بجائے اس تجارت سے براہ راست حصہ لیا جائے جو عرب کے راستے بلاد شام اور مصر سے ہوتی تھی۔ ہاشم نے اس اسکیم میں اپنے باقی بھائیوں کو بھی شامل کر لیا۔ چنانچہ ہاشم نے غسانی بادشاہ سے، عبدالشمّس نے حبش کے بادشاہ سے، مطلب نے یمنی امرا سے اور نوفل نے عراق و فارس کی حکومتوں سے تجارتی مراعات حاصل کیں۔ ان مراعات کے علاوہ انھیں ایک تحفظ یہ بھی حاصل تھا کہ متولیان کعبہ ہونے کے سبب انھیں پورے عرب میں ادب واحترام کا نہایت اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ یہ لوگ چونکہ حج کے موقع پر باہر سے آنے والے حجاج کے طعام و قیام کا اہتمام کرتے تھے لہٰذا ان کے تجارتی قافلوں کو ان غارتوں اور ڈاکوؤں کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ جن سے تحفظ کا سامان کیے بغیر کسی تجارتی قافلے کا ان قبائل کی حدود سے گزرنا ممکن نہیں تھا۔ اس طرح ان کو ان زائد اخراجات کی حاجت کم ہی تھی جو حفاظتی اقدامات کے لیے کرنا پڑتے تھے۔ قبائل ان کے قافلوں سے وہ گراں ٹیکس بھی وصول نہ کرتے تھے جس کے ادا کیے بغیر کسی تجارتی قافلہ کا ان کی حدود سے گزرنا ممکن نہ تھا۔

Marfat.com

تجارت کے لیے قافلوں کے دو موسم تھے۔ گرمیوں میں قریش کے تجارتی قافلے مکہ سے روانہ ہو کر بدر، یثرب، خیبر، مدائن، صالح، تبوک سے گزرتے اور العقبہ سے مصر جانے والے قافلے صحرائے سینا سے گزر کر مصر چلے جاتے اور شام کو جانے والے قافلے بُرا سے ہوتے ہوئے شام کو روانہ ہو جاتے اور ایران کو جانے والے قافلے تبوک سے دومۃ الجندل اور ایلہ کے راستے ایران میں داخل ہو جاتے اور موسم سرما میں تجارتی قافلے مکہ سے روانہ ہو کر طائف، بیشہ اور نجران سے ہوتے ہوئے یمن کے دارالخلافہ صنعا میں پہنچتے۔ ان تجارتی قافلوں میں یہ لوگ ہندوسندھ اور چین سے آیا ہوا سامان تجارت خرید کر شام اور مصر اور ایران پہنچاتے اور شام و مصر سے خریدا ہوا سامان صنعا میں ہندوسندھ اور چین کے تاجروں کے ہاتھ فروخت کر کے بے شمار نفع کماتے۔ نیز ان منڈیوں سے وہ قبائلی ضروریات کا سامان بالخصوص خرید کر لاتے اور یہاں مختلف اسواق میں منہ مانگے داموں بیچ کر نفع کماتے اور قبائل سے چمڑے اور اون کی مصنوعات کو ایرانی، شامی، مصری، ہندی اور چینی تاجروں کے ہاتھ فروخت کرتے۔

ان سرما و گرما کے سفروں سے قریش کی تجارت بڑی تیزی سے ترقی کرتی گئی اور دولت کی ریل پیل ہو گئی۔ مکہ جزیرۃ العرب کا سب سے اہم تجارتی مرکز بن گیا۔ یہاں تک کہ یہ چاروں بھائی متبحرین (تجارت پیشہ کے نام سے مشہور ہو گئے)۔ اسی تجارتی غرض کے سبب انھوں نے مختلف قبائل کے ساتھ مضبوط دوستانہ روابط قائم کیے اور جزیرۃ العرب کی مختلف ریاستوں مثلاً یمن کے تبابعہ، کندہ کی ریاست، لخمی ریاست اور غسانی ریاست سے مضبوط روابط استوار کر لیے۔ جس کے سبب انھیں اصحاب الایلاف بھی کہا جانے لگا۔

اس کاروبار کی وجہ سے قریش کے لوگوں کو شام، مصر، عراق، ایران، یمن اور حبش کے ممالک سے جو تعلقات قائم کرنے کا موقع ملا نیز انھیں مختلف ممالک کی ثقافت و تہذیب سے براہ راست جو سابقہ پیش آیا اس کے سبب ان کا معیار دانش اتنا بلند ہوتا گیا کہ عرب کا کوئی دوسرا قبیلہ ان کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔ عراق سے ان لوگوں نے اپنے ہاں وہ رسم الخط رائج کیا۔ جو بعد میں قرآن مجید لکھنے کے لیے استعمال کیا گیا۔ جتنے لوگ تنہا قریش میں کتابت کا فن جانتے تھے، عرب کے کسی دوسرے قبیلے میں اتنے پڑھے لکھے لوگ نہ تھے۔ رفتہ رفتہ قریش کے لوگوں کو تمام قبائل میں قیادت و سیادت کا درجہ حاصل ہو گیا۔ اسی بنا پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا قریش قادۃ

Marfat.com

الناس۔قریش لوگوں کے لیڈر رہیں۔(مسند احمد، مرویات عمرو بن العاص)

بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کان هذا الامر فی حمیر فنزعه الله عنهم و جعلهٗ فی قریش۔

”پہلے یہ معاملہ (عرب کی سرداری) قبیلہ حمیر والوں کو حاصل تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے سلب کر کے قریش کو دے دی۔“

اپنے اسی احسان کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۝ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ۝ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ۝ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾ (قریش)

”قریش کے لیے احترام پیدا کر دینے کے سبب وہ احترام جو وہ سرما اور گرما کے سفروں میں پاتے ہیں انھیں چاہیے تھا کہ وہ اس گھر کے مالک کی عبادت کرتے جس نے انھیں خوف سے امن عطا کیا اور بھوک سے نکال کر دولت دی۔“

مطیبین اور احلاف

قصی کے بیٹوں میں سے عبد مناف کو قصی کی زندگی ہی میں شرف حاصل ہو گیا تھا۔ عبد مناف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں۔ قصی نے عبد مناف کے اس شرف کو نظر انداز کرتے ہوئے حجابہ، رفادہ، ندوہ اور لواء سبھی مناصب اپنے بڑے بیٹے عبد الدار کے حوالے کر دیے۔ قصی کے بیٹوں نے تو اپنی زندگی میں اس فیصلے کو قبول کیے رکھا اور عبد الدار سے کسی قسم کا کوئی تعرض نہیں کیا۔ البتہ عبد مناف کی وفات کے بعد جب عبد مناف کے بیٹوں کو عرب میں قیادت و سیادت نصیب ہوئی اور شرف حاصل ہو گیا تو انھوں نے اولاد عبد الدار سے مطالبہ کیا کہ انھیں بھی ان مناصب میں شامل کیا جائے۔ بنو عبد الدار اس پر آمادہ نہ ہوئے۔ اور یوں اولاد قصی میں پہلا اختلاف پیدا ہو گیا جس کے سبب قریش واضح طور پر دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ بنو اسد بن عبد العزیٰ بن قصی، بنو زہرہ بن کلاب، بنو تیم بن مرہ بن کعب اور بنو الحارث بن فہر بن مالک بن

Marfat.com

نضر نے بنو عبد مناف کا ساتھ دیا جس کا سردار عبد الشمس بن عبد مناف تھا۔ بنو عبد مناف نے پختہ عہد کی خاطر ایک برتن میں خوشبو ڈال کر خانہ کعبہ میں رکھی پھر ان قبائل کے سرداروں نے اس برتن میں ہاتھ ڈال کر عہد کیا اور خوشبو خانہ کعبہ پر ملی اس طرح یہ قبائل مطیبین کہلانے لگے۔

اسی طرح بنو مخزوم بن یقظہ بن مرہ، بنو سہم بن عمرو بن ھصیص بن کعب اور بنو عدی بن کعب نے بنو عبد الدار کا ساتھ دیا اور انھوں نے خانہ کعبہ میں حاضر ہو کر ایک دوسرے کا ساتھ دینے کا پختہ عہد کیا۔ اس طرح یہ قبائل احلاف کہلائے۔

البتہ بنو عامر بن لوی اور بنو محارب بن فہر نے اس اختلاف سے اجتناب کیا اور کسی گروہ کا ساتھ نہیں دیا۔

قریب تھا کہ فریقین کے درمیان تلوار چل جاتی مگر دونوں گروہوں میں اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ مناصب تقسیم کر لیے جائیں چنانچہ السقایہ اور الرفادہ بنو عبد مناف کے حصے میں آئے اور الحجابہ، اللواء اور الندوہ بنو عبد الدار کے پاس رہے۔ بنو عبد مناف نے السقادیہ اور الرفادہ دونوں کے لیے آپس میں قرعہ اندازی کی اور یہ دونوں مناصب ہاشم کے حصے میں آئے۔

اولاد ہاشم

ہاشم نے مُیلہ بنت عامر بن مالک خزاعی سے شادی کی۔ اس سے اسد پیدا ہوا۔ ہاشم نے دوسری شادی ہند بنت عمرو بن ثعلبہ خزرجی سے کی اور اس کے بطن سے ابو صیغی پیدا ہوا۔ ہاشم نے تیسری شادی بنو قضاعہ کی ایک عورت سے کی اس سے آپ کے بیٹے نظلہ پیدا ہوئے۔ ہاشم اپنی زندگی کے آخری تجارتی سفر میں شام جاتے ہوئے یثرب میں چند دن کے لیے ٹھہرے۔ وہاں انھوں نے سلمٰی بنت عمرو نجاریہ سے شادی کی اور ان کے بطن سے یثرب ہی میں عبد المطلب پیدا ہوئے۔ اس طرح ہاشم کے چار بیٹے، اسد، ابو صیغی، نضلہ اور عبد المطلب پیدا ہوئے۔ ان بیٹوں کے علاوہ ہاشم کی پانچ بیٹیاں بھی تھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہاشم جواں سال فوت ہوئے۔

عبد المطلب

عبد المطلب کا نام شیبہ تھا۔ آپ مدینہ طیبہ میں اپنے ننھیال میں پیدا ہوئے اور وہیں

Marfat.com

پروان چڑھے۔ بلوغ کی عمر کو پہنچے تو کسی نے ان کے چچا مطلب کو بتایا کہ تمھارا بھتیجا یثرب میں موجود ہے کیا ہی خوبصورت اور خوب سیرت ہے۔ دیکھو تو تمھیں معلوم ہو۔ وہ اسی وقت یثرب کے لیے روانہ ہوا۔ سلمیٰ بنت عمرو نجاریہ سے شیبہ کو ساتھ بھیجنے کے لیے کہا تھوڑی سی ردوکدح کے بعد انھوں نے شیبہ کو مطلب کے ساتھ روانہ کر دیا۔ مطلب شیبہ کو اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھا کر لائے۔ قریش کے لوگوں نے کہا مطلب غلام لایا ہے۔ جس پر مطلب نے انھیں بتایا ہے کہ میرا بھتیجا ہے۔ تاہم قریش انھیں محبت سے عبدالمطلب ہی پکارنے لگے اور یوں ان کا لقب ہی عبدالمطلب پڑ گیا جو نام پر غالب آ گیا۔

اہم واقعات

نوفل کی زیادتی

مطلب نے عبدالمطلب کے ساتھ اپنی زندگی میں نہایت عمدہ سلوک کیا۔ مطلب کی وفات کے بعد ان کے چچا نوفل نے ان کی افتادہ زمینوں پر قبضہ کر لیا۔ عبدالمطلب نے سرداران قریش سے درخواست کی کہ وہ اس سلسلہ میں ان کی مدد کریں مگر سرداران قریش نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ ہم تمھارے اور تمھارے چچا کے معاملے میں دخل اندازی سے قاصر ہیں۔ اس کے بعد عبدالمطلب نے یثرب میں اپنے ننھیال سے مدد کی درخواست کی چنانچہ ننھیال میں سے ابوسعد بن عدی ۸۰ جوانوں کے ساتھ مکہ میں وارد ہوا۔ وہ آ کر ابطح میں ٹھہرے۔ عبدالمطلب انھیں وہیں جا کر ملے اور گھر آنے کی درخواست کی۔ مگر ابوسعد نے کہا نہیں میں جب تک نوفل سے مل کر معاملے کا تصفیہ نہ کر لوں۔ چنانچہ وہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ حرم میں داخل ہوا۔ نوفل سرداران قریش کے ہمراہ حرم میں موجود تھا۔ ابوسعد نے تلوار نیام سے نکال کر نوفل کو خطاب کرتے ہوئے کہا ہمارے بھانجے کی زمینیں اس کے حوالے کر دو ورنہ میں تمھارے خلاف یہ تلوار استعمال کروں گا۔ نوفل نے صورت حال کو بھانپتے ہوئے جواب دیا میں تمھارے بھانجے کی زمینیں واگزار کرتا ہوں اور ابوسعد نے اس پر سرداران قریب کی شہادت قائم کروائی۔ پھر جا کر عبدالمطلب کے ہاں قیام کیا۔ عمرہ کیا اور پھر تین روز تک قیام کرنے کے بعد یثرب کے لیے روانہ ہو گیا۔

Marfat.com

زمزم کی دریافت

ہاشم کے بعد سقایہ اور رفادہ کا منصب مطلب کے حصہ میں آیا اور مطلب کی وفات پر عبدالمطلب کو اس منصب پر مقرر کیا گیا۔ مکہ میں پانی کی قلت کے سبب سقایہ کا کام خاصا مشقت طلب تھا۔ زمزم کا وہ کنواں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی آبادکاری کے وقت معجزاتی طور پر جاری کیا گیا تھا۔ وہ دفن ہو چکا تھا۔ مکہ پر بنو خزاعہ کے قبضہ کے وقت مضاض بن عمرو جو بنی جرہم کا سردار تھا۔ خانہ کعبہ کے نذرانے اس کنویں میں دفن کر کے کنویں کا نشان مٹا گیا تھا۔ چھ صدیاں گزرنے پر اہل مکہ زمزم کو بھول چکے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دادا عبدالمطلب کی یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ میں ایک رات سویا ہوا تھا کہ مجھے خواب میں کہا گیا طیبہ کو کھودو۔ میں نے پوچھا طیبہ کیا ہے مگر کوئی جواب نہیں۔ میں جب اگلی رات پھر سورہا تھا تو مجھے کہا گیا برہ کو کھودو۔ میں نے پھر وہی سوال کیا تو کوئی جواب نہیں ملا۔ میں اگلی رات خواب میں تھا کہ کہا گیا مضنونہ کو کھودو۔ میں نے وہی سوال دہرایا مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ اگلی رات پھر مجھے کہا گیا زمزم کو کھودو۔ میں نے پوچھا زمزم کیا ہے۔ تو جواب ملا:

لاتنزف ولا تذم، تسقی الحجیج الاعظم، وھی بین الفرث والدم، عند نقرۃ انعراب الاعضم۔ عند قریۃ النمل۔

(ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۱/۱۴۳)

"(یہ کنواں ہے) جو نہ کبھی خشک ہوگا نہ پانی کم ہوگا، تو حاجیوں کے بڑے مجمعوں کو پانی پلاؤ گے اور یہ گوبر اور خون میں ہے۔ جہاں سفید پاؤں والا کوا ٹھونگیں مارے گا۔"

صبح اٹھ کر عبدالمطلب نے اپنے بڑے بیٹے حارث بن عبدالمطلب کو ساتھ لیا اس وقت تک ان کے ہاں یہی ایک بیٹا پیدا ہوا تھا۔ پہلے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ پھر اساف اور نائلہ کے دو بتوں کے درمیان ان کے لیے مخصوص قربان گاہ پر گئے جہاں قربان کیے جانے والے جانوروں کا خون اور گوبر پڑا رہتا تھا۔ وہاں ایک جگہ چیونٹیوں کے بہت سے بل دکھائی دیے۔ ابھی جگہ کو دیکھ ہی رہے تھے۔ کالے رنگ کا ایک ایسا کوا اترا جس کے دونوں پاؤں بالکل سفید تھے اور اس نے ایک جگہ پر ٹھونگیں مارنی شروع کر دیں۔

Marfat.com

جب خواب میں بتائی گئی ساری نشانیاں پوری ہو گئیں تو انھوں نے کدال سے اس جگہ کو کھودنا شروع کر دیا۔ یہ ایک عجیب منظر تھا۔ بتوں سے عقیدت رکھنے والے قریش نے جمع ہو کر انھیں روکنے کی کوشش تاہم جب انھیں یہ یقین ہو گیا کہ عبدالمطلب اپنے ارادے سے کسی طرح باز نہیں آئیں گے۔ تو ان کے احترام میں خاموش ہو گئے کوئی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ کنویں کی منڈیر سامنے آ گئی۔ اس پر عبدالمطلب نے الحمد للہ کہا۔ یہ سن کر قریش کا وہ مجمع پھر اکٹھا ہو گیا جو تھوڑی ہی دیر پہلے چھٹ گیا تھا۔ پھر جب کنویں کی صفائی کے دوران خانہ کعبہ کے وہ تحائف برآمد ہوئے جو بنو جرہم جاتی دفعہ زمزم میں دفن کر گئے تھے تو سرداران قریش عبدالمطلب سے جھگڑنے لگے کہ ان میں ہمارا بھی حصہ ہے۔ ان نذرانوں میں سونے کے دو ہرن تھے جو ایک روایت کے مطابق شاہان فارس نے نذر کیے تھے۔ ان کے علاوہ کچھ نہایت قیمتی تلواریں اور کچھ زرہیں۔ (ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ص ۱۴۶)

عبدالمطلب نے سرداران قریش سے کہا کہ آؤ قرعہ اندازی سے اس بات کا فیصلہ کر لیں کہ یہ خانہ کعبہ کی ملکیت ہوں گی یا عبدالمطلب کی یا قریش کی۔ سبھی سرداران قریش نے کہا کہ یہ نہایت انصاف کی بات ہے۔ چنانچہ سبھی لوگ خانہ کعبہ کے صاحب القداح کے پاس گئے تاکہ قرعہ اندازی کریں۔ یہ پانسے کے چھ تیر ہبل کے پاس رکھے ہوئے تھے۔ صاحب القداح کو مقررہ نذرانہ ادا کیا گیا۔ دو چھوٹے تیر کعبے کے لیے مقرر کیے گئے اور دو کالے تیر عبدالمطلب کے لیے مقرر ہوئے اور دو سفید تیر قریش کے لیے طے پائے۔ صاحب القداح نے ہبل کے پاس قرعہ اندازی کی تو دونوں ہرن قرعہ میں کعبہ کی ملکیت ٹھہرے جبکہ تلواریں اور ڈھالیں عبدالمطلب کے حصہ ٹھہریں اور قریش کے تیر خالی گئے۔ سب نے اس فیصلے کو قبول کر لیا۔ عبدالمطلب نے تلواروں اور ڈھالوں سے کعبے کا دروازہ بنوایا اور دونوں ہرن دروازے پر لکڑی کے چوکھٹوں پر نصب کروائے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پہلا سونا ہے جو خانہ کعبہ کے دروازے پر لگایا گیا۔

معجزاتی فیصلہ

زمزم کی صفائی کے نتیجے میں جب تہہ سے پانی ابل پڑا تو سرداران قریش نے پھر کنویں پر اپنے استحقاق کا دعویٰ کر دیا۔ اختلاف نے طول کھینچا۔ سرداران قریش اس دفعہ قرعہ اندازی

Marfat.com

سے فیصلے پر رضا مند نہ ہوئے۔ طے پایا کہ قبیلہ سعد بن ہذیم کی کاہنہ سے اس قضیے کا فیصلہ کروایا جائے۔ یہ قبیلہ شام کی سرحد پر رہتا تھا۔ عبدالمطلب بنو ہاشم کے لوگوں کو ساتھ لے کر سرداران قریش کے ہمراہ قبیلہ بنو سعد کے علاقہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک ایسے علاقے میں جہاں اور دور تک پانی کا نشان تک نہ تھا بنو ہاشم کا پانی جو وہ مشکیزوں میں اپنے ساتھ لے جا رہے تھے ختم ہو گیا۔ شدت پیاس پر عبدالمطلب نے پانی مانگا تو قریش نے اس خوف سے پانی دینے سے انکار کر دیا کہ اس طرح ہم بھی پیاس سے مر جائیں گے۔ اس پر بنو ہاشم نے فیصلہ کیا کہ اب موت یقینی ہے لہٰذا ہر آدمی اپنے لیے ایک گڑھا کھود لے۔ اور جو آدمی مر جائے دوسرے اسے دفن کر دیں۔ اس طرح آخر پر جو ایک آدمی فوت ہو گا۔ وہی بے گور و کفن رہے گا۔ اس طرح سارے آدمیوں کے ضائع ہونے کے مقابلے میں ایک ہی آدمی کا ضیاع بہتر ہے تاکہ پورے قبیلہ کے بے گور و کفن رہنے کے عار سے بچا جا سکے۔ تاہم بعد میں یہ فیصلہ ہوا کہ یوں یہاں بیٹھ کر موت کا انتظار کرنے سے تو بہتر یہ ہے کہ ہمت کر کے آگے بڑھا جائے۔ شاید اللہ تعالیٰ کہیں پانی پر پہنچا دے۔ اس فیصلے کے بعد سب لوگ اپنے اپنے اونٹوں پر سوار ہو گئے۔ عبدالمطلب نے اپنی اونٹنی کو اٹھایا تو جہاں اس کی چھاتی زمین پر ٹکی تھی وہاں سے پانی کا ایک چشمہ ابل پڑا جو نہایت شیریں تھا۔ عبدالمطلب اور بنو ہاشم نے سیر ہو کر پانی پیا۔ اور اپنے مشکیزے بھر لیے اور اپنے جانوروں کو بھی پانی پلایا۔ پھر انھوں نے قریش کے دوسرے سرداروں کو بھی دعوت دی۔ انھوں نے بھی سیر ہو کر پانی پیا اور اپنے مشکیزے بھر لیے اور جانوروں کو پانی پلایا۔

قریش کے لوگوں نے جب اپنی آنکھوں سے یہ حیران کن معجزہ دیکھا تو انھوں نے خود ہی کہا عبدالمطلب کاہنہ کے پاس جانے کی ضرورت نہیں اللہ نے خود ہی تمھارے حق میں فیصلہ دے دیا ہے۔ وہ مالک جس نے اس بے آب زمین میں تمھیں معجزاتی طور پر میٹھے پانی کا یہ چشمہ عطا کر دیا ہے۔ اسی نے تمھیں خواب میں زمزم کی نشان دہی کی ہے۔ ہمارا زمزم کے معاملے میں اب تم سے کوئی جھگڑا نہیں۔ ہم اپنے دعوے سے دستبردار ہوتے ہیں۔ چنانچہ سبھی لوگ خوشی خوشی واپس آ گئے۔ اور زمزم پر عبدالمطلب کی ملکیت تسلیم کر لی گئی۔ یوں بھی سقایہ اور رفادہ عبدالمطلب کی ذمہ داری تھی۔ لہٰذا انھوں نے زمزم کو حاجیوں کے لیے وقف کر دیا۔

اس سارے اختلاف میں عبدالمطلب کو اپنی تنہائی کا احساس تھا۔ ان کے ساتھ اس

Marfat.com

وقت تک ان کا صرف ایک بیٹا حارث تھا۔لہٰذا انھوں نے واپسی پر خانہ کعبہ میں یہ نذر مانی کہ اگر اللہ انھیں دس بیٹے عطا کرے جو جوان ہو کر اس کے مددگار بنیں تو وہ ایک بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیں گے۔

اولاد عبدالمطلب

عبدالمطلب کی چھ بیویاں تھیں صفیہ بنت جنیدب بن حجیر بن سواۃ بن عامر بن صعصعہ یہ اولاد نضر سے تھیں، فاطمہ بنت عمرو بن عایذ بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ یہ بنی مرہ میں سے تھیں اور نبی اکرم ﷺ کی سگی دادی تھیں، لبنٰی بنت ہاجرہ یہ بنوخزاعہ میں سے تھیں، ہالہ بنت وہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب۔آپ بنوزہرہ میں سے تھیں ان کی والدہ عیلہ بنت مطلب بن عبد مناف تھی اس طرح ہاشم کے بھائی مطلب کی نواسی تھیں۔ نبی اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب کی چچازاد بہن تھیں، تتیلہ خباب بن کلیب یہ ربیعہ بن نزار کی اولاد سے تھیں، منعمہ بنت عمرو بن مالک بنوخزاعہ سے تھیں۔

(سید سلمان منصور پوری، رحمت للعالمین:۶۹/۲)

ان بیویوں سے عبدالمطلب کے دس بیٹے اور چھ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔

صفیہ بنت جنیدب سے آپ کے ہاں آپ کے بڑے بیٹے حارث پیدا ہوئے۔ یہ حارث اس وقت فوت ہو گئے جب نبی اکرم ﷺ کی عمر ۳۴ سال تھی اس طرح یہ بعثت نبوی سے چھ سال پہلے فوت ہو گئے۔تاہم ان کے چاروں صاحبزادے۔نوفل، عبداللہ، ربیعہ اور ابوسفیان مغیرہ ایمان لائے اور آپ کے صحابہ میں شامل ہیں۔

ا نوفل بن حارث

یہ جنگ بدر میں کفار مکہ کی طرف سے شامل ہوئے تھے ان کے ایمان لانے کے بارے میں دو روایات ملتی ہیں۔ایک یہ کہ جنگ خندق کے بعد ایمان لائے اور دوسری یہ کہ فتح مکہ کے موقع پر دولت ایمان سے بہرہ ور ہوئے۔ جنگ حنین کے موقع پر انھوں نے اسلامی لشکر کی معاونت کی خاطر تین ہزار نیزے خدمت نبوی میں پیش کیے اس وقت وہ بنی ہاشم میں سب سے معمر شخص تھے۔

Marfat.com

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ۲۵ھ میں مدینہ طیبہ میں واصل بحق ہوئے۔ ان کے تینوں بیٹے مغیرہ، عبداللہ اور حارث بھی صحابی رسول ﷺ ہیں۔ مغیرہ بن نوفل حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں قاضی مدینہ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں ابن ملجم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو زخمی کر کے بھاگ چلا تھا کہ انہی مغیرہ نے اسے گرفتار کیا۔ نوفل کے دوسرے صاحبزادے عبداللہ کی شکل نبی اکرم ﷺ سے بہت مشابہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں حاکم کوفہ رہے۔ تیسرے صاحبزادے حارث بن نوفل کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاکم مکہ مقرر کیا تھا۔ ان کے فرزند عبداللہ المعروف بہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب بھی صحابی رسول ﷺ ہیں۔ اس طرح آپ کے چچا حارث تو ایمان لانے سے پہلے فوت ہو گئے مگر قدرت نے ان کی چار نسلوں کے لیے شرف صحابیت مقدر کر دیا تھا۔

ب عبداللہ بن حارث

انھیں شرف صحابیت حاصل ہے اور دربار رسالت سے لقب سعید ارزانی ہوا۔ حیات نبوی ہی میں فوت ہو گئے۔

ج ربیعہ بن حارث

ان کی کنیت ابو اروی تھی۔ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ زمانہ جاہلیت کے مقتولوں کے دعویٰ خون ختم کرتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا:

اول دمرا ضعه دم ابن ربيعه بن الحارث

یہ وہی ربیعہ بن حارث ہیں۔ ان کے ایک شیر خوار بچے کو مخالفین نے قتل کر دیا تھا۔ آپ نے اسی دعوے کو ختم کیا یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ۲۳ھ میں فوت ہوئے۔ ان کے دو صاحبزادے عبدالمطلب اور مطلب بھی صحابی ہیں۔ مطلب حیات نبوی میں بالغ نہ ہوئے تھے کہ فوت ہو گئے عبدالمطلب یزید بن ابی سفیان کے دور حکومت میں دمشق میں فوت ہوئے۔

ابو سفیان مغیرہ بن حارث

یہ ابتدائے اسلام میں اسلام کے مخالف تھے فتح مکہ سے چند روز قبل خدمت نبوی میں حاضر ہو کر ایمان لائے۔ بہت اچھے شاعر تھے۔ فتح مکہ کے روز جب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((لاتثريب عليكم اليوم يغفر الله لكم انتم الطلقاء)) ''تم پر آج کے روز کوئی

Marfat.com

گرفت نہیں اللہ تمہیں معاف کرے۔ میں تمہیں آزاد کرتا ہوں۔'' تو ابوسفیان مغیرہ بن الحارث نے عجیب کیفیت میں درج ذیل اشعار الاپے۔

لعمرك انی حین احمل رایة
لتغلب خیل اللات خیل محمدٌ

قسم ہے کہ جن دنوں میں نشان جنگ اس لیے اٹھایا کرتا تھا کہ لات دیوی کا لشکر محمد ﷺ پر غالب آ جائے، ان دنوں۔

لکالمدلج الحیران اظلم لیله
فھذا اوانی حین اھدی فاھتد

میں اس گبریلے کی طرح تھا جو اندھیری رات میں ٹکریں کھاتا ہو۔ اب جبکہ میرے حق میں ہدایت کا فیصلہ ہو گیا ہے۔

ھدانی ھاد غیر نفسی ودلنی
الی اللہ من طردته کل مطرد

تو میرے نفس نے نہیں، مجھے ہدایت اس شخص نے دی جسے میں پہلے مسترد کر چکا تھا۔

جنگ حنین میں جب دشمن کے اچانک حملے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔ اس وقت ثابت قدم رہنے والے صحابہ میں ان کا مقام بہت ارفع ہے۔ یہ اس سخت مقام پر بھی آپ کی رکاب سے الگ نہیں ہوئے۔ جس وقت آپ ﷺ نے پکار کر فرمایا: ((انی النبی لاکذب انا ابن عبدالمطلب)) اس وقت بھی یہ رکاب مبارک تھامے ہوئے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا:

ابو سفیان بن الحارث من شباب اھل الجنت۔

''ابوسفیان بن الحارث جنت کے جوانوں میں سے ہیں۔''

ان کے دو صاحبزادے عبداللہ اور جعفر دونوں صحابی ہیں۔ ابوسفیان بن الحارث نے ۲۰ھ میں وفات پائی۔ نبی اکرم ﷺ کی وفات پر آپ اشعار میں اپنے درد دل کا اظہار کیا کرتے تھے۔

ارقت فبات لیلی لا یزول
ولیل اخی المصیبة فیه طول

Marfat.com

میں جاگ رہا ہوں اور رات ہے کہ ختم ہی نہیں ہوتی۔ ہاں مصیبت زدہ کی رات لمبی ہی ہوتی ہے۔

فاسعد فی البکاء وذاك فیما
اصیب المسلمون بہٖ قلیل

میں بے اختیار رو رہا ہوں اور یہ تو اس مصیبت کے مقابلے میں کہیں کم ہے جو مسلمانوں پر ٹوٹی ہے۔

لقد عظمت مصیبتنا وجلت
عشیة قیل قد قبض الرسول

اس روز ہماری مصیبت کی کوئی انتہا نہ رہی جب کہا گیا کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے۔

(٢) فاطمۃ بنت عمرو بن عایذ مخزومیہ سے آپ کے چار صاحبزادے، زبیر، ابو طالب، عبدالکعبہ اور عبداللہ پیدا ہوئے جبکہ چھ صاحبزادیاں ام حکیم، بیضاء، امیمہ، اروٰی، برہ اور عاتکہ پیدا ہوئیں۔

زبیر بن عبدالمطلب

یہ بعثت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے چھ سال قبل اس وقت فوت ہو گئے جب نبی اکرم ﷺ کی عمر ابھی ٣٤ سال تھی۔ حلف الفضول کے سلسلے میں ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ آپ نہایت نیک فطرت اور رحم دل تھے اور فصیح البیان شاعر تھے نیز آپ اپنے والد کے وصی تھے۔ ان کا ایک بیٹا عبداللہ اور دو بیٹیاں ضباعہ اور ام حکیم صحابیہ ہیں۔ ان کے صاحبزادے عبداللہ بن زبیر کے بارے میں نبی اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے۔ ابن عمرو جبی یہ میرے چچا کا بیٹا اور میرا پیارا ہے۔ جنگ اخبار دین میں حضرت ابوبکر صدیق کے دور میں اس جرأت سے جنگ کرتے شہید ہوئے کہ ان کے گرد دشمن کی لاشوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔

ابو طالب بن عبدالمطلب

ان کا اصلی نام عبد مناف ہے جو اصل میں عبد مناۃ ہے تا، فا میں بدلی ہوئی ہے۔ انھوں

Marfat.com

نے ہی نبی اکرم ﷺ کی کفالت کی ہے اور بعثت نبوی کے بعد انھوں نے نبی اکرم ﷺ کی حفاظت اور نصرت کی ہے۔ سنہ ۱۰ نبوی میں عام الحزن میں فوت ہوئے۔ ایمان لانے کی کوئی قابل اعتماد روایت ہم تک نہیں پہنچی ہے۔ ان کے چار بیٹے طالب، عقیل، جعفر اور علی ہیں۔ جبکہ دو بیٹیاں ام ہانی اور رجانہ بنت ابی طالب ہیں۔

طالب کے ایمان لانے کی کوئی روایت ہمیں نہیں ملی غزوہ بدر میں کفار کی جانب سے آئے تھے مگر جنگ سے الگ رہے اور پھر غائب ہو گئے۔ ان کی جائے وفات کا کوئی پتہ نہیں۔

عقیل بن ابی طالب

آپ طالب سے دس سال چھوٹے اور جعفر سے دس سال بڑے تھے۔ غزوہ بدر میں کفار مکہ کی جانب سے شریک تھے اور قید ہوئے۔ صلح حدیبیہ سے پہلے ایمان لائے اور جنگ موتہ میں شریک ہوئے۔ آپ واقعات وانساب عرب کے ماہر تھے۔ ابو یزید کنیت تھی۔ ان کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

يـا ابـا يزيد انى احبك حبين حباً لقرابتك ومبالها كنت اعلم من حب عمي اياك۔

''اے ابو یزید میں تم سے دو گونہ محبت رکھتا ہوں ایک قرابت کے سبب دوسرے اس لیے کہ میں جانتا ہوں چچا کو آپ سے محبت تھی۔''

عقیل کا انتقال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ان کے بیٹے مسلم بن عقیل کو اپنا نائب بنا کر کوفہ بھیجا تھا۔ عقیل کے دو بیٹے محمد اور عبدالرحمٰن اور ایک پوتا عبداللہ بن مسلم میدان کربلا میں شہید ہوئے۔

جعفر بن ابی طالب

آپ اپنے چھوٹے بھائی علی رضی اللہ عنہ سے دس سال بڑے تھے۔ قدیم الاسلام ہیں۔ ۵ ن میں ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے۔ اس ملک میں آپ نے اسلام کی اشاعت کے لیے بہت کام کیا۔ کفار مکہ کا وفد نجاشی کے دربار میں پہنچا تو انہی کی تقریر سے متاثر ہو کر نجاشی نے مسلمانوں کو اپنے ملک میں حفاظت کا یقین دلایا تھا۔ آپ فتح خیبر کے وقت حبشہ سے ہجرت کر

Marfat.com

کے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اٹھ کر استقبال کیا۔ پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے خیبر کی فتح کی خوشی زیادہ ہے یا جعفر کے آنے کی۔ ۸ھ میں غزوہ موتہ میں شہید ہوئے اور طیار کا خطاب پایا۔ شہادت کے وقت ان کے جسم پر سامنے کی جانب تلوار اور نیزے کے نوے زخم لگے تھے۔ شہادت کے وقت عمر مبارک ۴۱ سال تھی۔ ایک بار نبی اکرم ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا:

اشبهت خلقي و خلقي

"تو صورت و سیرت میں مجھ سے مشابہت رکھتا ہے۔"

ان کے ایک بیٹے عبداللہ بن جعفر ہیں۔ یہ حبش میں مسلمانوں کے ہاں پیدا ہونے والا پہلا بچہ تھے۔ سخاوت میں بہت مشہور تھے۔ ان کا لقب بحرالجود تھا۔ بہت عبادت گزار تھے۔ ۸۰ھ میں نوے سال کی عمر میں وفات پائی۔ ان کے دو صاحبزادے عون بن جعفر اور محمد بن جعفر نستر کی جنگ میں شہید ہوئے۔ ان کے پوتے عدی بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب میدان کربلا میں شہید ہوئے۔

علی بن ابی طالب

آپ ابو طالب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ سب سے پہلے ایمان لانے والے چار خوش نصیبوں میں سے ایک ہیں۔ انھیں چھوٹی عمر ہی میں نبی اکرم ﷺ نے اپنی کفالت میں لے لیا تھا۔ ۸ سال کی عمر میں دولت ایمان سے بہرہ ور ہوئے۔ ہجرت کے وقت جب کفار مکہ کے جوان نبی اکرم ﷺ کی جان لینے کے لیے پہرہ دے رہے تھے تو آپ انھیں اپنے بستر پر لٹا کر گئے۔ آپ نے اس سخت خطرے کے وقت آپ کے بستر پر لیٹ کر ایثار و قربانی کی عظیم مثال قائم کی۔ اہل مکہ کی امانتیں واپس کرنے کی ذمہ داری بھی آپ نے قبول فرمائی۔ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں تشریف لے گئے۔ تمام غزوات میں شامل رہے۔ غزوہ بدر، احد، خندق، صلح حدیبیہ، فتح خیبر، فتح مکہ اور حنین میں آپ نے خوب داد شجاعت دی۔ شجاعت اور فصل قضایا میں صحابہ میں ممتاز تھے۔ آپ کے عقد میں سیدۃ النساء فاطمہ زہراء تھیں ان کی وفات کے بعد آپ کا نکاح امامہ بنت زینب بنت رسول اللہ ﷺ سے ہوا۔ ابوالحسن اور ابو تراب کنیت تھی۔ ابو تراب کی کنیت پر بہت خوش ہوتے تھے کہ یہ نبی اکرم ﷺ کی عطا کردہ کنیت تھی۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شہادت

Marfat.com

پر ذی الحجہ ۳۵ھ میں خلیفہ مقرر ہوئے۔ ۱۷ رمضان ۴۰ھ بروز جمعہ ابن ملجم کے ہاتھوں نماز فجر کے وقت زخم لگا جس سے آپ شہید ہو گئے۔

آپ نے حضرت فاطمۃ الزہرا بنت رسول ﷺ کی زندگی میں کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔ حضرت فاطمہ کی وفات کے بعد آپ نے انہی کی وصیت کے مطابق نکاح کیا۔ حضرت فاطمہ کے بطن سے آپ کے دو صاحبزادے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے اور دو صاحبزادیاں زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ زینب کا نکاح عبداللہ بن جعفر طیار سے ہوا۔ جبکہ ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ کتب اسماء صحابہ میں ایک اور صاحبزادے محسن کا نام بھی ملتا ہے مگر علامہ ذہبی نے لکھا ہے تفرد بہ ابو اسحاق۔ امامہ بنت زینب بنت رسول اللہ کے بطن سے آپ کے ایک صاحبزادے محمد الاوسط پیدا ہوئے۔ اس کے بعد آپ نے یکے بعد دیگرے سات نکاح کیے۔ ام البنین بنت حرام بن خالد سے آپ کے صاحبزادے عمر، عباس، جعفر، عبیداللہ اور عثمان پیدا ہوئے۔ لیلیٰ بنت مسعود جو تمیم سے تھیں، کے بطن سے عبداللہ اور ابوبکر پیدا ہوئے۔ اسماء الخثعمیہ سے عون اور یحییٰ، خولہ بنت جعفر بن قیس سے محمد بن حنفیہ ام سعید بنت عروہ بن مسعود ثقفی سے دو بیٹیاں ام الحسن، رملۃ الکبریٰ، ام حبیبہ بنت ربیعہ الثعلبیہ سے عمر اور رقیہ اور ممیاۃ بنت امرا القیس الکلبی سے ایک صاحبزادے حارثہ پیدا ہوئے۔ صاحبزادیوں میں ان کے علاوہ ام ہانی، میمونہ، زینب الصغریٰ، رملۃ الصغریٰ، فاطمہ، امامہ، خدیجہ ام الکرام، ام سلمہ، جمانہ، نفیہ اور ام جعفر کے نام ملتے ہیں۔ آپ کی اولاد کے بارے میں دو اقوال ہیں۔

① ۱۸ بیٹے اور ۱۸ بیٹیاں۔

② ۱۹ بیٹے تھے۔ جن میں سے چھ آپ کی زندگی میں فوت ہو گئے۔ چھ میدان کربلا میں شہید ہو گئے اس وقت دنیا میں صرف پانچ بیٹوں، حضرت حسن، حسین، محمد بن حنفیہ، عباس اور عمر کی اولاد موجود ہے۔

عبداللہ بن عبدالمطلب

آپ چونکہ نبی اکرم ﷺ کے والد بزرگوار ہیں لہٰذا ان کا تفصیلی تذکرہ اولاد عبدالمطلب کے تذکرہ کے بعد کیا جائے گا۔

Marfat.com

عبد الکعبہ بن عبد المطلب

یہ والد کی زندگی ہی میں قبل بعثت فوت ہو گئے۔ کتب انساب میں ان کے بارے میں معلومات نہیں ملتیں۔

③ لبنی بنت ہاجرہ خزاعیہ کے بطن سے عبد المطلب کا ایک بیٹا ابولہب پیدا ہوا۔

ابولہب بن عبد المطلب

توحید کی تعلیم کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ سے شدید عداوت رکھتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ تبلیغ کے لیے نکلتے تو یہ آپ کے پیچھے لگا رہتا اور لوگوں سے کہتا پھرتا۔ اس کی بات نہ سنو یہ دیوانہ ہے۔ غزوہ بدر سے ۸ دن پہلے مکہ میں طاعون کی بیماری سے مرا۔ تین دن تک لاش بے گور و کفن پڑی رہی کوئی قریب نہیں جاتا تھا۔ جب بدبو پھیلنے لگی تو عزیز و اقارب نے گڑھا کھود کر لمبی لمبی بیلوں سے دھکیل کر گڑھے میں گرا کر پتھر پھینکنے شروع کیے آخر پتھروں کے ڈھیر میں دفن ہو گیا۔

اس کے چار بیٹے تھے۔ دو حالت کفر میں بری طرح برباد ہوئے۔ عقبہ اور معقب فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ اور غزوہ حنین میں آپ کے ہمرکاب تھے۔ اس جنگ میں معقب کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی۔ دونوں بھائی مکہ میں رہے ہجرت نہیں کی۔

ابولہب کی ایک بیٹی درہ بنت ابی لہب صحابیہ ہیں۔ ان کا نکاح حارث بن نوفل بن حارث بن عبد المطلب سے ہوا۔ اور عتبہ، ولید اور ابو مسلم پیدا ہوئے۔ درہ بنت ابولہب نے نبی اکرم ﷺ سے روایت حدیث بھی کی ہے۔

④ ہالہ بنت وہیب بن عبد مناف بن زہرہ سے عبد المطلب کے تین بیٹے مقوم، حجل اور حمزہ پیدا ہوئے۔

مقوم و حجل ابنا عبد المطلب

یہ دونوں باپ کی زندگی میں فوت ہو گئے مقوم کی اولاد صلبی تھی مگر نسل نہیں چلی۔ ان کی ایک بیٹی ہند بنت مقوم تھی۔ علامہ ذہبی نے ہند کے بیٹے عبد الرحمٰن بن ابی عمرو کا ذکر بھی کیا ہے۔
حجل کے فرزند قسرہ تھے۔ زیادہ حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

Marfat.com

حمزہ بن عبدالمطلب

ابوعمارہ اور ابویعلیٰ کنیت تھی۔ نبی اکرم ﷺ کے رضاعی بھائی تھے۔ انھیں ابولہب کی لونڈی ثوبیہ نے دودھ پلایا تھا۔ سنہ ۶ ھ میں ایمان لائے۔ اور اس کے بعد ہمیشہ آپ کے حامی و ناصر رہے۔ معززین قریش میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے چند روز بعد ایمان لائے۔ ان دونوں کے ایمان لانے سے نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کو بہت تقویت ملی۔ ہجرت مدینہ سے مشرف ہوئے اور غزوہ بدر میں خوب دادِ شجاعت دی۔ سنہ ۳ ھ میں جنگ احد میں کفار کے کئی بہادروں کو جہنم رسید کرنے کے بعد دادِ مردانگی دیتے ہوئے وحشی کے نیزے سے شہید ہو گئے۔ وحشی نے یہ حملہ سامنے آ کر نہیں ایک پتھر کے پیچھے چھپ کر کیا تھا۔ شہادت کے بعد دشمنوں نے آپ کے کان کاٹے اور چہرہ بگاڑا پھر پیٹ چاک کر کے آپ کا جگر نکالا اور ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے چبا کر نگلنا چاہا مگر نگل نہ سکی۔ آپ کو اس حال میں دیکھ کر نبی اکرم ﷺ کو انتہائی دکھ ہوا۔ آپ کی لاش پر کھڑے ہو کر امام الانبیاء فداہ ابی و امی نے نہایت غمزدہ لہجے میں فرمایا:

رحمك الله يا عم فلقد كنت وصولا للرحم فعولا للخيرات۔

"چچا اللہ آپ پر رحم کرے۔ آپ قرابت کا حق خوب ادا کرنے والے اور بہت نیکیاں کرنے والے تھے۔"

آپ کے دو بیٹے عمارہ اور یعلیٰ اور دو بیٹیاں ام الفضل اور امامہ تھیں۔ عمارہ کا ایک بیٹا حمزہ اور یعلیٰ کے پانچ بیٹے ہوئے مگر آگے نسل نہیں چلی۔

(۵) نتیلہ بنت جناب بن کلیب سے عبدالمطلب کے دو بیٹے ضرار اور عباس پیدا ہوئے۔

ضرار بن عبدالمطلب

ضرار اپنے حسن و جمال اور سخاوت میں مشہور تھے۔ فتیان قریش میں سے تھے۔ ان کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ بعثت نبوی کے آغاز میں یا معاً قبل فوت ہو گئے۔

عباس بن عبدالمطلب

عباس عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ آپ نبی اکرم ﷺ سے دو سال

Marfat.com

پہلے پیدا ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق عباس بن عبدالمطلب کی والدہ نتیلہ بنت جناب وہ پہلی عرب خاتون ہیں جس نے خانہ کعبہ پر ریشمی غلاف چڑھایا۔ عباس زمانہ قبل اسلام میں بھی بہت امیر تھے۔ سقایہ اور عمارہ کے شعبے آپ ہی کے پاس تھے۔ سقایہ سے مراد حجاج کرام کو مشروب پلانا اور عمارہ سے مراد ہے خانہ کعبہ کا انتظام اس طرح کرنا کہ اس میں کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہو سکے۔

حجاج بن علاط کی حدیث کے مطابق آپ قدیم الاسلام تھے مگر انھوں نے مصلحتاً اپنا ایمان چھپائے رکھا اور حکم نبوی کے مطابق مکہ میں مقیم رہے۔ غریب مسلمانان مکہ کی خدمت کیا کرتے تھے اور کفار مکہ کی خبریں آپ تک پہنچاتے تھے۔ جنگ بدر میں کفار مکہ کی جانب سے شریک ہوئے اسیران بدر میں تھے۔ آپ کی مشکیں زور سے باندھی گئی تھیں۔ جس کی تکلیف سے آپ کراہتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کو آپ سے اتنی محبت تھی کہ ان کے کراہنے کی آواز کی وجہ سے آپ سو نہ سکتے تھے۔ چنانچہ صحابہ نے ان کی مشکیں کھول دیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا سب قیدیوں کی مشکیں کھول دو۔ غزوہ بدر میں آپ نے اپنے علاوہ اپنے برادرزادوں عقیل اور نوفل بن حارث کا فدیہ بھی ادا کیا تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ نے اظہار اسلام کیا۔ اور جنگ حنین میں آپ کی رکاب تھامے ثابت قدم رہے۔

آپ جود و سخا میں مشہور تھے۔ اپنی وفات کے وقت ستر غلام آزاد کیے۔ آپ مستجاب الدعوات تھے۔ نبی اکرم ﷺ ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔ یہ میرے چچا ہیں اور میرے باپ کے برابر ہیں۔ آپ بارہ رجب ۳۲ھ میں فوت ہوئے۔ حضرت عثمانؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

ان کے چھ بیٹے: فضل، عبداللہ، عبیداللہ، معبد، قثم اور عبدالرحمٰن اور ایک بیٹی ام الفضل کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اس کے علاوہ عون بن عباس، کثیر بن عباس اور حارث بن عباس کے نام بھی ملتے ہیں۔

فضل بن عباس

حضرت عباس بن عبد المطلب کے سب سے بڑے صاحبزادے فضل بن عباس ہیں۔ غزوہ حنین میں آپ کے ہمرکاب تھے حجۃ الوداع میں میدان عرفات میں آپ کی اونٹنی قصویٰ پر آپ کے ہم ردیف تھے۔ نبی اکرم ﷺ کے غسل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر پانی ڈالتے

Marfat.com

تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابو ہریرہ نے ان سے روایت کی ہے۔ خلافت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں ۱۳ھ میں فوت ہوئے ایک دوسری روایت کے مطابق آپ خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں ۱۸ھ میں فوت ہوئے۔ ان کی اولاد میں صرف ایک بیٹی ام کلثوم تھی جس کا نکاح امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ حضرت حسن کی وفات کے بعد ان کا نکاح حضرت ابوموسیٰ اشعری سے ہوا۔

عبداللہ بن عباس

حضرت عباس بن عبدالمطلب کی اولاد میں سب سے مشہور عبداللہ بن عباس ہیں حتیٰ کہ روایت حدیث میں جہاں ابن عباس لکھا ہوا ہو وہاں یہی عبداللہ مراد ہوتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے آپ کے حق میں دعا فرمائی تھی:

اللهم علمه الحكمة وتاويل القرآن۔

''اے اللہ اسے حکمت اور قرآن کی تاویل کا علم دے۔''

ایک اور حدیث میں یہ الفاظ روایت ہوئے ہیں:

اللهم بارك فيه والنشر منه واجعله من عبادك الصالحين۔

''اے اللہ اس میں برکت دے۔ اس سے برکت پھیلا اور اسے اپنے صالح بندوں میں شامل کر۔''

اسی دعا کا یہ اثر تھا کہ علم کے بحر زخار بن کر ابھرے اور مجسم تقویٰ ثابت ہوئے اور حبر الاسلام اور ربی امت کے القاب سے ملقب ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں بصرہ کا گورنر مقرر کیا تھا جنگ جمل اور جنگ نہروان میں اپنے صاحبزادوں حسن، حسین اور محمد کے ہمراہ شامل رہے۔ آخری عمر میں آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ شعر عرب، انساب عرب، ایام عرب، علم فقہ، علم حدیث اور علم تفسیر میں امام تھے۔ آپ نے ڈیڑھ ہزار سے زائد احادیث کی روایت کی ہے۔ آپ نے ۶۸ھ میں طائف میں وفات پائی۔ خلفائے بنی عباس ۱۳۲ھ تا ۶۵۰ھ انہی کی اولاد ہیں۔

باقی فرزندان عباس رضی اللہ عنہ

عبیداللہ بن عباس اپنے بھائی عبداللہ سے ایک سال چھوٹے تھے۔ علی مرتضیٰ نے ان کو حاکم یمن مقرر کیا تھا۔ حضرت علی کے حکم سے ۳۶ھ سے ۳۷ھ میں امیر حج مقرر ہوئے۔ اجود

Marfat.com

الناس مشہور تھے۔ ۵۸ھ میں وفات پائی۔

معید عہد نبوی میں پیدا ہوئے اور خلافت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ میں افریقہ میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

قثم بن عباس بھی صحابی ہیں۔ایک بار عبداللہ بن جعفر اور قثم بن عباس کھیل رہے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرے۔عبداللہ بن جعفر کو سواری پر اپنے آگے اور قثم کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور ان کے حق میں دعا فرمائی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حاکم مکہ مقرر فرمایا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک حاکم مکہ رہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین میں شامل تھے آپ کی لحد مبارک سے یہی سب سے آخر میں نکلے تھے۔سمرقند میں سعید بن عثمان غنی کے ہمراہ جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

کثیر اولاد عباس رضی اللہ عنہ میں سب سے چھوٹے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے چند ماہ قبل پیدا ہوئے۔نہایت فقیہ اور فاضل تھے۔

(۶) منعمہ بنت عمرو بن مالک خزاعیہ کے بطن سے مصعب پیدا ہوئے۔تاہم مصعب بن عبدالمطلب کے بارے میں تاریخ و کتب انساب میں کوئی معلومات میسر نہیں آتیں۔

عبدالمطلب کے بیٹوں کی تعداد میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ابن ہشام نے سیرت النبویہ میں دس بیٹوں کا تذکرہ کیا ہے جن کے نام درج ذیل ہیں:

حارث، زبیر، ابو طالب (عبد مناف)، عبداللہ، ابولہب (عبدالعزیٰ)، حمزہ عباس، ضرار، مقوم اور حجل۔جبکہ سید سلمان منصور پوری نے اس میں پانچ ناموں کا اضافہ کیا ہے۔عبدالکعبہ، مغیرہ، قثم، غیداق اور مصعب، پھر لکھا ہے کہ بعض مورخین نے کہا ہے کہ غیداق حجل کا لقب ہے جو اس کی خوبصورتی اور جود و سخا کی وجہ سے مشہور ہو گیا۔ابن ہشام اسی کی تائید کرتا ہے جبکہ حافظ ابن قیم جوزی نے زادلمعاد میں لکھا ہے کہ غیداق لقب تھا مصعب کا اور حجل لقب ہے مغیرہ کا اور ابن قیم ہی نے لکھا ہے کہ بعض لوگ نوفل اور عوام کا اضافہ کرتے ہیں۔

اس طرح ہماری یہ رائے بنتی ہے کہ عبدالمطلب کے کل بارہ بیٹے تھے اور وہ ہیں حارث، زبیر، ابو طالب (عبد مناف) عبداللہ، ابولہب عبدالعزیٰ، مقوم، مغیرہ، حمزہ، ضرار، قثم، عباس اور مصعب۔طبقات الکبیر میں حجل کے بیٹے قسرہ کے اشعار نقل ہوئے ہیں جو اسی بات کی تائید کرتے ہیں کہ عبدالمطلب کے بارہ بیٹے تھے۔واللہ اعلم۔

Marfat.com

بنات عبدالمطلب

تاریخ اور کتب انسان کا اس پر اتفاق ہے کہ عبدالمطلب کی چھ بیٹیاں تھیں اور ان میں سے پانچ کی والدہ فاطمہ بنت عمرو بن عاید مخزومیہ ہیں۔ اس طرح یہ سب آپ کی سگی پھوپھیاں تھیں۔ اور یہ ہیں ام حکیم بیضا، امیمہ، عاتکہ، برہ، اروی۔ جبکہ چھٹی صاحبزادی صفیہ کی والدہ لنٰی بنت ہاجر خزاعیہ ہیں۔ یہ سید الشہداء حمزہ کی حقیقی بہن تھیں۔

ام حکیم بیضاء

ان کا نکاح کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبدالشمس بن عبدمناف سے ہوا۔ ان کا ایک بیٹا عامر بن کریز تھا جو فتح مکہ کے روز مسلمان ہوا۔ ان کا پوتا عبداللہ بن عامر بھی صحابی ہے ام حکیم کی ایک ہی بیٹی اروی ہیں جو عثمان بن عفان ذوالنورین کی والدہ ہیں۔ اس طرح حضرت عثمان آپ ﷺ کے رشتہ میں بھانجے ہیں۔

عاتکہ

آپ کی یہی پھوپھی عاتکہ ہیں جنھوں نے جنگ بدر سے پہلے ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک سوار بوقبیس پہاڑ پر آ کر رکا ہے۔ اس نے ایک پتھر رکن کعبہ پر کھینچ مارا۔ وہ ریزہ ریزہ ہو گیا اور قریش کے ہر گھر میں یہ ریزے گرے البتہ بنوزہرہ بچے رہے۔ قریش نے اس خواب کا مذاق خوب اڑایا کہ لو اب بنو ہاشم کی عورتیں بھی نبوت کرنے لگی ہیں مگر خواب جنگ بدر میں سچ ثابت ہوا۔

امیمہ

ان کا نکاح جحش بن ریاب سے ہوا جو قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے بیٹے عبیداللہ بن جحش اور عبداللہ بن جحش تھے اور تین بیٹیاں زینب، ام حبیبہ اور حمنہ تھیں۔

عبداللہ بن جحش قدیم الاسلام تھے آپ کے دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے مسلمان ہوئے ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ ہر دو سے مشرف ہوئے۔ بدری ہیں غزوہ احد میں شریک

Marfat.com

ہوئے اور شہادت سے بہرہ ور ہوئے اور حضرت حمزہ کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن ہوئے۔ یہ پہلے آدمی ہیں جنھوں نے مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ نکالا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد سے توثیق فرمادی:

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی﴾ (الانفال:۴۱)

زینب کا نکاح نبی اکرم ﷺ نے زید بن حارثہ سے کیا۔ بعد میں جب انھوں نے طلاق دے دی تو اللہ نے ان کا نکاح نبی اکرم ﷺ سے کر کے متبنّی کی مطلقہ سے نکاح جائز قرار دے دیا۔

ام حبیبہ بنت جحش کا نکاح حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف سے ہوا۔ اور حمنہ بنت جحش کا پہلا نکاح مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور ان کی شہادت کے بعد طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ اس طرح ان تینوں حضرات کو امام الانبیاء کا ہم زلف ہونے کا شرف حاصل ہے۔

صفیہ

آپ ﷺ کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب کا پہلا نکاح حارث بن حرب بن امیہ سے ہوا وہ مر گیا تو ان کا نکاح حضرت خدیجہ الکبریٰ کے بھائی عوام بن خویلد سے ہوا۔ ان کے بیٹے زبیر ابن العوام ہیں جو عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں انھیں جناب رسالت مآب سے حواری رسول کا خطاب ملا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی حضرت خدیجہ الکبریٰ کے بھتیجے، حضرت ابوبکر صدیق کے داماد، حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین کے بہنوئی اور عبداللہ بن زبیر کے والد ہیں۔ حضرت صفیہ کے ایک اور صاحبزادے سائب بن العوام ہیں، غزوہ بدر و خندق میں شرکت کی اور جنگ یمامہ میں نبرد آزما ہوئے۔

غزوہ احد میں حضرت صفیہ نے اطم فارع میں ایک یہودی کو قتل کیا۔ آپ نے انھیں مال غنیمت میں سے حصہ دیا۔ حضرت حمزہ کی حقیقی بہن تھیں۔ اپنے بھائی کی نعش کی حالت دیکھ کر روئیں اور دعا کر کے رخصت ہوگئیں۔

Marfat.com

برہ

رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی برہ بنت عبدالمطلب کا نکاح عبدالاسد بن بلال بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم القرشی سے ہوا۔ ان کے بیٹے عبداللہ ابوسلمہ گیارہویں آدمی ہیں جو نبی اکرم ﷺ پر ایمان لائے۔ بدر اور احد میں شامل رہے۔ ام المومنین ام سلمہ کا نکاح آپ ﷺ سے پہلے انہی سے ہوا تھا۔ ۴ھ میں مدینہ طیبہ میں فوت ہو گئے۔

اروی

خاتم المرسلین کی پھوپھی اروی بنت عبدالمطلب کا نکاح عمیر بن وہیب بن عبد بن قصی سے ہوا۔ ان کے فرزند طلیب قدیم الاسلام ہیں انھوں نے اپنے ایمان لانے کی اطلاع اپنی والدہ کو دی تو انھوں نے فرمایا "تیرے ماموں کا بیٹا تیری خدمت اور مدد کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔ بخدا اگر ہم عورتیں مردوں کی طرح قوی ہوتیں تو ہم اس کی حفاظت کرتیں اور آپ کے دشمنوں کا جواب دیتیں طلیب۔ ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ پر ہر دو میں مشرف ہوئے۔ غزوہ بدر میں شامل تھے۔ تمام غزوات میں حصہ لیا۔ واقعہ اخبادین میں شہید ہوئے۔

نبی اکرم ﷺ کی وفات پر اروی رضی اللہ عنہا نے پر درد مرثیہ کہا۔

عبداللہ والد النبی ﷺ

عبداللہ اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ حسین اور صفات حمیدہ میں سب سے ممتاز تھے۔ سیادت وقیادت، ذہانت وفطانت انھیں اپنے آباء سے ورثہ میں ملی تھی۔ عفت وعصمت میں اپنے بھائیوں میں کوئی بھی ان کے گلے کا نہ تھا۔ وہ بچپن، لڑکپن اور جوانی میں اپنے خاندان ہی نہیں پورے مکہ کی آبادی کی آنکھ کا تارا تھے۔ ان کے صفات حمیدہ اور ان کی بھرپور شخصیت نے سب کو متاثر کیا تھا۔ اپنے جلیسوں میں مرکز بن کر رہے۔ بھائی ان سے محبت کرتے تھے۔ والد کے لاڈلے تھے۔ اگرچہ نہ سب سے بڑے تھے نہ سب سے چھوٹے۔ آپ کی پیشانی پر ایک عجب نور سیادت چمکتا تھا کہ سبھی ان کے دلدادہ تھے۔ جوان ہوئے تو ایک وقار، ایک تمکنت، ایک اعتماد،

Marfat.com

صدق وسخا، محبت و ہمدردی، اور اخلاص و ایثار ان کا طرہ امتیاز تھا جس نے انھیں سبھی کا محبوب و ممدوح بنا دیا تھا۔ حیاء کا مجسمہ اور عفت وعصمت کی علامت بن گئے تھے۔

ابن عساکر، خرائطی اور ابونعیم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس سلسلہ میں ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک بار فاطمہ بنت مرالخثعمیہ نے ان سے اظہار محبت کرتے ہوئے اپنی طرف متوجہ کیا۔ اور تکمیل خواہش پر سو اونٹوں کا عطیہ بھی دینے کا وعدہ کیا۔ مگر آپ نے یہ قطعہ پڑھ کر اس کی خواہش سے انکار کر دیا۔

اما الحرام فالممات دونهٗ
والحل لاحل فاستبينهٗ

''فعل حرام کے ارتکاب سے تو مر جانا بہتر ہے۔ حلال کو میں بے شک پسند کرتا ہوں مگر اس کے لیے اعلان ضروری ہے۔''

فكيف الى الذي تبغنيهٗ
يحمى الكريم ودينهٗ

''آخر جو تو چاہتی ہے اس کا سوال ہی کیا ہے جبکہ شریف انسان کو لازم ہے کہ وہ اپنی عزت اور دین کی حفاظت کرے۔''

ذبیح اللہ (عبداللہ)

چاہ زمزم کی کھدائی کے وقت عبدالمطلب کا ایک ہی بیٹا حارث تھا۔ زمزم کی دریافت کے وقت قریش کے نزاع پر عبدالمطلب نے اللہ وحدہٗ لاشریک کے حضور نظر مانی کہ اے اللہ اگر تو مجھے دس بیٹے عطا فرمائے جو جوان ہو کر میری مدافعت کے قابل ہو جائیں تو میں ایک بیٹا تیرا تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کر دوں گا۔ جب آپ کے دس بیٹے جوان ہو گئے تو آپ نے اپنی نظر پوری کرنے کا فیصلہ کیا۔ آپ نے اپنے بیٹوں سے اپنے ارادے کا تذکرہ کیا تو سب اس بات پر رضامند ہو گئے کہ وہ باپ کی نذر پوری کرنے کے لیے حاضر ہیں۔ عرب کے دستور کے مطابق صاحب القداح سے قرعہ اندازی کروائی گئی۔ اس دوران عبدالمطلب ملتزم کے پاس اللہ سے دعا کر رہے کہ وہ رہنمائی فرمائے۔ قرعہ عبداللہ کے نام نکلا۔

Marfat.com

عبداللہ کا نام قرعہ میں نکلنا تھا کہ عبداللہ اپنی جان جان آفرین کی نظر کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور عبدالمطلب چھری ہاتھ میں لیے، عبداللہ کا ہاتھ تھامے سنت ابراہیمی ادا کرنے کے لیے صفاء کے قریب قربان گاہ کی طرف چل دیے۔ عبداللہ یوں ستجدنی انشاء الله من الصابرین کی تصویر بنے اپنی جاں نذر کرنے کی ادا نے سب کو ہلا کر رکھ دیا۔ وہ بھائی جو اپنی جان والد کی نذر پوری کرنے کے لیے تیار تھے تڑپ اٹھے۔ اس لیے کہ عبداللہ تو انھیں اپنی جان سے کہیں زیادہ عزیز تھا۔ ابو طالب نے اپنے والد کو اس کام سے روکنے کے لیے ان اشعار میں اپنے جذبات کا اظہار کیا۔

کلا وکرب البیت ذی الانصاب
ما ذبح عبداللہ بالتلماب

''ہرگز ایسا نہ ہو گا قسم ہے انصاب والے بیت اللہ کی عبداللہ کا ذبح کرنا کوئی مذاق نہیں ہے۔''

یا شیب ان الریح ذو عقاب
ان لنا جرهٔ فی الخطاب

''اے شیبہ اگر ہم اسے (عبداللہ) کو خطاب کرتے ہوئے بھی سختی کریں تو ہوا انتقام لینے والی ہے۔''

عبداللہ کے ننہال کو خبر ہوئی تو تلملا کر قربان گاہ کی طرف دوڑے اور عبدالمطلب سے الجھنے لگے ہم دیکھتی آنکھوں اپنے نواسے کو ذبح ہونے نہیں دیں گے۔ آپ کے ننہال میں سے مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم نے اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کیا

یاعجباً من فعل عبدالمطلب
وذبح ابناً کتمثال الذهب

''عبدالمطلب کے اس فعل پر تعجب ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کرنا چاہتا ہے جو سونے کے تراشیدہ مجسمے کی طرح ہے۔''

کلا وبیت اللہ ستوالحجب
ماذبح عبداللہ فینا باللعب

Marfat.com

''اللہ کے غلاف پوش گھر کی قسم ہے عبداللہ کو ہماری موجودگی میں ذبح کرنا کھیل نہیں ہے۔''

جوں جوں یہ خبر پھیلتی گئی۔ مکہ کا ہر قبیلہ چیخ اٹھا ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ بھلا ایسے گوہر نایاب کو بھی ذبح کیا جا سکتا ہے۔ پورا مکہ سراپا اضطراب واحتجاج بن گیا۔

اپنے فیصلے پر مطمئن تھے تو عبدالمطلب اور عبداللہ دونوں سراپا ایثار بنے اپنے فیصلے پر قائم تھے۔ آخر قریش کی جانب سے عبدالمطلب کو اپنے فیصلے سے باز رکھنے کے لیے دلیل بازی شروع ہوئی۔ عبدالمطلب خدارا سوچو تو کیا کر رہے ہو۔ بھلا بیٹے ذبح کرنے میں کوئی تک بھی ہے۔ یہ رسم نہ ڈالو ورنہ قریش کی نسل ختم ہو جائے گی۔ قبائلی معاشرے میں افرادی قوت کا اپنے ہاتھوں ضیاع بھلا کوئی پسندیدہ فعل ہے۔ ہاں تم حق بجانب ہو تم نے ایک نذر مانی ہے۔ اس کا پورا کرنا تمھاری ذمہ داری ہے۔ مگر نذر کی کوئی اور صورت بھی تو اللہ قبول کر سکتا ہے۔

عبدالمطلب نے جب دیکھا کہ نذر کو اپنی اصلی صورت پر پورا کرنا ممکن نہیں رہا تو پوچھا پھر اور کیا صورت ہو سکتی ہے۔ سب نے بیک زبان کہا کہ خیبر میں قطبہ یا سجاح نامی جو عرافہ رہتی ہے اس سے فیصلہ کروا لیا جائے۔ چنانچہ عبدالمطلب قریش کے سرداروں کے ساتھ اس عرافہ کے پاس گئے اور قصہ بیان کیا اس نے کہا آج یہیں ٹکو تا کہ مجھے رات خبر دینے والا آ کر خبر دے۔ عبدالمطلب رات بھر اللہ سے دعا کرتے رہے ''اے اللہ میں تیری نذر پوری کرنا چاہتا ہوں تو کوئی ایسا فیصلہ کروا دے جو تجھے منظور ہو اور میری نذر بھی پوری ہو جائے۔'' صبح عرافہ کے پاس گئے تو اس نے کہا۔ مجھے فیصلہ بتا دیا گیا ہے۔ کہو تم میں ایک آدمی کی دیت کتنی ہے۔ بتایا گیا دس اونٹ۔ اس نے کہا دس اونٹوں اور عبداللہ پر قرعہ ڈالو اور اگر عبداللہ کا نام نکلے تو دس اونٹ اور بڑھا کر قرعہ ڈالو اور جب تک قرعہ عبداللہ کے نام پر نکلتا رہے۔ دس دس اونٹ بڑھاتے رہو اور جب قرعہ اونٹوں پر نکلے تو اونٹ ذبح کر کے مساکین کے لیے چھوڑ دو۔

سبھی لوگ خوشی خوشی مکہ پہنچے صاحب القداح کے پاس جا کر قرعہ اندازی شروع کر دی۔ اس دوران میں عبدالمطلب غلاف خانہ کعبہ تھامے اللہ سے دعا کرتے رہے یہاں تک کہ سو اونٹوں پر قرعہ اونٹوں پر نکل آیا ہر طرف سے مبارک کا شور اٹھا۔ مگر عبدالمطلب نے کہا ابھی نہیں۔ قرعہ مزید دو بار ڈالو۔ کہیں اتفاقاً اونٹوں پر نہ نکلا ہو چنانچہ جب تین بار لگاتار قرعہ اونٹوں پر نکلا تو

Marfat.com

عبدالمطلب نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اور سو اونٹ ذبح کر کے مساکین کے لیے چھوڑ دیے تاکہ انسان درندے اور پرندے جو چاہیں کھائیں کوئی روکنے والا نہ تھا۔

مشیت الٰہی

یہ فیصلہ دراصل مشیت الٰہی کا فیصلہ تھا۔ تقدیر میں طے تھا کہ امام الانبیاء، خاتم المرسلین، ہادی انس و جن، حبیب اللہ فداہ ابی و امی کو عبداللہ کے ہاں پیدا ہونا تھا۔ بھلا وہ ذبح کیسے کر دیے جاتے۔ اللہ وحدہ لاشریک جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں اسماعیل کو ذبح کرنے کا حکم دے کر اس مجسم تسلیم و رضا کو اپنے حکم سے بچا لیا اور ذبح عظیم سے نوازا تھا۔ اس لیے کہ امام الانبیاء کو ان کی اولاد میں پیدا کرنا مشیت میں طے تھا۔ اسی نے ارسیاہ نبی کو حکم دیا تھا کہ وہ سعد کو بخت نصر کے حملے میں اپنے ساتھ لے جائیں کہ ان کی نسل سے امام الانبیاء کو مبعوث ہونا ہے۔ اسی نے عبدالمطلب سے نذر منوائی۔ اسی نے نذر کو پورا کرنے کی راہ سجھائی تاکہ آپ کے جد اعلیٰ بھی ذبیح اللہ تھے۔ آپ کے والد ماجد بھی ذبیح اللہ ٹھہریں۔ یہ ایک ایسا شرف ہے جو آپ کے سوا کسی نبی کے حصہ میں نہیں آیا۔ اور اسی پر فخر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

انا ابن ذبیحین

''میں اللہ کی راہ میں اپنے آپ کو ذبح کے لیے پیش کرنے والے دو آباء کی اولاد ہوں۔''

مماثلت

حیرت سے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں جب آدمی دیکھتا ہے کہ قدرت خداوندی کے ان دو انعامات میں کتنی مماثلت ہے۔ وہاں ابراہیم علیہ السلام کو واضح حکم نہیں دیا جاتا بلکہ خواب میں نظارہ کروایا جاتا ہے یہاں عبدالمطلب کو ایک مشکل صورت میں ڈال کر ان کے دل میں نذر کا ارادہ پختہ کر دیا جاتا ہے۔ ہر دو مقامات پر مذبح حدود حرم ہیں۔ دونوں واقعات میں ذبح کرنے والا باپ ہے جو محض اللہ کی خوشنودی کے حصول کے لیے اپنے محبوب بیٹوں کو ذبح کرنے چلے ہیں۔ ہر دو واقعات میں بیٹے سراپا اطاعت واستقامت ہیں۔ ہر دو واقعات میں بیٹوں کو عین اسی وقت بچا لیا جاتا ہے جب قربانی دینے والا اور قربان ہونے والا قربان گاہ میں تیار ہیں ہاں بچاؤ کے اسباب میں فرق ہے۔ اسمٰعیل علیہ السلام کو اللہ بچاتا ہے براہ راست۔ خواب کے پورا ہونے کی خبر

Marfat.com

دے کر جبکہ عبداللہ کو بچانے کے لیے، اس کے بھائیوں، اس کے رشتہ داروں اور سرداران مکہ کو کھڑا کر دیا جاتا ہے اور کاہنہ کے ذریعے اپنا فیصلہ بالواسطہ طور پر یوں پہنچایا جاتا ہے کہ شبہ تک نہیں گزرتا کہ اس کا اپنا فیصلہ ہے اور پھر قرعہ کے نتیجے میں قربانی کی قبولیت کا یقین دلایا جاتا ہے۔ ہر دو واقعات میں فدیہ دیا یا دلوایا جاتا ہے۔ ہر دو فدیوں کو قیامت تک کے لیے ثبات بخشا جاتا ہے۔ اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ کو قربانی کی صورت میں اور عبداللہ کے فدیہ کو مقتول کی دیت کی صورت میں۔ ہر دو واقعات کو انسانیت کے وقار کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ کو اللہ کے تقرب کا ذریعہ قرار دیا جاتا ہے اور عبداللہ کے فدیہ کے ذریعے انسانی خون کی قیمت بڑھا دی جاتی ہے۔ عرب میں اس سے پہلے مقتول کا خون بہا دس اونٹ تھا۔ اس واقعہ کے بعد سو اونٹ قرار دیا اور اسلام نے اسے دوام بخش دیا۔ یہ مماثلت اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا بلکہ اس حکیم و خبیر کی طرف سے اعزاز تھا جو رحمت للعالمین کو بخشا گیا۔ اور انا ابن الذبیحین کا اعلان اس نعمت کی تحدیث تھی تفاخر نہیں۔

نکاح اور وفات

اس واقع ذبح کے تھوڑے ہی دنوں بعد عبدالمطلب نے عبداللہ کا نکاح قبیلہ بنو زہرہ کے سردار وہب بن عبد مناف بن زہرہ کی بیٹی آمنہ بنت وہب سے کر دیا جو اپنی سیرت و صورت کے اعتبار سے پورے مکہ میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔

اس نکاح کے کچھ عرصہ بعد ایک روایت کے مطابق عبدالمطلب نے عبداللہ کو مدینہ میں کچھ کھوریں خریدنے کے لیے بھیجا۔ وہ وہاں جا کر بیمار ہو گئے اور وہیں وفات پائی اور نابعہ جعدی کے گھر میں دفن ہوئے۔ نابعہ جعدی کا یہ گھر مسجد نبوی کے بالکل مغربی جانب تھا۔ سعودی حکومت کے دور میں جب حجاج کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر مغربی جانب چھولداریاں بنائی گئیں تو یہ گھر ہموار کر دیا گیا اور عبداللہ کے جسد خاکی کو جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔

واقعہ فیل

امام الانبیاء، خاتم المرسلین سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ ﷺ کی ولادت مبارکہ سے صرف

Marfat.com

پچاس روز قبل ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے بیت اللہ الحرام، قریش اور عبدالمطلب کے احترام میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔ بیت اللہ کا احترام تو اولین عبادت گاہ کے طور پر پہلے ہی موجود تھا مگر اس واقع نے اس بات کو اور بھی یقینی بنا دیا کہ یہ اللہ کا گھر ہے اور وہی خود اس کا محافظ بھی ہے۔ قریش اس سے قبل بھی بیت اللہ کے متولی ہونے کی وجہ سے عرب بھر میں محترم گنے جاتے تھے۔ اب اللہ کے ایسے محبوب لوگ قرار پا گئے جن کے دشمنوں سے اللہ خود جنگ کرتا ہے۔ عبدالمطلب سردار قریش ہونے کی وجہ سے ہی نہیں اپنی شخصیت اور حمیدہ صفات کی وجہ سے عرب بھر میں محترم گنے جاتے تھے۔ اب ایک ایسی برگزیدہ ہستی قرار پا گئے جس کی دعائیں اللہ قبول کرتا ہے۔ چنانچہ عبدالمطلب کو اس واقعہ کے بعد وہ احترام میسر آیا جو ان کے آبا میں قصی تک کو میسر نہ آیا تھا۔ یہ واقعہ بیت اللہ پر حملہ کرنے والے یمنی حکمران ابرہہ اور اس کے لشکر کی پرندوں کے ہاتھوں تباہی کا واقعہ ہے۔ جسے واقعہ فیل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

پس منظر

دنیا کے نقشے پر ایک نظر ڈال لی جائے تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ مشرق (مشرق اور جنوبی ایشیاء) جس میں چین، ہندوستان اور ایران کے علاوہ کئی دوسرے ممالک شامل ہیں اور یورپ کے ممالک اور جنوب (افریقہ کے شمالی ممالک) جن میں حبشہ، سوڈان، مصر، لبیا اور مراکو شامل ہیں، کے درمیان تجارت کے دو ہی راستے ہیں۔ ایک بحری جو بحیرہ ہند اور بحیرہ عرب سے ہوتا ہوا بحیرہ احمر پر ختم ہوتا ہے اور دوسرا بری جو جزیرہ نمائے عرب سے ہو کر گزرتا ہے۔ بری راستے بھی دو ہیں ایک وہ جو ایران عرب، عراق اور شام سے ہو کر ایک طرف مغرب میں ترکی اور یورپ کو جاتا ہے اور دوسری طرف صحرائے سینا سے گزر کر مصر اور دوسرے افریقی ممالک کو جاتا ہے اور دوسرا وہ جو خلیج فارس کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ عمان تک اور وہاں سے حضر موت اور یمن سے گزر کر بحیرہ احمر کے مشرقی کنارے کے متوازی حجاز سے گزر کر شام اور مغرب کو جاتا ہے۔

ان تجارتی شاہراہوں پر قبضے کی خواہش قدیم تر تہذیبوں میں بے شمار جنگوں کا سبب بنی ہے۔ اور آج بھی انہی شاہ راہوں اور اس علاقے کی معدنی پیداوار اور دوسرے وسائل پر اجارہ داری قائم کرنے کی خواہش ہی بین الاقوامی آویزش کا اصل سبب ہے اور سینا کے کنارے مصنوعی

Marfat.com

نہر سویز اور گرم بندرگاہوں تک رسائی دنیا کی اجارہ دار قوموں کی حرص کا نشانہ ہے۔

بحیرہ قلزم کے مشرقی کنارے پر حجاز سے گزرتی اسی بری شاہ راہ پر روم حبش اور یمن کی قبضہ کی خواہش ہی اس واقعہ کا سبب بنی۔ جس پر اس وقت عدنانی قبائل کا قبضہ تھا۔ نیز حاکم یمن کی جانب سے اپنے مرکز صنعا کو مکہ کی بجائے مذہبی مرکز قرار دینے کا منصوبہ بھی اس کا فوری سبب بنا تاہم اس کے پیچھے بھی وہی اقتصادی ضروریات جھانکتی نظر آتی ہیں جن کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں۔

ماضی میں جب رومی سلطنت کو عروج نصیب ہوا تو ۲۴ ق م یا ۲۵ ق م میں قیصر آگسٹس نے ایک بڑی فوج جنرل ایلیس گالوس (Aclius Gallus) کی سربراہی میں بحر احمر کے مشرق میں حجاز کے علاقے میں اتار دی تھی تاکہ وہ اس تجارتی شاہ راہ پر قبضہ کرے جو اس وقت قبائل بنو عدنان کے قبضہ میں تھی اور جس پر قبل ازیں بنو اسماعیل سے قبائل قیدار اور بنو نابت قابض تھے اور بنو جرہم ان کے شریک تھے۔ تاہم یہ مہم عرب کے موسمی اور جغرافیائی حالات میں ناکام ہوگئی۔

بعد ازاں مصر کے یونانی الاصل بادشاہ بطلیموس ثانی (۲۸۵ تا ۲۴۶ء) نے بحیرہ روم کی تجارتی شاہراہ پر قبضہ کی غرض سے اس پرانی نہر کی از سر نو کھدائی کروائی جو بیسویں صدی قبل مسیح میں سسوستریس فرعون مصر نے دریائے نیل کو بحیرہ احمر سے ملانے کی غرض سے کھدوائی تھی۔ اس نہر کے ذریعہ سے مصر کا بحری بیڑہ پہلی بار احمر میں داخل ہوا۔ مگر یمن کی حمیری سلطنت کے مقابلے میں یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔

یمن کا علاقہ جزیرہ نمائے عرب کے جنوب مغربی کونے میں واقع ہے جو بحر احمر اور بحیرہ عرب کے سواحل کے درمیان شمال میں ربع الخالی اور مشرق میں حضر موت اور عمان تک پھیلا ہوا ہے۔ ماضی میں تقریباً گیارہویں صدی قبل مسیح میں یہاں قوم سبا کو بہت عروج نصیب ہوا۔ یہ قوم کئی قبائل پر مشتمل تھی۔ جن میں سبا، حمیر، کندہ، اشعریین، ازد، مذحج (خثعم اور بجیلہ) عاملہ، جذام اور لخم شامل ہیں۔ یہ پورا علاقہ زراعت کے لیے بہت موزوں ہے۔ اس علاقے میں پھلوں اور دوسری اجناس کے علاوہ لوبان، عود، مشک، عنبر، قرفہ، قصب الذریر، سلیمہ اور دوسری خوشبودار چیزوں کی بڑی پیداوار تھی۔ ایک طرف اس قوم کو زراعت کے سبب اقتصادی ترقی نصیب ہوئی۔ یہاں اگرچہ دریا تو نہ تھے مگر اس قوم نے مارب کے علاقے میں مختلف بند باندھ کر مختلف وادیوں

Marfat.com

میں برساتی پانی کو جمع کر کے نہروں کا ایک جال بچھا دیا تھا۔ جس سے زراعت کو بہت ترقی نصیب ہوئی۔ یہ نہروں کا ایک ایسا سسٹم تھا جس کی کوئی نظیر اس زمانے میں دنیا بھر میں نہیں ملتی تھی۔

اس قوم کی ترقی کا دوسرا سبب یہ تھا کہ بحری تجارتی شاہراہ اور جنوبی عرب کی بڑی تجارتی شاہراہ ہر دو اس کے قبضہ میں تھیں۔ بحیرہ عرب پر صدیوں تک اس قوم کی حکمرانی قائم رہی تھی کہ یہاں کے موسمی تغیرات زیر زمین چٹانوں اور لنگر اندازی کے مقامات سے یہی قوم واقف تھی۔ اس طرح تجارت کے زمینی اور بحری راستوں پر اس کا قبضہ تھا۔ ان کی بندرگاہوں میں چین کا ریشم، انڈونیشیا اور مالا بار کے گرم مسالے، ہندوستان کے کپڑے اور تلواریں، مشرقی افریقہ کے زنگی غلام، بندر، شتر مرغ کے پر اور ہاتھی دانت پہنچتے تھے۔ پھر ان اشیاء اور مقامی پیداوار کو یہ لوگ مصر اور شام کی منڈیوں میں پہنچاتے جہاں سے یہ مال روم اور یونان کو جاتا۔

اس کے نتیجے میں یہ قوم اتنی خوشحال تھی جس کا تصور بھی مشکل ہے۔ ہر طرف باغات ہی باغات تھے۔ ساحل سمندر کے متوازی شام تک تجارتی راستے پر منازل متعین تھیں جن پر بستیاں قائم تھیں۔ دولت کا یہ عالم تھا کہ اس قوم نے جا بجا حسین یادگاریں بنا رکھی تھیں جن میں صنعا کی بلند پہاڑی پر قصر غمدان تعمیر کیا گیا تھا۔ عرب مورخین کے مطابق جس کی ۲۰ منزلیں تھیں اور ہر منزل ۳۶ فٹ بلند تھی۔ عام گھروں کے دروازوں پر سونے چاندی کے بیل بوٹے بنے تھے۔ چولہوں میں لوبان اور عود کی خوشبودار لکڑی جلائی جاتی تھی اور یونانی تاجروں کی روایت کے مطابق اس کی خوشبو کی لپٹیں سمندر کے اندر کئی میل تک محسوس ہوتی تھیں۔ یہی سبب ہے کہ اردگرد کی ابھرتی ریاستوں کی نظریں ان تجارتی راستوں پر لگی ہوئی تھیں۔

ہر قوم بنیادی طور پر بت پرست اور سورج دیوتا کی پجاری تھی۔ جب ملکہ سباء حضرت سلیمان علیہ السلام (۹۶۵۔۹۲۶ ق م) کے ہاتھ پر ایمان لے آئی تو اس کی اکثریت مسلمان ہو گئی تھی۔ پھر کسی وقت ان کے اندر شرک کا آغاز ہو گیا۔ اس قوم نے المقہ (چاند دیوتا) عشتر (زہرہ) ذات حمیم اور ذات بعدان (سورج دیوتا) اور کئی دوسرے دیوتاؤں کی پوجا شروع کر دی۔ پورا ملک ان دیوتاؤں خصوصاً المقہ کے مندروں سے بھر گیا۔

۶۵۰ ق م سے پہلے سبا کے حکمران مکرب سبا کہلاتے تھے۔ یہ غالباً مقرب کا ہم معنی تھا۔ یوں گویا وہ ان بتوں کے اوتار کے طور پر اپنے آپ کو اطاعت کا مستحق قرار دیتے تھے یا

Marfat.com

دوسرے الفاظ میں یہ کاہن بادشاہ تھے۔ بت پرستی اور دولت کے اشتراک نے انھیں اخلاقی بے راہ راوی کا شکار کر دیا۔ حسن پرستی، شہوت رانی، اباحیت، نسل پرستی اور اخلاقی دیوالیہ پن کی راہ پر چل نکلے۔ ۶۵۰ ق م سے لے کر ۱۱۵ ق م تک کے حکمرانوں نے مکرب کا لقب چھوڑ کر ملک کا لقب اختیار کر لیا۔ حکومت میں مذہبیت کی بجائے سیکولرزم کا رنگ بھرا۔ زر پرستی، خود غرضی، بد دیانتی، جلب منفعت، غیر ذمہ داری جیسے مذموم اخلاقیات ابھرے اور یہ قوم اللہ کی عنایت سے محروم ہوتی چلی گئی۔

۱۱۵ ق م میں مارب کے مشہور بند میں دراڑیں پڑیں اور خطرہ کو بھانپ کر بنوخزاعہ، اوس وخزرج اور بنو غسان ملک سے ہجرت کر گئے۔ ۱۱۵ ق م میں سبائی حکومت کی جگہ سبا ہی کے ایک قبیلے حمیر نے حکومت پر قبضہ کر لیا اور یوں حمیری حکومت کا آغاز ہوا۔ حمیری بادشاہوں نے حالات کو کسی حد تک سنبھالا دیا مگر حکومت پر ان کی گرفت اتنی مضبوط نہ تھی جتنی سبائی حکومت کی تھی۔ چنانچہ پہلے تو رومی جرنیل ایلیس نے حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حجاز میں اس تجارتی شاہراہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی مگر یہ مہم ناکام ہو گئی۔ ۲۸۵ ق م سے ۲۴۶ ق م میں بطلیموس کی بحیرہ احمر پر اجارہ داری کی کوشش پہلے ہی ناکام ہو چکی تھی۔ ۲۸۰ء میں حمیر کی سلطنت بھی انتشار کا شکار ہو گئی۔ ۲۸۰ سے ۳۴۰ء تک زیدانیوں، حمیریوں اور ہمدانیوں میں خانہ جنگیاں ہوتی رہیں۔ بیرونی قوموں کی مداخلت کا آغاز ہوا تجارت برباد ہو گئی اور زراعت نے دم توڑ دیا۔ رومیوں نے حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بحیرہ قلزم میں تجارتی بحری بیڑا داخل کر دیا اور اس کی پشت پر ایک جنگی بحری بیڑا موجود تھا۔ سبائی اس کا مقابلہ نہ کر سکے رومیوں نے جگہ جگہ بندرگاہوں پر اپنی تجارتی نوآبادیاں قائم کیں۔ ان میں جہازوں کی ضروریات فراہم کرنے کا انتظام کیا۔ جہاں ممکن ہو سکا فوجی دستے بھی رکھ لیے۔ حتیٰ کہ عدن پر رومیوں کا فوجی قبضہ ہو گیا۔ اس سلسلے میں رومی اور حبشی سلطنتیں باہم ساز باز کیے ہوئے تھیں۔

بحری تجارت کے ساتھ ساتھ بری تجارت بھی سبائیوں کے ہاتھوں سے نکل گئی۔ پہلے تو نبطیوں نے بیرا سے العلا تک شمالی حجاز اور اردن کی نوآبادیوں سے نکال دیا پھر ۱۰۶ء میں رومیوں نے نبطیوں کی سلطنت ختم کر کے اس علاقے میں اپنا تسلط قائم کر لیا۔ رومی تعاون سے حبشی بار بار یمن میں مداخلت کرتے رہے۔ آخر کار ۳۴۰ء میں حبشیوں نے اندرونی خلفشار سے فائدہ اٹھا کر

Marfat.com

یمن پر قبضہ کرلیا۔ مگر یہ قبضہ ۳۷۸ء تک صرف اڑتیس سال قائم رہا۔ ۳۷۸ء میں یمن پر حمیر ہی کی ایک شاخ کی حکومت قائم ہوگئی جو تبابعہ کہلاتے تھے۔

بحری تجارت کو خطرہ لاحق ہونے اور پیٹرا سے العلا تک نبطیوں کے قبضہ کے بعد اپنی تجارت کے لیے بری راستے پر قبضہ کرنے کی خاطر یمنی حکمرانوں نے بڑے جتن کیے۔ سلطنت یمن کے اضمحلال سے فائدہ اٹھا کر بنوخزاعہ جو مکہ پر قابض تھے اور ان کے ساتھ مل کر قبائل عدنان نے اسی راستہ پر قبضہ جمالیا۔ مکہ کی مذہبی مرکزیت ان کے لیے تقویت کا باعث تھی چنانچہ فہر کے زمانے میں حسان بن کلال حمیری نے مکہ پر حملہ کیا مگر قبائل عدنان اور بنوخزاعہ نے فہر کی قیادت میں اسے شکست دی۔ پھر ایک تبع نے مکہ پر حملہ کیا مگر ناکام رہا۔ آخری بار اسعد ابوبکر، تبع نے شمال میں حملہ کر کے اس راستے کو محفوظ کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ واپسی پر وہ مکہ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر مدینہ کے یہودی حبروں سے متاثر ہو کر یہودیت اختیار کر گیا۔ اور انہی کے کہنے پر مکہ پر حملہ کرنے کی بجائے اہل مکہ کی ضیافت کرنے اور خانہ کعبہ پر غلاف چڑھانے کے بعد واپس ہو گیا۔ اسعد ابوکرب تبع کے بعد اس کی اولاد پھر سلطنت پر اپنا قبضہ بحال نہ رکھ سکی۔ سلطنت اندرونی خلفشار کا شکار ہوگئی اور لخنیعہ ذوشناتر قابض ہوگیا۔ ایک تو وہ شاہی خاندان سے تعلق نہ رکھتا تھا اور دوسری طرف وہ نہایت ناپسندیدہ کردار کا حامل تھا۔ لہٰذا اس کے دور میں حکومت بدامنی کا شکار رہی آخر ذونواس تبع نے لخنیعہ کو قتل کر کے حکومت پر قبضہ کرلیا۔ ذونواس تقریباً ۳۸ سال برسر اقتدار رہا۔ اسعد ابوکرب تبع کے دور سے تبابعہ کا مذہب یہودیت تھا۔

ان دنوں جنوبی عرب میں نجران کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ یہ ایک بڑا تجارتی اور صنعتی مرکز تھا۔ ریشم، چمڑے اور اسلحے کی صنعتیں یہاں چل رہی تھیں۔ یہاں مشہور حلۂ یمانی بھی تیار ہوتا تھا۔ ۳۴۰ء سے ۳۷۸ء تک اپنے قبضہ کے دوران حبشیوں نے عیسائی مشنری یمن میں داخل کیے کہ عربوں کو عیسائی بنایا جائے۔ اسی زمانے کے قریب فیمیون نامی سیاح نجران میں پہنچا۔ یہ حضرت عیسیٰ کے دین پر تھا اور صاحب کرامت تھا۔ اس کی تبلیغ سے اہل نجران نے عیسائیت قبول کرلی۔ نجران کی حکومت تین سردار مل کر چلاتے تھے۔ ایک سید جو سیاسی، خارجی اور داخلی نیز فوجی معاملات کا ذمہ دار تھا۔ دوسرا عاقب جو اندرونی امن وامان کا ذمہ دار تھا۔ اور تیسرا اسقف جو مذہبی پیشوا تھا۔

Marfat.com

اصحاب الاخدود

ذونواس کی حکومت جب اچھی طرح جم گئی تو نجران کی حکومت پر اس کی اقتصادی خوشحالی کے سبب اس نے للچائی نظریں جمادیں اور ۵۲۳ء میں یہودیت کی تبلیغ کے بہانے حملہ کر دیا اور جب اہل نجران نے عیسائیت کو چھوڑنے اور یہودی مذہب اختیار کرنے سے انکار کیا تو اس نے نجران کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ نجران کے سید حارثہ کو قتل کیا۔ اس کی بیوی رومہ کے سامنے اس کی دو بیٹیوں کو قتل کر کے اسے خون پینے پر مجبور کیا اور پھر اسے بھی قتل کر دیا۔ اسقف پال کی ہڈیاں قبر سے نکال کر جلائیں اور گڑھے کھدوا کر ان میں آگ جلوائی اور عورتوں مردوں، بچوں بوڑھوں اور پادریوں راہبوں کو ان میں زندہ جلایا۔ مجموعی طور پر ۲۰ سے ۴۰ ہزار تک انسانوں کو قتل کروایا۔

اس واقعہ نے ہر انسان کو ہلا کر رکھ دیا۔ ذونواس کے خلاف ایک عام نفرت پیدا ہو گئی رومی اور حبشی ایک عرصہ سے بحری تجارتی راستہ پر قبضہ کے بعد بری راستے پر بھی قبضہ کرنے کے لیے موقع کی تلاش میں تھے اس ظلم کے خلاف پیدا ہونے والی نفرت سے فائدہ اٹھا کر روم اور حبش کی حکومتوں نے رومی بحری بیڑے کی مدد سے ایک بڑی فوج یمن میں اتار دی۔ اس فوج کا سربراہ ارباط تھا۔ ذونواس مارا گیا۔ اور یوں ۵۲۵ء میں حمیری سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور یمن پر حبشی قابض ہو گئے۔

ابرہہ

حافظ ابن کثیر کے مطابق یہ فوج دو امیروں کی قیادت میں اتاری گئی تھی۔ ایک ارباط دوسرے ابرہہ جبکہ محمد بن اسحاق کی روایت یہ ہے کہ اس فوج کا امیر ارباط تھا اور یہ اس کی فوج میں شامل تھا۔ ارباط اور ابرہہ کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے۔ اور لڑائی میں ارباط مارا گیا۔ یہ شخص رفتہ رفتہ یمن کا خود مختار بادشاہ بن گیا۔ اسے یمن میں جو اقتدار حاصل تھا اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ مارب کا وہ بند جو ۴۵۰ء میں مکمل طور پر ٹوٹ گیا تھا اس نے اسے دوبارہ مرمت کروایا اس سے فارغ ہو کر اس نے جشن منایا جس میں قیصر روم، شاہ ایران، شاہ حیرہ اور شاہ غسان کے سفرا شامل ہوئے۔ تاہم یہ اپنے آپ کو مفوض ملک (نائب شاہ) لکھتا تھا۔

Marfat.com

یمن میں پوری طرح قتدار پر قابض ہونے کے بعد اس نے ایک طرف عرب میں عیسائیت کی ترویج کے لیے منصوبہ بندی کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا اور دوسری طرف اس تجارت پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا جو عربوں بالخصوص قریش کے ذریعے بلاد مشرق اور رومی مقبوضات کے درمیان ہوتی تھی اور یہی وہ اصل وجہ تھی جس کے پیش نظر روم وحبش نے باہمی تعاون سے تبابعہ کی حمیری سلطنت کو ختم کیا تھا۔

یہ وہ دور تھا جب عبد مناف کے بیٹوں نوفل، ہاشم اور مطلب کے شروع کردہ رحلة النشاء والصیف تجارت پر پوری طرح چھائے ہوئے تھے اور خانہ کعبہ کے متولی ہونے کے سبب یمن سے شام تک پھیلے ہوئے عرب قبائل قریش کے قافلوں سے کوئی تعرض نہ کرتے تھے اور قبائل اپنے اپنے علاقے میں ان سے وہ بھاری ٹیکس وصول نہ کرتے تھے جو وہ یمن اور روم کے تجارتی قافلوں سے بھی وصول کرتے تھے۔ اس طرح اس تجارتی راستے پر قبضہ کرنے کے لیے مکہ کی مرکزی حیثیت ختم کرنا ناگزیر تھا جو اسے بیت اللہ کی وجہ سے حاصل تھی۔ یہی سبب ہے کہ حبشیوں نے یمن پر اپنے اپنے قبضہ کے دوران نجران میں ایک کلیسہ تعمیر کروایا تھا جو کعبہ نجران کہلاتا تھا۔ اس کے اسقف اور راہب عمامہ باندھتے تھے اور اُسے حرم کہتے تھے۔ حبشیوں کا ارادہ تھا کہ وہ حج کو اس کعبہ نجران کی طرف منتقل کر دیں۔ تاہم اس پر عمل سے پہلے ان کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا اور حبشیوں کے عزائم پورے نہ ہو سکے۔

ابرہہ نے صنعا میں ایک نہایت خوبصورت کلیسا تعمیر کروایا۔ جسے مؤرخین القلیس لکھتے ہیں۔ محمد بن اسحاق لکھتے ہیں کہ کلیسا کی تعمیر کے بعد اس نے شاہ حبش کو لکھا کہ میں عربوں کا حج کعبہ سے اس کلیسا کی طرف موڑے بغیر نہ رہوں گا۔ یہ اطلاع اس لیے دی گئی تھی کہ شاہ حبش اس بات پر مطمئن رہیں کہ میں اپنے اس مقصد سے غافل نہیں ہوں۔ جس کے لیے مجھے اقتدار میں لایا گیا تھا۔ ابن کثیر کی روایت ہے کہ اس خط کے بعد اس نے یمن میں اپنے اس ارادے کا اظہار علی الاعلان کیا اور منادی کرادی۔ اس اعلان سے مقصد یہ تھا کہ عربوں کو اشتعال دلوایا جائے اور وہ کوئی ایسی حرکت کریں جس کو بہانہ بنا کر وہ مکہ پر حملہ کر سکے اور کعبے کو منہدم کر سکے۔ چنانچہ ابن کثیر کی روایت ہے کہ ایک عرب نے کلیسا میں داخل ہو کر وہاں پاخانہ کر دیا۔ ابن کثیر کے نزدیک یہ فعل ایک قریشی نوجوان نے کیا تھا جبکہ مقاتل بن سلیمان کی روایت یہ ہے کہ قریش کے بعض

Marfat.com

نوجوانوں نے کلیسا کو آگ لگا دی۔ اس واقعہ کی اطلاع جب ابرہہ کو ہوئی تو اس نے قسم کھالی کہ کعبہ کو منہدم کیے بغیر نہیں رہے گا۔ یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ عربوں یا قریش ہی کے نوجوان ہی نے یہ حرکت کی ہو تاہم اس امر کو بھی خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا کہ یہ حرکت خود ابرہہ نے اپنے ہی کارندوں سے کروائی ہو تا کہ عربوں پر الزام دھر کر اسے حملے کا بہانہ میسر آ سکے۔

بیت اللہ پر حملہ

۵۶۹ء یا ۵۷۱ء میں نبی اکرم ﷺ کی پیدائش سے تقریباً دو ماہ قبل محرم کے مہینے میں ابرہہ ۶۰ ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ جس میں بہ اختلاف روایات ۹ یا ۱۳ ہاتھی تھے مکہ پر حملہ آور ہو گیا۔ اُس کے اِس ارادے سے واقف ہو کر یمن میں آباد عربوں کے ایک سردار نے عربوں کا ایک لشکر جمع کر کے راستہ روکنے کی کوشش کی مگر شکست کھا کر گرفتار ہو گیا۔ پھر خثعم کے علاقے میں ایک اور عرب سردار نفیل بن حبیب خثعمی نے قبائل عرب کو جمع کر کے ٹکر لی مگر شکست کھا کر گرفتار ہوا اور بدرقے کی خدمت قبول کر کے جان بچائی۔ ابرہہ جب اپنے لشکر کے ساتھ طائف کے قریب پہنچا تو بنو ثقیف کا سردار ابرہہ سے ملا اور اسے کہا ہمارا بت کدہ وہ عبادت گاہ نہیں ہے جس کو منہدم کرنے کے لیے تم نے لشکر کشی کی ہے۔ آپ ہمارے معبد کو نہ چھیڑیں۔ ہم مکہ تک پہنچانے کے لیے آپ کو بدرقہ فراہم کرتے ہیں اور ابو رغال نامی ایک شخص کو ساتھ کر دیا۔ ابرہہ کا لشکر جب مکہ سے تین کوس کے فاصلہ پر وادی مغمس میں پہنچا تو ابو رغال فوت ہو گیا اور وہیں دفن ہوا اور عرب مدتوں اس شخص کی قبر پر سنگ باری کرتے رہے۔

محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ ابرہہ نے اپنے مقدمۃ الجیش کو آگے بڑھایا اور وہ لوگ اہل تہامہ اور قریش کے مویشی لوٹ کر لے آئے۔ جن میں عبدالمطلب کے دو سو اونٹ بھی شامل تھے۔ پھر اس نے اہل مکہ کے پاس حناطۃ الحمیری کو سفیر بنا کر بھیجا کہ انھیں بتا دو کہ میں تم سے جنگ کرنے نہیں آیا۔ میں کعبہ کو گرانے آیا ہوں۔ اگر تم مجھ سے جنگ کرنے سے باز رہو تو میں تمھاری جان و مال سے تعرض نہیں کروں گا اور اگر اہل مکہ مجھ سے جنگ نہ کرنا چاہتے ہوں تو ان کے سردار کو میرے پاس لے آؤ۔ حناطۃ نے یہ پیغام عبدالمطلب کو پہنچایا۔ تو وہ حناطہ کے ساتھ المغمس میں ابرہہ کے پاس چلے گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے کچھ بیٹے تھے۔ آپ ابرہہ کے خیمہ

Marfat.com

میں داخل ہوئے تو وہ آپ کی بارعب شخصیت سے متاثر ہو کر تخت سے اتر کر آپ کے ساتھ فرش پر بیٹھ گیا۔ پوچھا کیسے آؤ ہو۔ انھوں نے اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ ابرہہ نے کہا میں آپ کی شخصیت سے متاثر ہوا تھا۔ حیرت ہے کہ آپ اونٹوں کا تو مطالبہ کرتے ہیں مگر آپ نے کعبہ کے سلسلہ میں کوئی بات نہیں کی۔ عبدالمطلب نے جواب دیا انا رب الابل وللبیت رب ۔ میں اونٹوں کا مالک ہوں جبکہ اس گھر کا مالک موجود ہے۔ (مجھے اس کے سلسلے میں کسی درخواست کی حاجت نہیں) اس نے کہا اسے مجھ سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اس پر عبدالمطلب نے جواب دیا۔ ھا انت وذالك ۔ یہ آپ ہیں اور یہ رہا کعبہ (آپ ہمت کر کے دیکھ لیں)۔ اس پر ابرہہ نے عبدالمطلب کے اونٹ واپس کرنے کا حکم دیا۔

عبد بن حمید، ابن المندر ر، ابن مردویہ، حاکم، ابونعیم اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ابرہہ جب اپنے لشکر کے ساتھ الصفاح کے مقام پر پہنچا جو طائف اور عرفات کے درمیان ہے تو عبدالمطلب اس کے پاس گئے اور کہا کہ آپ کو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی اگر آپ کو کوئی چیز چاہیے تھی تو ہمیں کہلا بھیجتے ہم خود حاضر کر دیتے۔ اس نے کہا میں نے سنا ہے کعبہ امن کا گھر ہے۔ میں اس کا امن ختم کرنے آیا ہوں عبدالمطلب نے کہا یہ اللہ کا گھر ہے اور اس نے آج تک کسی کو اس پر مسلط نہیں ہونے دیا۔ ابرہہ نے جواب دیا ہم اسے منہدم کیے بغیر نہ لوٹیں گے۔ عبدالمطلب نے کہا آپ ہم سے جو مطالبہ کریں ہم اسے پورا کرنے کو تیار ہیں آپ اپنے ارادے سے باز رہیں ابرہہ نے انکار کیا اور لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔

ابن ہشام نے ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ جب حناطہ الحمیری عبدالمطلب کے پاس آیا اس وقت بنو بکر کا سردار یعمر بن نفاثة بن عدی بن الدئل بن بکر بن عبد مناة بن کنانہ اور بنو ہذیل کا سردار خویلد بن واثلہ الھذلی بھی آپ کے ہمراہ گئے اور انھوں نے ابرہہ کو اپنے تہائی اموال دینے کی پیش کش کی کہ وہ کعبہ کو منہدم کرنے کے ارادے سے باز رہے مگر اس نے انکار کر دیا۔ تاہم عبدالمطلب کے اونٹ واپس کر دیے۔

ان تینوں روایات میں سے اپنی سند کے اعتبار سے ابن عباس کی روایت زیادہ قوی ہے اور اسے ابن اسحاق اور ابن ہشام کے مقابلے میں زیادہ ثقہ لوگوں نے بیان کیا ہے۔ جو محدثین ہیں تاہم اس بات کا امکان ہے کہ تینوں روایات صحیح ہوں۔ اس لیے کہ ان میں کوئی تضاد نہیں

Marfat.com

سوائے جزئیات کے اختلاف کے۔ ممکن ہے ابرہہ سے عبدالمطلب دو بار ملے ہوں۔ ایک بار الصفاح کے مقام پر جو عرفات اور طائف کے درمیان واقع ہے اور دوسری بار المغمس کے مقام پر جو وادی محسر کے بالکل قریب واقع ہے اور مکہ سے صرف تین کوس کے فاصلے پر ہے اور اس وقت ان کے ہمراہ ان کے بعض بیٹوں کے علاوہ بنو بکر اور بنو ہذیل کے مذکورہ سردار بھی ہوں۔

خالصۃً اللہ سے دعا

المغمس سے واپس آ کر عبدالمطلب نے سرداران قریش کو خانہ کعبہ میں جمع کیا۔ انھیں ابرہہ کے ساتھ اپنی سفارت اور اس کے جواب سے آ گاہ کیا اور انھیں یہ ہدایت کی کہ وہ مکہ خالی کر کے اردگرد کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر، گھاٹیوں اور وادیوں میں چلے جائیں۔ پھر خانہ کعبہ کی کنڈی تھام کر سرداران قریش کے ساتھ مل کر نہایت خشوع کے ساتھ خالصۃً اللہ سے دعا کرتے رہے۔ یہ بات اس امر کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ قریش اپنے بتوں کو اللہ کے برابر صاحب اختیار ہرگز نہ مانتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ کسی سردار قریش نے اللہ کے سوا کسی بت سے اس موقع پر دعا نہیں کی۔

ابن ہشام نے عبدالمطلب کے درج ذیل دعائیہ اشعار نقل کیے ہیں ؎

لاھم ان العبد نع رحلہٗ فامنع حلالك

''اے اللہ بندہ اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما۔''

لا یغلبن صلیبھم ومحالھم غدواً محالك

''کل ان کی صلیب اور ان کی تدبیر تیری تدبیر کے مقابلے میں غالب نہ آنے پائے۔''

ان کنت تارکھم وقبلتنا فامر ما بدالك

''تو ان کو اور ہمارے قبلے کو اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہتا ہے تو جو تو چاہے کر۔''

سہیلی نے روز الانف میں عبدالمطلب کا یہ شعر مزید نقل کیا ہے ؎

وانصرنا علیٰ الصلیب وعابدیہ الیوم الك

ابن جریر لکھتا ہے کہ عبدالمطلب نے یہ دعا مانگتے ہوئے یہ اشعار بھی پڑھے تھے ؎

یارب لا ارجو لھم سواکا یارب فامنع منھم حماکا

Marfat.com

''اے میرے مالک میں ان کے مقابلے میں تیرے سوا کسی سے امید نہیں کرتا میرے مالک ان سے اپنے حرم کی حفاظت فرما۔''

ان عـدو البیت من عاداکا　　امنعهم ان یخربوا قراکا

''اس گھر کا دشمن وہی ہے جسے تجھ سے دشمنی ہے اپنی بستی تباہ کرنے سے انھیں روک دے۔''

یہ دعائیں مانگ کر عبدالمطلب اور قریش کے دوسرے سردار پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے گئے۔

نصرت خداوندی

اگلی صبح ابرہہ نے المغمس سے اپنے لشکر کو آگے بڑھایا۔ المغمس عرفہ سے نکلتے ہی وادی عرفہ میں نخیل ابن عامر کے قریب ایک مقام ہے۔ جب وہ محسر میں پہنچا جو مزدلفہ میں مزدلفہ سے منیٰ جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر واقع ہے اور منیٰ کے عین ابتدا کے قریب ہے جس سے آگے منیٰ میں وادی محصب کا آغاز ہوتا ہے تو اس کے ہاتھی محمود نے حدود حرم میں داخل ہونے سے انکار کر دیا اور بیٹھ گیا۔ اسے آنکس اور کلہاڑیوں سے بہت مارا گیا۔ مگر وہ اٹھتا نہ تھا۔ اسے دائیں بائیں جس طرف بھی اشارہ کیا جاتا دوڑ پڑتا مگر جونہی حرم کی طرف ہانکا جاتا وہ حدود حرم کے قریب بیٹھ جاتا۔ یہ قدرت کاملہ کی طرف سے آخری تنبیہ تھی جسے ابرہہ اور اس کے سرداروں نے اپنی طاقت کے زعم اور دولت دنیا کی حوس میں نظر انداز کر دیا۔ ابرہہ جو خود عیسائی تھا اور اللہ پر ایمان کا دعویدار تھا۔ سلطنت یمن کی تجارت کی بحالی کی ابھرتی خواہش اور بیت اللہ کی دشمنی میں بالکل اسی کیفیت میں مبتلا ہو گیا تھا جسے قرآن مجید میں کتنے خوبصورت اسلوب میں ایک مختصر سے جملے میں بیان کر دیا گیا ہے۔

﴿فَاِنَّهَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَ لٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ﴾ (الحج:۴۶)

''بے شک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔''

وہ ایک جانور کو احتجاج کرتے اور اپنے قائد اور سائیس سے مار کھاتا دیکھ رہا تھا مگر دل

Marfat.com

اس سے کوئی صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہی حق ہے۔

﴿وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ﴾ (یٰس:٤٦)

''اللہ کی نشانیوں میں سے جب بھی کوئی نشانی ان کے سامنے آتی ہے اس سے اعراض کر لیتے ہیں۔''

حق یہ ہے کہ ایسے بدبختوں کو معجزات بھی ہدایت دینے کا ذریعہ نہیں بنتے۔

﴿وَاِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا﴾ (الاعراف:١٤٦)

''یہ ہر طرح کے معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔''

واقدی نے اپنی اسناد سے یہ بات نقل کی ہے کہ ابرہہ کے حکم سے ہاتھی کا سائیس بڑی دیر تک ہاتھی کو مار مار کر آگے بڑھانے کی کوشش کرتا رہا اور عبدالمطلب اور اشراف مکہ کی ایک جماعت جن میں مطعم بن عدی، عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم اور مسعود بن عمرو ثقفی شامل تھے کوہ حرا پر کھڑے لشکر اور ہاتھی کی اس کشمش کو دیکھ رہے تھے اور حیرت زدہ تھے۔ آخر خانہ کعبہ کے مالک، مالک ارض وسماء کے خلاف استکبار کرنے والے ابرہہ کی مہلت ختم کر دی گئی۔ جس نے پچھلے ہی روز المغس میں کعبہ کے بارے میں نہایت تکبر کے ساتھ بڑ ہانکی تھی لا یمنعہٗ منی۔ اسے مجھ سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اور آج رب کعبہ اپنے گھر کی حفاظت پر اتر آیا۔ فیصلے کی گھڑی آن پہنچی۔ مالک کون و مکان نے اپنی نہایت حقیر سی فوج بھیج کر ابرہہ اور اس کے لشکر کو کہانیوں کا موضوع بنا دیا۔

خدا کی مدد کے طلب گار، امام الانبیاء فداہ ابی وامی کے دادا حضور، سبط اسماعیل ذبیح اللہ اور خانوادہ خلیل اللہ کے سپوت عبدالمطلب اور اس کے ہمراہیوں، دوسرے اہل مکہ اور ابرہہ اور اس کے لشکر کی دیکھتی آنکھوں کے سامنے بحیرہ احمر کی جانب سے پرندوں کے غول کے غول یوں امڈ کر آئے جیسے ساون کی گھٹائیں امڈ کر آتی ہیں۔

حضرت سعید بن جبیر کا بیان ہے:

كانت طيراً من السماء لم ير قبلها ولا بعدها۔

''یہ آسمان پر ایسے پرندے تھے جو نہ اس سے پہلے کبھی دیکھے گئے نہ بعد میں۔''

ان پرندوں کے بارے میں دیکھنے والے لوگوں نے پرندوں کی مختلف اقسام بیان کی

Marfat.com

ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں۔ یہ سبز رنگ کے پرندے تھے جن کے سر درندوں سے مشابہ تھے۔ دوسرے کہتے ہیں ان کی گردنیں پرندوں کی تھیں مگر پنجے کتوں جیسے تھے۔ کچھ دوسرے لوگ کہتے ہیں یہ سبز پرندے تھے جن کی چونچیں پیلی تھیں۔ لگتا یوں ہے کہ مکہ کی پہاڑیوں پر اللہ کی نصرت کے منتظرین میں سے جس نے اپنے سروں پر سے گزرتی جس ٹکڑی کو دیکھا اسی کی تصویر کشی کر دی۔ سب اس بات پر متفق ہیں کہ ہر پرندے نے تین پتھر اٹھار کھے تھے۔ دو پنجوں میں اور ایک چونچ میں۔

آخر ہوائی حملہ شروع ہوا۔ مختلف ٹکڑیاں آتیں اور اپنا اسلحہ گرا کر رخصت ہو جاتیں ابو نعیم نے عطاء اور ضحاک کی زبانی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بن عبدالمطلب سے یہ روایت نقل کی ہے:

ترسل واحدةً علیٰ راس الرجل فیسیل لحمه ودمه دیقبی عظاماً خاویة لالحم علیها ولا جلد وّلادم۔

''یہ کسی شخص کے سر پر ایک کنکر گراتے تو اس کا گوشت بہہ جاتا اور خالی ہڈیاں بچ جاتیں جن پر نہ گوشت نہ پوست اور نہ خون ہوتا۔

نفیل بن حبیب خثعمی جس نے اپنے قبیلے اور اردگرد کے قبائل کو جمع کر کے ابرہہ کے لشکر کا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی اور شکست کھا کر گرفتار ہو گیا تھا اور جان بچا کر بدرقہ کی خدمت قبول کر لی تھی اور رہنمائی کرتے ہوئے وادی محسر تک لایا تھا۔ اس کا کہنا یہ ہے میں اسے اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے یہاں تک لایا تھا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ کعبہ اللہ کا گھر ہے اور وہ اپنے گھر کی حفاظت کرے گا اور ابرہہ اپنے انجام تک پہنچ جائے گا اور اس کی اس بات کی صداقت کا ثبوت یہ ہے کہ اس عذاب الٰہی سے وہ محفوظ رہا۔ وہ اس واقعہ کا عینی شاہد ہی نہیں خود موقع پر موجود اور شریک واقعہ تھا۔ جب اس غیر متوقع حملے کے نتیجے میں حبشیوں میں بھگدڑ رچ گئی تو اس نے پکار کر کہا:

این المفر والا لـه الطالب　　　والاشرم المغلوب لیس الطالب

''بھاگ کے کہاں جاؤ گے جبکہ اللہ ہی گرفت میں لینے کا فیصلہ کر چکا ہے اور اشرم ابرہہ مغلوب ہو گا غالب نہ ہو گا۔''

اسی عینی شاہد نفیل بن حبیب خثعمی نے اس واقعہ کے بارے میں درجہ ذیل اشعار کہے ہیں:

Marfat.com

ردینة لو رایت ولا تریه   لدی جنب المحصب ما رأینا

''اے ردینہ کاش تو نے وہ دیکھا ہوتا اور تو نے نہیں دیکھا ہے جو کچھ ہم نے محصب کے قریب دیکھا ہے۔''

اذا لعذرتنی و حمدتِ امری   ولم تاسی علی افات بینا

''اس صورت میں تو میرا عذر قبول کرتی اور میرے معاملے کی تعریف کرتی اور جو ہم نے کھویا اس پر افسوس نہ کرتی۔''

حمدتُ الله اذا أبصرت طیراً   وخفت حجارة تلقیٰ علینا

''میں نے جب پرندوں کو دیکھا تو اللہ کی تعریف کی اور میں ان کنکروں سے ڈرتا تھا جو ہم پر گرائے جا رہے تھے۔''

فکل القوم تسأل عن نفیل   کان علی للجشان دین

''سارا لشکر نفیل کو پوچھتا پھرتا تھا جیسے مجھ پر حبشیوں کا کوئی قرض ہو۔''

ان پتھروں بلکہ کنکریوں سے سارا لشکر ایک ہی جگہ وادی محسر ہی میں نہیں ختم ہوا بلکہ مختلف لوگوں کا انجام مختلف تھا۔ اکثر لوگوں کو وہیں موت آئی اور ان کا گوشت پوست اور خون وہیں بہہ گیا اور ہر طرف لوتھڑے اور ڈھانچے بکھرے پڑے تھے۔ کچھ چوٹ کھا کے بھاگے اور کہیں ان کی انگلیاں گریں اور کہیں بازو کہیں پاؤں گرا تو کہیں ٹانگ، کہیں جبڑا گرا تو کہیں سر۔ یمن تک پورا راستہ بکھرے اعضا سے پٹا پڑا تھا۔ پورے لشکر کو کسی شے کا ہوش نہ تھا۔ ایک کنکر ابرہہ کے لگا اور اس کے اعضا جھڑنے شروع ہوئے۔ کچھ لوگ جو کنکروں سے بچے ہوئے تھے وہ اسے اٹھا کر یمن کی طرف بھاگے۔ پرندے بدستور اپنے کنکر سنبھالے سروں پر اڑتے چلے گئے۔ ابرہہ کے اعضاء راستے میں جھڑتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ جب یہ لوگ اسے اٹھا کر صنعا میں اس کے دربار میں پہنچے تو یہ خبر پا کر لوگ اسے دیکھنے کے لیے دوڑے۔ اور لوگوں کی عین آنکھوں کے سامنے اس کے سینے کا پنجر جس سے اس کا گوشت جھڑ گیا تھا کھل گیا اور آ کر کا راس کا دھڑکتا دل پھٹ گیا اور وہ اپنے انجام کو پہنچا۔ اٹھا کے لے جانے والے اسے رکھنے ہی پائے تھے کہ پرندوں نے ان پر پتھر برسائے اور وہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے عبرت کا سامان بن گئے۔

(ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، مکتبہ حقانیہ پشاور، ص ۵۸۸۔۵۹۰)

Marfat.com

ذرا ان پتھروں (کنکروں) کا اندازہ کر لیجیے جو ان پرندوں نے برسائے تھے۔ حضرت عکرمہ جو حضرت ابن عباس کے شاگرد ہیں، فرماتے ہیں، وہ پتھر مسور کے دانے سے بڑے اور چھوٹے چنے کے برابر تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ میں نے ام ہانی کے گھر میں ان پتھروں سے بھری ایک ٹوکری دیکھی ہے۔ ان پر سرخ لکیریں تھیں۔

(الزمخشری، الکشاف، کتب خانہ مظہری، ص ۷۹۷۔۷۹۸)

قرآن مجید میں اس واقع کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ پتھر حجارۃ من سجیل تھے۔ ابن عباس اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ لفظ فارسی کے سنگ گل کا معرب ہے۔ مراد ہے مٹی کے ٹھوس شدہ سنگریزے جنھیں پنجابی میں روڑ اور بعض علاقوں میں سکروڑ کہتے ہیں۔ زجاج کے نزدیک اس سے مراد ایسے پتھر جو عذاب کے طور پر برسائے گئے۔

(الشوکانی، فتح القدیر، توزیع مکتبۃ المعارف، ریاض، سعودی عرب، ص ۵۱۶)

یہ سنگ ریزے جو عذاب کے لیے برسائے گئے۔ ۶۰ ہزار کے لشکر میں سے کوئی ایک بھی ان سے نہیں بچا قدرت نے نہ صرف انھیں عذاب دیا بلکہ اس عذاب کی تشہیر کا سامان بھی کیا۔ محسر سے بھاگنے والے یمن تک کے پورے علاقے میں بکھرے پڑے تھے۔ ابرہہ صنعا میں لوگوں کے لیے عبرت بنا تو اس کا وزیر ابو یکسوم بھاگ کر حبشہ میں نجاشی کے دربار میں پہنچا اور اسے ابرہہ کے لشکر کی تباہی کی داستان سنا چکا تو اس پر مسلط کیا گیا پرندہ پہنچ گیا اور بھرے دربار میں پتھر برسایا اور نجاشی نے جو اس نجاشی کا دادا تھا۔ جو ہجرت حبشہ کے وقت سریر آرائے سلطنت تھا۔ اپنی آنکھوں سے اس عذاب کو دیکھ لیا۔ جو ابرہہ اور اس کے لشکر پر آیا تھا۔

وہ خانہ کعبہ کو منہدم کرنے آئے تھے اور خود مٹ گئے۔ مقاتل بن سلیمان نے ذکر کیا ہے کہ اس دن قریش کو بے شمار مال ملا جو ابرہہ اور اس کا لشکر ساتھ لائے تھے اور اس دن عبدالمطلب کے حصے میں اتنا سونا آیا جو ایک گڑھے کو بھرنے کے لیے کافی تھا۔

نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد آپ کی تبلیغ کے ابتدائی زمانہ ہی میں قرآن مجید میں کتنے موثر اور بلیغ اسلوب میں اختصار و ایجاز کے ساتھ اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے انھی لوگوں کے سامنے بیان فرمایا جو اس کے عینی شاہد تھے یا عینی شاہدوں کے بیٹے تھے۔

﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ

Marfat.com

كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ۝ وَّأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ۝ تَرْمِيهِم بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ﴾ (الفیل)

''تم نے دیکھا نہیں کہ تمھارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا اس نے ان کی تدبیر کو اکارت نہیں کر دیا۔ اور ان پر پرندوں کے جھنڈ بھیج دیے جو ان پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے۔ پھر ان کا حال یہ کر دیا جیسے جانوروں کا کھایا ہوا بھوسا۔''

غلط تاویل

یہ ہے قدرت کاملہ کے اظہار کا ایک نادر واقعہ جو آپ ﷺ کی ولادت سے تقریباً پچاس روز پہلے عین دیکھتی آنکھوں مکہ میں پیش آیا۔ یہ ایک خالصۃً معجزاتی معاملہ تھا جس کی تفصیلات ہم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے جو صغار صحابہ میں سے ہیں کی زبانی بیان کر دی ہیں۔ بلاشبہ یہ واقعہ کے پچاس سال بعد ہجرت نبوی سے تین سال پہلے پیدا ہوئے۔ مگر ان کے والد بزرگوار حضرت عباس بن عبدالمطلب اس واقعہ سے دو سال پہلے پیدا ہو چکے تھے۔ سن شعور کو پہنچے تو ابھی یہ واقعہ کل کی بات تھی۔ انھوں نے اس واقعہ کو اپنے والد عبدالمطلب سے سنا جو اس واقعہ کا مرکزی کردار تھے اور عباس رضی اللہ عنہ کی زندگی میں اس وقت فوت ہوئے جب حضرت عباس کی عمر ۱۰ سال تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے یہ واقعہ اپنے والد بزرگوار کے علاوہ کئی ایسے صحابہ سے سن کر بیان کیا ہے جو اس واقعہ کے عینی شاہد ہیں۔ ان کے علاوہ سب سے بڑی شہادت نفیل بن حبیب خثعمی کی ہے۔ جو برستے پتھروں میں موجود تھا۔ ان ہر دو کا بیان ہے کہ یہ پتھر پرندے برسا رہے تھے۔ ان کے علاوہ ہم نے حضرت سعید ابن جبیر، قتادہ اور عکرمہ کی روایت نقل کی ہے جو اکابر تابعین میں سے ہیں نیز مقاتل بن سلیمان اور محمد بن اسحاق، واقدی اور ابن ہشام کی روایات نقل کی ہیں جو ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔

دور جدید میں مولانا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ نے جن کی تفسیری خدمات سے انکار ممکن نہیں ہے اور ان کے متبعین اس بات کے انکاری ہیں کہ ابرہہ کے لشکر کو پرندوں نے کنکریاں مار مار کر

Marfat.com

تباہ کیا تھا۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ پتھر اہل مکہ نے برسائے تھے اور سخت آندھی نے انھیں پٹخ پٹخ کر تباہ کر دیا تھا پرندے توان کی نعشیں نوچنے کے لیے اس وقت آئے جب وہ اہل مکہ کے پتھروں کا شکار ہو کر اور حاصب واساف کی تند ہواؤں کا شکار ہو کر مر چکے تھے۔ ان کی تاویل کی بنیاد یہ ہے کہ بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ عبدالمطلب اپنے اونٹوں کا مطالبہ کر کے خاموش ہو گئے ہوں اور ابرہہ سے جنگ کا ارادہ ترک کر دیا ہو اور یہ بھی سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے کہ قریش اور عرب کے دوسرے لوگوں نے جو حج کے لیے آئے ہوئے تھے حملہ آور فوج کا مقابلہ نہ کیا ہو اور کعبے کو اللہ کے رحم و کرم پر چھوڑ کر پہاڑوں میں جا چھپے ہوں۔ لہٰذا وہ تَرْمِیْھِمْ کی ضمیر فاعل کا مرجع اہل مکہ کو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہل مکہ نے ابرہہ پر پتھر برسائے اور اللہ نے پتھر برسانے والی ہوائیں بھیج کر ان کا بھرکس نکال دیا۔ دوسرے یہ کہ پرندے بھیجنا عربی زبان میں مار دینے کے لیے محاورہ ہے۔ ہم اس تاویل پر خاموش رہتے کہ یہ ایک واقعہ کی تعبیر ہی تو ہے جس پر بحث کی کوئی حاجت نہیں لیکن اسے کیا کیا جائے کہ جدت پسندی میں ایک ایسے امر واقعہ کا انکار ہے جسے قرآن مجید میں اللہ کی قدرت کاملہ کا مظہر قرار دیا گیا ہے۔ جس پر اس سورہ کا اسلوب ثبوت ہے۔ جس کی تائید مستند احادیث کرتی ہیں۔ جو امت کے اہل علم میں چودہ سو سال تک مسلم رہا ہے۔

ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ وہ کیا فنی خرابی تھی۔ جو تَرْمِیْھِمْ بِحِجَارَۃٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ کو طَیْـرًا اَبَـابِیْـلَ کی صفت ماننے میں ایسی رکاوٹ تھی جس نے انھیں نئی تاویل کرنے اور تَرْمِیْھِمْ کا فاعل اہل مکہ کو قرار دینے پر مجبور کیا ہے۔ جبکہ خود عربی زبان کی جدید و قدیم تفاسیر میں سبھی مفسرین نے اسے طیراً کی صفت مانا ہے اور کسی نے بھی کوئی دوسری تاویل نہیں کی۔ یہاں تک کہ عربی نحو کے امام زمخشری تک نے اپنی مشہور تفسیر میں اسے طیراً کی صفت ہی قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ طبری، واقدی، ابن ہشام، ابن کثیر ایسے لوگ ہیں جو عربی نحو و ادب سے پوری طرح واقف ہیں۔ سعید بن جبیر، قتادہ اور عکرمہ جو تابعین کے ائمہ میں سے عربی زبان، اس کے اسالیب، اس کے محاورات اور اس کی نحوی تراکیب سے واقف تھے۔ ابن عباس تو ہاشمی تھے اور قرآن مجید ان کی اپنی زبان میں نازل ہوا تھا۔ آخر سبھی اس آیت کے یہ معنی کیوں لیتے ہیں کہ پتھر اہل مکہ نے نہیں پرندوں نے برسائے تھے۔ آخر ان کی سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آئی۔ کہ تَرْمِیْھِمْ میں فاعل کی ضمیر کا مرجع اہل مکہ ہیں۔ اور وَّ اَرْسَلَ عَلَیْھِمْ طَیْرًا تو محض کنایہ ہے جو

Marfat.com

ابرہہ کے لشکر کی موت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ زمخشری تو نحو و ادب کا امام ہے۔ اور اتنا بڑا شخص ہے کہ معتزلی ہونے کے باوجود اس کی تفسیر نحوی اعتبار سے زیر مطالعہ رکھنا علماء کی مجبوری ہے۔ وہ شخص تو نحوی تراکیب کے حوالے سے کسی بھی آیت کے بارے میں مختلف احتمالات بیان کرنے کا عادی ہے آخر اس نے اس احتمال سے صرفِ نظر کیوں کرلیا ہے کہ یہاں ضمیر کا مرجع اہل مکہ ہیں اور پتھر پرندوں نے نہیں اہل مکہ نے برسائے تھے۔

کیا ان لوگوں کو عربی فارسی یا اردو کی کسی بھی قدیم یا جدید تفسیر میں یہ بات میسر آ گئی ہے کہ پتھر اہل مکہ نے برسائے تھے۔ یا کسی ایسی تفسیری روایت، کسی حدیث کی کتاب کسی تاریخ کی مستند یا غیر مستند کتاب یا انساب کی کسی تحریر میں یہ بات میسر آ گئی ہے کہ پتھر پرندوں نے نہیں اہل مکہ نے برسائے تھے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے۔ اور یقیناً نہیں ہے تو آخر نحو و ادب کی بنیاد پر قرآن کی کسی آیت کی ایسی تعبیر کرنا جو پورے چودہ سو سال کے تفسیری ذخیرہ کے خلاف ہو تجدد نہیں تو اور کیا ہے۔

اس واقعہ کی جو متفق علیہ تفصیلات کتب تفسیر اور کتب احادیث وغیرہ میں میسر آتی ہیں۔ ان میں اس احتمال کے لیے کہ اہل مکہ نے پہاڑ پر چڑھ کر پتھر برسائے تھے کوئی گنجائش نہیں بنتی۔ ساری کتب اس بات پر متفق ہیں کہ آخری بار عبدالمطلب اس وقت ابرہہ سے ملے جب اس کا لشکر المغمس میں ٹھہرا ہوا تھا جو مکہ سے تین کوس کے فاصلہ پر ہے اور اس سے پہلے اہل مکہ کے ساتھ اس کا کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا تھا۔ تاریخ مکہ کے مصنف الازرقی کے نزدیک یہ جگہ وادی عرفہ کے قریب ہے جو عرفات سے قرب میں ہے۔ نیز یہ جگہ نخیلات ابن عامر کے قریب ہے جو قرن اور مشعر الحرام کے مشرقی جانب ہیں۔ نیز الازرقی یہ وضاحت بھی کرتا ہے کہ مزدلفہ میں حجاج کو عرفہ میں نہیں اس سے آگے بڑھ کر قیام کرنا چاہیے۔ اس طرح یہ جگہ مزدلفہ کے مشرقی کنارے پر بنتی ہے۔ جبکہ محسر مزدلفہ کے مشرقی حصہ میں اس طرح واقع ہے کہ عرفہ سے منیٰ جانے والے حجاج کے بائیں ہاتھ پڑتی ہے اور اس کا شمالی کونہ منیٰ کے عین دہانے پر ہے جہاں سے نبی ﷺ نے حجاج کرام کو تیز رفتاری سے گزرنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ یہ وادی کوہ تبیر الاعرج کے عین دامن تک پھیلی ہوئی ہے جس نے مشرقی جانب سے پورے مزدلفہ کو گھیر رکھا ہے۔ یہ پہاڑ نہ بہت زیادہ بلند ہے نہ دشوار گزار۔ لشکروں کی یہ عادت رہی ہے کہ وہ اپنے خیمے لگانے سے پہلے ان سارے مقامات پر حفاظتی دستے مقرر کر دیا کرتے ہیں جہاں سے کسی بھی حملہ کی توقع ہو اور کوئی روایت اس کی خبر نہیں

Marfat.com

دیتی کہ اس پہاڑ پر قبضہ کے لیے اہل مکہ اور ابرہہ کی فوج میں کوئی تصادم ہوا تھا۔ جس کے بعد اہل مکہ اس پوزیشن میں آ گئے ہوں کہ آگے بڑھتے لشکر پر پتھر برسا کر لشکر کا راستہ روکنے کی کوشش کرتے۔ ابرہہ کے لشکر نے وادی مزدلفہ کو عبور ہی نہیں کیا بلکہ اس کے شمال مشرقی حصہ میں ہی اس کا انجام آ گیا۔ پھر آخر وہ جگہ کون سی ہے جہاں اہل مکہ نے پتھراؤ کیا تھا۔ جبکہ درمیان میں وادی منیٰ پڑتی ہے۔ جس کا آخری سرا جہاں سے وادی محسر اور مزدلفہ کا آغاز ہوتا ہے مکہ سے ساڑھے تین میل ہے اور جس سے آگے بڑھنے سے اللہ نے ہاتھی کو روک دیا تھا۔ جبکہ عبدالمطلب حرا کی پہاڑی پر موجود تھے جو وادی منیٰ کے مغربی کنارے سے بھی کوئی ایک ڈیڑھ میل آگے مکہ کے دو مشہور پہاڑوں خندقہ اور قعیقعان کے سنگم سے تھوڑے فاصلے پر عراق کو جانے والے راستے کے قریب ہے اور مکہ کا سب سے اونچا پہاڑ ہے۔

ایک اور بات بھی غور طلب ہے کہ اگر بفرض محال یہ پتھر قریش اور دوسرے قبائل کے لوگوں ہی نے برسائے تھے تو انھوں نے لشکر کی پیش قدمی روکنے کے لیے بڑے پتھروں اور چٹانوں کی بجائے مسور سے بڑے اور چھوٹے چنے کے برابر پتھروں کا انتخاب کیوں کیا تھا جن کی ایک ٹوکری حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ام ہانی کے ہاں دیکھی تھی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ اور ابوطالب کی بیٹی نے اس واقعہ کی یادگار کے طور پر رکھ چھوڑی تھی۔

حق یہ ہے کہ یہ ایک صریح معجزہ تھا۔ اللہ کی طاقت اور اس کی عظمت کا ایسا اظہار تھا کہ اس کے بعد کئی سالوں تک مکہ میں اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا باقی بتوں کی عبادت ترک کر دی گئی اور لوگ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرتے رہے۔

اس سلسلے میں ابوقیس بن الاسلت کے اشعار شہادت ہیں۔

فقوموا فصلوا ربکم وتمسحوا
بار کان هذا البیت بین اخاشب

"تو اٹھو اور اپنے رب سے دعائیں کرو اور مکہ کے پہاڑوں کے درمیان بیت اللہ کے ارکان کو چھوؤ۔"

فعندکم منه بلاءٌ مصدقٌ
غداة ابی یکسوم هادی الکتائب

Marfat.com

''تو تمھارے پاس اس کی طرف سے تصدیق شدہ مصیبت تھی جس صبح سواروں کو جلو میں لے کر ابی یکسوم آیا۔''

کتیبۃُ بالسھل تمشی ورجلہ
علی القاذفاتِ فی رؤس المناقب

''اُس کے سوار دستے ہموار زمین پر چل رہے تھے اور اس کی پیدل فوج ارگرد کے پہاڑوں کے سروں پر چل رہی تھی۔''

فلما اتاکم نصرذی العرش ردھم
جنود الملیك بین ساف وحاصب

''پھر جب تم کو عرش کے مالک کی مدد پہنچی تو مالک کے لشکروں نے ان کو تند و تیز ہواؤں میں رد کر دیا۔''

فولو سراعاً ھادبین ولم یؤب
الی اھلہٖ ملجش غیر عصائب

''سو وہ بہت تیزی سے دوڑتے ہوئے واپس پلٹے مگر اپنے گھر والوں تک حبشیوں میں سے اکا دکا ہی پہنچ پائے۔''

واقعہ فیل کے متعلق کہے گئے اشعار کے پورے ذخیرے میں کوئی ایک شعر ایسا نہیں ملتا جس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہو کہ ہم نے پتھروں سے ابرہہ کے لشکر کی تواضع کی اور پھر اللہ نے ساف اور حاصب ہوائیں بھیجیں اور انھیں تباہ کر گئیں۔ بلکہ سبھی اشعار میں اسے اللہ وحدہ لاشریک کی اپنی کارروائی گنایا گیا ہے۔ ساف اور حاصب کی ہواؤں کے درمیان پرندوں نے پتھر برسا برسا کر انھیں تباہ کر دیا اور ہاتھی کا قائد انیس اور سائیس اندھے ہو کر مدتوں کوہ صفا کے پاس بھیک مانگتے رہے اور اہل مکہ کے لیے سامان عبرت بنے رہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ اور ان کی بڑی ہمشیرہ اسماء بنت ابی بکر فرماتی ہیں کہ ہم نے انھیں صفا کے پاس بھیک مانگتے دیکھا ہے۔

ایک غلط فہمی

واقعہ فیل کے بارے میں روایات سے بالخصوص اس سلسلے میں ابن اسحاق کی روایات

Marfat.com

سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ قریش خاص کر عبدالمطلب یمنی قبائل جن کا سردار ذونفر تھا اور بنوخثعم جن کا سرادنفیل بن حبیب تھا، کی شکست اور ذونفر اور نفیل کے انجام سے بالکل بددل ہو گئے تھے اور ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ وہ صرف اپنے مال اور اہل مکہ کو بچانے کی فکر میں تھے۔ اور اللہ سے دعا کر کے اپنی جان بچانے کی فکر میں لگ گئے تھے اور ابرہہ سے جان بخشی کی درخواست کر رہے تھے۔ اسی غلط فہمی کے رد میں مکتب فراہی کے متعین پورے حقائق ہی سے انکاری ہو گئے ہیں حالانکہ اگر ان روایات پر ذرا سا بھی تدبر کیا جائے تو اس تاثر کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

اہل یمن کا مکہ پر یہ پہلا حملہ نہ تھا۔ قبل ازیں بنوخزاعہ کے دور میں حمیری بادشاہ حسان بھی کلال کنانہ کے پوتے فہر کے زمانے میں حملہ آور ہوا۔ فہر نے قبائل عدنان اور بنوخزاعہ کی مدد سے مقابلہ کیا۔ حسان گرفتار ہو کر تین سال مکہ میں رہا اور پھر رہا ہو کر واپس جا رہا تھا کہ فوت ہو گیا۔ اس کے بعد قصی سے پہلے غالباً فہر کے پڑپوتے کعب بن لوی بن غالب بن فہر کے زمانے میں ایک اور تبع نے حملہ کیا مگر ناکام رہا۔ پھر قصی کے دور میں اسعد ابوکرب تبع مدینہ طیبہ سے واپسی پر مکہ پر حملہ کرنا چاہتا تھا مگر ان دو حبر وں کے سمجھانے پر باز رہا۔ پھر اس نے اہل مکہ کی دعوت کی۔ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا اور واپس یمن چلا گیا۔ اس طرح یہ اہل یمن کی طرف سے مکہ پر اس کی مرکزیت ختم کرنے اور خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کی غرض سے چوتھا حملہ تھا۔

غالباً پہلے تجربات ہی کی بنا پر ابرہہ ساٹھ ہزار کا لشکر جرار لے کر حملہ آور ہوا تھا۔ جس میں پیدل فوج کے علاوہ، سوار فوج اور ہاتھیوں کا ایک دستہ بھی موجود تھا۔ جس کا قائد محمود نامی ہاتھی تھا۔ جس نے محسر کے آخری کنارے پر پہنچ کر آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ اتنا بڑا لشکر اس سے پہلے عرب پر کبھی حملہ آور نہ ہوا تھا اور سامان حرب میں ہاتھی عربوں کے لیے بالکل نئی شے تھی۔ اتنے بڑے لشکر کا سامنے آ کر مقابلہ کرنا قریش، بنوبکر اور بنوکنانہ کے بس کا روگ نہ تھا۔ جو مکہ کے گردونواح میں آباد تھے۔ یمنی قبائل نے راستہ روکنے کی کوشش کی مگر ناکام ہوئے اور ان کا سردار ذونفر گرفتار ہوا پھر بنوخثعم اور دوسرے قبائل مقابل ہوئے مگر شکست کھائی اور ان کا سردار نفیل بھی گرفتار ہوا۔

یہی سبب ہے پہلے تو عبدالمطلب الصفاح کے مقام ابرہہ سے ملے اور اسے خانہ کعبہ پر حملہ کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کی اور جب اس نے یہ بات ماننے سے انکار کیا تو اسے یہ کہہ کر

Marfat.com

چلے آئے کہ یہ اللہ کا گھر ہے اور وہ کسی کو اس پر مسلط نہیں ہونے دیتا۔ یہ ابن عباس کی روایت ہے جسے عبد بن حمید ابن المنذر، ابن مردویہ، حاکم، ابونعیم اور بیہقی جیسے ائمہ حدیث نے اپنی کتب میں نقل کیا ہے۔ یہ نہ کوئی دون ہمتی تھی نہ محض ایک اطلاع۔ یہ سردار قریش کی ایک خفی دھمکی تھی جس کے آباء کے ہاتھوں اس کے دو پیش رو ذلت سے دوچار ہو چکے تھے۔ جس کے سیدھے سادے معنی یہ تھے کہ اگر آپ کوئی چیز لینا چاہتے تھے تو تکلیف کرنے کی حاجت نہ تھی ہم ہی حاضر خدمت کر دیتے۔ اس لیے کہ ہم تجارت کے سلسلے میں تو آپ کے ہاں حاضر ہوتے ہی رہتے ہیں اور آپ کی جانب سے تجارتی مراعات سے بھی مستفید ہوتے رہتے ہیں اور کعبہ کو گرانے کا ارادہ ہے تو بھولیے نہیں آپ کے دو پیش رو یہ حرکت کر چکے ہیں۔ یہ اللہ کا گھر ہے وہ اس پر کسی کو مسلط نہیں ہونے دیتا۔ یہ الصفاح عرفات اور مطاف کے درمیان مکہ سے خاصا دور واقع ہے۔

لشکر جب آ کر المغمس میں خیمہ زن ہوا تو ایک بار پھر عبدالمطلب ابرہہ کو باز رکھنے کے لیے اس کی قیام گاہ پر گئے۔ اس دفعہ ان کے ہمراہ بنو بکر بن عبد مناف بن کنانہ کے سردار یعمر بن نفاثہ اور بنو ہذیل کے سردار خویلد بن واثلہ بھی تھے۔ عین ممکن ہے کہ اس عرصہ میں ابرہہ کے لشکر نے تہامہ کے مویشی ہانک لیے ہوں جن میں عبدالمطلب کے دو سو اونٹ بھی تھے اور حناطہ کو بات چیت کے لیے سردار قریش کو بلانے کے لیے بھیجا ہو۔ جبکہ یہ تینوں قبائل پہلے ہی بات چیت کے لیے جانے کا سوچ رہے ہوں اور حناطہ کے آنے پر سوچا ہو کہ ہم ابرہہ سے لڑائی نہیں چاہتے۔ وہاں جا کر ہر سہ سرداران نے ابرہہ کو حملے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ حتیٰ کہ اپنے ایک تہائی مال تک دینے کی پیش کش کی اور جب اس نے یہ پیش کش ٹھکرا دی ہو تو اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کیا ہو۔ اس لیے کہ اتنے بڑے لشکر سے ٹکرانے سے وہ آخری حد تک کترا رہے تھے۔ الا یہ کہ یہ ٹکراؤ ناگزیر ہو جائے اور جب اس نے یہ طنز کیا کہ شیخ میں تو تم سے بہت متاثر ہوا تھا مگر تم ہو کہ کعبہ کی فکر چھوڑ کر اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کر رہے ہو۔ تو جواب دیا انا رب الابل وللبیت رب سیمنعه۔ اس جواب میں فی الواقع بلا کا اعتماد چھلکتا ہے کہ اونٹ میرے ہیں، وہ میں مانگ رہا ہوں اللہ کا گھر نہ بے مالک ہے نہ اس کا مالک کمزور ہے۔ وہ اس کی حفاظت کر لے گا۔ وہ ہم کمزوروں کو اس قابل بنا دے گا کہ تمھیں اپنے ارادے سے روک دیں۔ بدقسمتی سے اس بھرپور اعتماد کے اظہار کو مؤرخین نے کمزوری پر محمول کر لیا۔ ابرہہ نے خود اس چھپی دھمکی کو محسوس کر لیا تھا۔

Marfat.com

ورنہ اونٹوں کی طلب کی توجیہہ کر کے کعبہ کی حفاظت سے لاتعلقی کا اظہار ہوتا تو اسے تنک کر یہ کہنے کی حاجت نہ تھی۔ لا یمنعہ منی ۔اسے مجھ سے کوئی نہیں بچا سکتا۔اس لیے کہ وہ عیسائی تھا اور اللہ کو مانتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ وہ بے پناہ قوتوں کا مالک ہے۔وہ اللہ کو نہیں عبدالمطلب کو دھمکی دے رہا تھا کہ اللہ کا نام لے کر ڈرانے کی کوشش نہ کرو۔تم میں اتنا کس بل نہیں ہے کہ مجھ سے بچا سکو۔اس مفہوم کو بھانپ کر ہی عبدالمطلب نے ذومعنی جواب دیا۔ھا انت و ذاك ۔پھر یہ تم ہو اور وہ کعبہ ہے۔حملہ کر کے دیکھ لو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔نہ جانے اس مکالمے سے لوگوں نے کمزوری کی بو کہاں سے سونگھ لی ہے۔

وہاں سے واپس آ کر انھوں نے سرداران قریش کو جمع کیا اور انھیں بتایا کہ ان کی کوششیں ناکام ہو چکی ہیں اور خطرہ سر پر ہے۔چنانچہ سرداران قریش نے عبدالمطلب کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ کی کنڈی تھام کر دعا کی۔دعا کے جو اشعار کتب میں میسر آتے ہیں وہ اپنی کمزوری کے اعتراف،اللہ پر بھروسے اور حالات سے نبرد آزما ہونے کے عزم کا مرقع ہے۔

وانصرنا علی الصلیب
وعابدیہ الیوم الك

''اور آج کے دن صلیب اور اس کے عبادت گزاروں کے خلاف ہماری یعنی اپنے ماننے والوں کی مدد فرما۔''

اگر وہ کعبہ کے دفاع کے لیے لڑنے کا کوئی ارادہ نہ رکھتے تھے تو یہ کہنے کی حاجت کیا تھی کہ اے اللہ صلیب اور اس کے پجاریوں کے خلاف ہماری مدد فرما۔چنانچہ اسی غرض کے لیے یہ طے ہوا کہ قریش اور بنوبکر اپنے بچوں کو شعاب اور گھاٹیوں میں چھوڑ کر خود پہاڑیوں کی چوٹیوں پر چلے جائیں تاکہ لشکر کی پیش قدمی کی صورت میں پہاڑیوں کی چوٹیوں پر سے پتھر برسائے جائیں اور مختلف وادیوں میں سے نکل کر چھاپہ مار جنگ کے ذریعے لشکر کو نقصان پہنچایا جائے۔یہی سبب ہے کہ عبدالمطلب ،مطعم بن عدی،عمرو بن عایذ بن عمران بن مخزوم اور دوسرے سرداران قریش عین لشکر کے راستے میں کوہ حرا پر کھڑے تھے جہاں سے ایک جانب وہ لشکر کی حرکات وسکنات پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے اور دوسری جانب وہ ارگرد کی پہاڑیوں پر اشارے کے منتظر لوگوں کو ہدایات دینے کی پوزیشن میں تھے۔ورنہ لشکر سے بچنا ہی مقصود تھا تو لشکر کے راستے میں جمع ہونے

Marfat.com

کی بجائے خانہ کعبہ کے دوسری جانب، الخصحاص، کوہ کدا اور جبل عمر کی طرف بھاگ جانا زیادہ موزوں تھا۔ بلکہ اس سے بھی بہتر یہ تھا کہ وہ حشاس اور حدیبیہ کے پہاڑوں کی طرف نکل جاتے جو لشکر کے راستے سے تین تین کوس کے فاصلے پر تھا۔ راستے میں کھڑا ہونے کی صورت میں تو کوئی سا اشتعال بھی تصادم کی راہ پر ڈال دیتا۔ رہی یہ بات کہ وہیں المغمس اور محسر پر کیوں حملہ نہیں کیا گیا۔ تو اس کا جواب ہمیں ابوقیس بن الاسلت کے ان اشعار میں مل جاتا ہے جو ہم قبل ازیں نقل کر چکے ہیں وہ کہتا ہے:

کتیبۃٌ بالسھل تمشی ورجلۃٌ
علی القاذفات فی رؤس المناقب

وہاں اس کے سواروں کے دستے مزدلفہ کے میدانی حصے میں مسلسل گشت کر رہے تھے تاکہ اپنے کیمپ کی حفاظت کر سکیں اور گرد کی دونوں پہاڑیوں پر اس کے پیدل دستے پہرہ دے رہے تھے اور وہاں کسی چھاپہ مار کارروائی کا کوئی موقع نہ تھا۔ جس نے بھی عرفات سے کعبہ تک علاقہ پھر کے دیکھا ہے۔ جانتا ہے کہ چھاپہ مار کارروائیوں کے لیے وہی جگہ موزوں تھی جس کا انتخاب عبدالمطلب اور سرداران قریش نے کیا تھا۔ قعیقعان اور خندمہ کے سنگم پر اتنا سا راستہ بطن مکہ کی طرف جاتا ہے۔ جہاں تھوڑی سی تعداد لشکر کی پیش قدمی کو سست کرنے کے لیے کافی تھی۔ پھر قعیقعان اور خندمہ پر سے تیر اندازی اور پتھراؤ لشکر کے لیے مزید پریشانی کا باعث بن سکتے تھے اور پریشانی کے اس عالم میں اردگرد کی گھاٹیوں اور پہاڑی ٹیلوں کی اوٹ سے نکل کر غارت گری کرنے والے سواروں کے دستے یقیناً لشکر میں سراسیمگی پھیلا دیتے اور ان ٹیلوں اور پہاڑیوں کے درمیان گھرے ہوئے میدان میں لشکر کے لیے کوئی جائے پناہ نہ ہوتی۔

مشیت خداوندی میں کچھ اور ہی مقصود تھا۔ ولادت نبوی سے پچاس دن پہلے مالک الملک نے لشکر کو جہاں وہ تھا وہیں اپنے لشکروں سے تباہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اور یہی ہوا۔ اہل مکہ کی مدافعت کی نوبت ہی نہ آئی۔ پرندوں نے ساف اور حاصب کی تند ہواؤں کے درمیان حقیر سی کنکریاں پھینک کر پورے لشکر کو کھائے چارے کی طرح بکھیر کر رکھ دیا۔ یہی وہ بات ہے جسے نہ سمجھ سکنے کے نتیجہ میں یہ نئی مگر غلط تاویل کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

اس واقعہ کے بعد برسوں تک اہل مکہ بنوثقیف کو یہ طعنہ دیتے رہے کہ انھوں نے لات

Marfat.com

کے استھان کو بچانے کی خاطر ابرہہ کا مقابلہ نہیں کیا اور اسے مکہ تک پہنچانے کے لیے بدرقہ پیش کیا کہ وہ اللہ کے گھر کو منہدم کر دے۔ اگر قریش نے بھی اللہ کے گھر کی مدافعت کرنے کا ارادہ کرنے کی بجائے فرار کی راہ اختیار کی ہوتی تو وہ یہ طعنہ کبھی نہ دیتے۔ اس لیے کہ اس صورت میں تو بنو ثقیف کہہ سکتے تھے کہ ہمیں کس منہ سے طعنہ دیتے ہو۔ ہم نے تو حیلے سے ہی سہی لات کا استھان بچا لیا تھا۔ تم سے تو یہ بھی نہ ہو سکا۔ وہ تو اللہ نے اپنے گھر کی لاج رکھ لی۔

تنبیہ

وہ مالک کائنات جس نے کمزور سے پرندوں کو بھیج کر ہاتھیوں والوں کا بھرکس نکال دیا اس کے لیے کچھ بعید نہ تھا کہ لشکر کو خود اہل مکہ کے ہاتھوں پٹوا دیتا۔ اور وہ اس سے پہلے دو یمنی حکمرانوں کے ساتھ ایسا کر بھی چکا تھا۔ مگر اس صورت میں اہل مکہ کے لیے کوئی تنبیہ کوئی انذار کا پہلو نہ ہوتا۔ بلکہ وہ الٹا اپنی طاقت وقوت وزعم میں مبتلا ہو جاتے۔ ادھر مشیت الٰہی میں فیصلہ ہو چکا تھا کہ کفر والحاد کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں اب حق کا نور پھیلا دیا جائے گا سلسلۂ انبیاء ورسل کے آخری گوہر تابناک کا ظہور اسی سرزمین پر ہونے والا تھا کہ اس واقعہ کے عین قرب میں محمد رسول اللہ کی ولادت ہونا تھا۔ پھر چالیس سال بعد آپ کو اسی شہر میں مبعوث کر دیا جانا تھا اور اس شہر میں صدیوں سے قائم کفر وشرک کے خلاف حق کا پیغام دینا تھا۔ آپ کی ولادت سے پچاس دن پہلے ابرہہ کے لشکر کو اہل مکہ کے ہاتھوں نہیں اہل مکہ کی آنکھوں کے سامنے حقیر چڑیوں۔ کے ہاتھوں چنے کے برابر کنکروں سے بھس بنا دیا۔ تاکہ ان پر یہ بات واضح ہو جائے کہ وحدہٗ لاشریک نہ تو اپنے گھر کی حفاظت کے لیے کسی کا محتاج ہے نہ اپنے دین کی حفاظت کے لیے۔ اس کے گھر کی حفاظت کے لیے اسے قریش کے لشکر کی بھی ضرورت نہیں۔ اس کے لشکر کتنے ہیں کوئی نہیں جانتا وما یعلم جنود ربك الاھم۔ وہ چاہے تو چڑیوں سے ساٹھ ہزار کے لشکر کو بھس بنا دیتا ہے۔ اور ان لوگوں کو جو اس لشکر کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ لشکر کو تباہ کر کے انھیں اتنا مغرور بنا دیتا ہے کہ عرب کے دوسرے قبائل ان کا احترام کرتے ہوئے عزت محسوس کریں۔

یہ معجزہ فی الواقع جہاں قریش کے احترام اور عزت و وقار میں بے پناہ اضافے کا موجب بنا۔ وہاں خود قریش کے لے براہ راست اور دوسرے عدنانی قبائل کے لیے ایک کھلی تنبیہ

Marfat.com

تھی کہ شرک کی جس ظلمت میں وہ حقیقت کو کھو بیٹھے تھے اس میں جب اللہ خود انہی میں سے محمد رسول اللہ کو حق عطا کر کے اس کی دعوت کو ان تک پہنچائے تو اللہ کی نصرت کا یہ واقعہ ان کے ہاں ابھی تازہ ہو اور وہ حق کو پہچان کر اسے قبول کریں اور اس اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت پر آمادہ ہو جائیں اور ان معبودان باطل کو ترک کر دیں جن سے خود انھیں مشکل کی اس گھڑی میں اور خوف و یاس کے اس عالم میں کسی مدد کی کوئی امید نہیں تھی اور یکسو ہو کر اس مالک کی عبادت پر آمادہ ہو جائیں جسے خود انہوں نے اس موقع پر ان الفاظ میں خطاب کرتے ہوئے دعا کی تھی:

یارب لا ارجو لھم سواکا
امنعھم ان یخربوا حماکا

اے مالک میں ان کے خلاف تیرے سوا کسی سے امید نہیں کرتا۔ ان سے اپنے حرم کی حفاظت فرما۔ اس کی جس نے تمھاری دعا قبول کر کے گھر کی حفاظت اس طرح کی کہ تمھیں کوئی پتھر پھینکنا پڑا نہ تیر، تمھیں کوئی تلوار چلانا پڑی نہ نیزہ۔ اس نے تمھارے اس خوف کو جو ابرہہ کے حملے سے تمھارے دلوں پر چھایا ہوا تھا یوں دور کیا کہ تم نہال ہو گئے۔ وہ جو تمھیں لوٹنے آئے تھے ان سے اتنا مال غنیمت، سونا، چاندی اور جواہرات تمھیں ملا کہ تم عرب کے سب قبائل سے دولت مند ہو گئے اور جس نے اسی واقعہ سے تمھیں اتنا غرور بنا دیا کہ لوگوں کے دلوں میں تمھاری محبت گہری اتر گئی اور تمھارے تجارتی قافلے یمن، شام، حبش اور ایران تک سردیوں اور گرمیوں کے دونوں موسموں میں پورے احترام کے ساتھ بے خوف سفر کرتے ہیں۔ بعثت نبوی کے بعد ابتدائی دنوں ہی میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ قریش نازل فرمائی تو اس احسان کو کتنے موثر انداز میں یاد دلا کر فرمایا کہ انھیں چاہیے کہ اس گھر کے مالک کی عبادت کریں۔

﴿لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ○ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ○ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ○ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾ (قریش)

"قریش کی اس محبت کے سبب جو انھیں اپنے گرمیوں اور سردیوں کے تجارتی سفروں میں ملتی ہے۔ انھیں چاہیے کہ وہ اس گھر کے مالک کی عبادت کریں جس نے انھیں غربت میں دولت دی اور خوف میں امن بخشا۔"

Marfat.com

مگر اسے کیا کیجیے کہ قریش اس احسان کے بعد کچھ عرصہ تک تو صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرتے رہے۔ پھر اپنے اسی شرک پر لوٹ آئے۔ حمس ہونے کا دعویٰ کر دیا کہ ہم پاکیزہ لوگ ہیں۔ اور اس من گھڑت دعوے کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ عرفات میں جانے سے رک گئے اور یوں حج کی سعادت تک سے محروم ہو گئے اور خانہ کعبہ میں ننگے طواف تک کی نوبت آ گئی اور جب نبی اکرم ﷺ کا پیغام دیا تو اسے قبول کر لینے کی بجائے مخالفت بلکہ دشمنی پر اتر آئے اور اس وقت حق کو قبول کیا جب فتح مکہ کے موقع پر غلام بن گئے تھے مگر رحمۃ للعالمین نے یہ فرما کر آزادی عطا کر دی کہ انتم الطلقاء۔ جاؤ میں نے آزاد کیا۔

قرب ولادت کی برکات

نبی اکرم فداہ ابی وامی کے فضائل میں یہ حدیث امام ترمذی نے نقل کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے کہ

متی وجبت لك النبوة قال والآدم بین الروح والجسد۔

"(آپ سے پوچھا گیا) یا رسول اللہ ﷺ آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی آپ نے فرمایا جب آدم روح اور جسم کے درمیان تھا۔"

آپ نے ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

کانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبیا کلما هلك نبی قام نبی وانا اخر الانبیاء وانتم اخر الامم لا نبی بعدی۔

"بنو اسرائیل کی رہنمائی انبیاء کرتے تھے۔ جب نبی فوت ہوتا تو دوسرا نبی آ جاتا میں آخری نبی ہوں تم آخری امت ہو میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

اللہ تعالیٰ کی سنت رہی ہے کہ اقوام عالم میں قیادت و سیادت انہی لوگوں کو نصیب ہوئی جنھیں دین کا حامل ٹھہرایا گیا۔ جب تک وہ دین پر عمل پیرا رہے۔ قیادت ان کا نصیبہ تھی اور جونہی وہ دین پر عمل کرنے سے غافل ہو گئے دین کی حامل کوئی دوسری قوم ٹھہرا دی گئی۔ حضرت ابراہیم کے بعد یہ قیادت و امامت انسانیت و اقوام عالم اولاد ابراہیم علیہ السلام کے لیے مقدر ٹھہرا دی گئی۔ حضرت ابراہیم کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سارے انبیاء پے بہ پے بنی اسرائیل میں سے آتے

Marfat.com

رہے۔ خاتم الانبیاء، امام المرسلین کا بنو اسماعیل میں پیدا ہونا اور مبعوث ہونا مقدر تھا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پوتے سے ولایت کعبہ چھن گئی اور بنو جرہم اس پر قابض ہو گئے اور بنو قیدار کے علاوہ باقی اولاد اسماعیل علیہ السلام جزیرہ نمائے عرب کی وسعتوں میں بکھر گئی۔ وفات اسماعیل علیہ السلام سے ولادت مصطفےٰ تک کا زمانہ چوبیس صدیوں پر محیط ہے۔ اس سارے عرصہ میں اولاد اسماعیل علیہ السلام صحرانوردی اور خانہ بدوشی کی زندگی گزارتی رہی۔ بنو قیدار اگرچہ مکہ کے گردونواح میں آباد رہے اور ہمیشہ احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے رہے۔ تاہم مکہ کے اقتدار اور تولیت کعبہ پر پہلے بنو جرہم پھر عمالقہ پھر بنو جرہم قابض رہے۔ نبی اکرم کی ولادت سے سات صدیاں قبل بنو خزاعہ مکہ پر قابض ہو گئے جو فی الواقع قمعہ بن الیاس کی اولاد تھے اس طرح پہلی بار بنو اسماعیل حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات کے ۱۷ سو سال بعد مکہ کے قتدار اور ولایت کعبہ سے مشرف ہوئے۔ تاہم وہ بنو اسماعیل کے طور پر معروف نہ تھے۔ قمعہ چونکہ یمن میں جا کر آباد ہو گیا اور عمرو بن عامر سے انتساب کر لیا لہٰذا صدیوں کے بُعد کے نتیجے میں بنو خزاعہ اپنا نسب اس طرح بیان کرتے تھے کہ ہم بنو عمرو بن عامر بن حارثہ بن امری القیس بن ثعلبہ بن مازن بن الاسد بن عبد یغوث سے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی ولادت کا زمانہ قریب آنے لگا تو بنو اسماعیل کی شاخ قریش پر برکات کا نزول اس طرح تواتر کے ساتھ ہونے لگا جیسے تسبیح کے دانے گرتے ہیں۔ ۴۴۲ء میں قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر نے بنو خزاعہ سے مکہ کا اقتدار اور تولیت کعبہ دونوں چھین لیں۔ یوں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ۲۲ صدی بعد اور نبی اکرم ﷺ کی ولادت سے تقریباً ڈیڑھ صدی قبل قریش کو مکہ میں قتدار بھی ملا اور تولیت کعبہ بھی۔ قصی نے پہلی بار قریش کے مختلف قبائل کو صحرا کی پہنائیوں سے نکال کر مکہ میں آباد کیا۔ اور یوں مکہ میں پہلی بار اولاد اسماعیل میں سے ایسے قبیلے کو اقتدار ملا جو اولاد اسماعیل علیہ السلام کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔ قصی کے پوتوں نوفل، مطلب، ہاشم اور عبدالشمس نے مکہ سے گزرنے والے راستے کی تجارتی حیثیت کو محسوس کرتے ہوئے تجارت میں عملی حصہ لینے کا فیصلہ کیا اور جلد ہی مکہ میں دولت برسنے لگی۔ قریش کو وہی حیثیت حاصل ہو گئی جو قبل ازیں حمیر اور سبا کا حصہ تھی۔ نبی اکرم ﷺ کی پیدائش سے صرف پچاس سال پہلے عبدالمطلب بن ہاشم کو خواب میں زمزم کے کنویں کی نشان دہی کر دی گئی۔

Marfat.com

جسے عمرو بن مصاض جرہمی نے خزاعہ سے شکست کھا کر مکہ چھوڑتے وقت دفن کر دیا۔ یہ مزید ایسا انعام تھا جس سے نبی اکرم ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے وقار میں اضافہ ہوا۔ پھر جب قریش نے عبدالمطلب کے ساتھ زمزم کی ملکیت کے لیے جھگڑا کیا تو اللہ نے شام کے راستے پر ایک بے آب زمین میں ان کی اونٹنی کے پاؤں کی جگہ چشمہ نکال کر ان کے لیے اپنی تائید کا ایک اور ثبوت دے دیا جس سے آپ ﷺ کے خاندان کی عزت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا اور نبی اکرم ﷺ کی پیدائش سے بہ اختلاف روایات پچاس پچپن روز پہلے واقعہ فیل میں اپنی نصرت بھیج کر آپ کے خاندان کے وقار میں اتنا اضافہ فرمایا کہ وہ آسمان کی وسعتوں کو چھونے لگا۔ یہ یقیناً آپ کی ولادت کے قرب کی برکت تھی ورنہ ابرہہ اہل کتاب تھا اور عیسائی تھا جبکہ اہل مکہ مشرک تھے۔

عام الفیل

یہ واقعہ محرم میں پیش آیا اور اس کی وجہ سے ایک نئی تقویم کا آغاز ہو گیا یہ سال اسی واقعہ کی مناسبت سے عام الفیل کہلاتا ہے۔ عام الفیل ہی سال ولادت ہے۔ یہ تقویم ہجرت تک رائج رہی۔

Marfat.com

حیات طیبہ قبل بعثت

حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کو فوت ہوئے چوبیس صدیاں بیت چکی تھیں اور ان چوبیس صدیوں کے دوران بنو اسماعیل میں ایک نبی بھی مبعوث نہیں ہوا تھا جو دین ابراہیم حنیف، دین حق کی تجدید کرتا، نہ جانے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے کتنے عرصہ بعد تک صحف ابراہیم اور صحف اسماعیل علیہ السلام کو ان کی اولاد محفوظ رکھ پائی اور کب ان سے محروم ہوگئی۔ تولیت کعبہ سے محروم ہونے کے بعد وہ صحرا کی پہنائیوں میں بکھر گئی اور ہر علم اور ہر تہذیب سے بے خبر صدیوں تک خانہ بدوشی کی زندگی گزارتی رہی۔ وہ ایک امی قوم تھی۔ اپنی متاع ہدایت گم کر دینے کے بعد اس کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہ اتری تھی۔ وہ کسی دینی ادب سے واقف نہ تھے۔ وہ اولاد ابراہیم علیہ السلام ہونے کے حوالے سے اپنے آپ کو حنفا یعنی حاملان دین ابراہیمی کہتے تھے مگر دین ابراہیمی سے ناآشنا تھے۔ پہلی صدی قبل مسیح تک وہ دین توحید پر تھے۔ اسی صدی میں مکہ پر بنوخزاعہ کے قبضے اور عمرو بن لحی کی کوششوں سے دین حنیف کے اعتقادی سرمایہ سے بھی محروم ہو گئے اور کعبہ میں جسے ابراہیم حنیف علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام نے خالصۃً اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لیے تعمیر کیا تھا۔ ہبل کا بت لاکر اس کے دروازہ پر نصب کیا گیا اور اللہ کے ساتھ اس کی پرستش کا آغاز ہوا۔ یہ بارش کا پہلا قطرہ تھا۔ پھر شرک کی گھٹا جم کر برسی اور مکہ کی فضا جل تھل ہوگئی۔ پوری اولاد اسماعیل علیہ السلام اس میں شرابور ہوگئی۔

اولاد اسماعیل علیہ السلام صدیوں کی صحرانوردی کے دروان کتاب الٰہی اور تعلیمات خداوندی دونوں سے محروم ہو چکی تھی۔ عقیدے کے اخلاص سے بھی گئی۔ نت نئے بت درآمد ہوئے اور تراشے گئے۔ بدوی زندگی کی آویزش نے نسلی تفاخر اور غارت گری کو دین کا درجہ عطا کر دیا قبائلی تصادمات میں اولاد اسماعیل کی بہو بیٹیاں تک خود فرزندان اسماعیل کی لونڈیاں بنیں اور فرزندان

Marfat.com

اسماعیل کے ہاں فرزندان اسماعیل غلام بنے۔ دولت کی فراوانی نے اخلاق دُنی کو جنم دیا۔ عیش پرستی، جنسی بے راہ روی اور شراب نوشی نے راہ پائی۔ عصمت فروشی نفع بخش کاروبار بن گیا۔ جھوٹی انا اپنی بلندیوں کی انتہا کو پہنچ گئی۔ بیٹیوں کو زندہ دفن کر دینا وجہ افتخار ٹھہرا۔ دینی تعلیمات سے محرومی نے قبائلی تصادمات سے ہتھ جوڑی کر کے تعدد ازدواج کو لامحدود کر دیا۔ عرب معاشرہ ایک جنگلی معاشرہ اور عرب کی تہذیب جنگل کی تہذیب بن کر رہ گئی۔ جس میں کمزور طاقت ور کے لیے ایک نوالہ تر تھا۔ شفعا کے تصور نے آخرت کی باز پرس سے بے خوف کر کے آخرت پر دنیا کو ترجیح دلا دی۔ دنیا کے تعیّشات کا حصول واحد مقصد بن گیا۔ اس طرح پورا عرب معاشرہ ایک ایسا جہنم زار بن گیا جس کی جھلساتی آگ کی حدت سبھی محسوس کرتے تھے۔ مگر یہ اتنی ناگزیر بن گئی تھی کہ اس کے بجھنے کے خوف سے لوگوں کا دم گھٹتا تھا۔ جہالت کی ایسی گھٹا ٹوپ تاریک رات جمی تھی کہ لگتا تھا روشنی کی کوئی کرن ان کی آنکھیں اُچک لے گی۔

اولاد ابراہیم کی دوسری شاخ اولاد اسحاق و یعقوب جو بنو اسرائیل کہلاتی تھی۔ اس کا حال بھی علم کی روشنی کے باوجود ان سے کچھ مختلف نہ تھا۔ بنو اسماعیل کے برعکس ان کے ہاں نبوت کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ جب ایک نبی رخصت ہوتا دوسرا نبی اس کی جگہ مبعوث کر دیا جاتا۔ حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت داود، حضرت سلیمان، حصرت ساموئل، حضرت ارمیاہ، حضرت یرمیاہ، حضرت برضیا، حضرت حزقی ایل، حضرت عزیر، حضرت ایوب اور حضرت یونس اور نہ جانے کتنے دوسرے انبیاء جنھیں ہم نہیں جانتے بنی اسرائیل ہی میں سے تھے۔ ان کے آخری رسول حضرت عیسیٰ ابن مریم تھے۔ ان میں تین آسمانی کتابیں ان کے انبیاء پر بالترتیب نازل ہوئیں تورات، زبور اور انجیل۔ تاہم یہ بھی شرک کی آمیزش سے بچ نہ سکے۔ پہلے ان میں بعل کی پرستش شروع ہوئی۔ جس پر یرمیاہ نبی اور حزقی ایل نبی نے انھیں ملامت کی مگر وہ باز نہ آئے۔ آخر عراق کے حکمران بخت نصر نے ۵۶۸ ق م میں بیت المقدس اور یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور توراۃ کی وہ تختیاں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ پر تحریر کردہ نازل ہوئیں ساتھ لے گئے اور پھر انھیں کبھی نہیں مل سکیں۔ تقریباً ایک سو سال بعد اردشیر کسریٰ ایران نے یہود کو واپس جا کر یروشلم آباد کرنے کی اجازت دی اور بیت المقدس کو تعمیر کرنے کی رخصت دی۔ عزرا کاہن نے دوسرے ربیوں کی مدد سے خالصۃً اپنی یادداشتوں کی بنیاد پر وہ

Marfat.com

تورات مرتب کی جو نبی اکرم ﷺ کے دور میں تورات کے نام سے معروف تھی۔اور آج بھی موجود ہے۔ یہ کتاب الٰہی تورات نہیں ہے بلکہ یہود کی تاریخ ہے جس میں بعض مقامات پر تورات کی احکامی آیات بھی ملتی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ تک ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے۔اس عرصہ میں یہودی علماء نے اس تورات میں جو عزرا کاہن نے لکھی تھی۔دو طرح کی تحریفات کر لی تھیں۔ایک یہ کہ الفاظ کو نئے معنی پہنا دیے تھے۔دوسرے یہ کہ خود تورات کی عبارت میں تبدیلی اور اضافہ کر لیا جاتا تھا۔ اس طرح وہ کتاب تو گم ہو چکی تھی جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی تھی اور جو تورات عزرا کاہن نے مرتب کی تھی وہ بھی اپنی اصلی حالت پر قائم نہیں تھی۔ چوتھی صدی قبل مسیح میں یہود کو پہلی بار یونانی، رومی اور دوسری غالب تہذیبوں نے بری طرح متاثر کیا اور ایک جانب تو عزرا کی تورات میں متعدد معنوی اور لفظی تحریفات کر لی گئیں اور دوسری جانب یہودی مادیت پرستی اور نسلی تفاخر میں ایسے مبتلا ہوئے کہ اخلاقی بے راہ روی کی انتہا تک جا پہنچے۔ یہاں تک کہ وہ قتل انبیاء تک کے مرتکب ہو گئے۔ اور ہر اس شخص سے دشمنی ان کا قومی وطیرہ بن گئی تھی جو انھیں دین حق کی تعلیم دیتا اور ان کا مذہب تورات کی تعلیمات کی بجائے خود تراشیدہ ڈھکوسلوں کی آماجگاہ بن گیا تھا۔

حضرت موسیٰ سے تقریباً بارہ صدیاں بعد اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کی اصلاح کے لیے حضرت عیسیٰ ابن مریم کو مبعوث فرمایا اور ان پر انجیل نازل فرمائی۔ مگر اصل سریانی انجیل بھی آپ ﷺ کے دور تک محفوظ نہ رہی تھی۔ اصل میں رومی تہذیب نے اسے بری طرح متاثر کیا تھا۔ اس وقت تک عیسائی بھی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا قرار دے چکے تھے اور ایک اللہ کی بجائے تثلیث کے قائل ہو چکے تھے اور سینٹ پال کی تعلیمات سے متاثر ہو کر تورات کے عملی احکام سے اپنا ناتا توڑ کر عملاً الحاد کا شکار ہو چکے تھے۔ رومی تہذیب نے عیسائیت کو کس حد تک متاثر کیا اس بات کا اندازہ اس سے کر لیجیے کہ آج عیسائی کرسمس کا تہوار ۲۵ردسمبر کو مناتے ہیں جس کا آغاز حضرت عیسیٰ کی وفات سے پانچ صدیاں بعد ۵۳۰ء میں ہوا جب ایک ہیئت دان راہب (Dionysius exigus) نے حضرت عیسیٰ کی وفات کا دن ۲۵ردسمبر مقرر کیا۔ وہ اس کی کوئی سند بھی بیان نہیں کرتا۔ جبکہ ڈین فیریر جیسا محقق بھی اس بات کا انکاری ہے کہ آپ کی وفات ۲۵ردسمبر کو ہوئی تھی۔ یہ تاریخ حقیقت میں بت پرستی کا تہوار ہے۔ شمسی تقویم Iulian Calander میں یہ سورج دیوتا کی پیدائش کا دن ہے۔ یہی نہیں اکثریت پرستانہ تہذیبوں میں اس دن سورج دیوتا کا تہوار منایا جاتا ہے۔ مثلاً ایرانیوں کے

Marfat.com

دیوتا متھرا(Methra) بابلیوں کی سورج دیوتا بعل شاہیوں کے سورج دیوتا تموز(Adonis) اسی طرح سورج دیوتا (Dacchus) کے تہوار اسی تاریخ کو منائے جاتے ہیں۔ دوسری طرف یونانی چرچ میں کرسمس کا تہوار ۶ جنوری کو منایا جاتا ہے۔

اسی طرح صلیب کا نشان بھی ابتدائی زمانہ میں عیسائیوں کے نشانات میں شامل نہ تھا۔ حتیٰ کہ یہ سینٹ کلیمنٹ کی تیار کردہ فہرست میں بھی شامل نہیں ہے۔ رومی سلطنت میں سورج پرستوں کے ہاں یہ زندگی کا نشان تھا۔ اسکندریہ کے میونسپل عجائب گھر میں ایک مصری غیر عیسائی صلیب آج بھی موجود ہے۔ اسی طرح آئر لینڈ سے کھدائی کے دوران ایک غیر عیسائی صلیب ملی ہے جو متھرا کے پجاریوں سے متعلق ہے۔ صلیب کا نشان قسطنطین نے اختیار کیا تھا۔

عیسائیوں کی پوری تقویم پر آج بت پرستی کی علامات چھائی ہوئی ہیں۔ Sunday تو اپنے معنی ہی سے واضح ہے کہ سورج دیوتا کا دن ہے Saturday رومن دیوی Saturnale کا دن ہے January رومی دیوی Janus کے نام سے منسوب ہوا۔ March رومی دیوی Mers اور June رومی دیوی Juno کی نسبت سے نام دیے گئے۔ جبکہ December یونانی دیوی Demeter سے منسوب ہے۔

عیسائی گرجاؤں کا پورا نظام انہی خطوط پر استوار ہے جو سورج دیوتا کے مندروں کا تھا اسی طرح اس میں بھی مرد پجاری Mark اور پجارنیں Mons ہوتی ہیں اور تجرد و رہبانیت بھی عیسائیوں کے ہاں رومی بت پرستانہ نظام سے رائج ہوئی۔

نبی اکرم ﷺ کی ولادت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا درمیانی عرصہ تقریباً چھ صدیوں پر محیط ہے۔ اس عرصہ میں انجیل گم ہو چکی تھی۔ عیسائیوں کے ہاں مختلف اناجیل کی بھر مار تھی۔ پورا دین عیسوی اعتقادی اعتبار سے مشرکانہ اور عملی اعتبار سے الحادی بن چکا تھا۔ چرچ اور رومن ایمپائر کی ملی بھگت نے انسانیت کے ایک بہت بڑے حصے کو رومی استبداد کے شکنجے میں کس دیا تھا۔ مذہبی رسومات کا پورا نظام مشرکانہ روایات پر مبنی تھا۔ رہبانیت پورے زوروں پر تھی۔ راہبوں کی زندگیاں بظاہر سادگی اور دنیا سے بے رغبتی کی آئینہ دار تھیں جبکہ فی الواقع ان سے زیادہ حرص زر میں مبتلا کوئی اور طبقہ نہ تھا۔ یہودی حبر اور عیسائی راہب یکساں لوگوں کا مال غلط طریقوں سے کھاتے تھے اور اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت میں رکاوٹ تھے۔ احبار اور رہبان اپنی اپنی قوموں میں الوہیت

Marfat.com

کے درجے پر فائز تھے اور ان کے خود تراشیدہ دین کے مقابلے میں خود تورات اور انجیل کی محرف کتب بھی اپنی حیثیت کھو بیٹھی تھیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان دنیوی مفادات کے لیے لڑی جانے والی مذہبی جنگوں نے پوری انسانی آبادی کو جہنم زار بنا دیا تھا اور ان جنگوں میں مذہب کے نام پر بہنے والے خون نے انسانوں کو مذہب ہی سے بیزار کر دیا تھا۔ رومی سلطنت کا مذہب عیسائی تھا۔ جبکہ تبابع یمن یہودی مذہب رکھتے تھے۔ ذونواس تبع نے نجران کے عیسائی باشندوں پر جو مظالم ۵۲۳ء میں ڈھائے تھے وہ ابھی تازہ تھے۔ معاملات و اخلاقیات میں یہودی اور عیسائی ہر دو الحاد اور حرص زر کا شکار تھے۔

ایران

نبی اکرم ﷺ کی ولادت کے وقت یہودی سلطنت ختم ہو چکی تھی۔ یمن کے تبابع جو مذہباً یہودی تھے۔ اقتدار سے محروم ہو چکے تھے۔ البتہ عرب کے شمال مغربی علاقہ میں تیما، خیبر اور یثرب میں ان کے منتشر قبائل کی آبادی موجود تھی۔ جبکہ مغرب میں شام، روم، مصر اور حبشہ پر عیسائی حکومتیں قائم تھیں۔

عرب کے مشرقی جانب ایران کی سرحدیں جزیرہ نمائے عرب سے ملتی تھیں۔ بنو عدنان کے عراقی قبائل ان کے زیر اثر تھے۔ عرب کے شمال مشرق میں حیرہ کی لخمی حکومت ایران کی باجگزار تھی اور یمن میں حبشی حکومت کے خاتمے کے بعد سیف بن ذی یزن حمیری برسر اقتدار تھا اور یہ بھی ایران کے زیر اثر تھا۔

اہل ایران اس وقت مذہباً مجوسی تھے۔ ایران میں زرتشت سے پہلے سورج پرستی اور اجرام پرستی کا دور دورہ تھا۔ اس کے علاوہ شجر پرستی کا رواج تھا۔ گائے کی پرستش ہوتی تھی۔ زرتشت کی پیدائش بستاشب کے دور میں ۶۶۰ ق م میں ایران کے شہر رے میں ہوئی۔ اور وہ ۵۸۳ ق م میں فوت ہو گیا۔ اس کے والد کا نام پوراشاسب تھا۔ اس کے بارے میں مشہور افسانے اسے نبی قرار دیتے ہیں تاہم اس نے اپنے زمانے کے مشہور ایرانی حکیم برزکرزہ سے ابتداءً اکتساب علم کیا تھا۔ زرتشت سے دو کتابیں دساتیر اور اوستا منسوب ہیں مگر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اس کی حقیقی کتابیں ہیں یا محض منسوب ہیں۔ دساتیر تو دستیاب نہیں ہے اوستا قدیم ایرانی زبان زند میں ہے البتہ اوستا کی شرح

Marfat.com

جو پاژند زبان میں لکھی گئی اس کے بعض حصے ملتے ہیں۔

اگرچہ زرتشت کے بارے میں یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی کہ وہ نبی تھے تاہم اوستا کی شرح کے جو حصے دستیاب ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ توحید کی تعلیم دیتے تھے۔ اس کے ہاں اللہ کا نام اہورامزدا ہے جس کے معنی الملک الحکیم کے ہیں۔ اس کی تعلیم کے مطابق وہ یکتا ہے اس کا کوئی ثانی نہیں۔ وہ اول بھی ہے آخر بھی۔ وہ شریک، ند، ماں، بیوی، اولاد، جگہ، جسم، راحت اور رنگ و بو کے عیوب سے پاک ہے۔ نہ آنکھ اسے پا سکتی ہے نہ وہ خیال کی گرفت میں آتا ہے۔ وہ ظاہر و آشکار ہو کر پوشیدہ و نہاں ہے۔ وہ غیر فانی ہے۔ زرتشت ملائکہ کو اللہ کی مخلوق کہتا ہے اور ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ زرتشت جنت اور دوزخ کا قائل ہے بہشت (جنت) اس کے نزدیک، مہربانی اور عیش و عشرت کی جگہ ہے۔ جبکہ دوزخ دکھوں اور حرماں نصیبی کی جگہ۔ زرتشت کی تعلیمات میں افکار کی پاکیزگی، سچائی، جسم و روح کی صفائی اور اقوال و اعمال کی پاکیزگی کی بہت اہمیت ہے۔ اقتصادیات میں اس کی تعلیمات کی بنیاد انفاق پر ہے۔

تقریباً ڈھائی سو سال تک اس کی تعلیمات ایران میں مقبول رہیں پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں خورس اور دارا اول کے دور میں زرتشتی مذہب نکتہ عروج پر تھا۔ آخر کار جب سکندر نے دارا ثالث کو ۳۳۱ ق م میں شکست دی تو اس نے پرسیپولس کے عظیم کتب خانے کو جلا کر خاکستر کر دیا اس طرح زرتشتی مذہب کی کتابیں ناپید ہو گئیں۔ زرتشتی علمائے اپنی جانیں بچانے کے لیے روپوش ہو گئے اور بعد کے ادوار میں زرتشتی مذہب کی کتب کو اپنے حافظے کی مدد سے علمائے زرتشت نے جمع کیا۔ زرتشتی مذہب کو دوسری بار دوسری اور تیسری صدی عیسوی میں عروج نصیب ہوا۔ لیکن کچھ ہی عرصہ بعد زرتشتی مذہب ثنویت کا شکار ہو کر بت پرستی میں ڈوب گیا۔ ۲۱۵ء میں مانی پیدا ہوا وہ دو خداؤں کا قائل تھا۔ ایک نور کا خدا اہورامزدا اور دوسرا اہرمن۔ اس کے نزدیک اہورامزدا خیر کا خدا تھا۔ جبکہ اہرمن ظلمت اور شر کا خدا تھا۔ اس طرح اس کی تعلیمات کے نتیجے میں آتش پرستی شروع ہوئی۔ بعد میں سات ارواح یا غیر فانی ہستیوں، وایشا اسپنتا کی پرستش شروع ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی سورج اور چاند کی پرستش بھی ہونے لگی۔ اس کے علاوہ متھرا اور ناہتا دیوی یا ناہید (زہرہ ستارے) کی پرستش بھی کی جانے لگی۔ تاہم اہورامزدا کو ان سب ہستیوں کا خالق مانا جاتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد ان خداؤں کی پرستش کا آغاز ہوا۔

Marfat.com

مزدک کی تعلیمات کے نتیجے میں بت پرستی پر اخلاقی انحطاط کا آغاز ہوا۔ جنسی بے راہ روی عام ہوگئی۔ یہاں تک کہ ماں اور بہن کے ساتھ نکاح نے رواج پایا۔ فحش اور ظلم نے راہ پائی اور طغیان و عصیان کا طوفان بدتمیزی برپا ہوا۔ بیٹوں نے اپنی ماؤں کو اپنی جنسی ہوس کا شکار بنایا۔ تخت و تاج کی مالک شہزادیاں فوج کے ہاتھوں رسوا ہوکر تختہ دار پر کھینچی گئیں۔ فرہاد شیریں کو حاصل کرنے کے لیے بادشاہ سے رقابت کرنے لگا۔ اور شیرویہ نے اپنے باپ کا پیٹ چاک کر کے شیریں کو حاصل کیا۔

نبی اکرم ﷺ کی ولادت کے وقت ایران اپنی مقدس کتب سے محروم ہوکر خالصۃ ایک مشرکانہ اور اخلاق باختہ تہذیب کا گھر تھا۔

ہندوستان

ہندوستان کی قدیم آبادی کول اور دراوڑ ہیں لیکن ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ وہ حضرت نوح کے کس بیٹے کی اولاد ہیں البتہ آریہ جو ہندوستان مین آئے ہیں وہ سام بن نوح کے بیٹے ارفخشد کی اولاد میں توقیر کے دو بیٹوں ہند اور سندھ کی اولاد ہیں اور تقریباً ۲۱۰۰ ق م میں ہندوستان میں وارد ہوئے ہیں۔ ہند، سندھ اور حضرت نوح کے درمیان چھ نسلیں گزری ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت ان کے پاس حضرت نوح کی تعلیمات رہی ہوں۔ تاہم بعد کے ادوار میں یہ دین بدل کر کچھ سے کچھ بن گیا۔ ہندوستان میں کسی آسمانی کتاب کا کوئی وجود نہیں ملتا۔ ہندوستان کی مذہبی کتابوں میں سب سے قدیم پران ہیں اغلب ہے کہ یہ بیسویں صدی قبل مسیح کی ہوں۔ پرانوں کے بعد وید سب سے قدیم ہیں۔ وید چار ہیں رگ وید، سام وید، یجر وید اور اتھر وید۔ یہ وید بھی کسی نبی پر اترنے والی کتب نہیں بلکہ خود ہندوؤں کے نزدیک رشیوں کی تحریریں ہیں جو نبی نہیں مفکر ہوئے تھے۔ پروفیسر مونیر ولیم (Monir willuim) کے مطابق وید ۱۵۰۰ ق م سے ۱۰۰۰ ق م کے درمیان مختلف شعراء کی تصانیف ہیں۔ تاہم ان ویدوں میں بھی بعد کے ادوار میں بہت سی تحریفات ہوئی ہیں۔ جس کا اعتراف خود ہندو مؤرخین کو ہے۔ اپنشد حقیقت میں بعض ہندو فلاسفہ کی کتابیں ہیں جن میں روح (آتمن) خدا (برہما) اور نیچر کے بارے میں فلسفیانہ مباحث موجود ہیں۔ دور زمیہ کتابیں رامائن اور مہابھارت بھی یہاں کی مذہبی کتب میں شامل ہیں۔ رامائن رام چندر کی بن باس کے دوران راجہ راون سے جنگ کی داستان ہے تاہم اس میں اخلاقی مباحث بھی موجود

Marfat.com

ہیں۔مہابھارت ہستناپور کے چندربنسی خاندان کے دوگھرانوں کے درمیان جنگ کی داستان ہے۔ ہندواس کتاب کو چاروں ویدوں سے زیادہ مقدس مانتے ہیں۔اس کے علاوہ بھگوت گیتانامی کتاب بھی ہندوؤں کی مذہبی کتب میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔یہ کتا بھگوت گیتا (فرمان الٰہی) کرشن چندر سے منسوب ہے جن کا زمانہ ایک ہزار سال قبل مسیح سے پندرہ سو قبل مسیح کا ہے۔تاہم خود ہندو محققین کے درمیان اس سلسلہ میں اختلاف موجود ہے کہ یہ کرشن چندر کی تحریر ہے یا بعد کی تصنیف ہے۔اسی طرح ہندوؤں میں سمرتی کے نام سے قانون کی کئی کتابیں موجود ہیں۔جن میں منوسمرتی ہے۔یہ وہ قانون ہے جو ۸۸۰ء میں کوشل خاندان کے بادشاہ منو نے وضع کیا تھا۔

ہندوستان چونکہ قدیم زمانے میں وحی الٰہی سے محروم تھا۔یہاں کی تہذیب فطری طور پر مشرکانہ تھی۔نبی اکرم ﷺ کی پیدائش کے وقت ہندوستان شرک و بت پرستی کی انتہا پر تھا۔تری مورتی (برہما، شیو اور وشنو) کی پوجا عام تھی۔اس کے علاوہ چھوٹے بڑے خداؤں کا کوئی شمار نہیں تھا۔ان بتوں کے علاوہ گائے کی پوجا۔ہنومان جی (بندر) کو نہایت عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔اس کے علاوہ مظاہر قدرت کی پوجا کی جاتی تھی۔گنگا میں غسل کرنا پوتر (پاک) ہونے کی سند سمجھی جاتی تھی ان بتوں پر جانوروں ہی کی قربانی نہیں دی جاتی تھی بلکہ شیوجی مہاراج کو خوش کرنے کے لیے انسانی قربانی کا رواج عام تھا۔جس کا شکار اکثر شودر ہوتے تھے۔

ہندو معاشرہ بنیادی طور پر چار طبقات پر مشتمل تھا اور یہ چاروں طبقات نسلی طور پر قائم تھے۔ایک طبقے میں پیدا ہونے والا کسی صورت بھی دوسرے طبقے کا فرد نہیں بن سکتا تھا۔یہ چار طبقات برہمن، کھشتری، ویش اور شودر تھے۔

سب سے اعلیٰ طبقہ برہمنوں کا تھا۔ویدوں کے مطابق برہمن پرماتما کے منہ سے پیدا ہوئے ہیں اور ان کی پیدائش اصلاً وید کی حفاظت کے لیے ہوئی ہے۔منوشاستر کے مطابق برہمنوں کے لیے وید کی تعلیم فرض ہے اپنے اور دوسروں کے دیوتاؤں کے لیے چڑھاوے دینا اور دوسری ذاتوں سے دان لینا فرض ہے۔برہمنوں کی آمدنی کا بڑا ذریعہ دان ہے۔اس دنیا میں جو کچھ ہے وہ برہمن کا مال ہے۔بادشاہ کو کیسی ہی ضرورت کیوں نہ پیش آجائے وہ برہمن سے محصول نہیں لے سکتا۔حکومت کا فرض ہے کہ وہ برہمن کو بھوکا نہ مرنے دے۔جس برہمن کو رگ وید یاد ہو وہ بالکل بے گناہ ہے۔اگرچہ وہ تینوں عالم ناس کردے۔برہمن کو اگر ضرورت ہو تو وہ بغیر کسی گناہ

Marfat.com

کے شودر کا مال بہ جبر لے سکتا ہے اور اس غصب پر اسے کوئی گناہ نہ ہوگا۔ اگر کسی جرم کی سزا موت ہو اور برہمن اس کا ارتکاب کرلے تو اس کا سر مونڈ دیا جائے گا۔

برہمن سے کم درجے پر کھشتری آتا ہے۔ یہ وید کے مطابق پرماتما کے بازو سے پیدا ہوا ہے۔ کھشتری کی پیدائش حکومت کے لیے ہوئی ہے۔ کوئی ایسا شخص حکومت کرنے کا حق نہیں رکھتا جو کھشتری نہ ہو کھشتری کو پرماتما کا حکم ہے کہ وہ خلقت کی حفاظت کرے۔ دان دے۔ چڑھاوے چڑھائے اور شہوت نفسانی میں نہ پڑے۔ کھشتری کے ذمہ حکومت کرنا اور ملک کا دفاع کرنا ہے۔

تیسرے درجے کی مخلوق ویش تھے۔ ویش پرماتما کی رانوں سے پیدا ہوا ہے۔ یہ کاروبار کے لیے پیدا ہوا ہے۔ اس طبقے کا کام زراعت، تجارت اور صنعت کو فروغ دینا تھا۔ اس کی زنار بندی کھشتریوں کے بعد ہوتی تھی۔ منو کا کہنا ہے کہ ویش کو چاہیے کہ زنار بندی کے بعد کاروبار میں مصروف ہو جائے اور مویشیوں کی نگہداشت کرے۔

شودر ہندو معاشرے کا ذلیل ترین طبقہ تھا۔ ویدوں کے مطابق یہ پرماتما کے پاؤں سے پیدا کیا گیا۔ اس کی پیدائش دکھ اٹھانے کے لیے ہوئی تھی۔ وہ زندگی کے سارے حقوق سے محروم ہے۔ شودر کو مال و دولت جمع کرنے کا بھی کوئی حق نہ تھا۔ اس کا فرض تھا کہ برہمن کی خدمت کرے۔ وہ اس راستے پر چل بھی نہیں سکتا تھا۔ جس پر اعلیٰ ذات کا ہندو جا رہا ہو۔ شودر اگر کسی برہمن کی توہین کرتا تو وہ عضو کاٹ دیا جاتا جس سے اس نے توہین کی۔ منو کے مطابق اگر شودر برہمن کے برابر بیٹھ جائے تو اس کی کمر پر داغ لگا کر اور چوتڑ کاٹ کر ملک بدر کر دیا جائے۔ شودر اگر وید سنے تو اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈال دو۔ اگر وید پڑھے تو زبان کاٹ دو اور اگر وید یاد کرے تو اس کا دل چیر دو۔

شودر اصل میں مفتوح اقوام کے وہ افراد تھے جو ہندو بن کر رہنے پر مجبور ہو گئے۔ اگر کسی دوسری قوم کا کوئی فرد ہندو مت قبول کرے تو وہ شودروں میں شمار ہوتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت ہندو معاشرہ اس معاشرتی تقسیم پر سختی سے کاربند تھا۔ یہ معاشرہ انسانی مساوات کے کسی بھی تصور سے خالی تھا۔ جنسی بے راہ روی اس معاشرہ میں مذہبی تقدس حاصل کر گئی تھی۔ مندروں میں دیوداسیاں برہمنوں کی ہوس جنسی کا شکار ہوتی تھیں۔

Marfat.com

کسی بھی خاتون کا مندر میں پجارن بن کر داخل ہونا اور بتوں کے پجاریوں کے لیے اپنی بکارت نذر کرنا نیکی تھی۔ عورتیں ہر طرح کے حقوق سے محروم تھیں۔ طلاق کا کوئی تصور نہ تھا۔ بیوگی کے بعد وہ زندگی کے حق سے بھی محروم ہو جاتی تھیں۔ شوہر کی چتا پر اپنی کوشش سے جل کر راکھ ہو جانا ایسی عظمت تھی جس پر اہل خاندان فخر کرتے تھے۔ اس جھوٹی عظمت کو حاصل کرنے کے لیے لوگ بیوہ کو جبراً شوہر کی چتا پر جلا دیتے تھے۔ اگر کسی عورت کا شوہر مر جاتا اور وہ ستی ہونے سے بچ جاتی تو اسے دوسرا نکاح کرنے کا حق نہ تھا البتہ نیوگ کے نام کسی بھی مرد سے ہم بستری کر سکتی تھی۔ اسی طرح اگر کسی عورت کا شوہر اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہوتا تو اسے چاہیے تھا کہ وہ اپنی عورت کو اجازت دے کہ وہ کسی غیر مرد سے ہم بستری کر کے دس تک اولادیں حاصل کرے مگر اسے اس دوران اپنے شوہر کی اسی طرح خدمت کرنا ہوتی۔ یہ بھی نیوگ ہی کی ایک شکل تھی۔ اسی طرح اگر کسی مرد کی عورت اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہوتی تو مرد کو بھی دس اولادوں تک نیوگ کرنے کا حق دار تھا۔ البتہ دس اولادیں نیوگ سے ہو جانے کے بعد اگر وہ مرد یا عورت کسی غیر مرد یا عورت سے ہم بستری کرتے تو زنا کی سزا کے مستحق تھے۔

بدھ مت

چھٹی صدی قبل مسیح میں ہندو مت کے خلاف ایک اصلاحی تحریک برپا ہوئی جس کی تعلیم گوتم بدھ نے دی۔ گوتم بدھ ۵۶۸ ق م میں ساکیہ قبائل کی راجدھانی کپل وستو میں پیدا ہوا۔ اس کا نام سدھارتھ تھا۔ گوتم اس کا خاندانی نام تھا۔ یہ ساکیہ منی کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ اس کے باپ کا نام شدھودھن تھا اور وہ اس علاقے کا بادشاہ تھا۔ بعض ماہرین انساب کی رائے یہ ہے کہ ساکیہ قبائل بنو اسرائیل کے بکھرے ہوئے قبائل میں سے تھے جو کوہ ہمالیہ کے دامن میں آباد ہو گئے تھے۔ اس کی ابتدائی زندگی نامعلوم ہے۔ تاہم یہ معلوم ہوتا ہے کہ انیس سال کی عمر میں ساکیہ منی ایک خادم کے ہمراہ چین کی سیاحت کے لیے روانہ ہوا۔ راستے میں مختلف انسانی مصائب اور تکالیف کو دیکھ کر اس نے ترک دنیا اختیار کر لی۔ اور جنگلوں اور پہاڑوں میں سخت ریاضت و مجاہدت شروع کر دی۔ اور علائق دنیا سے بچنے کے لیے اس نے خوراک تک چھوڑ دی۔ یہاں تک کہ اس کا بدن ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا۔ بالآخر اس نے اس ریاضت کو ترک کر دیا اور کھانا پینا شروع

Marfat.com

کر دیا۔اس سے اس کے معتقدین اس سے متنفر ہو کر اس سے الگ ہو گئے۔تاہم اس نے عبادت وریاضت جاری رکھی۔ چنانچہ گیا کے شہر میں ایک بڑ کے ایک درخت کے نیچے اسے گیان حاصل ہوا اور اس کے بعد اس نے ملک کے طول وعرض میں گھوم پھر کر اپنی تعلیمات کی تبلیغ شروع کر دی۔

گوتم بدھ کی تعلیمات توحید الٰہی پر مبنی تھیں۔وہ فرشتوں کا قائل تھا اور انھیں الوہیت میں شریک نہیں گردانتا تھا۔گوتم بدھ نے آخرت کا بھی نسبتاً واضح تصور دیا ہے وہ ہندوؤں کے عقیدہ آواگون کا بھی انکاری تھا۔اس کی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آخرت کو ایک حقیقت بتاتا ہے۔آخرت میں ہر شخص کو اس دنیا میں کیے اپنے اعمال کا اجر دیا جائے گا۔آخرت میں نجات کے لیے اس دنیا میں دھرم پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے۔آخرت میں کوئی شخص اس وقت تک نجات حاصل نہیں کر سکتا۔جب تک اس دنیا میں سخت ریاضت نہ کرے۔اس کی تعلیمات میں جنت اور دوزخ کا بھی واضح تصور موجود تھا۔جنت کو وہ اللہ کی نعمتوں کی جگہ قرار دیتا تھا۔

حقیقت میں بدھ نے کوئی تحریری ہدایت نامہ نہیں چھوڑا۔بدھ کی وفات کے بعد کنشک کے دور تک اور پھر اشوک کے دور میں تقریباً چار مجالس منعقد ہوئیں جن میں اس کی تعلیمات کو مرتب کرنے کی کوشش کی گئی اس طرح بدھ مت کی مذہبی کتب بدھ کی وفات کے چھ سو سال بعد مرتب ہوئیں۔یہ تین کتابیں ہیں تی پتا یا تر تیا کہلاتی ہیں۔

کنشک کے زمانے میں حکومتی سرپرستی میں ایک نئے فرقے مہاین نے جنم لیا۔اس فرقے کے نزدیک بدھ کا جسم نہ تھا وہ نور تھا۔ساکیہ منی کبھی پیدا نہیں ہوا۔ان کے نزدیک بدھ خود ہی خدا تھا اور ازلی وابدی ہے۔اس نے اوتار اتارے ہیں۔جو بدھی اور علم کے ذریعے ظاہر ہوتے تھے۔اس فرقے کے ذریعے بدھ مت بت پرستی کا شکار ہوا۔خود بدھ کے مجسمے بنا کر اس کی پرستش شروع ہو گئی۔بدھ کے علاوہ پانچ ستیو اڈی کے مجسمے بنا کر ان کی پوجا کا آغا ہوا۔

نبی اکرم ﷺ کی ولادت کے وقت بدھ مت بھی شرک میں مبتلا ہو گیا تھا اور چین اور جاپان کا مذہب بھی یہی مشرکانہ اور بت پرست بدھ مت تھا۔

دیار مغرب

مغربی ممالک کا معاملہ مشرقی ممالک سے گیا گزرا تھا۔یورپ نبی اکرم ﷺ کی ولادت

Marfat.com

کے وقت کامل طور پر جہالت و وحشت میں ڈوبا ہوا تھا۔ ان ممالک میں کسی نبی کی تعلیمات کا پتہ نہیں چلتا۔ برطانیہ میں برٹن اور سیکسن قومیں آباد تھیں۔ فرانس ہمیشہ سیکسن قوم سے نبرد آزما رہا حتیٰ کہ یہ سلسلہ ۷۸۲ء تک جاری رہا۔ جب ساڑھے چار ہزار سیکسن نہایت بے رحمی سے قتل کر دیے گئے تھے۔ ہنگری بھی ان دنوں انتہائی وحشی آوارہ اور ناشائستہ قوم کے قبضے میں تھا۔ پورا یورپ بت پرستی میں مبتلا تھا، نارتھمبرلینڈ، مڈلینڈ، نارفوک اور ساسیکس میں ورڈن بت کی پرستش ہوتی تھی۔

دنیا کی عمومی حالت

نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کے وقت تمام عالم انسانیت وحی الٰہی کی رہنمائی سے محروم ہو چکی تھی۔ صحف نوح، صحف ابراہیم، صحف اسحاق و اسماعیل علیہم السلام ناپید ہو چکے تھے۔ دنیا نصائح یعوب اور قوانین یوسف علیہما السلام سے ناواقف تھی۔ موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی تختیاں گم ہو چکی تھیں۔ عزرا کاہن کی یادداشتوں پر مرتب ہونے والی تورات محرف ہو چکی تھی۔ دین موسیٰ یہود کے نسلی دین یہودیت میں بدل چکا تھا۔ وہ بت پرست تہذیبوں سے متاثر ہو کر عزرا کاہن کو خدا کا بیٹا قرار دے چکے تھے۔ دنیا طلبی میں ہر اخلاقی قدر کو مٹا چکے تھے۔ سازش وخود غرضی ان کا طرہ امتیاز بن کر رہ گئی تھی۔ وہ حضرت عیسیٰ سے پہلے ہی خود اپنے انبیاء کی زبانی سانپ اور سانپ کے بچے کہلا چکے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب انجیل سے خود عیسائی ناواقف تھے۔ ان کے ہاں انجیل کے نام پر متعدد کتابیں متداول تھیں۔ جن کے اپنے مضامین میں تضادات تھے اور ان میں بھی آئے دن تحریفات ہوتی رہتی تھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت تثلیث کا عقیدہ تراش چکی تھی۔ دین عیسیٰ سے کوئی شخص واقف نہ تھا۔ بنو اسماعیل جو عرب کہلاتے تھے۔ ابراہیم حنیف کی اولاد ہونے کے باوجود خود خانہ کعبہ میں تین سو تیرہ بتوں کی پرستش میں مبتلا تھے۔ ایران اور زرتشت کی تعلیمات ثنویت کے فلسفہ میں گم ہو چکی تھی۔ ہندوستان، چین اور جاپان میں خدائے واحد کے پرستار گوتم بدھ کو خود خدا تسلیم کیا جا چکا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ سنبواؤں کو بھی گوتم کا اوتار مان کر خدائی میں شریک کیا جا چکا تھا۔ برہمنیت کے بت اس پر مستزاد تھے۔ مغربی ممالک بھی بت پرستی میں مشرقی ممالک سے کسی طرح پیچھے نہ تھے۔ یونان پر دیو مالائی فلسفہ قابض تھا۔

Marfat.com

دنیوی مفادات کے لیے مذہب کے نام پر جنگوں کے طویل سلسلے نے بہیمیت کی انتہا کر دی تھی۔ روم وایران کی منظم سلطنتوں کے تصادم نے انسانوں کے خون اور حوا کی بیٹیوں کے تصور عصمت کو خاک میں ملا دیا تھا۔

عورت مردوں کی ہوس جنسی کا شکار ہو کر اپنا تقدس کھو بیٹھی تھی۔ ہندو مندروں میں دیوداسیاں اور عیسائی گرجاؤں میں ننز یکساں طور پر مذہبی طبقے کے لیے سامان تسکین تھیں۔ جہاں خدا کے نام پر اپنی بکارت قربان کرنا اس کی ترقی مناصب کا ذریعہ بن چکا تھا۔ ہر جا ہر مقام پر تجارت، سیاست اور زندگی کے دوسرے شعبہ جات سے مذہب کو بے دخل کر کے انفرادی معاملہ بنایا جا چکا تھا۔ بالا دست زیست سے سارے منافع پر قابض تھا اور زیر دست حق زیست تک سے محروم ہو چکا تھا۔

ولادت باسعادت

عین اس زمانے میں جب کرہ ارض نور ہدایت سے خالی ہو چکا تھا۔ جب عالم انسانیت جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہا تھا۔ جب سلسلہ انبیاء میں بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کو تقریباً چھ صدیاں بیتنے کو تھیں۔ جب آسمانی کتب محرف ہو چکی تھیں۔ جب انبیاء کی امتیں توحید سے منہ موڑ کر بت پرستی اور شرک کی ضلالتوں میں کھو چکی تھیں۔ جب بندگانِ خدا، خدا سے تعلق جوڑنے کے لیے ہدایت آسمانی پر نہیں عقلی ڈھکوسلوں پر مبنی ادیان اختیار کیے ہوئے تھیں۔ جب ادیان محبتوں کی خوشبو پھیلانے کی بجائے نفرتوں کا بغض بانٹنے کے لیے استعمال کیے جا رہے تھے۔ جب شہوات نفسانی کو تقدس کا درجہ مل گیا تھا جب قومیں قوموں سے شمشیر آزما تھیں۔ جب قبائل قبائل سے دست و گریبان تھے۔ جب افراد افراد کے در پے آزار تھے۔ جب بہیمیت و درندگی نے شجاعت کا جامہ پہن لیا تھا۔ جب حیا کی چادر تار تار ہو چکی تھی۔ جب عفت و عصمت کا تصور قصہ پارینہ بن گیا تھا۔ جب زر پرستی کے سیمیں اژدھے نے پوری انسانیت کو اپنے جبڑوں میں جکڑ لیا تھا۔ جب انسان انسانوں کے الٰہ بن بیٹھے تھے۔ اللہ وحدہٗ لاشریک نے دکھوں سے بلکتی سسکتی نیم بسمل انسانیت پر رحم کھایا اور انسانوں کی رہنمائی کے لیے خاتم المرسلین فداہ ابی وامی کو پیدا فرمایا۔

Marfat.com

جس شب آپ کی ولادت باسعادت ہوئی اس کی شام ظاہر بین آنکھوں کے سامنے سورج اپنے معمول کے مطابق افق مغرب میں غروب ہوا۔ سوادِ شام نے اپنے معمول کے مطابق سورج کی کرنوں سے پھیلی روشنی کو اپنے سرمئی آنچل میں ڈھانپ لیا۔ ستارے رات کو حسب معمول سرگوشیوں میں مصروف دکھائی دیے۔ چاند نے اپنی روایت کے عین مطابق خنک روشنی پھیلائی۔ طلوع فجر کے وقت صبح صادق کی روشنی رات کی ظلمتوں کا سینہ چیر کر ابھری اور افق مشرق پر غالب آئی۔ ظلمت کی پسپائی اور نور کی پیش قدمی کے انہی لمحات میں مکے کے ایک تاریک مکان میں اولادِ آدم کا وہ سرمایہ افتخار پیدا ہوا جسے نورِ ہدایت کا امین بننا تھا۔

عرب کے باسی جہالت کی ظلمتوں میں ڈوبے خواب غفلت میں مدہوش تھے۔ وہ بے خبر تھے کہ آج کی شب دینِ حق کی نعمت بنی اسرائیل سے منقطع کر کے ان کے سپرد کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہاں بنی اسرائیل کے محدودے چند علماء۔ ان علماء کا معاملہ دوسرا تھا۔ جو اپنی کتب میں خاتم المرسلین کا تذکرہ پڑھتے تھے۔ آپ کے ظہور کے وقت اور اس کی نشانیوں سے باخبر تھے اور آپ کے ظہور کے انتظار میں راتیں سحر کرنے کے عادی تھے۔

ام القریٰ اور اس کے گرد و نواح میں پھیلے ہوئے بنو اسماعیل کے قبائل بالکل نہ جانتے تھے کہ آج کی شب ان کے لیے کتنی بڑی نعمت، کتنی عظیم سعادت اور کیسی عظمت کا فیصلہ ہوا ہے۔ انھیں کیا خبر تھی کہ ان کے اپنے شہر میں، ان کے اپنے بھائیوں میں، خود ان کے اپنے اندر پیدا ہونے والا یہ بچہ وہی ہے جس کی نبوت اللہ کے ہاں اس وقت مکتوب تھی۔ جب ابھی آدم کا جسد خاکی مٹی اور پانی کا آمیزہ تھا۔ جس کی اطاعت کا عہد انبیاء سے اس تاکید کے ساتھ لیا جا چکا تھا:

﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾

(آل عمران: ۸۱-۸۲)

”اور یاد کرو اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ ”آج ہم نے تمھیں کتاب

Marfat.com

اور حکمت سے نوازا ہے کل کوئی دوسرا رسول تمھارے پاس اسی تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے سے تمھارے پاس موجود ہے تو تم کو اس پر ایمان لانا ہوگا۔ اور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ یہ ارشاد فرما کر اللہ نے پوچھا کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے عہد کی بھاری ذمہ داری اٹھاتے ہو۔'' انھوں نے کہا ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا ''اچھا گواہ رہو اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں'' اس کے بعد جو اپنے عہد سے پھر جائے وہی فاسق ہے۔''

کسے خبر تھی عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی کے ہاں پیدا ہونے والا یہ نومولود وہی ہے کہ جس کی اطاعت ونصرت کا عہد سارے انبیاء سے لیا گیا تھا۔ جس کے بارے میں سارے انبیاء کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اپنی امت کو یہ وصیت کر جائیں کہ اگر آپ ﷺ مبعوث ہوں تو وہ آپ ﷺ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی مدد کریں گے۔

(حافظ ابن کثیر قرسی، تفسیر القرآن العظیم، مکتبہ حقانیہ، پاکستان: ج۱ص۳۸۶)

بیت اللہ کے گرد آباد اولاد اسماعیل اس بات سے قطعی بے خبر تھی کہ آج کی شب پیدا ہونے والا وہی ہے جس کے لیے اسی گھر کی تعمیر کے وقت خود ان کے جد امجد ابراہیم علیہ السلام نے ان الفاظ میں دعا کی تھی:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (البقرة:۱۲۹)

''اے اللہ ان میں (اولاد اسماعیل میں) انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان کے سامنے تیری آیات کی تلاوت کرے ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے بے شک تو غالب اور حکیم ہے۔''

انھیں معلوم نہ تھا کہ یہ وہی مبارک ہستی ہے جس کی بشارت بنی اسرائیل علیہ السلام نے پہاڑی کے وعظ میں دی۔ اور انھیں تاکید کی کہ آپ کا اتباع کریں۔

(Torah, Deuteronomy, 18.15-17)

Marfat.com

انھیں خبر نہ تھی کہ یہ وہی ہستی منتظر تھی جس کی بشارت عیسیٰ ابن مریم نے ان الفاظ میں دی تھی:

﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ اَحْمَدُ﴾ (الصف:٦)

''اور میں اس رسول کی بشارت دینے آیا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔''

وہ بے خبر تھے کہ یہ وہی ہیں جن کی خاطر یرمیاہ نبی کو حکم دیا گیا کہ معد بن عدنان کو بخت نصر کے حملے کے وقت اپنے ساتھ لے جائیں۔ وہی ہیں جن کی بشارت فہر اپنے خطبات میں اس وضاحت کے ساتھ دیتے تھے کہ وہ میری اولاد میں سے ہوں گے۔

اگر انھیں ان میں سے کسی معاملے کی خبر ہوتی تو وہ اس لمحے کو محفوظ کر لیتے جب آپ کی ولادت ہوئی جبکہ آپ کی ولادت کے بارے میں متعدد روایات موجود ہیں۔

وقت ولادت

آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ کے بارے میں مشہور قول یہ ہے کہ آپ ۱۲/ربیع الاول عام الفیل کو پیدا ہوئے۔ اس بات پر علمائے سیرت کا اتفاق ہے کہ آپ کا سال ولادت عام الفیل ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے سنن ترمذی میں حدثنا محمد بن بشار العبدی نا وہب بن جریر نا ابی۔ انھوں نے کہا میں نے محمد بن اسحاق کو المطلب بن عبداللہ بن قیس بن مخرمہ سے ان کے والد کے واسطہ سے ان کے دادا سے یہ روایت بیان کرتے سنا ہے کہ

ولدت انا ورسول الله ﷺ عام الفيل وسأل عثمان بن عفان قباث بن اثيم اخا بني يعمر بن ليث انت اكبر ام رسول الله ﷺ فقال رسول الله ﷺ اكبر مني وانا اقدم منه في الميلا دقال ورأيت خدق الطير اخضر محيلاً۔

''میں اور رسول اللہ ﷺ عام الفیل میں پیدا ہوئے اور عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان نے قباث بن اثیم سے پوچھا جو بنی یعمر بن لیث میں سے تھے کہ تو بڑا ہے یا رسول اللہ ﷺ تو انھوں نے کہا رسول اللہ ﷺ مجھ سے بڑے ہیں حالانکہ میں آپ سے پہلے پیدا ہوا

Marfat.com

ہوں انھوں نے کہا میں نے (ہاتھیوں پر کنکر گرانے والے) پرندوں کی بیٹھوں کو متغیر ہو کر سبز دیکھا ہے۔''

علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ آپ کی ولادت مبارکہ واقعہ فیل سے پچاس دن بعد ہوئی ہے اور محمد بن علی سے یہ منقول ہوا ہے کہ آپ کی ولادت واقعہ فیل کے پچپن روز بعد ہوئی ہے۔ علامہ ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ آپ کی ولادت ماہ ربیع الاول میں ہوئی ہے۔ تاہم بعض روایات میں آپ کی ولادت ربیع الاخر میں ہوئی بعض صفر میں بعض رجب میں اور بعض رمضان میں بیان کرتے ہیں۔ مگر زرقانی نے ان تمام روایات کو ضعیف قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن العاص کی روایت ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت سوموار کو صبح صادق کے وقت ہوئی ہے اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ کی پیدائش سوموار کے روز ہوئی ہے اور یہی شے ہے جو ربیع الاول عام الفیل کی اس تاریخ کے تعین میں مدد دیتی ہے جس میں آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ ہوئی۔ یہ بھی عجب اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے کئی اہم واقعات سوموار کو ظہور میں آئے۔ سوموار آپ کی ولادت، بعثت، ہجرت اور وفات کا روز ہے۔ البتہ اس بات میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آپ کی ولادت مبارکہ ربیع الاول کو کس تاریخ کو ہوئی ہے۔ محمد بن اسحاق، طبری اور ابن خلدون نے آپ کی ولادت کی تاریخ ۱۲ رربیع الاول لکھی ہے اور یہی روایت مشہور بھی ہے۔ جبکہ ابوالفداء نے تاریخ ولادت ۱۰ رربیع الاول بتائی ہے۔ زرقانی نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم سے آپ کی ولادت کی تاریخ ۸ رربیع الاول بیان ہوئی ہے اور علامہ قطب الدین عسقلانی نے اسی کو اختیار کیا ہے اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی اسی کو درست مانتے ہیں۔ الشیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نے مختصر سیرت الرسول میں اسی کو درست قرار دیا ہے۔ مشہور محقق الفلکی محمود پاشا نے آپ کی تاریخ ولادت ۹ رربیع الاول لکھی ہے۔ مولانا سید محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے اسی کو درست قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ سوموار کا دن سوائے ۹ رربیع الاول کے کسی تاریخ سے مطابقت نہیں رکھتا۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری نے الرحیق المختوم میں اسی تاریخ کو ترجیح دی ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا سید سلیمان ندوی نے بھی ۹ رربیع لاول ہی کو اختیار کیا ہے۔

اس طرح آپ کی ولادت باسعادت کے بارے میں چار آرا ہیں:

Marfat.com

① آپ کی ولادت باسعادت ۱۲/ربیع الاول عام الفیل بروز سوموار بوقت صبح صادق ہوئی۔
② آپ کی ولادت باسعادت ۱۰/ربیع الاول عام الفیل بروز سوموار بوقت صبح صادق ہوئی۔
③ آپ کی ولادت مبارک ۸/ربیع الاول عام الفیل بروز سوموار بوقت صبح صادق ہوئی۔
④ آپ کی ولادت مبارکہ ۹/ربیع الاول عام الفیل بروز سوموار بوقت صبح صادق ہوئی۔

ان چاروں آرا میں یہ بات مشترک ہے کہ آپ کی ولادت بروز سوموار ہوئی ہے اور تقویم کے حساب سے عام الفیل کو ربیع الاول کے مہینے میں سوموار ۲، ۹، ۱۶، ۲۳ تاریخ کو بنتا ہے۔ لہٰذا لائق ترجیح ۹/ربیع الاول ہی کی تاریخ بنتی ہے۔ ھذا ماعندی والعلم عنداللہ۔

بعض غیر معمولی واقعات

① امام احمد نے اپنی مسند میں اور امام حاکم نے مستدرک میں حضرت عرباض بن ساریہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ نے آپ کی ولادت مبارکہ کے وقت ایک نور دیکھا۔ جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔ ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

عن العرباض بن ساریه عن رسول الله ﷺ انهٗ قزال انی عندالله مکتوبٌ خاتم النبیین وان آدم لمجدل فی طینهٖ وساخبرکم باول امری دعوه ابی ابراهیم ولشادة عیسیٰ ورؤیا امی التی رأت حین وصعتنی وقد فرج لها نورا اضاء لهانیه قصور الشام۔

(شرح السنة ومسند احمد)

"عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اللہ کے ہاں اس وقت خاتم النبیین لکھا تھا جب ابھی آدم اپنی مٹی میں پڑے تھے اور میں تمھیں اپنے معاملے کی ابتدا کے بارے میں بتاتا ہوں۔ یہ میرے جد امجد ابراہیم کی دعا، عیسیٰ کی بشارت اور میری والدہ کا دیکھا ہوا نظارہ ہے جو انھوں نے اس وقت دیکھا جب مجھے جنا۔ اس کے سامنے ایک نور پھیلا جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔"

اس روایت کو ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔ امام احمد نے ابو امامہ سے اسی مضمون کی ایک روایت نقل کی ہے۔ امام ابن کثیر نے اسے اپنی تفسیر میں ﴿آیت وابعث فیهم رسولاً

Marfat.com

عنہم ﷺ کی تفسیر میں بطور سند نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ ابو بکر بن ابی مریم نے سعید بن سوید سے اس کی مطابقت میں اسی مضمون کی حدیث نقل کی ہے۔ ابن حجر عسقلانی نے اسے فتح الباری میں باب علامات النبوۃ میں نقل کیا ہے۔ الہیثمی کہتے ہیں اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے ابن کثیر نے اس کی سند کو عمدہ قرار دیا ہے۔

عثمان بن ابی العاص ثقفی کی والدہ فاطمہ بنت عبداللہ فرماتی ہیں کہ میں نبی اکرم ﷺ کی ولادت کے وقت آمنہ کے پاس موجود تھی اچانک تمام گھر میں روشنی پھیل گئی۔ میں نے دیکھا کہ آسمان کے ستارے جھکے آتے ہیں حتیٰ کہ مجھے گمان ہوا کہ یہ مجھ پر آ گریں گے۔

(فتح الباری: ۴۲۶/۴)

بعض لوگ اس روایت کو ضعیف قرار دے کر رد کرتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ اس کی اسناد میں ایک تو یعقوب بن محمد زہری ہے جو ساقط الاعتبار ہے اور دوسرے عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن بن عوف ہے جو کذاب ہے۔ جہاں تک یعقوب بن محمد کا تعلق ہے۔ احمد اور ابوزرعہ نے بلاشبہ اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ جبکہ حجاج بن الشاعر، ابن سعد اور ابو حاتم اسے ثقہ قرار دیتے ہیں۔ اور ابن ماجہ اور امام بخاری نے اس سے تعلیقاً روایت نقل کی ہے۔ رہا عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن تو اسے ایک سے زیادہ ائمہ نے ضعیف قرار دیا ہے مگر کسی نے اس کے کذاب ہونے کی تصریح نہیں کی۔ اس کے باوجود حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی یہی روایت نقل کر کے اس پر کوئی جرح نہیں کی مزید یہ کہا ہے کہ حدیث عرباض بن ساریہ اس کی شاہد ہے جسے امام احمد نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔

آپ کی ولادت پر روشنی کے ظاہر ہونے کی طرف حضرت عباس بن عبدالمطلب کے ان اشعار میں بھی اشارہ ملتا ہے:

وانت لما ولدت اشرقت الارض وضاءت بنورك الافق

ونحن فی ذلك الضياء و فی النور فسبل الرشاد تخترق

''تو وہ ہے کہ جب تو پیدا ہوا تو زمیں اور روشن ہوگئی اور تیری روشنی سے افق روشن ہو گئے۔''

''اور ہم اسی روشنی اور نور میں ہیں سو ہدایت کے راستے واضح ہوئے جاتے ہیں۔''

Marfat.com

(۲) طبرانی، ابونعیم اور ابن عساکر نے متعدد اسناد کے ساتھ حضرت انس ابن مالک خادم رسول اللہ ﷺ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر اللہ کے احسانات میں سے یہ ہے کہ میں مختون پیدا ہوا ہوں اور میرا ستر کسی نے نہیں دیکھا۔ حافظ مغلطائی اس حدیث کو حسن قرار دیتے ہیں۔ حافظ ضیاء الدین مقدسی نے اپنی کتاب مختارہ میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ زرکشی فرماتے ہیں حافظ مقدسی کی تصحیح حاکم کی تصحیح سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے۔

ابن سعد نے طبقات میں نہایت قوی سند کے ساتھ حضرت عباس سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ مختون اور ناف بریدہ پیدا ہوئے عبدالمطلب کو یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا۔ انھوں نے کہا میرے اس بیٹے کی بڑی شان ہوگی۔ (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱/۶۶) بیہقی نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔

اسحاق بن عبداللہ حضرت آمنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب پیدا ہوئے تو نہایت پاک صاف تھے اور جسم اطہر پر کسی قسم کی آلائش نہ تھی۔ (طبقات ابن سعد: ۱/۶۳)

(۳) امام بیہقی نے اپنی سند میں لکھا ہے کہ جس رات نبی اکرم ﷺ کی ولادت ہوئی اس رات کسریٰ کے محل میں زلزلہ آیا اور اس کے چودہ کنگرے گر گئے۔ کسریٰ کے معبد میں وہ آگ بجھ گئی جو ایک ہزار سال سے نہیں بجھی تھی اور بحیرہ ساوہ خشک ہو گیا۔ یہ روایت امام بیہقی کے علاوہ ابو نعیم، خرابطی، ابن عساکر اور ابن جریر نے روایت کی ہے۔ حافظ ابن سید الناس نے اسے عیون الاثر میں اپنی طویل سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ابن جریر طبری نے اسے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے۔
(تاریخ طبری: ۲/۱۳۱)

ابن السکنین اس روایت کو اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس کے ساتھ طبری نے نقل کیا ہے۔

(۴) حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ مکہ میں ایک یہودی تجارت کی غرض سے رہا کرتا تھا۔ وہ تورات کا عالم تھا جس شب رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے صبح اس نے قریش کے لوگوں سے پوچھا کیا اس رات کوئی لڑکا پیدا ہوا ہے۔ قریش نے کہا پتہ نہیں۔ اس نے کہا تحقیق کر کے آؤ لوگ گئے اور آکر بتایا کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اس نے کہا مجھے بھی چل کر دکھاؤ۔ یہودی نے نبی اکرم کے شانوں کے درمیان علامت (مہر نبوت) کو دیکھا تو بے ہوش

Marfat.com

ہر کر گر پڑا ہوش میں آیا تو اس نے کہا نبوت بنی اسرائیل سے چلی گئی۔ اے قریش اللہ کی قسم یہ بچہ تم پر ایسا حملہ کرے گا جس کی خبر مشرق و مغرب میں پھیل جائے گی حافظ عسقلانی نے اس روایت کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

⑤ ابن اسحاق نے صالح بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن سے حضرت حسان بن ثابت کی یہ روایت نقل کی ہے کہ میں اچھا بھلا با ہوش تھا۔ جو سنتا تھا۔ اسے پوری طرح سمجھتا تھا۔ جب ایک یہودی نے اپنے قلعے پر کھڑے ہو کر زور سے آواز دی اے یہود ادھر آؤ میری بات سنو جب لوگ اکٹھے ہو گئے تو انھوں نے کہا کیا ہے۔ اس نے کہا۔ آج رات احمد کا وہ ستارا طلوع ہو گیا ہے جو اس کی ولادت کی خبر دیتا ہے۔ (ابن ہشام السیرۃ النبویہ: ۱۵۹/۱)

عقیقہ اور اسم مبارک

نبی اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ کے بعد آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ نے آپ کے جد امجد عبدالمطلب کو بچے کی ولادت کی اطلاع دی وہ اس وقت خانہ کعبہ میں طواف کر رہے تھے وہ طواف ختم کر کے گھر تشریف لائے۔ حضرت آمنہ نے انھیں بچے کی پیدائش کے وقت ظہور پذیر ہونے والے واقعات سنائے تو وہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا میرے اس بیٹے کی بڑی شان ہوگی۔

اہل مکہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ صدیوں کے بعد اگرچہ وہ دین ابراہیمی سے ناآشنا تھے۔ بنیادی معتقدات تک میں تبدیلیاں کر چکے تھے۔ تاہم اب تک ان کے ہاں بہت سی معاشرتی رسومات وہی تھیں۔ جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے دور سے چلی آ رہی تھیں۔ ان میں سے ایک ختنہ اور دوسری عقیقہ تھی۔ آپ چونکہ مختون پیدا ہوئے تھے۔ لہٰذا ختنہ کی حاجت نہ تھی۔ البتہ عبدالمطلب نے ولادت کے ساتویں روز آپ کا عقیقہ کیا۔ اس تقریب میں آپ نے تمام سرداران قریش کو دعوت دی اور آپ کا اسم مبارک محمد رکھا۔ سرداران قریش نے پوچھا کہ آپ نے ایسا نام کیوں رکھا ہے جو نہ تو آپ کے اجداد میں موجود ہے اور نہ آپ کی قوم میں سے کسی نے رکھا ہے۔ عبدالمطلب نے کہا میں نے یہ نام اس لیے رکھا ہے کہ اللہ آسمان میں اور اللہ کی مخلوق زمین میں اس کی تعریف کرے۔

Marfat.com

حافظ عبدالبر نے استیعاب میں حضرت ابن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے کہ عبدالمطلب نے آپ کا عقیقہ کیا۔ علامہ زرقانی نے شرح موطا امام مالک میں اسی حوالے سے اس روایت کو درج کیا ہے۔ بیہقی اور ابن عساکر نے وضاحت کی ہے کہ عبدالمطلب نے آپ کا عقیقہ ساتویں روز کروایا تھا۔ علامہ سیوطی نے یہ بات خصائص الکبریٰ (خصائص الکبریٰ: ۱/۵۰) میں اسی حوالے سے درج کی ہے۔ حافظ عسقلانی نے لکھا ہے کہ عبدالمطلب نے لوگوں کو دعوت عام دی جب لوگ دعوت سے فارغ ہوئے تو پوچھا اے عبدالمطلب آپ نے نومولود کا کیا نام رکھا ہے۔

لوگوں کے اس نام پر حیرت کے اظہار کا سبب یہ تھا کہ عرب میں قبل ازیں یہ نام رائج نہ تھا۔ آپ کی ولادت کے قریب صرف تین نام ملتے ہیں۔ محمد بن سفیان بن مجاشع جو فرزدق شاعر کے دادا تھے دوسرے محمد بن احیحہ بن الجلاح بن الحریش بن جحجی بن کلفہ بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن الاوس اور تیسرے محمد بن حمران بن ربیعہ۔ سہیلی نے روض الانف میں لکھا ہے کہ ان تینوں کے والد کسی بادشاہ کے ہاں گئے تھے۔ جس نے انھیں حجاز میں نبی آخرالزمان کے معبوث ہونے کی اطلاع دی تھی اور آپ کا اسم گرامی بھی بتایا تھا اور انھوں نے اس خواہش پر اپنے بیٹوں کے یہ نام رکھے تھے کہ شاید یہی نبی آخرالزمان ہوں۔

والدہ ماجدہ نے بعض بشارات کی وجہ سے آپ کا اسم گرامی احمد رکھا۔ عرب میں آپ سے پہلے کسی بھی شخص کا نام احمد نہیں ہے۔

ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ میں محمد بن علی یعنی ابن حنفیہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ

انه سمع علی ابن ابی طالب یقول قال رسول الله ﷺ سمیت۔

''کہ انھوں نے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا ہے کہ میرا نام احمد رکھا گیا۔''

آپ کے دونوں نام معروف تھے

آپ کے یہ دونوں اسماء گرامی (محمد اور احمد) آپ کے خاندان میں بھی اور پورے مکہ میں بھی یکساں مشہور تھے اور آپ ہر دو ناموں سے پکارے جاتے تھے۔ چنانچہ آپ کے دور میں آپ کے یہ دونوں نام مختلف اشعار میں روایت ہوئے ہیں۔ حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے مشہور قصیدہ میں آپ کے اسم مبارک محمد کو استعمال کیا ہے۔

Marfat.com

فمحمدنا هو سیدنا
والعز لنا لاجابته
''پس ہمارے محمد ہمارے سردار ہیں اور ہماری عزت آپ کی اطاعت کرنے کے سبب ہے۔''
حضرت حسان ہی نے ایک اور قصیدے میں آپ کی مدح کرتے ہوئے آپ کا اسم مبارک محمد بیان کر کے مدح کی ہے۔
وضم الاله اسم النبی الی اسمه
اذا قال فی الخمس المؤذن اشهد
''اور اللہ نے اسم نبی کو اپنے اسم سے ملا دیا ہے جب موذن پانچ اذانوں میں اشہد کہتا ہے۔''
وشق له من اسمه لیجله
فذوالعرش محمودٌ وهذا محمد
''اللہ نے آپ کا نام اپنے نام سے نکالا ہے تاکہ اس کا اظہار کرے سو عرش والا محمود ہے اور آپ محمد ہیں۔
حضرت حسان ہی نے ایک اور قصیدے میں آپ کی مدح کرتے ہوئے آپ کا اسم مبارک احمد ذکر کیا ہے۔
متیٰ یبدُ فی اللیل البیهم جبینهٗ
یلح مثل مصباح الدجیٰ المتوقد
''جب شب تاریک میں آپ کی جبین ظاہر ہوتی ہے تو روشن چراغ کی طرح چمکتی ہے۔''
فمن کان اومن قد یکون کاحمد
نظامٌ لحقٍ اونکالاً لملحد
''کون تھا یا کون ہوگا احمد جیسا جو حق کو نظام دینے والا یا ملحد کو ذلیل کرنے والا ہو۔''
حضرت حسان ہی نے ایک طویل مرثیہ میں آپ کا اسم گرامی احمد نظم کیا ہے۔

Marfat.com

اطالت وقوفاً تذرف العین جهدھا
علی طلل الذی فیہ احمد

''میں دیر سے اس ڈھیر پر کھڑا ہوں اور میری آنکھ پوری قوت سے بہہ رہی ہے جس میں احمد ہیں۔''

فبورکت یا قبر الرسول وبورکت
بلادٌ ثویٰ فیہ الرشید المنسدد

''اے قبر رسول تو مبارک ہے اور بابرکت ہو گئے وہ دیار جن میں رشید المسدد (نبی اکرم) آرام فرما ہیں۔''

مکہ میں جب آپ کی تبلیغ کے نتیجے میں آپ کی مخالفت میں شدت آ گئی تو آپ کے چچا ابو طالب نے آپ کی حمایت میں ایک طویل قصیدہ لکھا۔ اس میں ابو طالب نے آپ کے دونوں اسماء ایک ہی قصیدے میں نظم کیے ہیں۔

کذبتم وبیت اللہ نبزی محمداً
ولما نطاعن دونہ ونناصل

''اللہ کی قسم تم جھوٹ کہتے ہو کہ ہم محمد کو چھوڑ دیں گے حالانکہ ہم نے اس کے لیے نہ نیزہ اچھالا ہو گا نہ تیر برسائے ہوں گے۔''

ونسلمہ حتی نصرع حولہٗ
ونذھل عن ابنائنا والحلائل

''اور ہم اسے تمھارے حوالے کر دیں گے قبل اس کے کہ اس کے گرد لاشیں تڑپائیں اور ہم اپنے بیٹوں اور بیویوں سے غافل ہو جائیں۔''

چند اشعار کے بعد اسی قصیدے میں ابو طالب اسم احمد استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

لقد علموا ان ابننا لامکذب
لدنیا ولا یعنی بقول الاباطل

''دنیا جانتی ہے کہ ہمارے ہاں ہمارے بیٹے کی تکذیب کبھی نہیں کی گئی اور غلط باتوں کا کوئی وزن نہیں ہے۔''

Marfat.com

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ اسد اللہ اپنی ہدایت پر اللہ کی حمد بیان کرتے ہوئے آپ کا تذکرہ اسم احمد کے ساتھ کرتے ہیں۔

رسائل جآء احمد من ھداھا

بایاتٍ مبینہ الحروفِ

''وہ پیغامات جن کی ہدایتوں کو احمد واضح الفاظ وحروف والی آیتوں کے ساتھ لے کر آیا ہے۔''

واحمد مصطفی فینا مطاعاً

فلا تفشو بالقول العنیفِ

''اور احمد ہم میں برگزیدہ اور مطاع ہیں۔ لہٰذا تم ان کے سامنے نا ملائم لفظ منہ سے نہ نکالنا۔''

فلا واللہ نسلمہ لقومٍ

ولما نقض فیھم بالسیوفِ

''تو خدا کی قسم ہم اس کو اس قوم کے حوالہ نہ کریں گے جب تک ہم تلواروں سے فیصلہ نہ کرلیں۔''

حبیب رسول خدا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کی مدح کرتے ہوئے اسم احمد نظم کیا ہے، یہ نظم آپ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لکھی۔

فصلی الملیك ولی العبا

دورب العباد علیٰ احمدٖ

''مالک الملک بندوں کا ولی بندوں کا رب احمد مجتبیٰ پر سلام ورحمت بھیجے۔''

فکیف الحیاۃ لفقد الحبیب

وزین المعاشر فی المشھدٖ

''اب زندگی کیسی جو حبیب ہی بچھڑ گیا اور وہ نہ رہا جو زینت دہ یک عالم تھا۔''

فلیت الممات لنا کلنا

فکنا جمیعاً مع المھدٖ

Marfat.com

"کاش موت آتی تو ہم سب کو آتی آخر ہم ہدایت دہندہ کے ساتھ ہی ہوتے۔"

آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا نے آپ کی وفات پر اپنے غم کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

ماذا علیٰ من شم تربة احمد
الا یشم مدالزمان غوالیا

"جس نے ایک بار خاک احمد سونگھ لی تعجب کیا اگر وہ ساری عمر کوئی اور خوشبو نہ سونگھے۔"

صبت علی مصائب لوانها
صبت علی الایام عدن لیالیا

"(حضور کی جدائی میں) مجھ پر وہ غم ٹوٹے ہیں کہ اگر وہ دنوں پر ٹوٹتے تو وہ راتوں میں بدل جائیں۔"

یا خاتم الرسل صنوةً
صلی علیك منزل القران

"اے آخری رسول آپ برکت وسعادت کی جوئے فیض ہیں آپ پر قرآن نازل کرنے والے نے بھی درود بھیجا ہے۔"

ابوالنبی عبداللہ کی وفات

آپ کے والد بزرگوار عبداللہ واقعہ فیل کے موقع پر مکہ میں موجود نہ تھے آپ تجارت کی غرض سے ایک کاروان کے ساتھ شام گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر آپ مدینہ میں اپنی دادی کے خاندان بنونجار میں چند روز کے لیے رکے اور وہیں بیمار ہو گئے۔ کاروان آپ کو وہیں چھوڑ کر واپس مکہ آ گیا۔ عبدالمطلب کو جب آپ کے بیمار ہونے کی خبر ہوئی تو انھوں نے اپنے بڑے صاحبزادے حارث کو انھیں لینے کے لیے مدینہ روانہ کیا مگر وہ ان کے پہنچنے سے قبل فوت ہو چکے تھے اور انھیں دارالنابعہ الجعدی کے گھر میں دفن کر دیا گیا تھا۔

(Martin lings (abu bakar siraj), muhammad, P.21)

آپ کے والد بزرگوار کی وفات کی خبر مکہ میں آپ کی ولادت سے چند ہی روز پہلے

Marfat.com

موصول ہوئی۔ (زرقانی:۱/۱۰۹)

آپ دریتیم پیدا ہوئے۔ عبداللہ نے ورثہ میں چند بکریاں، ۵ اونٹ اور ایک لونڈی ام ایمن چھوڑی۔

تاہم بعض نہایت معتمد مؤرخین نے یہ روایت نقل کی ہے کہ عبداللہ آپ ﷺ کی ولادت کے دو ماہ بعد فوت ہوئے۔ واللہ اعلم۔

رضاعت

ولادت کے بعد تین چار روز تک آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ نے دودھ پلایا۔ پھر یہ خدمت ابولہب کی آزاد کردہ لونڈی ثوبیہ کے سپرد ہوئی۔ ابولہب نے اسے اس وقت آزاد کر دیا تھا جب اس نے ابولہب کو نبی اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ کی خوشخبری دی۔

علامہ سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے ابولہب کو خواب میں دیکھا کہ وہ بہت بری حالت میں ہے اور کہتا ہے میں نے تمھارے بعد کوئی راحت نہیں دیکھی مگر یہ کہ ہر دوشنبہ کو عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ (فتح الباری:۹/۱۲۴)

اسلام میں حرمت و احترام کے لحاظ سے رضاعی والدہ کی حیثیت وہی ہے جو حقیقی ماں کی ہے۔ نبی اکرم ﷺ ثوبیہ کے ساتھ نہایت احترام کے ساتھ پیش آتے اور احسان فرماتے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے ساتھ شادی کے بعد ثوبیہ اکثر حاضر خدمت ہوتیں اور آپ انھیں احترام دیتے مدینہ منورہ سے بھی آپ نے ان کے لیے ہدایا بھیجے ہیں۔ ان کے بیٹے مسروح ایمان لے آئے تھے۔ ثوبیہ کے اسلام کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے تاہم حافظ ابومندہ نے ثوبیہ کا ذکر صحابیات میں کیا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے ثوبیہ اور ان کے بیٹے مسروح کا حال پوچھا تو معلوم ہوا دونوں فوت ہو چکے ہیں۔ پھر آپ نے پوچھا کہ ان کے اعزہ و اقارب میں سے کوئی موجود ہے تاکہ اس سے سلوک و احسان فرمائیں مگر آپ کو اطلاع دی گئی کہ کوئی بھی زندہ نہیں ہے۔

بنو سعد میں

قریش، قصی کے بیت اللہ پر قبضہ سے پہلے صحرا میں بنو کنانہ کے قبائل میں منتشر تھے۔

Marfat.com

انھیں مکہ میں آباد ہوئے کوئی ایک سواڑتیس سال گزرے تھے۔تجارت میں براہ راست حصہ لینے کے سبب قریش میں دولت کی ریل پیل ہوگئی تھی۔ دولت اور مدنیت کی آسودگیوں نے آرام طلبی اور آسائش کو جنم دیا تھا۔اس بات کو اہل فکر ونظر محسوس کرتے تھے کہ شہری فضا کی یہ آسودگی آہستہ آہستہ عربی قبائل کی خصوصیات کو ختم کرنے کا سبب بن سکتی ہے۔ جبکہ اردگرد کے قبائل سے مسابقت کے لیے اسی سخت کوشی کی ضرورت ہے جو صحرا میں گزر بسر کرنے والے قبائل میں پائی جاتی ہے۔عربوں کی اہم خصوصیت ان کی زبان آوری تھی اور شہر میں مختلف اقوام کے اختلاط اس بات کا امکان تھا کہ زبان خالص نہ رہے۔چنانچہ سرداران قریش نے ان تہذیبی خطرات سے نمٹنے کے لیے اپنے بچوں کو رضاعت کے لیے بنوسعد بن بکر بن ہوازن کے ہاں بھیجنا شروع کردیا جن کی زبان خود قریش کی طرح بہت فصیح تھی۔آہستہ آہستہ یہ ابتداء رسم کی حیثیت اختیار کرگئی سال میں دو مرتبہ بنوسعد کے لوگ مکہ سے بچے حاصل کرنے کے لیے آتے تھے۔اس سے خود بنوسعد کو دو فائدے حاصل ہوئے تھے۔ایک یہ کہ اس رضاعت پر انھیں بچے کے والدین سے معاوضہ بھی ملتا اور مزید دادودہش بھی۔ دوسرے یہ کہ خود ان کے قریش مکہ کے ساتھ تعلقات استوار ہوتے تھے۔جنھیں اب وہی مقام حاصل تھا۔جو کل حمیر کو حاصل تھا۔

آپ کی ولادت کے کوئی دوماہ بعد اپنی روایت کے مطابق بنوسعد کے لوگ مکہ مکرمہ میں آئے تاکہ رضاعت کے لیے بچے حاصل کرسکیں۔تقریباً سبھی خواتین حضرت آمنہ کے ہاں آئیں مگر یہ جان کر کہ آپ کے والد ماجد فوت ہوچکے ہیں۔آپ کو چھوڑ کر چلی گئیں کہ اس بچے کی رضاعت پر معاوضہ کم ملے گا۔اس لیے کہ یہ یتیم ہے۔آخر کار یہ سعادت اسی قبیلہ کی محترم خاتون حضرت حلیمہ سعدیہ کے حصے میں آئی۔

حلیمہ جیسا کہ ہمارے ہاں عام طور پر سمجھا جاتا ہے کوئی تنور تاپنے والی دایہ نہیں تھیں وہ قبیلہ بنوسعد بن بکر بن ہوازن کی معزز خاتون تھیں۔یہ قبیلہ بنواسماعیل کی ایک شاخ تھا۔یہ مضر بن نزار بن معد بن عدنان کے بیٹے قیس عیلان کی اولاد تھے۔قیس بن عیلان الیاس کے سگے بھائی تھے۔قبیلہ قریش اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہی الیاس بن مضر کی اولاد تھے۔حلیمہ سعدیہ کا شجرہ نسب درج ذیل ہے:

حلیمہ بنت ابی ذویب عبداللہ بن الحارث بن شجنہ بن جابر بن رزام بن ناصرہ بن فصیہ

Marfat.com

بن نصر بن سعد بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس عیلان بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ہے۔اس طرح حلیمہ سعدیہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھیں۔اور عدنانی قبائل میں سے ایک طاقت ور اور دولت مند قبیلہ بنو سعد بن بکر بن ہوازن سے تعلق رکھتی تھیں۔یہ قبیلہ مکہ کے جنوب مشرق میں طائف سے مشرق کی جانب صحرائے نجد کے مغربی کنارے پر آباد تھا۔ خانہ بدوش زندگی گزارتا تھا اور اونٹ اور بھیڑ بکریاں پالتا تھا۔

حلیمہ سعدیہ کا بیان ہے کہ عام الفیل کو ہمارا علاقہ شدید قحط سالی کا شکار تھا۔میں اپنے قبیلہ کی باقی خواتین کے ہمراہ مکہ روانہ ہوئی۔ہماری مالی حالت کچھ کمزور تھی۔میں ایک گدھی پر سوار تھی۔ جو اپنی لاغری کے سبب قبیلہ کی باقی سواریوں کا ساتھ نہیں دے سکتی تھی۔لہٰذا میں اپنے قبیلے کی خواتین سے پیچھے رہ گئی تھی اور دیر سے مکہ پہنچی تھی۔ہمارے قبیلہ کی مکہ میں بچوں کی تلاش میں آنے والی کوئی عورت ایسی نہ تھی جس کے سامنے آپ کو پیش نہ کیا گیا ہو۔مگر جب وہ یہ سنتیں کہ بچہ یتیم ہے تو چھوڑ کے چلی جاتیں۔خود میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔وجہ اس کی یہ تھی کہ ہم تو اس امید پر اہل مکہ کے بچوں کو دودھ پلاتی تھیں کہ ہمیں بچے کی طرف سے اچھا معاوضہ ملے گا۔جب ہم یہ سنتیں کہ بچہ یتیم ہے تو سوچتیں کہ نہ جانے بچے کی ماں اور دادا کچھ معاوضہ بھی دیں گے یا نہیں۔مگر آخر کار جب دیر سے مکہ پہنچنے کے سبب مجھے کوئی اور بچہ نہ مل سکا اور جب قافلے والے واپسی کی تیاری کرنے لگے تو میں نے خالی ہاتھ جانا مناسب نہ سمجھا اور اپنے میاں سے کہا۔میں خالی ہاتھ جانے میں سبکی محسوس کرتی ہوں اگر تم کہو تو میں اسی یتیم بچے کو لے آؤں۔اس نے کہا کوئی حرج نہیں ہے۔ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اسی میں ہمارے لیے برکت پیدا کر دے۔چنانچہ میں جا کر آپ کو لے آئی۔حق بات یہ ہے کہ میں نے آپ کو اپنی گود میں اس لیے لیا کہ مجھے کوئی دوسرا بچہ نہیں ملا۔

آپ فرماتی ہیں کہ ہمارے علاقہ میں قحط تھا اور اس سے کچھ بھی نہیں بچا تھا۔جانوروں کے بدن سوکھ کر کانٹا ہو گئے تھے۔میری گدھی انتہائی کمزور تھی اسی وجہ سے میں قافلے والوں سے پیچھے رہ گئی تھی۔ہمارے ساتھ ایک دودھ دینے والی اونٹنی بھی تھی۔جو ہم نے دودھ کی خاطر ساتھ لے لی تھی۔تاہم اس کے تھنوں میں بھی دودھ کے چند قطروں کے سوا کچھ نہ تھا۔میرا ایک بیٹا عبداللہ ساتھ تھا۔جو ابھی دودھ پیتا تھا۔میں رضاعت کے لیے کوئی بچہ لینے آئی تھی مگر میرے اپنے پستانوں میں بھی اتنا دودھ نہ تھا۔جس سے میرا اپنا بیٹا بھی سیر ہو سکے۔میرا اور اونٹنی کا دودھ پی کر

Marfat.com

بھی بچہ خالی پیٹ رہتا اور ہر وقت روتا رہتا۔ ہم میاں بیوی خود اپنی بھوک اور بچے کے چیخنے چلانے کے سبب سو بھی نہ سکتے تھے۔

حلیمہ فرماتی ہیں کہ جونہی میں نے آپ کو اپنی گود میں لیا تو میری چھاتیاں دودھ سے بھر گئیں اور اتنا دودھ اترا کہ آپ نے اور میرے بیٹے نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا اور آرام سے سو رہے۔ شام میرے میاں اونٹنی دوہنے کے لیے گئے تو اس کے تھن بھی دودھ سے بھرے تھے۔ ان سے اتنا دودھ نکلا کہ میرے میاں اور میں نے خوب سیر ہو کر پیا اور اس رات ہم نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ سوئے۔ یہ دیکھ کر میرے میاں بہت خوش ہوئے اور انھوں نے فرمایا:

تعلمی واللہ یا حلیمہ لقد اخذت نسمةً مبارکہ۔

"اے حلیمہ خوب جان لو کہ بخدا تو نے بہت مبارک بچہ لیا ہے۔"

حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں قافلے نے جب مکہ سے کوچ کیا تو میں اپنے بیٹے عبداللہ اور آپ کو لے کر اپنی گدھی پر سوار ہو گئی۔ وہی قحط کی ماری لاغر گدھی جس کے لیے قدم اٹھانا مشکل تھا۔ ہمیں لے کر ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ وہ اتنی تیز رفتار تھی کہ قبیلے کی ساری سواریاں رہ رہ جاتی تھیں۔ قبیلے کی خواتین مجھے آوازیں دے کر کہتیں حلیمہ رکو تو۔ ہمیں بھی ساتھ لیتی چلو۔ اری تمھاری یہ گدھی وہی تو ہے ناں۔ میں کہتی ہاں ہاں یہ وہی تو ہے اور وہ کہتی اس کی تو شان ہی اور ہے۔ اس طرح ہم خیر و برکت کا مشاہدہ کرتے اپنے علاقہ میں پہنچے۔

اپنے علاقہ میں پہنچ کر ہم نے خیر و برکت کی حیران کن صورتیں مشاہدہ کیں۔ ہمارے علاقے میں شدید قحط سالی تھی۔ زمین بنجر پڑی تھی۔ صحرا اور وہ بھی قحط زدہ ہر طرف خاک اڑتی تھی۔ کھجوروں پر پھل تھا نہ زمین پر کوئی تنکا۔ جانور سوکھ کر ہڈیاں ہو رہے تھے۔ دودھ دینے والے جانوروں کے تھن دودھ سے خالی تھے۔ ہم اپنے علاقے میں پہنچے تو ایک عجیب صورت حال دیکھنے میں آئی۔ اسی قحط ماری زمین پر چر کر شام کو میری بکریاں واپس آتیں تو خوب سیر ہو کر آتیں اور تھن دودھ سے بھرے ہوتے جبکہ قبیلے کی دوسری بکریاں خالی پیٹ اور خالی تھن واپس آتیں۔ قبیلے کے لوگوں نے اپنے چرواہوں کو ہدایت کی کہ تم بھی اپنی بکریاں وہیں چرایا کرو جہاں حلیمہ کی بکریاں چرتی ہیں۔ انھوں نے ایسا ہی کیا مگر نتیجہ پھر بھی وہی رہا میری بکریاں سیر ہو کر آتیں مگر قبیلے کی بکریاں خالی پیٹ آتیں۔

Marfat.com

رضاعی رشتہ دار

① ثوبیہ: آپ کی رضاعی والدہ ان کے حالات درج ہو چکے ہیں۔

② مسروح: آپ کا رضاعی بھائی ثوبیہ کا بیٹا ان کے حالات بھی ثوبیہ کے ساتھ درج ہو چکے ہیں۔

③ حلیمہ سعدیہ: آپ کی رضاعی والدہ ماجدہ آپ قبیلہ بنوسعد بن بکر بن ہوازن سے تھیں۔ پورا شجرہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ انھوں نے آپ کو دو سال تک دودھ پلایا اور چار سال تک خدمت حضانت سرانجام دی۔

آپ ان کا بہت احترام کرتے۔ کبھی ملتیں تو میری ماں کہہ کر خطاب فرماتے۔ آپ کے لیے اپنی چادر بچھاتے اور انھیں اس پر بٹھاتے۔ ابوداود رحمہ اللہ نے ابی الطفیل کی یہ روایت نقل کی ہے کہ جعرانہ میں نبی اکرم ﷺ گوشت تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک خاتون آپ کی خدمت میں تشریف لائیں۔ جب وہ قریب پہنچیں تو آپ نے ان کے لیے اپنی چادر بچھائی اور احتراماً انھیں اس پر بٹھایا۔ میں نے پوچھا یہ خاتون کون ہیں تو لوگوں نے بتایا یہ حلیمہ سعدیہ ہیں۔ (ابوداود، سنن ابی داود: ج ۲) یہ دولت ایمان سے بہرہ ور ہوئیں۔ آپ کی قبر مدینہ منورہ میں جنت البقیع میں شمالی دیوار کے ساتھ شہداء حرہ کی مشرقی جانب ہے۔

④ الحارث بن عبدالعزیٰ: نبی اکرم ﷺ کے رضاعی والد گرامی۔ حلیمہ سعدیہ کے شوہر تھے۔ آپ کا شجرہ نسب الحارث بن عبدالعزیٰ بن رفاعہ بن ملان بن ناصرہ بن فصیۃ بن نصر بن سعد بن بکر بن ہوازن ہے۔ آپ نبی اکرم ﷺ سے بہت محبت کرتے تھے اور آپ ﷺ سے ملنے تشریف لاتے تھے۔ آپ ﷺ بھی ان کا بہت احترام فرماتے تھے اور یا ابی (ابا حضور) کہہ کر پکارتے تھے۔ ایک بار بعثت کے بعد آپ ﷺ سے ملنے تشریف لائے۔ اس وقت قریش مکہ آپ ﷺ کی مخالفت میں سرگرم تھے اور ہر آنے والے کو آپ سے بدظن کرنے کی کوشش کرتے تھے اور ان کی یہی کوشش تبلیغ اسلام کا ذریعہ بنتی جا رہی تھی۔ چنانچہ انھوں نے الحارث بن عبدالعزیٰ کو مل کر یہ بات کہی "تو نے نہیں سنا تیرا یہ بیٹا کیا بات کہتا ہے۔ انھوں نے پوچھا کیا کہتا ہے۔ انھوں نے کہا اس کا خیال ہے کہ اللہ لوگوں کو موت کے بعد دوبارہ زندہ کر دے گا۔ اللہ کے پاس دو

Marfat.com

مقامات ہیں جن میں وہ ان کو عزت دے گا جو یہاں اس کی اطاعت کریں گے اور ان کو سزا دے گا جو اس کی نافرمانی کرتے ہیں۔ اس نے ہمارے درمیان اختلافات پیدا کر دیے ہیں۔ اور ہمارے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اس پر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے اور پوچھا بیٹا تیرے اور تیری قوم کے درمیان کیا معاملہ چل رہا ہے۔ وہ تیری شکایت کر رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ تو کہتا ہے لوگ موت کے بعد زندہ کیے جائیں گے۔

(سہیلی، روض الانف، شرح المواہد، الاصابہ فی تمیز الصحابہ)

آپ نے فرمایا:

انـا ازعـم ذلك ولـو قـد كان ذلك اليوم يا ابت لقد اخذت بيدك حتى اعرفك حديثك اليوم۔

"ہاں مجھے اس پر یقین ہے وہ دن اگر آج ہوتا تو اباجی میں یقیناً آپ کا ہاتھ پکڑ لیتا اور آپ کو آج کی گفتگو (کی حقیقت) دکھا دیتا۔"

اس کے بعد الحارث بن عبدالعزیٰ ایمان لے آئے اور اس پر قائم رہے اور اس کے تقاضے پورے کیے۔ اپنے ایمان لانے کے بعد وہ فرمایا کرتے تھے۔ اگر میرے بیٹے نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور جو اس نے فرمایا ہے مجھے دکھا دیا تو مجھے یقین ہے کہ میرا ہاتھ میرے جنت میں داخل ہونے سے پہلے نہیں چھوڑے گا۔

⑤ انیسہ بنت الحارث: آپ کی رضاعی بہن۔ یہ حلیمہ کی سب سے بڑی بیٹی تھیں۔ ان کا نام تو تاریخ میں ملتا ہے مگر حالات نہیں ملتے۔ آپ کے زمانہ رضاعت میں بھی ان کا ذکر کہیں نہیں آتا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اغلباً ان کی شادی ہوگئی تھی یا پھر فوت ہوگئی ہوں۔ واللہ اعلم۔

⑥ شیما: یہ انیسہ سے چھوٹی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی آٹھ دس سال پہلے پیدا ہوئی ہوں گی۔ کیونکہ کتب سیرت اس بات پر متفق ہیں کہ یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گود کھلاتی تھیں۔ یوں آپ کی حضانت انہی کے ذمہ تھی۔ یہ آپ سے بہت محبت کرتی تھیں۔ ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتیں یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کے پاس واپس آ گئے۔ ایک بار دوران حضانت انھوں نے آپ کو محبت میں اتنا بھینچا کہ آپ کو غصہ آ گیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کندھے پر دانتوں سے کاٹ دیا۔ یہ مہر اخوت و محبت عمر بھر ان کے ساتھ رہی اور یہی حنین کی جنگ میں پہچان کا ذریعہ بن

Marfat.com

گئی۔ حنین میں آپ اپنے قبیلے کی عورتوں کے ساتھ گرفتار ہو کر آئیں تو انھوں نے بتایا کہ میں تو محمد رسول اللہ ﷺ کی بہن ہوں۔ اس پر صحابہ انھیں آپ کی خدمت میں لائے۔ ایک دوسرے سے جدا ہوئے ۵۷ سال بیت چکے تھے۔ آپ بوڑھی ہو چکی تھیں لہٰذا نبی اکرم ﷺ پہچان نہ پائے۔ آپ نے عرض کیا میں آپ ﷺ کی بہن ہوں آپ ﷺ نے پوچھا تم میری بہن کیسے ہو۔ عرض کیا میں حلیمہ سعدیہ کی بیٹی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا حلیمہ کی بیٹی تو شیما تھی۔ عرض کیا میں وہی ہوں۔ اس پر آپ کی آنکھوں میں بچپن کا زمانہ گھوم گیا۔ آپ کو ان کے پیار پر اپنے بچپنے کا غصہ یاد آ گیا آپ کے لبوں پر ہلکا سا تبسم پھیلا۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا کوئی ثبوت۔ عرض کیا آپ کے دانتوں کے نشان میرے کندھے کی پچھلی جانب موجود ہیں۔ اپنی رضاعی بہن کو پہچان لینے پر شدت جذبات سے آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل کر چہرہ اقدس پر شبنم بکھیر گئے۔ آپ نے اپنی چادر بچھا کر اس پر بٹھایا۔ دیر تک باتیں کرتے رہے پھر فرمایا۔ میرے ساتھ مدینہ آؤ اور میرے ساتھ رہنا چاہو تو تمھیں پورا احترام ملے گا واپس جانا چاہو تو تمھیں اجازت ہے۔ وہ آپ پر ایمان لائیں اور اجازت لے کر واپس چلی گئیں۔ جاتی دفعہ آپ نے انھیں چند اونٹ اور کچھ بکریاں عطا فرمائیں۔

⑦ عبداللہ بن الحارث: آپ کے رضاعی بھائی۔ حلیمہ سعدیہ کے بیٹے تھے۔ آپ سے چند ماہ پہلے پیدا ہوئے۔ یہ آپ کے دودھ شریک تھے حضرت حلیمہ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں بیان فرماتی ہیں کہ ایام رضاعت میں آپ ہمیشہ ایک چھاتی سے دودھ پیتے تھے اور دوسری میرے بیٹے عبداللہ کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ عبداللہ کے حالات بھی بہت کم ملتے ہیں البتہ اتنی بات طے شدہ ہے کہ آپ ایمان لے آئے تھے۔

ثوبیہ اور حلیمہ کے گھر کے ان افراد کے علاوہ ثوبیہ نے قریش کے تین اور افراد کو دودھ پلایا تھا اور وہ بھی آپ کے رضاعی بھائی تھے۔

⑧ حمزہ بن عبدالمطلب: سید الشہداء، اسد اللہ حمزہ بن عبدالمطلب کو آپ سے کئی نسبتیں تھیں۔ وہ آپ ﷺ کے چچا تھے۔ آپ ﷺ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ ان کی والدہ ہالہ بنت وہیب نبی اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ بنت وہیب کی حقیقی چچازاد بہن تھیں۔ حضرت آمنہ کے والد وہیب عبداللہ بن عبدالمطلب کے نکاح سے پہلے فوت ہو گئے تھے۔ اور حضرت آمنہ کی کفالت

Marfat.com

آپ کے چچا وہیب بن عبد مناف کر رہے تھے۔ عبد المطلب جب اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر وہیب کے گھر گئے تو انھوں نے آمنہ کا نکاح عبد اللہ کے ساتھ کر دیا۔ اور عبد المطلب کا نکاح اپنی بیٹی ہالہ سے کر لیا۔ یہ دونوں نکاح اکٹھے ہوئے۔ وہ آپ ﷺ کے رضاعی بھائی تھے۔ ثوبیہ نے انھیں دودھ پلایا تھا۔ اس کے علاوہ وہ نبی ﷺ کے بچپن کے دوست تھے۔ آپ کے ہم عمر تھے۔ لہٰذا اکٹھے کھیلے تھے۔ آپ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے چند روز قبل ایمان لائے۔ اس وقت تک آپ نے دار ارقم کو بطور مرکز کے اختیار کر لیا تھا۔ ایمان لانے کے بعد آپ کے انتہائی وفادار رہے۔ ہجرت مدینہ فرمائی۔ غزوہ بدر میں بہادری کے جوہر خوب دکھائے۔ جنگ احد میں داد شجاعت دیتے ہوئے وحشی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ ابو سفیان کی زوجہ ہند بنت ربیعہ نے آپ کا مثلہ کیا۔ کان اور ناک کاٹ کر ہار کے طور پر گلے میں لٹکائے اور پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکال کر چبایا مگر نگل نہیں سکی۔ آپ ﷺ ان کا مثلہ دیکھ کر بہت مغموم ہوئے۔ آپ کی قبر مبارک اس وقت شہداء احد کے قبرستان میں معروف ہے۔

(۹) ابو سلمہ: ابو سلمہ بن عبد الاسد آپ کے رضاعی بھائی ہیں۔ ثوبیہ نے انھیں دودھ پلایا تھا۔ شجرہ نسب ابو سلمہ بن عبد الاسد بن ہلال بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم القرشی ہے نام عبد اللہ تھا۔ کنیت ابو سلمہ تھی۔ کنیت نام پر غالب آ گئی۔ ایمان لانے والوں میں ان کا گیارھواں نمبر ہے۔ آپ کے رضاعی بھائی ہونے کے علاوہ آپ کے پھوپھی زاد بھی ہیں۔ آپ کی پھوپھی برہ کے بیٹے ہیں۔ ام المومنین ام سلمہ کا پہلا نکاح انہی سے ہوا تھا۔ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے تھے۔ آپ نے جنگ بدر اور احد میں حصہ لیا۔ ۴ھ میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

(۱۰) عبد اللہ بن جحش: آپ کے رضاعی بھائی ہیں۔ شجرہ نسب عبد اللہ بن جحش بن رئاب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ ہے۔ آپ کے رضاعی بھائی ہونے کے علاوہ آپ کے پھوپھی زاد بھی ہیں۔ ان کی والدہ امیمہ بنت عبد المطلب ہیں۔ آپ قدیم الاسلام ہیں اور آپ کے دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے ایمان لائے۔ ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ دونوں میں شرکت کی۔ آپ سریہ نخلہ میں دستہ کے سالار تھے۔ اسی سریہ میں عمرو ضمری قتل ہوا اور بظاہر یہی جنگ بدر کا سبب بنا۔ اس جنگ میں پہلی بار مسلمانوں کو کچھ مال غنیمت

Marfat.com

ہاتھ آیا۔ اور آپ نے اس میں سے رسول اللہ ﷺ کے لیے خمس نکالا جس کی بعد میں قرآن مجید میں توثیق کر دی گئی۔ آپ نے غزوہ بدر میں خوب داد شجاعت دی۔ غزوہ احد میں آپ کے ہم رکاب تھے اور درجہ شہادت پر فائز ہوئے اور حضرت حمزہ اسد اللہ کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن ہوئے۔

آپ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کے حقیقی بھائی ہیں۔ آپ کو نبی اکرم ﷺ کا رضاعی بھائی اور پھوپھی زاد بھائی ہونے کے علاوہ برادر نسبتی ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

شق صدر

حلیمہ سعدیہ کا خاندان پورے دو سال تک اس خیر و برکت کا مشاہدہ کرتا رہا جو انھیں آپ ﷺ کے وجود سے حاصل ہو رہی تھیں۔ یہی سبب ہے کہ یہ پورا کنبہ آپ پر بہ دل و جان فدا تھا۔ حلیمہ سعدیہ کا کہنا ہے کہ آپ خوب نشو و نما پا رہے تھے حتیٰ کہ ۲ سال کی عمر میں چار سال کے بچوں کے برابر دکھائی دیتے تھے۔ دو سال کی مدت پوری ہونے پر آپ کا دودھ چھڑا دیا گیا اور حلیمہ آپ کو لے کر مکہ میں آپ کی والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں کہ دستور کے مطابق آپ کو اپنی والدہ ماجدہ کے سپرد کریں۔

حلیمہ سعدیہ کو آپ سے جو قلبی لگاؤ اور والہانہ محبت پیدا ہو گئی تھی اس کے سبب آپ سے جدا ہونا گوارا نہ تھا۔ اتفاقاً انھیں اس کے لیے ایک بہانہ بھی میسر آ گیا۔ ان دنوں مکہ ایک وبا کی زد میں تھا۔ اس کو بہانہ بنا کر حضرت آمنہ سے درخواست کر دی کہ ان دنوں وبا کا بھی زور ہے اور میرا دل اس بچے کو چھوڑ کر جانے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ آپ مہربانی کریں اور میرے اس بچے کو میرے ساتھ بھیج دیں۔ آپ کے شدید اصرار پر حضرت آمنہ نے آپ کی بات قبول کر لی۔ اور ایک بار پھر حلیمہ خیر و برکت کے باعث کو اپنے ہمراہ صحرا میں لانے میں کامیاب ہو گئیں۔

حلیمہ اور اس کا خاندان خوش تھا کہ ان کی برکتیں لوٹ آئی ہیں۔ وہ روز ان سے بہرہ اندوز ہو رہے تھے۔ رحمتوں اور برکتوں کی ساعتیں دنوں میں اور دن مہینوں میں بدل رہے تھے۔ آپ کا سن مبارک کا چوتھا سال پورا ہونے کو تھا۔ آپ اپنے رضاعی بہن بھائیوں کے ساتھ گھر کے اڑوس پڑوس میں بکریوں کے ساتھ جایا کرتے تھے کہ ایک روز آپ کا رضاعی بھائی بھاگتا ہوا

Marfat.com

اپنے خیمے میں آیا اور حلیمہ سعدیہ کو بتایا کہ دو آدمی آئے ہیں انھوں نے ہمارے قریشی بھائی کو پکڑ کر لٹایا ہے اور اس کا سینا چیرا ہے اور اب سی رہے ہیں۔

یہ سن کر حلیمہ سعدیہ اور ان کے شوہر حارث گھبرائے ہوئے اس جگہ گئے جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ دیکھا تو آپ ﷺ صحیح وسالم کھڑے ہوئے ہیں۔ البتہ چہرے کی رنگت ایسی اڑی سی تھی۔ دونوں نے فرط محبت سے باری باری سینے سے چمٹایا اور پیار دیا۔ پھر پوچھا بیٹے کیا ہوا ہے۔

ابن ہشام کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا:

جاء نی رجلان علیهما ثیابٌ بیضٌ فاضجعانی وشقا بطنی، فالمنسا (فیه) شیئاً لا ادری ماهو۔

''میرے پاس دو آدمی آئے جنھوں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ پھر انھوں نے مجھے لٹایا اور میرا پیٹ چاک کیا۔ اور اس میں سے کوئی چیز نکالی۔ جو مجھے معلوم نہیں کیا تھی۔''

یہ واقعہ احمد اور طبرانی نے عتبہ بن عبد السلمی رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ مسند بزاز اور دارمی میں یہ واقعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے۔ ضیاء الدین مقدسی نے مختارہ میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس حدیث کو ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں اور حافظ عسقلانی نے اسے فتح الباری میں نقل کیا ہے۔ ابن سعد نے طبقات الکبریٰ میں حضرت انس بن مالک کی زبانی نقل کیا ہے اور اس روایت کے تمام راوی بخاری و مسلم کی شرائط پر ہیں۔ علامہ سیوطی نے یہی واقعہ بیہقی اور ابن عساکر کے حوالہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے خصائص الکبریٰ میں روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہی واقعہ باب خاتم النبوۃ میں نقل کیا ہے۔

آپ کی حیات طیبہ میں شق صدر کا واقعہ کئی مرتبہ پیش آیا ہے۔ جس میں معراج کے موقع پر شق صدر کا واقعہ تو بہت مشہور ہے۔ شق صدر کی حقیقت کیا تھی۔ ایسا کیوں کیا گیا وہ کیا چیز تھی جسے نکالا گیا۔ آپ کے قلب اطہر کو برف سے کیوں دھویا گیا اور اسی طرح کی کئی دوسری اشیاء ایسی ہیں جن کی کئی تشریحات مختلف علماء نے اپنی کتب میں بیان کی ہیں۔ چونکہ یہ ساری توجیحات عقلی بنیادوں پر کی گئی ہیں لہٰذا یقینی نہیں ہیں۔ ان کی حقیقت کیا ہے اللہ ہی جانتا ہے۔

Marfat.com

واپس مکہ میں

واقعہ شق صدر انتہائی غیر معمولی واقعہ تھا۔ عبداللہ کی اطلاع یہ تھی کہ دو آدمیوں نے میرے قریشی بھائی کا سینہ چاک کر دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اڑی اڑی رنگت بتا رہی تھی کہ کسی واقعہ کا آپ پر اثر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کی اطلاع کی تصدیق بھی کر دی تھی۔ مگر نہ خون بہا تھا نہ زخم تازہ تھا۔ ہاں سینے پر سلائی کے بعد مندمل ہونے والے زخم کی ہلکی سی لکیر موجود تھی جسے آپ کی حیات طیبہ میں متعدد صحابہ کرام نے بھی مشاہدہ کیا تھا۔ یہ دیکھ کر حلیمہ کے شوہر حارث گھبرا گئے۔ انھوں نے کہا حلیمہ لگتا ہے بچے پر جن آنے لگا ہے اور جن کے اثرات کو اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ قبل اس کے کہ جن کے اثرات نمایاں ہو جائیں ہمیں چاہیے کہ ہم یہ امانت واپس کر آئیں۔

حلیمہ اور اس کے شوہر آپ کو لے کر آمنہ کے ہاں حاضر ہوئے۔ حلیمہ نے کہا اب ہمارا بیٹا خاصا بڑا ہو گیا ہے لہٰذا ہم اسے واپس کرنے آئے ہیں۔ حضرت آمنہ نے حیران ہو کر کہا حلیمہ تو تو اسے بڑے شوق سے دوبارہ لے کر گئی تھی۔ اور سو سو طرح پر اصرار کیا تھا کہ اسے جوانی تک صحرا کی صاف فضا میں رہنے دو آخر آج ہمارے مطالبے کے بغیر خود ہی چھوڑنے کیوں چلی آئی ہو۔ حلیمہ نے اصل واقعہ کو چھپانے کی بہتیری تدابیر کیں مگر جب حضرت آمنہ کسی طرح مطمئن نہ ہوئیں تو اصل واقعہ بتانا پڑا۔

اس پر حضرت آمنہ نے فرمایا۔ حلیمہ سچ کہو کہ تمھیں ڈر ہوا ہے کہ میرے بیٹے پر شیطان آنے لگا ہے۔ انھوں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا: ''سنو میرے بیٹے پر شیطان کے لیے کوئی راہ نہیں۔ اس کی تو شان ہی الگ ہے۔ کیا میں تمھیں اس کی خبر نہ بتاؤں۔ یہ میرے پیٹ میں تھا تو مجھے حمل سے متعلق کوئی سی تکلیف نہیں ہوئی۔ میں حاملہ تھی کہ میں نے دیکھا کہ مجھ سے ایک روشنی پھوٹی ہے۔ جس میں، میں نے شام کے اندر بصریٰ کے محلات دیکھے ہیں۔ جاؤ اللہ تمھیں سلامت رکھے۔''

صحرا سے واپس آ کر آپ دو سال تک اپنی والدہ ماجدہ کی کفالت میں رہے اس عرصہ میں خاندان کا ایک ایک فرد آپ کا فریفتہ تھا۔ آپ کی اچھی عادات سبھی کا دل جیت چکی تھیں۔ نہ بچوں کی سی ضد نہ لاڈلے پن کی کوئی خرابی۔ معصومیت و متانت کا ایک عجیب حسین امتزاج تھا۔ جس سے سارا گھر متاثر تھا۔ دادا جان دیتے تھے۔ چچا پیار کرتے تھے امی سو جان سے نثار تھیں۔

Marfat.com

آپ ﷺ اپنے چچا زاد بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ محبت و پیار کے ساتھ کھیلا کرتے تھے اور آپ ﷺ کا ان میں سے دو ساتھیوں کے ساتھ گہرا قلبی لگاؤ پیدا ہو گیا۔ ایک آپ ﷺ کے چچا حمزہ جو آپ سے چند ماہ بڑے تھے۔ آپ کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب جو آپ سے چند ماہ چھوٹی تھیں۔ یہ دونوں آپ کے خالہ زاد بھی تھے اور حمزہ تو رضائی بھائی بھی تھے۔ آپ کے ایک چچا زاد بھائی ابوسفیان بھی اس محبت میں برابر کے شریک تھے۔ یہ آپ کے بڑے چچا حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے تھے اور آپ کے رضاعی بھائی بھی۔ یہ آپ سے دو سال چھوٹے تھے اور آپ کے بعد حلیمہ سعدیہ نے انھیں بھی دودھ پلایا تھا اور یہ صحرائے بنوسعد میں دو سال گزار کر واپس آ چکے تھے۔ حلیمہ کے ہاں بھی آخری دو سالوں میں آپ انہیں چھوٹے بھائی حیثیت سے جانتے تھے۔

عبدالمطلب اور سفیان ابن ذی یزن

حاکم یمن ابرہہ حبشی واقعہ فیل میں عذاب الٰہی کا شکار ہوا۔ یہی سال آپ کی پیدائش کا سال ہے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا یکسوم تخت نشین ہوا۔ مگر اس کے لیے حالات کو سنبھالا دینا ممکن نہ رہا۔ اس کے خلاف نفرت عام ہو گئی۔ یکسوم کے بعد اس کا بیٹا مسروق برسر اقتدار آ گیا۔ یکسوم اور مسروق دونوں کی حکومت دو سال تک چلی۔ دو سال کے بعد حمیری شہزادہ سیف بن ذی یزن ایران کی مدد سے برسر اقتدار آ گیا۔ اور مسروق اس کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

حمیر قبیلہ بنی جرہم ہی کی ایک شاخ ہے۔ جرہم بنو اسماعیل کا ننہالی قبیلہ تھا۔ مدتوں قوم سبا کی مختلف شاخیں یمن میں برسر اقتدار رہی تھیں۔ اس طرح حمیر کو عرب میں قیادت و سیادت کا درجہ حاصل رہا تھا۔ حبشی یمن میں غیر ملکی قابضین تھے۔ ان کو عرب میں فطری طور پر بھلا نہ جانا جاتا تھا۔ اقتدار دوبارہ حمیر کے ہاتھ میں آیا تو فطری طور پر عرب میں ایک گونہ خوشی محسوس کی گئی۔ لہٰذا تخت نشینی کے موقع پر عرب کے مختلف قبائل جشن تخت نشینی میں شامل ہونے کے لیے صنعا پہنچے۔ ان وفود میں قریش مکہ کا وفد بھی شامل تھا۔ جس کی قیادت سردار قریش عبدالمطلب کر رہے تھے۔ اس وفد میں عبدالمطلب بن ہاشم کے علاوہ امیہ بن عبدالشمس اور خدیجۃ الکبریٰ کے والد خویلد بن اسد کے علاوہ کئی دوسرے سرداران قریش موجود تھے۔ یہ وفد قصر غمدان میں حاضر ہوا۔ سیف ابن ذی

Marfat.com

یزن تخت پر بیٹھا تھا اور اس کے یمین و یسار ملوک اور ابنائے ملوک موجود تھے۔ عبدالمطلب نے بادشاہ کو مبارکباد دی اور پھر اپنے وفد کا تعارف کرواتے ہوئے کہا ہم اہل حرم اللہ اور اس کے گھر کے متولی ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا: اے متکلم تو ان میں سے کون ہے تو آپ نے فرمایا۔ میں عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہوں۔ بادشاہ نے کہا ہمارا بھانجا۔ جواب دیا ہاں۔ وجہ اس کی غالباً یہ تھی کہ آپ کی والدہ محترمہ سلمیٰ بنت عمر چونکہ بنو نجار سے تعلق رکھتی تھیں جو بنوخزرج کی ایک شاخ ہے اور بنوخزرج اور حمیر ہم نصب گنے جاتے تھے۔ یہ اس لیے کہ قمعہ بن الیاس نے یمن میں سکونت اختیار کر کے عمرو بن عامر سے حلف کر لیا تھا اور بنوخزرج اسی قمعہ کی اولاد تھے۔

ابوالولید محمد بن عبداللہ بن احمد الازرقی نے عبداللہ بن شبیب الربعی مولیٰ قیس بن ثعلبہ، الکلبی، اور ابی صالح کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ اس پر سیف بن ذی یزن نے اس وفد کا بہت اکرام کیا۔ ایک ماہ تک انھیں اپنے پاس رکھا۔ پھر اس نے عبدالمطلب کو تخلیے میں بلایا اور کہا میں اپنے علم کا ایک ایسا راز تمھیں بتا رہا ہوں کہ کوئی اور ہوتا تو نہ بتاتا۔ ہم ایک ایسی محفوظ آسمانی کتاب میں جسے ہم نے اپنے لیے خاص کر لیا ہے۔ ایک بہت بڑی خبر پاتے ہیں جس میں زندگی کے لیے شرف لوگوں کے لیے عموماً تیرے قبیلے کے لیے خصوصاً اور بالخصوص تیرے لیے فضیلت موجود ہے۔ تھامہ میں ایک بچہ پیدا ہوگا۔ جس کی خاص علامت ہے۔ اس کی امامت قیامت تک رہے گی اور تمھارے لیے اعزاز ہوگا۔ یا تو اب وہ وقت ہے جس میں وہ پیدا ہوگا یا اب پیدا ہو چکا ہے۔ اس کا نام محمد ہے۔ اس کے دونوں کندھوں کے درمیان گوشت کا ایک (خوبصورت) ابھار ہے۔ اس کا والد اور والدہ فوت ہو جائیں گے اور اس کا دادا اور چچا اس کی پرورش کریں گے۔ ہم اس کے ننہالی رشتہ دار ہوں گے اور ہمیں میں سے اس کے انصار ہوں گے۔ اللہ اس کے حامیوں کو عزت دے گا اور دشمنوں کو ذلیل کرے گا۔ وہ رحمٰن کی عبادت کرے گا اور شیطان کو ذلیل کرے گا۔ بتوں کو توڑے گا اور آتش کدوں کو سرد کر دے گا۔ اس کے اقوال فیصل ہوں گے۔ اس کا حکم عدل ہوگا۔ معروف کا حکم دے گا اور اس پر عمل پیرا ہوگا۔ منکر سے منع کرے گا اور اسے مٹائے گا۔ (الازرقی، اخبار مکہ، دارالاندلس، بیروت: ۱۵۲/۱-۱۵۳، روض الانف)

اس پر عبدالمطلب بادشاہ کے آداب بجا لائے اور کہا۔ میرا ایک بیٹا تھا جو مجھے بہت محبوب تھا۔ میں نے اس کی شادی اپنی قوم کی ایک بہت محترم خاتون آمنہ بنت وہب بن عبد

Marfat.com

مناف بن زہرہ سے کی۔اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔میں نے اس کا نام محمد رکھا ہے اس کا والد اور والدہ فوت ہو گئے ہیں اس کا چچا اور میں اس کے کفیل ہیں۔اس کے شانوں کے درمیان گوشت کا ایک خوبصورت ابھار ہے۔اس میں وہ ساری علامات موجود ہیں جو آپ نے ارشاد فرمائی ہیں۔بادشاہ نے کہا اے عبدالمطلب تو یقیناً اس کا دادا ہے اور جو کچھ تو نے کہا ہے درست ہے۔اپنے پوتے کی حفاظت کرنا اسے۔یہود سے بچانا کہ وہ اس کے دشمن ہیں مگر اللہ اسے محفوظ رکھے گا۔میں نے تجھے جو کچھ بتایا ہے اسے اپنے ساتھیوں سے چھپا کے رکھنا۔مجھے خوف ہے کہ تو انھیں یہ بتا کر رشک میں مبتلا نہ کر دے۔اس سے کہ ان کی بجائے اقتدار تجھے ملے گا۔وہ تیرے ساتھ دشمنی کرنے لگیں گے۔اور تیرے خلاف جال بننے لگیں گے۔یہ یا ان کے بیٹے ایسا ہی کریں گے۔اگر اس کی بعثت سے پہلے مجھے موت نے نہ آلیا تو میں اپنے پیادہ وسوار لے کر یثرب میں جو اس کا دارالخلافہ ہوگا۔حاضر ہو جاؤں گا۔کیونکہ میں نے اسی آسمانی کتاب میں پایا ہے کہ اس کی دعوت کو یثرب میں استحکام ملے گا۔یہ شہر اس کے انصار کا شہر اور اس کا مدفن ہوگا۔سو اب میں یہ کام تجھے سونپتا ہوں۔

پھر بادشاہ نے وفد کے سارے ارکان کو بہت سا مال دے کر رخصت کیا اور عبدالمطلب کو ان سے دس گنا عطا کیا اور اس کا تذکرہ امیہ بن عبدالشمس کے اشعار میں بھی موجود ہے۔پھر اس نے عبدالمطلب کو رخصت کرتے وقت کہا اگلے سال مجھے اس بچے کے احوال بتانا۔لیکن سیف سال مکمل ہونے سے پہلے فوت ہو گیا۔

سفر یثرب

نبی اکرم دو سال تک اپنے گھر میں اپنی والدہ کے ساتھ رہے۔اس سارے عرصہ میں آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب آپ کے کفیل اور نگران رہے۔آپ اپنے چچا زاد بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ نہایت خوش وخرم زندگی گزار رہے تھے۔آپ کے چچا آپ پر فریفتہ تھے اور آپ ہر اس محبت سے لطف اندوز ہو رہے تھے جو آپ کی فطری خوش اطواری کا نتیجہ تھی اور ہر اس احترام سے بہرہ ور تھے جو آباء سے وراثت میں ملا تھا۔شخصی وجاہت، بچپنے کی معصومیت، فطری پاکیزگی، اور خاندانی احترام نے آپ کو پورے قریش کی آنکھ کا تارا بنا دیا تھا۔ہر شخص آپ کو چاہتا تھا۔آپ

Marfat.com

سے محبت کرتا تھا۔ آپ کے حسن اطوار کو دیکھ کر آمنہ بیوگی کی ساری کلفتیں بھول گئی تھیں۔ ان کی راتیں سکون اور دن مستقبل کی امیدوں میں گزر رہے تھے۔

آپ کی والدہ ماجدہ اپنے اس لال کو اپنے محبوب شوہر عبداللہ کی قبر پر لے جانا چاہتی تھیں۔ غالباً اس خواہش کے علاوہ عبدالمطلب کے ننہالی خاندان کے افراد سے ملنے کا شوق بھی اس کا محرک تھا۔ آپ اپنی عمر کے ساتویں سال میں قدم رکھ چکے تھے جب آپ کی والدہ ماجدہ اپنے لخت جگر کو لے کر یثرب کے لیے عازم سفر ہوئیں۔ حضرت عبداللہ کی لونڈی ام ایمن آپ کے ہمراہ تھیں اور دوران سفر وہی آپ کی خبر گیری کیا کرتی تھیں۔ اونٹ پر تین سو میل سے زیادہ کا سفر کر کے آپ اپنے بیٹے اور خادمہ کے ساتھ عبدالمطلب کے ننہال بنونجار میں جا اتریں۔ بنونجار آپ کو اپنے ہاں پا کر بہت خوش ہوئے۔

آپ ﷺ نے اپنی والدہ کے ہمراہ یثرب کے محلہ بنونجار میں کئی ماہ قیام کیا۔ اس قیام کی بہت سی یادیں اس وقت بھی آپ کے دل میں تازہ تھیں جب آپ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ نے اس سفر کا تذکرہ کرتے ہوئے صحابہ کرام کو بتایا کہ جس گھر میں ہم ٹھہرے تھے۔ اس میں ایک تالاب تھا جس میں میں نے تیرنا سیکھا تھا۔ میری ایک ہم عمر لڑکی انیسہ تھی۔ جس کے ساتھ مل کر میں کھیلا کرتا تھا۔ اسی عرصے میں میں نے اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ مل کر بعض بچگانہ کھیلیں سیکھیں۔

یثرب کی آب و ہوا آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کو راس نہیں آئی چنانچہ آپ کی طبیعت ناساز ہوگئی۔ طبیعت سنبھلنے کی بجائے زیادہ ناساز ہوتی گئی بیماری نے طول کھینچا۔ بیماری کی یہی حالت یثرب میں آپ کے قیام کی مدت بڑھانے کا سبب بنی۔ آخر کار جب کچھ افاقہ ہوا تو حضرت آمنہ نے واپسی کے لیے رخت سفر باندھا۔ سفر میں نبی اکرم اور ام ایمن آپ کے ہمراہ تھے۔ سفر کی صعوبت نے بیماری میں اضافہ کر دیا اور موت نے آپ کو مکہ واپس پہنچنے کی مہلت نہیں دی اور آپ مکہ کے راستہ میں یثرب سے ۲۳ میل کے فاصلے پر ابواء کے مقام پر فوت ہوگئیں۔ ابواء مکہ سے یثرب آتے ہوئے دائیں جانب ایک پہاڑ کا نام ہے۔ اسی پہاڑ کے حوالے سے اس وادی کو بھی ابواء کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہاں اس وادی میں ایک بستی بھی ہے جو ابواء کہلاتی ہے۔ یہیں ابواء پہاڑ کے دامن میں آپ کی والدہ ماجدہ کو دفن کر دیا گیا۔ آج بھی وہاں ان کی قبر موجود ہے۔

Marfat.com

علامہ سمہودی رحمۃ اللہ نے اپنی مشہور تاریخ مدینہ وفاء الوفاء میں تحریر کیا ہے کہ اس سفر میں عبدالمطلب یا ابوطالب آپ کے ہمراہ تھے۔ امام نووی نے تصریح کی ہے کہ اس سفر میں ابوطالب نہیں عبدالمطلب آپ کے ہمراہ تھے اور وہی ام ایمن کے ہمراہ آپ کو واپس مکہ میں لے آئے۔

کفالت عبدالمطلب میں

آپ کے دادا بزرگوار عبدالمطلب آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کی زندگی میں بھی آپ کے سرپرست اور کفیل تھے تاہم آپ کی کفالت کی براہ راست ذمہ داری آپ کی والدہ ماجدہ پر تھی۔ ان کی وفات کے بعد آپ کے دادا بزرگوار نے آپ کو براہ راست اپنی کفالت میں لے لیا۔ آپ دو سال تک ان کی کفالت میں رہے۔ انھیں آپ سے انتہائی شدید محبت تھی۔ آپ جیسی محبت انھیں اپنی اولاد میں سے کسی دوسرے شخص کے ساتھ نہ تھی۔ اس محبت کا سبب محض محبوب اور مرحوم بیٹے کی نشانی ہونا نہ تھا بلکہ اس کے محرکات آپ کی ذات گرامی میں موجود تھے۔ پیدائش سے لے کر اپنی کفالت میں آنے تک آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ان کی نظر میں تھا۔ حضرت آمنہ انھیں اطلاع دے چکی تھیں کہ آپ کی پیدائش کے وقت ظاہر ہونے والی روشنی میں انھوں نے قصور بصریٰ کو دیکھا۔ حلیمہ کی زبانی وہ اپنے اس مبارک بچے کے سبب ظہور میں آنے والی برکات کا تذکرہ سن چکے تھے۔ اس سے قبل ولادت کی صبح مکہ میں موجود یہودی کا اضطراب وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ شق صدر کے غیر معمولی واقعہ سے وہ باخبر تھے۔ حال ہی میں وہ سیف بن ذی یزن کی زبانی آپ کے بارے میں کتب سابقہ کی اطلاع پا چکے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اس بات کی توقع ہے کہ مستقبل میں آپ کے اس پوتے کی شان نرالی ہو۔

آپ کی عادات اور آپ کے اخلاق اس عظمت کی نشان دہی کرتے تھے۔ اس کم سنی میں آپ کی نشست و برخاست کا ایک ایک انداز انگلی اٹھا اٹھا کر بتاتا تھا کہ عبدالمطلب کا پوتا معمولی بچہ نہیں ہے۔ آپ کی نشو و نما غیر معمولی تھی۔ سورج کی طرح چمکتا چہرہ غیر معمولی ذہانت کا آئینہ دار تھا۔ اس بچپنے میں غیر معمولی ذمہ داری کا اظہار آپ کی عظمت کا آئینہ دار تھا۔ اس پر برکات کا ظہور مزید نکھار پیدا کر رہا تھا۔ جو کام بھی آپ کے ذمہ لگایا جاتا اسے جس احساس ذمہ داری کے ساتھ سرانجام دیتے خود عبدالمطلب انگشت بدنداں رہ جاتے۔ کسی کام میں ناکامی کا منہ نہیں دیکھا۔ اس

Marfat.com

پر وہ واقعہ سند ہے جسے حاکم نے اپنی مستدرک میں کندیر بن سعید نے ان کے والد کی زبانی نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں میں قبل اسلام حج کی غرض سے مکہ آیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص طواف کر رہا ہے اور دوران طواف یہ شعر بآواز بلند پڑھتا جا رہا ہے۔

رد الـــی راکبــی مـــحـــمـــداً

یـــارب رده واصـــطـــنـــع عـــنـــدی یـــداً

''میرے سوار محمد کو واپس لا اے میرے مالک اسے واپس لا اور مجھ پر احسان فرما۔''

میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہیں اور کیا ماجرا ہے۔ لوگوں نے بتایا یہ عبدالمطلب ہیں۔ انھوں نے اپنے پوتے کو ایک گم شدہ اونٹ کی تلاش میں بھیجا ہے۔ کیونکہ ان کو جس کام سے بھیجتے ہیں انھیں ضرور کامیابی ہوتی ہے۔ اس کو گئے دیر ہوگئی ہے۔ اس لیے یہ بے چین ہو کر اس کی واپسی کے لیے دعا کر رہے ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ آپ اونٹ لے کر واپس تشریف لے آئے۔ عبدالمطلب نے آپ کو گلے لگا لیا اور کہا میں تمھاری وجہ سے بے حد پریشان تھا اب کبھی تم کو اپنے سے جدا نہ ہونے دوں گا۔ حاکم اس روایت کو شرط مسلم کے مطابق تسلیم کرتے ہیں اور حافظ ذہبی ان کی رائے سے متفق ہیں۔

یہ بظاہر چھوٹا سا واقعہ آپ پر عبدالمطلب کے اس بے پناہ اعتماد کا مظہر ہے جو انھیں گزشتہ برسوں کے تجربات کی بناء پر حاصل ہو چکا تھا۔ ظاہر ہے عبدالمطلب سردار قریش تھے۔ اونٹ کی تلاش کے لیے بھیجنے کے لیے بے شمار آدمی تھی۔ پھر آپ کثیر الاولاد تھے۔ نبی ﷺ کے چچا موجود تھے۔ لہٰذا ممکن نہیں ہے کہ اس کم سنی میں آپ کو پہلی ہی بار اونٹ کی تلاش میں بھیج دیا گیا ہوگا۔ ہاں جب بڑوں کو مکہ کی مختلف وادیوں اور پہاڑی سلسلوں میں اونٹ نہیں ملا ہوگا تو محض اس خیال سے آپ کو بھیج دیا گیا ہوگا کہ آپ کو جب بھی کسی مشکل میں بھیجا گیا ہے آپ کو ضرور کامیابی ہوتی ہے۔ اس سے یہ اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ آپ کے خانوادے کو آپ سے کتنی برکات کا مشاہدہ ہو چکا تھا۔ اور یہ بات پورے مکہ میں مشہور تھی۔ تبھی تو سعید کے استفسار پر اہل مکہ نے بتایا کہ یہ عبدالمطلب ہیں انھوں نے اپنے پوتے کو اس لیے اونٹ کی تلاش میں بھیجا ہے کہ اسے جس کام کے لیے بھیجا جائے اسے ضرور کامیابی ہوتی ہے۔ دوسری جانب واپسی میں دیری پر عبدالمطلب کا اضطراب آپ کے ساتھ ان کی گہری قلبی محبت کا غماز ہے۔

Marfat.com

عبداللہ کے دریتیم کی شان بچپن ہی سے نرالی تھی۔ اس کم سنی میں بھی آپ اپنے ہم عمر بچوں سے مختلف تھے۔ نہ بچپن کی ضد نہ شوخی نہ شرارت۔ کبھی اپنی والدہ اور دادا کو تنگ نہیں کیا۔ کبھی اپنے ہم عمر بچوں سے لڑائی نہیں ہوئی۔ بچپن کے لاابالی پن کا دور تک نشان نہ تھا۔ معصومیت اور سنجیدگی کے ایک حسین امتزاج نے اس دریتیم کی شخصیت میں جھلمل رنگ پیدا کر دیے تھے۔ طبیعت میں شروع سے ہی ایک دلنواز اور باوقار ٹھہراؤ تھا۔ جس نے آپ کو خاندان ہی نہیں پورے قریش کی آنکھ کا تارا بنا دیا تھا۔ ہر شخص گرویدہ تھا۔ ہر شخص فدا تھا۔ آپ گھر کے معاملات میں اہل خانہ کی ایسی مدد کرتے تھے جس کی توقع صرف بڑے لوگوں سے کی جا سکتی تھی۔

شرک سے اجتناب

اس کم سنی میں ایک نمایاں وجہ امتیاز شرک اور اس کے مظاہر سے آپ کا اجتناب تھا۔ خانہ کعبہ جسے خلیل اللہ ابراہیم حنیف اور ذبیح اللہ اسماعیل علیہ السلام نے خالصۃ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لیے تعمیر کیا تھا اور جس کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی:

﴿رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَ مَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾

(ابراہیم: ۳۵-۳۶)

"اے میرے رب اس شہر کو امن کا شہر بنا اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا میرے مالک ان بتوں نے بہتوں کو گمراہی میں ڈالا ہے۔ سو جو میرے طریقے پر چلے وہ میرا ہے اور جو میرے خلاف راہ اختیار کرے تو یقیناً تو درگزر کرنے والا مہربان ہے۔"

وہی کعبہ آج خود اولاد ابراہیم کے ہاتھوں بتوں کے استھان میں بدل چکا تھا۔ خود خانہ کعبہ کے اندر تین سو تیرہ یا کچھ زیادہ بت تھے۔ طواف وسعی کے دوران ان بتوں کو چھو کر برکت حاصل کی جاتی تھی۔ بتوں کے لیے نذرانے کے جانور ذبح کیے جاتے۔ لوگ نذرانے دان کرتے۔ عبدالمطلب کعبہ کے متولی تھے۔ یوں بالواسطہ ان بتوں کے محافظ بھی تھے۔ پورے مکہ پر

Marfat.com

ایک مشرکانہ تہذیب حاکم تھی۔ ہر شخص بتوں کی عبادت میں مصروف تھا۔ مگر سبھی کے لیے یہ بات حیرت و استعجاب کے ہزار پہلو لیے ہوئے تھی کہ متولی کعبہ کا یہ معصوم پوتا ان بتوں سے وہی فطری نفرت رکھتا ہے جو کسی سلیم الفطرت آدمی کو غلاظت کے ڈھیر سے ہوتی ہے۔ وہ خانہ کعبہ میں طواف و سعی کے دوران بھول کر بھی ان بتوں کو نہیں چھوتا بلکہ اس کے معصوم چہرے پر ابھرنے والے احساس صاف چغلی کھاتے ہیں کہ وہ دانستہ ان بتوں سے کترا کے نکل رہا ہے۔ گھر میں آنے والے بتوں کے نذرانوں کو ہاتھ تک نہیں لگاتا۔ بتوں کے نام پر ذبح کیے گئے جانوروں کا گوشت کھانے سے صاف انکار کر دیتا ہے۔ (امام بخاری، صحیح بخاری: ۸۲۷/۲) سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ ایک غیر معمولی بچہ ہے۔ انہی اخلاق حمیدہ کے سبب شیبۃ الحمد کہلاتے تھے۔ کسی شاعر کا شعر ہے۔

علیٰ شیبة الحمد الذی کان وجهُهٗ
یضیٔ سواد اللیل کالقمر البدر

”اس شیبۃ الحمد کی موت پر آنسو بہاؤ جس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح تاریک رات کو روشن کر دیتا ہے۔“

حلم اور بردباری آپ کا امتیاز تھا۔ شر اور فساد سے ہمیشہ دور بھاگتے تھے۔ جود و سخا میں قریش کا کوئی آدمی ان کے لگے گا نہ تھا۔ (ابن سعد الطبقات الکبریٰ: ۵۱/۱)

سخاوت میں اپنے والد ہاشم کو پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ ان کی مہمان نوازی انسانوں سے گزر کر چرند و پرند تک پہنچ گئی تھی۔ اسی سخاوت کے سبب اہل عرب انھیں مطعم الطیر کے لقب سے یاد کرتے تھے اور یہ سخاوت رمضان المبارک میں کہیں بڑھ جاتی تھی۔ شراب کو کبھی منہ نہیں لگایا۔ غار حرا میں خلوت گزینی کا آغاز انہی نے کیا تھا۔ (زرقانی: ۱/۷۱)

حسن صورت اور حسن سیرت کے اس حسین امتزاج کو قدرت کی تائید نے سرداری کے جلال کے علاوہ عقیدت و احترام عطا کیا۔ بذریعہ الہام زمزم کی دریافت، دوران سفر پانی کے چشمے کے ابل پڑنے، اپنے محبوب بیٹے عبداللہ کو اللہ کی راہ میں ذبح کرنے کے عزم اور واقعہ فیل میں آسمانی مدد سے ان کی عقیدت و احترام کو سب کے دل میں گہرا اتار دیا تھا۔ آپ کعبہ کے قریب رہنا پسند کرتے تھے۔ صحن حرم میں آپ کے لیے احتراماً فرش بچھایا جاتا۔ احتراماً کوئی شخص اس فرش پر بیٹھنے کی جسارت نہ کرتا۔ سرداران قریش یہاں تک کہ آپ کے بیٹے بھی حاشیہ نشین ہوتے تھے۔

Marfat.com

نبی اکرم ﷺ اس کم سنی میں وقار و متانت کے ساتھ فرش پر جا کر اپنے دادا کے پہلو میں جا بیٹھتے۔ چچا روکنے کی کوشش کرتے تو عبدالمطلب انھیں منع کرتے اور فرماتے:

دعوا ابنی فوالله ان لهٔ لشاناً۔

''میرے بیٹے کو آنے دو اس کی اپنی شان ہے۔''

پاشناس

اسی زمانے میں قبیلہ بنو مدلج کے کچھ لوگ مکہ مکرمہ میں آئے قبیلہ بنو مدلج تھامہ میں مدینہ طیبہ سے بجانب مغرب آباد تھا۔ یوں تو تمام قبائل عرب چونکہ صحرا نشین تھے لہٰذا کھوج میں ماہر تھے تاہم جہاں تک قبیلہ بنو مدلج کا تعلق تھا وہ نقوش پا کی پہچان میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے آپ کو دیکھا تو آپ کے دادا بزرگوار سے کہا:

احتفظ به، فلم نجد قدماً أشبه بالقدم الذی فی المقام من قدمه۔ (طبقات ابن سعد: ۱/۷۴،۷۵)

''اس پر خاص توجہ رکھنا کیونکہ ہم نے اس کے قدم سے زیادہ اس قدم سے مشابہ کوئی قدم نہیں دیکھا جو مقام ابراہیم پر ہے۔''

بنی مدلج کے لوگوں کا اشارہ اس طرف تھا کہ یہ بچہ کوئی عام بچہ نہیں ہے بلکہ اس میں عظمت کے بڑے واضح نشان موجود ہیں اس لیے کہ آپ کا نقش قدم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نقش قدم سے بہت مشابہ ہے۔

یہ بات سن کر عبدالمطلب بہت خوش ہوئے اور ابو طالب سے فرمایا بیٹے اس بات کو یاد رکھنا۔

عبدالمطلب کی وفات

نبی اکرم ﷺ نے ابھی اپنی زندگی کی آٹھویں بہار پوری کی تھی کہ آپ کے شفیق دادا عبدالمطلب بھی اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ اس طرح یہ در یتیم تیسری بار یتیم ہو گیا۔ عبدالمطلب نے جس محبت کے ساتھ آپ کی کفالت کی تھی وہ بھولنے والی شے نہ تھی۔ اور وہ دل جسے محبتوں کا امین بنایا جانا تھا۔ اس صدمے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ام ایمن کہتی ہیں کہ جس

Marfat.com

وقت عبدالمطلب کا جنازہ اٹھا تو میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ جنازہ کے پیچھے روتے جارہے ہیں۔

ایک بار آپ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کو عبدالمطلب کی وفات یاد ہے تو آپ نے فرمایا ہاں اس وقت میری عمر آٹھ سال تھی۔ (ابی نعیم، دلائل النبوۃ: ۱/۵۱)

اس معاملے میں خاصا اختلاف ہے کہ وفات کے وقت عبدالمطلب کی عمر کتنی تھی۔ آپ کی عمر اختلاف اقوال کے مطابق بیاسی، پچاسی، پچانوے، ایک سو دس یا ایک سو بیس سال تھی۔ اس طرح آپ کی پیدائش ۴۹۴ء، ۴۹۷ء، ۴۶۹ء تا ۴۵۹ء میں ہوئی۔ آپ کو آپ کے آبائی قبرستان حجون میں دفن کیا گیا۔

یہ قبرستان آج کل المعلات یا جنت المعلا کہلاتا ہے۔ آجکل اس قبرستان کے تین حصے ہیں۔ اس کے صدر دروازے سے داخل ہوں تو مسلمانوں کا عام قبرستان ہے۔ دوسرا حصہ خالی ہے اور آخری حصے میں جس کا دروازہ اکثر بند رہتا ہے بنی ہاشم کا پرانا قبرستان ہے۔ عبدالمطلب، عبدمناف، اور قصی کے علاوہ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کے علاوہ قاسم بن رسول اللہ ﷺ کی قبریں اسی حصے میں ہیں۔ یہ حصہ ماضی میں حجون کہلاتا تھا۔ حجون اس پہاڑ کا نام ہے جس کے دامن میں یہ قبرستان موجود ہے۔ حجون شمال سے مغرب تک پھیلا ہوا پہاڑ ہے جو آج کل جبل ہندی کہلاتا ہے۔

وفات کے وقت عبدالمطلب نے ابو طالب کو وصیت کی کہ آپ کی کفالت محبت و شفقت سے کرنا۔ (عیون الاثر ۱/۴۰)

ابو طالب کی کفالت میں

عبدالمطلب کے بڑے صاحبزادے حارث عبدالمطلب کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ وفات عبدالمطلب کے وقت سب سے بڑے صاحبزادے زبیر تھے اور وہی اپنے والد کے وصی بھی تھے۔ زبیر، ابو طالب اور عبداللہ سگے بھائی تھے۔ یہ تینوں فاطمہ بنت عمرو بن عایذ بن عمران بن مخزوم کے بطن سے تھے۔ تاہم محسوس ہوتا ہے کہ زبیر کی نسبت ابو طالب کو اپنے بھتیجے سے زیادہ محبت تھی۔ اسی طرح آپ ﷺ کو بھی ابو طالب سے زیادہ رغبت تھی۔ نیز ابو طالب اپنے بھائی زبیر کی نسبت زیادہ مقبول تھے۔ یہی سبب ہے کہ گو عبدالمطلب کے بعد زبیر ان کے جانشین

Marfat.com

ہوئے۔ تاہم ان کے حالات زندگی بہت کم ملتے ہیں۔ دوسری جانب آپ کے بچپن کے واقعات میں بھی آپ کے حوالے سے ابو طالب ہی کا ذکر ملتا ہے۔ چنانچہ بنو مدلج کے پاشناسوں سے آپ کے قدم مبارک کی مشابہت کا حال سن کر بھی عبد المطلب نے ابو طالب ہی کو یہ بات ذہن نشین رکھنے کی ہدایت کی تھی۔

سبب کچھ بھی ہو عبد المطلب نے آپ کی کفالت کی ذمہ داری ابو طالب کے سپرد کی اور اس معاملے میں علمائے سیرت کے درمیان کامل اتفاق ہے کہ آپ کی کفالت ابو طالب نے کی ہے اور اس معاملے میں دو رائے نہیں ہیں۔ آپ بچپن میں ابو طالب کی کفالت میں رہے۔ حضرت خدیجہ سے شادی کے بعد آپ انہی کے گھر میں آ گئے۔ تاہم ابو طالب نے محبت و سرپرستی کے اس رشتے کو کامل استقامت کے ساتھ قائم رکھا۔ بعثت کے بعد اپنی وفات تک ہر مرحلے پر ابو طالب نے نبی اکرم ﷺ کی جس طرح حفاظت کی وہ انہی کا حصہ ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ کو بھی اس بات کا اعتراف تھا۔ حق یہ ہے کہ آپ کی کفالت کے لیے عبد المطلب نے ابو طالب کا جو انتخاب کیا تھا آنے والے ماہ و سال نے اس انتخاب کے درست ہونے کی توثیق کر دی۔

ابو طالب نے اپنے والد کی جود و سخا سے وافر حصہ پایا تھا۔ یہی سبب ہے کہ ان کے مالی حالات اکثر و بیشتر دگرگوں رہے۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ انھوں نے ایام کفالت میں محبت و شفقت کی انتہا کر دی تھی۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ جب تک دستر خوان پر موجود نہ ہوتے تھے۔ ابو طالب نہ خود کھانا کھاتے نہ اپنے بچوں کو کھانے دیتے تھے۔ ہمیشہ آپ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے اور بلا ضرورت کبھی جدا نہ ہونے دیتے تھے۔ آپ آٹھ سال کی عمر میں ابو طالب کی کفالت میں آئے۔ اور پچاس سال کی عمر تک یہ رشتہ کسی نہ کسی صورت میں قائم رہا۔ اس سارے عرصے میں ابو طالب کا رویہ مثالی رہا۔ یہی سبب ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو طالب، جعفر، عقیل اور علی ابنائے ابو طالب اور ام ہانی اور حمانہ بنات ابو طالب سے گہرا تعلق خاطر تھا۔ جس کا اظہار آپ نے مختلف مواقع پر فرمایا۔ ابو طالب کی بیوی فاطمہ اسدیہ کو آپ ماں کہہ کر خطاب فرماتے تھے اور ان کی وفات پر گہرے قلبی رنج کا اظہار فرمایا۔

Marfat.com

بارش کی دعا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کم عمری میں آپ کے اوصاف حمیدہ اور آپ سے ظاہر ہونے والی برکات کے نتیجے میں اپنے خاندان میں بالخصوص اور پورے مکہ میں بالعموم جس احترام وعقیدت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اس کا اندازہ اس روایت سے بخوبی ہو سکتا ہے جسے ابن عساکر نے جلہمہ بن عرفطہ کی زبانی نقل کیا ہے۔

جلہمہ کہتے ہیں میں ایک بار مکہ میں آیا۔ مکہ میں اس وقت شدید قحط تھا۔ قریش ابوطالب کی خدمت حاضر ہوئے اور کہا اے ابوطالب وادی مکہ اس وقت قحط کی زد میں ہے اور اس میں رہنے والوں کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ آؤ اور اللہ سے باران رحمت کی دعا کرو۔ اس پر ابوطالب خانہ کعبہ میں آئے اور آپ کے ہمراہ ایک خوب رولڑکا تھا۔ اتنا خوبصورت جیسے کالی گھٹا سے چاند نکلا ہو۔ اس کے اردگرد اس کے ہم عمر لڑکے تھے۔ ابوطالب نے اسے پکڑ کر اس کی پیٹھ خانہ کعبہ کے ساتھ ٹکا دی۔ پھر اس لڑکے کی انگلی پکڑ کر اوپر اٹھائی اور اللہ سے بارش کی دعا کی۔ جلہمہ کا بیان ہے کہ آسمان پر ایک لقہ ابر تک نہ تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر گھٹائیں امڈ کر آئیں اور جم کر برسیں تھوڑی ہی دیر میں وادی جل تھل ہو گئی۔

(زرقانی: ۱/۱۹۰، سیرت الرسول: ص ۱۸۔۱۹، الرحیق المختوم: ص ۵۸)

بعثت نبوی کے بعد جب قریش مکہ آپ کی مخالفت پر اتر آئے اور آپ کو اور آپ پر ایمان لانے والے لوگوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دینے لگے تو ابوطالب نے اپنے مشہور قصیدے میں آپ کی حمایت کرتے ہوئے اسی واقعہ کا حوالہ ان الفاظ میں دیا:

كذبتم وبيت الله نبزى محمداً ولما نطاعن دونه ونناضل

”تم جھوٹ کہتے ہو کہ ہم محمد کو چھوڑ دیں گے حالانکہ نہ تو ہم نے اس کی حفاظت میں زخم کھائے نہ تیر پھینکے۔“

ونسلمه حتى نصرع حوله وندفعل عن ابنائنا والحلائل

”اور ہم اس کو تمھارے حوالے نہیں کریں گے جب تک اپنے بیوی بچوں سے بے پرواہ اس کے گرد قتل نہ ہو جائیں۔“

Marfat.com

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

''اور وہ تو وہ گورے مکھڑے والا ہے جس کے واسطے تم بادل مانگتے تھے جو تیموں کا سرپرست اور بیواؤں کی عصمت کا محافظ ہے۔''

بحیرا راہب

آپ کی عمر مبارک بارہ سال تھی کہ ابو طالب اپنے ایک تجارتی سفر پر شام کے لیے روانہ ہوئے تو آپ نے ساتھ جانے کے لیے شوق کا اظہار کیا آپ کے شوق کو دیکھ کر ابو طالب آپ کو ساتھ لے گئے۔ جب آپ سرحد شام بصریٰ کے نواح میں حوارن کے قصبے میں اترے تو وہاں مشہور راہب کے کنیسہ کے قریب پڑاؤ کیا۔ راہب کا نام جرجیس تھا اور بحرا کے نام سے مشہور تھا۔ یہ راہب توحید باری تعالیٰ پر ایمان رکھتا تھا اور حضرت عیسیٰ کے اصل دین پر تھا۔ یہ کنیسہ قدیم زمانے سے موجود تھا۔ اور اس میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی صاحب علم وعمل راہب رہا کرتا تھا۔ بحیرا راہب قدیم کتب کا ماہر تھا اور یہ علم اسے انہی راہبوں سے میسر آیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ نبی آخر الزمان کے ظہور کا زمانہ قریب ہے اور اسے آپ کے ظہور کا انتظار تھا۔

اہل مکہ کے تجارتی قافلے پہلے بھی اسی جگہ پڑاؤ کیا کرتے تھے مگر نہ تو اس راہب نے کبھی ان کی ضیافت کی تھی نہ کبھی ان کا استقبال کیا تھا۔ اس دفعہ جونہی یہ قافلہ خیمہ زن ہوا۔ بحیرہ راہب نے ابو طالب اور قافلہ والوں کے پاس پیغام بھیجا کہ میں نے تمھاری ضیافت کا اہتمام کیا ہے۔ لہٰذا تم میرا یہ کھانا قبول کرو۔ تم میں سے کوئی آزاد پیچھے نہ رہے نہ غلام، کوئی بڑا پیچھے نہ رہے نہ بچہ۔ ابن ابی شیبہ نے یہ روایت کرتے ہوئے یہ وجہ لکھی ہے کہ یہ قافلہ اس منزل کی طرف بڑھ رہا تھا تو بحیرا نے دیکھا کہ شدت کی اس گرمی میں بادل کا ایک ٹکڑا اس پر مسلسل سایہ کیے ہوئے ہے۔

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ جب سرداران قریش کھانے پر آئے تو آپ کو اونٹوں کے پاس چھوڑ آئے۔ بحیرا کی نظریں آپ کو تلاش کر رہی تھیں۔ اس نے پوچھا کوئی ایسا شخص تو نہیں ہے جو کھانے پر نہ آیا ہو۔ تو انھوں نے کہا ایک کم سن لڑکے کو سامان کی نگرانی کے لیے چھوڑ آئے ہیں۔ بحیرا نے کہا اسے بھی بلا کر لاؤ۔ چنانچہ آپ کو بلایا گیا۔ بحیرا آپ کو بغور دیکھتا رہا اور آپ کی تمام حرکات پر نظر رکھی۔ اس نے دیکھا کہ آپ تشریف لائے تو آپ کے لیے اس درخت کے

Marfat.com

سایہ میں جگہ نہ تھی جس کے نیچے دستر خوان لگا تھا۔آپ دستر خوان کے ایک جانب بیٹھے تو درخت کی شاخیں آپ کی جانب سمٹ آئیں۔اس طرح آپ پر سایہ ہو گیا۔

کھانا ختم ہونے کے بعد بحیرا نے آپ کے پاس آ کر کہا میں تمھیں لات اور عزیٰ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ میں تم سے جو پوچھوں مجھے بتانا۔تو آپ نے فرمایا: ''مجھے لات اور عزیٰ کی قسم نہ دو۔ مجھے ان سے زیادہ کسی شے سے نفرت نہیں۔'' اس پر بحیرا نے کہا اچھا تمھیں اللہ کی قسم ہے جو پوچھوں مجھے جواب دو آپ نے فرمایا جو چاہو پوچھو۔اس پر بحیرا نے آپ کی نیند کی کیفیت اور کئی دوسرے معاملات کے بارے میں سوالات کیے۔ پھر اس نے آپ کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت دیکھی۔

ابن اسحاق ہی کی روایت ہے کہ پھر بحیرا نے آپ کے چچا ابو طالب سے پوچھا یہ لڑکا تمھارا کیا لگتا ہے۔انھوں نے کہا میرا بیٹا ہے۔بحیرا نے کہا یہ تمھارا بیٹا نہیں ہے۔اس کا باپ زندہ نہیں ہو سکتا۔ابو طالب نے بتایا میرا بھتیجا ہے اور اس کے والد اس کی پیدائش سے پہلے فوت ہو گئے تھے۔ اس نے کہا تم سچ کہتے ہو۔اپنے بھتیجے کو لے کر اپنے شہر واپس چلے جاؤ اور اس کے معاملے میں یہود سے بچو۔اگر انھوں نے وہ بات پہچان لی جو میں نے پہچان لی ہے تو اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔تیرے اس بھتیجے کی الگ شان ہوگی۔سو انھوں نے آپ کو جلد ہی واپس بھیج دیا۔

اس واقعہ کو ابن اسحاق، امام حاکم، امام بیہقی نے تفصیل واجمال کے اختلاف کے ساتھ بیان کیا ہے۔امام بیہقی فرماتے ہیں کہ یہ قصہ اہل مغازی کے نزدیک مشہور ہے جلال الدین سیوطی نے خصائص الکبریٰ میں لکھا ہے کہ اس قصہ کے متعدد شواہد ہیں جو اس کی صحت کا حکم کرتے ہیں۔

علمائے مغازی وسیرت اس بات پر متفق ہیں کہ اس سفر شام میں بحیرا راہب نے اپنی کتب میں بیان کردہ نشانیوں کی بنیاد پر پہچان لیا تھا کہ آپ نبی آخر الزمان ہیں اور ابو طالب کو مشورہ دیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس کر دیں چنانچہ ابو طالب نے کسی آدمی کے ہمراہ آپ کو واپس کر دیا تھا۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: ۱۸۱/۱، ۱۸۲، عبداللہ بن شیخ عبدالوہاب، سیرۃ الرسول: ص ۱۹، صفی الرحمان مبارکپوری، الرحیق المختوم: ص ۵۸، ۵۹، محمد ادریس کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ: ۸۸/۱۔۹۰، سید سلمان منصور پوری، رحمت للعالمین ۳۶/۱، ۳۷، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، سیرت سرور عالم: ج ۲، جلال الدین سیوطی، الخصائص الکبریٰ: ۸۴/۱، ابن القیم الجوزی، زاد المعاد: ۱۷/۱)

Marfat.com

مستشرقین جن میں سر ولیم میور، ڈریپر اور مارگیولوس شامل ہیں انھوں نے اتنی سی بات پر کہ بارہ سال کی عمر میں آپ کی ملاقات عیسائی راہب بحیرا سے ہوئی تھی یہ افسانہ تراش ڈالا کہ آپ نے اپنی ساری تعلیمات اس راہب سے اسی ایک دن کی ملاقات میں سیکھ لی تھیں۔ حد یہ کہ فرانسیسی مستشرق Cara de veaux نے ایک پوری کتاب "On Bahua the author fo the quran" اس مفروضے پر لکھ ڈالی کہ اس ملاقات میں بحیرا نے آپ کو قرآن مجید سکھا دیا تھا۔ اول تو یہ اتنی بیہودہ اور لغو بات ہے کہ اس کے سوا کوئی داد نہیں دی جا سکتی کہ علمی بد دیانتی ان مستشرقین کا شیوہ ہے بھلا یہ جاننے کے لیے کتنی عقل کی ضرورت ہے کہ ایک بارہ سالہ بچے کے لیے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ ایک دن کی ملاقات میں قرآن مجید جیسی کتاب زبانی یاد کر لے اور پھر اس واقعہ کے اٹھائیس سال بعد مسلسل ۲۳ سال تک حسب مواقع اسے اجزاء کی صورت میں بیان کرتا چلا جائے۔ بغرض محال اگر یہ تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن بحیرا راہب کی تصنیف ہے تو عیسائیوں کو یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ عیسائیوں کا عقیدہ تثلیث غلط ہے اور مان کیوں نہیں لیتے کہ عیسیٰ مصلوب نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے کہ یہ انہی کے ایک بزرگ کی اطلاع ہے۔

دوسری جانب سید سلیمان ندوی سیرت النبی میں انہی مستشرقین کی اس یاوہ گوئی کی تردید میں اس واقعہ کی صحت سے ہی انکاری ہیں۔ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس واقعہ کے بنیادی راوی حضرت ابو موسیٰ اشعری واقعہ میں موجود نہیں تھے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ بحیرا راہب کے واقعہ کے بارے میں سب سے قوی روایت وہ ہے جو ترمذی نے بیان کی ہے اور وہ کمزور ہے۔

امام ترمذی نے حدثنا الفضل بن سھل ابو العباس الاعرج البغدادی نا عبدالرحمن بن عزوان نا یونس بن ابی اسحاق عن ابی بکر بن ابی موسیٰ الشعری کی سند سے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے۔

قال خرج ابو طالب الیٰ الشام و خرج معهٗ النبی ﷺ فی اشیاخ من قریش فلما اشرفوا علیٰ الواھب ھب فملو ارحالھم فخرج الیھم الراھب وکانوا ھبل ذلك یمرون بهٖ فلا یخرج الیھم ولا یلتفت قال فھم یحلون رحالھم فجعل یتخلھھم الراھب حتیٰ جاء فاخذ بیدلرسول اللہ ﷺ فقال ھذا سید العالمین ھذا رسول رب

Marfat.com

العالمين فقال له اشياخ قريش ماعلمك فقال انكم حين اشرفتم من العقبة لم يبق حجرولا شجر الاخر ساجداً ولا يسجدان الا لنبيٍ و انى لاعرف بخاتم النبوة من غتروف كتفهْ مثل الفاتحة ثم رجع فصنع لهم طعاماً فلما اتاهم فكان هو فى رعية الابل فقال ارسلوا اليه فقال ارسوا اليه فاقبل وعلى غمامة تظلمه فلما وفامن القوم وجدهم قد سبقوه الى فى الشجرة فلما جلس مال فى الشجرة عليه فقال انظر وا الى فى الشجرة مال عليه قال فبينما هو قائم عليهم وهو بنا شدهم ان لايذهبوا به الى الروم فان الروم ان راوه عرفوه بالصفة فيقتلونه فالتفت فاذا بسبعة قد اقلبوا من الروم فاستقبلهم فقال ماجايكم قالوا جئنا ان هذا النبى خارج فى هذا الشهر فلم يبق طريقٌ الابعث اليه باناس وانا قد اخبر فاخبر بعثنا طبريقك هذا فقال هل خلفكم احد هو خيرمنكم قالوا انما اخبرنا خبره بطريقك هذا قال افرأتيم امراً اراد الله ان يقضيه هل يستطيع احد من الناس رده قالوا لا قال فيا بعوه واقاموا معه قال انشدكم بالله ايكم وليه قالو ابو طالب فلم يزل بناشده حتى رده ابو طالب وبعث معه ابوبكر وبلالاً وزوده الراهب من الكعك والذيت هذا حديث حسن غريب لا يعرفه الا من هذا الوجه۔

(امام ترمذی، جامع الترمذي: ۲/ ۲۲۵)

''انھوں نے فرمایا ابو طالب قریش کے شیوخ کے ہمراہ شام کی طرف گئے اور نبی ﷺ ان کے ہمراہ تھے۔ جب یہ لوگ راہب کے ہاں پہنچے تو وہ صومعہ سے اتر آیا انھوں نے اپنے اسباب کھولے تو راہب ان کے پاس آیا حالانکہ یہ لوگ اس سے پہلے اس کے پاس آتے تھے تو نہ یہ باہر نکلتا تھا نہ ان پر التفات کرتا تھا۔ انھوں نے فرمایا یہ اپنے اسباب کھول رہے تھے کہ راہب نے ان کے درمیان گھومنا شروع کر دیا یہاں تک کہ اس نے آ کر نبی اکرم ﷺ کا ہاتھ پکڑا پھر کہا یہ جان والوں کا سردار ہے یہ رب

Marfat.com

العالمین کا رسول ہے اللہ اسے تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کرے گا۔ اس پر قریش کے شیوخ نے اس سے کہا تجھے کیسے معلوم ہوا ہے تو اس نے کہا جب تم عقبہ سے سامنے آئے تو کوئی درخت اور پتھر ایسا نہ تھا جو تعظیماً نہ جھکا ہو اور یہ نبی کے سوا کسی کے لیے نہیں جھکتے۔ اور میں انھیں مہر نبوت کے سبب پہچانتا ہوں جو کندھے کی نچلی ہڈی سے نیچے سیب کی مانند ہے۔ پھر وہ واپس لوٹ گیا اور ان کے لیے کھانا تیار کروایا۔ پھر جب انھیں بلایا تو آپ اونٹوں کو چرانے گئے ہوئے تھے۔ اس نے کہا آپ کو بلواؤ ابو موسیٰ نے کہا آپ کو بلا لائیں آپ تشریف لائے اور آپ پر بادل کا ٹکڑا سایہ کیے ہوئے تھا آپ لوگوں کے پاس آئے تو لوگ آپ سے پہلے سایہ میں بیٹھ چکے تھے جب آپ بیٹھے تو سایہ آپ کی طرف جھک آیا اس نے کہا سائے کو دیکھو آپ پر آ گیا ہے۔ ابو موسیٰ نے کہا وہ انھیں کھڑا قسمیں دے رہا تھا کہ وہ آپ کو رومیوں کے پاس نہ لے جائیں کیونکہ اگر رومیوں نے آپ کو دیکھا تو آپ کو پہچان جائیں گے تو آپ کو قتل کر دیں گے۔ پھر اس نے مڑ کر دیکھا تو رومیوں کی طرف سے سات آدمی آ رہے تھے۔ وہ آگے جا کر ان سے ملا اور پوچھا کس غرض سے آئے ہو۔ انھوں نے کہا کہ ہم نبی آخر الزمان کو ڈھونڈنے نکلے ہیں جو اس ماہ سفر پر نکلیں گے ہر راستے پر آدمی بھیجے گئے ہیں ہمیں اس کی اطلاع ہے سو ہمیں تیرے سامنے کی طرف بھیجا گیا ہے۔ اس نے کہا کیا تمھارے پیچھے کوئی تم سے بہتر ہے انھوں نے کہا ہمیں خبر ہے کہ وہ تمھارے اس راستے سے آئے گا۔ اس نے کہا تمھارا کیا خیال کہ اللہ اگر کسی معاملہ کو پورا کرنے کا فیصلہ کرے تو کوئی شخص اس کو لوٹانے کی توفیق رکھتا ہے۔ انھوں نے کہا نہیں۔ پھر انھوں نے اس کی بیعت کی اور اسی کے ہاں ٹھہر گئے اس نے کہا میں تمھیں اللہ کی قسم سے پوچھتا ہوں اس کا ولی کون ہے۔ لوگوں نے کہا ابو طالب وہ قسمیں دے کر واپسی کی تاکید کرتا رہا یہاں تک کہ ابو طالب نے آپ کو واپس بھیجا اور آپ کے ساتھ ابو بکر اور بلال کو بھیجا اور راہب نے روٹی اور زیتون کا تیل بطور زاد راہ دیا۔ یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اسے اس ایک طریق کے سوا نہیں جانتے۔''

ہم نے ترمذی کی بیان کردہ اس طویل حدیث کا پورا متن اس وجہ سے نقل کر دیا ہے کہ

Marfat.com

سید سلیمان ندوی کے علم و عرفان اور مقام و مرتبہ کے کھلے اعتراف کے باوجود ہمیں ان کی اس رائے سے اتفاق نہیں ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اس حدیث کے ضعف کی بنیاد پر امر واقعہ کی صحت سے انکار اور بھی نا قابل فہم ہے۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ امام حاکم کہتے ہیں کہ یہ روایت بخاری اور مسلم دونوں کی شرط پر ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ امام ابن قیم الجوزی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہے۔

سید سلیمان ندوی نے اس حدیث پر درج ذیل وجوہ کی بنیاد پر تنقید کی ہے:

① ترمذی نے اسے حسن غریب لکھا ہے۔ حسن کا مرتبہ صحیح حدیث سے کم ہوتا ہے اور جب غریب ہو تو اس کا رتبہ اس سے بھی گھٹ جاتا ہے۔ ہمیں نہیں معلوم حسن لذاتہ جب غریب ہو تو اس کا درجہ حسن سے بھی کم ہو جاتا ہے حالانکہ حسن لذاتہ تعدد طرق کی بنیاد پر حسن کے درجہ سے بلند ہو کر صحیح لغیرہ کے درجے پر پہنچ جاتی ہے۔ جبکہ حسن لذاتہ تاریخ میں تو کجا عقائد اور اعمال تک میں مقبول ہوتی ہے۔ جبکہ یہ حدیث حسن لذاتہ ہے۔

② اس حدیث کا ایک راوی عبد الرحمٰن بن غزوان ہے۔ اس کو بہت سے لوگوں نے ثقہ بھی کہا ہے۔ لیکن اکثر اہل فن نے اس کی نسبت بے اعتباری ظاہر کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ائمہ احادیث اور حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے عبد الرحمٰن کو ثقہ قرار دیا ہے۔ تاہم بعض لوگوں نے ان پر ان کے حافظہ کے اعتبار سے بے اعتباری کا اظہار کیا ہے۔ جن میں امام ذہبی بھی شامل ہیں۔ تاہم سوائے روایت حدیث میں خطا کرنے اور حافظہ کی کمی کے اس پر کوئی جرح نہیں کی گئی ہے۔ جبکہ وہ رواۃ بخاری میں شامل ہے۔ اور رواۃ بخاری میں کوئی وضاع اور کذاب راوی نہیں ہے۔ حافظ سخاوی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ میں نے کہیں نہیں دیکھا کہ کسی نے عبد الرحمٰن پر جرح کی ہو۔ اصول یہ ہے کہ جب کسی روای کی ثقاہت میں اختلاف ہو جائے تو اکثریت کی رائے قبول ہوگی۔ جبکہ عبد الرحمٰن کی ثقاہت میں کسی کو اختلاف نہیں البتہ ضبط و حافظہ کے بارے میں ائمہ نے اختلاف کیا ہے اور عبد الرحمٰن کے حافظے کے بارے میں اسی اختلاف کے سبب

Marfat.com

ترمذی نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے ورنہ تو یہ سند کے اعتبار سے صحیح ہوئی۔

③ سید سلیمان ندوی نے اس حدیث پر ایک اعتراض یہ کیا ہے کہ اس کے اخیر راوی ابو موسیٰ اشعری ہیں، وہ شریک واقعہ نہ تھے اور امیر کے راوی کا نام نہیں بتاتے، ہم اس پر حیرت کے سوا کچھ ظاہر کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ ان جیسا محقق کیسے نہیں جانتا تھا۔ مرسل صحابہ محدثین کے نزدیک لائق محبت ہے اور خود سیرت النبی میں مولانا کئی مقامات پر مراسیل صحابہ کو بطور سند نقل کیا ہے۔

④ اس روایت میں مذکور ہے کہ حضرت بلال اور ابوبکر بھی اس سفر میں شریک تھے۔ حالانکہ اس وقت بلال کا وجود بھی نہ تھا اور حضرت ابوبکر بچے تھے۔

اس حدیث پر یہ اعتراض قبل ازیں ابن قیم الجوزی بھی کر چکے مگر اس ایک جملے کے سوا باقی حدیث کو درست مانتے ہیں وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ مسند بزار نے یہی حدیث بیان کی ہے مگر اس میں ارسل معه رجلاً کے الفاظ بیان کیے ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس حدیث کو درست تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے اس حدیث میں ابوبکر و بلال کا ذکر راوی کا وہم ہے۔ خود علامہ سید سلیمان ندوی نے امام ذہبی کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کا کہنا ہے کہ "اس حدیث کے بعض واقعات کو موضوع، جھوٹا اور بنایا ہوا خیال کرتا ہوں۔" اس طرح ان واقعات کے علاوہ دوسرے واقعات کو وہ درست مانتے ہیں اگر اس حدیث کو ضعیف بھی مان لیا جائے تب بھی اصل واقعہ کی صحت سے انکار ممکن نہیں۔ کیونکہ سفر شام نبی اکرم ﷺ کی ابوطالب کے قافلے میں شمولیت کو سید صاحب خود تسلیم کرتے ہیں۔ اس سفر میں بحیرا نے اپنی کتب میں درج نشانیوں کے سبب آپ کو پہچان لیا تھا اور سبھی اس بات پر متفق ہیں کہ ابوطالب نے اسی راہب کے کہنے پر آپ کو بصریٰ ہی سے واپس کر دیا تھا۔ علماء مغازی کے علاوہ محدثین میں سے امام بیہقی، حاکم، ابن ابی شیبہ اور بزار نے اسے روایت کیا ہے ابن حجر عسقلانی، ابن قیم الجوزی اور علامہ جلال الدین سیوطی نے اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے اور یہ بات کہ ایک عیسائی راہب نے جو اپنی کتب کا بہت بڑا عالم تھا اس نے آپ کو پہچان لیا تھا کوئی بعید بات نہیں ہے اس لیے قرآن مجید اس بات کی شہادت دیتا ہے سابقہ کتب میں آپ کا ذکر موجود تھا اور صحیح السند احادیث اس پر گواہ ہیں کہ سابقہ کتب میں آپ کی نشانیاں بھی موجود تھیں۔

Marfat.com

بکریاں چرانا

نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے پیدائش طور پر نہایت اعلیٰ صلاحیتیں بخشی تھیں۔ عزم و ارادہ، خود اعتمادی و خود انحصاری آپ کی فطری صلاحیتیں تھیں۔ آپ در یتیم پیدا ہوئے تھے اور صحرائے نجد میں بنو سعد بن بکر کے ہاں رضاعت اور پھر بچپن کے پہلے چار سال گزارنے کے نتیجے میں جہاں افصح العرب تھے۔ وہاں عزم و حوصلہ اور محنت کی عادت بچپن ہی سے آپ کی شخصیت کے امتیازی پہلو بن گئے تھے۔ کفالت عبد المطلب تک آپ کے یہ پہلو ابھر کر سامنے آ گئے تھے۔ آپ کے دادا ہر اس مشکل کام کے لیے آپ کو بھیج دیتے تھے جس میں دوسروں کو ناکامی ہو رہی ہوتی تھی اور آپ اپنے رب کے احسان سے کبھی ناکام نہیں لوٹے۔

آپ بچپن میں حلیمہ سعدیہ کے ہاں اپنے رضاعی بھائی بہنوں کے ہمراہ بکریاں چرانے کے لیے تو جایا ہی کرتے تھے۔ قریش کا پیشہ تجارت تھا تاہم صحرانشینوں کی حیثیت سے گلہ بانی ان کا دوسرا پیشہ تھا۔ اونٹ اور بھیڑ بکریاں ان کی دولت تھی اور قریش کے بیٹے اپنے غلاموں کے ہمراہ بکریاں چرانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ سن بلوغ کو پہنچ کر آپ بھی اپنے اہل خاندان کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔

امام نسائی نے نصر بن حزن سے یہ روایت نقل کی ہے کہ

افتخر اھل الابل و اھل الغنم فقال رسول اللهﷺ بعث موسیٰ و ھو راعی غنم، وبعث داود وھو دعی غنم وبعثت انا ارعی غنم اھل بجیاد۔

"اونٹوں اور بکریوں والے ایک دوسرے پر فخر جتانے لگے تو آپ نے فرمایا۔ موسیٰ مبعوث ہوئے اور بکریاں چرایا کرتے تھے اور داود مبعوث ہوئے اور وہ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ اور میں مبعوث ہوا اور میں اپنے خاندان کی بکریاں جیاد میں چراتا تھا۔"

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ مقام مرالظہران پر ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے کہ ہم وہاں پیلو کے پھل چننے لگے آپ نے فرمایا سیاہ چنو وہ زیادہ لذیذ ہوتے ہیں۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ (کہ جس سے آپ کو یہ بات

Marfat.com

معلوم ہوئی) آپ نے فرمایا ہاں کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔
(امام بخاری، صحیح بخاری، کتاب الاطعمہ)

امام بخاری رحمۃ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبانی نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

مابعث الله نبياً الارعىٰ الغنم فقال اصحابه فرانت؟ فقال نعم، كنت ارعاها علىٰ قراريط لاهل مكة۔

''اللہ نے کوئی نبی ایسا مبعوث نہیں کیا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں آپ کے صحابہ نے کہا کیا آپ نے بھی۔ آپ نے فرمایا ہاں میں انھیں اہل مکہ کے لیے قرایطہ پر چراتا تھا۔''

قرایطہ پر بکریاں چرانے سے کیا مراد ہے اس پر علماء کے درمیان اختلاف ہے۔

ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہاں علیٰ با کے معنی میں ہے اور وہ بائے سبیہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بائے ظرفیہ ہے۔ اگر بائے سبیہ ہو تو اس کے معنی بنتے ہیں میں چند قیراط کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا اور اگر ظرف کی ہو تو اس کے معنی بنتے ہیں قراریط میں بکریاں چرایا کرتا تھا۔

امام ابن ماجہ نے سوید بن سعید اور عمر بن یحییٰ سے ''كنت ارعاها لاهل مكة بالقراريط'' روایت کیا ہے اور سوید بن سعید کہتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک بکری کے بدلے ایک قیراط۔ قیراط وہ جو دینار یا درہم کا ایک جز ہوتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں اہل عرب کسی ایسے سکے سے واقف نہیں جو قیراط کہلاتا ہو۔ ابراہیم الحربی کہتے ہیں قراریط مکہ میں ایک جگہ کا نام ہے وہ قیراط نہیں جو چاندی کا ہوتا ہے۔ ابن جوزی نے اسی کو درست قرار دیا ہے۔ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں مکہ میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جو قیراط کہلاتی ہو۔ الازرقی نے بھی اخبار مکہ میں قیراریط نامی کسی جگہ کا تذکرہ نہیں کیا۔ علامہ عینی نے ابن جوزی کی رائے سے اتفاق کیا ہے کہ یہ مکہ کی ایک جگہ کا نام ہے۔ (عینی: ۶/۶۹)

ہمیں اس سے کوئی اختلاف نہیں ہے کہ انبیاء کے لیے اجرت پر دنیاوی امور میں کام کرنا جائز ہے۔ خود نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے موسیٰ علیہ السلام نے دس سال تک پیٹ بھرنے اور اپنی شرم گاہ کی حفاظت کے لیے کام کیا ہے۔ تاہم ہمیں کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ نبی اکرم ﷺ نے اس عمر

Marfat.com

میں اجرت پر بکریاں چرائی ہوں۔ آپ ابو طالب کی کفالت میں تھے۔ جو تاجر تھے۔ آپ نے اپنے والد بزرگوار سے پانچ اونٹ اور کچھ بکریاں وراثت میں پائی تھیں۔ آپ کے والد خود تجارت کرتے تھے اور تجارتی سفر میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے تھے۔ آپ کے سگے چچا زبیر اس وقت زندہ تھے اور سردار بنی ہاشم ہونے کے علاوہ بہت مالدار تھے۔ آپ کے چچا ابولہب کی دولت تو مکہ بھر میں مشہور تھی اور قبل بعثت آپ کے ان سے تعلقات بھی اچھے تھے۔ آپ کے دادا کو واقعہ فیل میں ہاتھ آنے والی دولت کا کوئی شمار نہیں تھا۔ اور سیف بن ذی یزن نے انھیں جو دولت آپ کے حوالے سے دی تھی وہ بھی کم نہ تھی۔ عبدالمطلب کو آپ سے محبت بھی بے پناہ تھی۔ ابو طالب بھی آپ کو اپنی اولاد سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ خود ابو طالب کی مالی حالت بھی خواہ بہت زیادہ مضبوط نہ رہی ہو اتنی گئی گزری بھی نہ تھی کہ ایک یتیم بھتیجے کی کفالت کے لیے وہ اسی کو اجرت پر بکریاں چرانے کے لیے لگا دیتے۔ جبکہ قبائلی معاشرت میں جہاں مفاخرت عام تھی اس بات کا امکان تھا کہ کوئی شاعر اسی بات کو ہجو کی بنیاد بنا لیتا کہ تم تو اپنے یتیم بھتیجے سے بھی اجرت پر کام کرواتے ہو حالانکہ تمھارا مال تجارتی قافلوں میں ملک شام تک جاتا ہے۔ مکہ میں ابو طالب کی کپڑے کی دکان تھی اس کے علاوہ عطر کا کاروبار کرتے تھے۔ ان کی کثیر العیالی کے بارے میں روایات بھی کچھ سمجھ میں نہیں آتیں۔ جن کی بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ ابو طالب چونکہ کثیر العیال تھے اور مالی حالت بھی اچھی نہ تھی لہٰذا آپ نے ازخود چچا کی معاونت کی خاطر بکریاں چرائی ہوں گی حالانکہ آپ کے کل چار صاحبزادے طالب، جعفر، عقیل اور علی ہیں اس کے علاوہ آپ کی دو بیٹیاں ام ہانی اور جمانہ ہیں۔ اس معاملے میں ایک اور پہلو بھی توجہ طلب ہے۔ حضرت علی کی عمر آپ کی بعثت کے وقت ۹ سال تھی۔ جبکہ چاروں بھائیوں کے درمیان ۱۰، ۱۰ سال کا فاصلہ ہے۔ اس وقت ابو طالب کے کل دو بیٹے تھے۔ اس بنا پر ہمیں ابراہیم حربی، ابن جوزی اور عینی کی رائے زیادہ درست لگتی ہے کہ قراریط کوئی مقام ہے جہاں آپ اپنے خاندان والوں کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ ممکن ہے یہ مقام بعد میں اپنا یہ نام کھو گیا ہو۔ واللہ اعلم

عرب میں بکریاں چرانا اور پالنا ایک معزز پیشہ تھا۔ آپ نے اپنے خاندان کی روایات کے مطابق بچپن میں گلہ بانی کی اور یہ عالم کی گلہ بانی کی تمہید تھی۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا ہے کہ جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ آخر بعثت سے پہلے انبیاء علیہم السلام

Marfat.com

سے بکریاں کیوں چروائی جاتی تھیں اس سوال کا جواب علماء سیرت نے یہ دیا ہے کہ تمام پالتو جانوروں میں بکریاں ایک عجیب مضطرب اور بے ڈھب جانور ہے یہ باقی جانوروں کے مقابلے میں انفرادی پسند پر چرتی ہیں اور ریوڑ سے بچھڑ جاتی ہیں ایک بکری ایک جانب بھاگتی ہے تو دوسری دوسری جانب یہ اپنے گلہ بان کا حکم نہیں مانتی ہیں۔ لہٰذا گلہ بان کو ہر وقت چوکس رہنا پڑتا ہے کہ کہیں کوئی بکری ریوڑ سے بچھڑ کر بھیڑیے یا کسی دوسرے درندے کا شکار نہ ہو جائے کہیں ریوڑ سے بچھڑ کر چوروں کے ہتھے نہ چڑھ جائے۔ لہٰذا اسے ایک ایک بکری پر نظر رکھنا پڑتی ہے اور ہر لمحہ کسی نہ کسی بکری کو ریوڑ کی طرف ہانک کر لانا پڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس میں محنت، سخت کوشی، ژرف نگاہی، حوصلہ مندی اور بردباری کی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ جو عالم کی گلہ بانی کے لیے بکریوں کی گلہ بانی کی نسبت زیادہ ضروری ہیں۔

خواہش اور عصمت الٰہی

ارادہ الٰہی میں چونکہ یہ طے تھا کہ آپ کو نبی آخر الزمان بنا کر مبعوث فرمانا ہے۔ لہٰذا آپ کو وہ ساری صلاحیتیں دے کر پیدا فرمایا گیا جو منصب کے لیے ضروری تھیں اور پھر ولادت تا بعثت آپ کی نگرانی اس طرح کی گئی کہ آپ کوئی ایسا کام نہ کرنے پائیں جو منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد وجہ تنقید بن سکے۔ ہم پہلے یہ بات تحریر کر چکے ہیں کہ بچپن میں بھی آپ کسی بت کے سامنے نہیں جھکے۔ کسی بت کو کبھی نہیں چھوا اور کبھی بتوں پر نچھاور کیے گئے کھانے کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اللہ تعالیٰ نے قبل نبوت اہل مکہ کی معاشرتی خرابیوں سے کس طرح محفوظ رکھا۔ اس کا اندازہ حضرت علی کی اس روایت سے بخوبی ہو سکتا ہے جسے مسند بزار اور مسند اسحاق بن راہویہ میں نقل کیا گیا ہے۔ یہ روایت اس دور سے متعلق ہے جب آپ بکریاں چرایا کرتے تھے۔

حضرت علی سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو کہتے سنا ہے کہ مجھ میں جاہلیت کی کسی بات کی رغبت کبھی نہیں ہوئی۔ صرف دو بار ایسا خیال آیا مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب آپ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا میں نے ایک رات اپنے ساتھی سے کہا جو میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا کہ تم ذرا میری بکریوں کی خبر رکھنا میں مکہ میں جا کر کچھ سن کر آتا ہوں۔ میں مکہ میں داخل ہوا تو ایک مکان سے گانے بجانے

Marfat.com

کی آواز سنائی دی۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ فلاں شخص کی شادی ہو رہی ہے۔ میں بیٹھا ہی تھا کہ اللہ نے میرے کانوں پر مہر لگا دی۔ مجھے نیند آ گئی۔ سویا تو خدا کی قسم سورج کی تپش ہی نے مجھ کو بیدار کیا۔ وہاں سے اٹھ کر اپنے ساتھی کے پاس آیا۔ ساتھی نے پوچھا بتاؤ کیا دیکھا تھا۔ آپ نے اسے بتایا کہ مجھے نیند آ گئی تھی۔ اٹھا تو سورج چمک رہا تھا لہٰذا میں نے کچھ نہیں دیکھا اگلی شب آپ پھر اپنے ساتھی سے اجازت لے کر سننے کے لیے گئے۔ مگر اگلی شب آپ کو پھر نیند نے آ لیا اور آپ کچھ نہ سن پائے۔ آپ نے فرمایا۔ خدا کی قسم اس کے بعد پھر کبھی میرے دل میں اس قسم کا کوئی خیال ہی نہیں آیا۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حدیث متصل السند ہے اور اس کے تمام راوی ثقات ہیں اور یہ حدیث حسن ہے۔

حرب فجار

قبائلی زندگی میں مختلف قبائل کے درمیان تصادم معمول کی بات ہے۔ لیکن یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی پیدائش سے کچھ ہی عرصہ قبل عرب کے مختلف قبائل کے درمیان جنگوں کا سلسلہ چل نکلا جو تاریخ عرب میں ایام العرب کے نام سے مشہور ہے۔ جن میں یوم خزاز، یوم مرج حلیمہ، یوم الکلاب، یوم ادارہ، ایام داحس وغبر اور یوم الفجار مشہور ہیں۔

ابن اسحاق اور ابن الاثیر کے مطابق نبی اکرم ﷺ کی عمر مبارک بیس سال تھی جب حرب فجار پیش آئی یہ جنگ قبائل بنی کنانہ اور قبائل بنی قیس کے درمیان ہوئی بنو کنانہ اور بنو ہوازن جو بنو قیس عیلان کی ایک شاخ ہے کے درمیان چار جنگیں ہوئیں جو چاروں حرف فجار کے نام سے مشہور ہیں اور انھیں فجار کہنے کا سبب یہ ہے کہ یہ چاروں جنگیں حرام مہینوں میں ہوئیں اور چونکہ ان مہینوں میں جنگ کرنا اہل عرب کے نزدیک بہت بڑا گناہ اور فجور تھا لہٰذا ان جنگوں کو حروب فجار کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ چوتھی جنگ فجار ہے جس میں نبی اکرم ﷺ بھی قریش کے ساتھ موجود تھے۔

اس جنگ کا سبب یہ ہوا کہ عرب کے شمال کے تجارتی راستہ پر ان دنوں رومیوں کا قبضہ تھا اور رومیوں کی باجگزار غسانی ریاست اس پر قابض تھی۔ جنوبی راستہ پر جو یمن سے بحیرہ احمر کے متوازی تھامہ اور حجاز سے گزرتا تھا قبائل بنو کنانہ قابض تھے۔ وہ گزرنے والے قافلوں سے

Marfat.com

بھاری ٹیکس بھی وصول کرتے تھے اور بسا اوقات غارت گری بھی کرتے تھے۔ عرب کے شمال مشرقی کنارے پران دنوں دریائے فرات کے کنارے حیرہ کی لخمی حکومت تھی۔ یہ ریاست ایران کی باجگزار تھی۔ جو بنو غسان کی حریف ریاست تھی۔ لہٰذا حیرہ کی ریاست جنوبی عرب کی تجارتی منڈیوں میں اپنا مال تجارت بھیجنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا اور عرب قبائل کے علاقہ سے گزرنے کے لیے اشراف عرب میں سے کسی ایسے آدمی کی شخصی ضمانت کی ضرورت پیش آتی تھی۔ جس کے احترام میں قبائل قافلے سے تعارض نہ کریں۔ آپ کی حیات طیبہ میں انیسویں سال جب نعمان ابن منذر نے تجارتی قافلہ بھیجنا چاہا تو عروہ الرحال بن عتبہ بن جعفر بن کلاب نے قافلہ کو اپنی پناہ میں لے جانے کی ضمانت دی۔ جو قبائل بنی قیس عیلان کی ایک شاخ ہوازن سے تعلق رکھتا تھا۔ اور قبائل قیس کے علاوہ دوسرے قبائل میں احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ وہیں البراض بن قیس بن رافع ضمری موجود تھا۔ جو بنو کنانہ کی شاخ بنو ضمرہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے کہا کیا تو اس قافلہ کو بنو کنانہ کے خلاف بھی پناہ دیتا ہے۔ اس نے کہا ہاں اور پورے عالم کے خلاف پناہ دیتا ہوں۔ چنانچہ جب یہ قافلہ تیما کے قریب ذی طلال کے مقام پر پہنچا تو براض نے موقع پا کر عروہ ارحال کو قتل کر دیا اور مال لوٹ لیا۔ اس کے علاوہ اس نے بنو قیس کے دو اور آدمیوں کو بھی قتل کر دیا اور خود خیبر کے قلعہ میں جا کر پناہ گزین ہو گیا۔

یہ قافلہ عکاظ کے میلہ میں آ رہا تھا۔ جو وادی نخلہ اور طائف کے درمیان لگتا تھا۔ اس وقت قریش اور بنو کنانہ کے علاوہ ہوازن اور بنو قیس کے دوسرے قبائل عکاظ میں موجود تھے۔ براض نے حرب بن امیہ کے پاس ایک آدمی کو اطلاع دے کر بھیج دیا کہ میں نے عروہ الرحال کو قتل کر دیا ہے لہٰذا بنو قیس سے بچ کر رہنا۔ بنو امیہ نے فوری طور پر دوسرے سرداران قریش کو جن میں عبداللہ بن جدعان اور الحلیس بن حریث بھی شامل تھا جو احابیش کا سردار تھا بلایا۔ مشاورت میں یہ طے پایا کہ واقعی بنو قیس سے ہمیں خطرہ ہے اس لیے کہ وہ اپنے سردار عروہ الرحال کا بدلہ بنو کنانہ کے کسی ایسے شخص سے لے کر راضی نہیں ہوں گے۔ جسے اس کے قبیلہ نے اس کی شرارتوں کے سبب قبیلہ بدر کر دیا ہو۔ جیسا کہ براض ہے۔ چنانچہ وہ ابو براء عامر بن مالک بن جعفر بن کلاب سے ملے۔ جو قبائل بنو قیس کا سردار تھا۔ وہ ابھی تک عروہ کے قتل سے بے خبر تھا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تھامہ اور نجد کے درمیان کوئی واقعہ ہوا ہے جس کی ہمیں اطلاع نہیں ہے۔ سو ہمیں واپس

Marfat.com

جانے کی اجازت دے دو۔ اس نے کہا تم چلے جاؤ۔ اس کے بعد قریش کے بعض لوگوں نے اعلان کر دیا کہ مکہ میں کوئی واقعہ پیش آ گیا ہے لہٰذا ہم واپس جا رہے ہیں۔ کسی کو غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے اور قریش و کنانہ سوار ہو کر عکاز سے مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

دن کے آخری حصے میں ابو عامر مالک ملاعب الاسنہ کو اصل واقعہ کی اطلاع ہو گئی تو اس نے کہا قریش نے بدعہدی کی ہے اور حرب بن امیہ نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔ لہٰذا بنو قیس عیلان اور ہوازن نے قریش کا تعاقب کیا اور انھیں نخلہ اور عرفات کے درمیان جا لیا۔ فریقین کے درمیان جنگ ہوئی مگر قریش مدافعانہ جنگ کرتے ہوئے حدود حرم میں داخل ہو گئے اور بنو قیس عیلان نے احترام حرم کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کا تعاقب نہیں کیا۔ البتہ اعلان کر گئے کہ اے قریش ہم عروہ کے خون کا بدلہ لیے بغیر نہ رہیں گے۔ اگلے سال عکاز سوچ سمجھ کر آنا۔

اگلے سال بنو قیس کے تمام قبائل جن میں عدوان، غطفان کی تمام شاخیں عبس، ذبیان، غزارہ، مرہ، اعصر کے قبائل غنی، باہلہ اور ہوازن کے تمام قبائل سعد، نصر، جلیم، ثقیف اور سلول شامل تھے۔ دوسری جانب بنو ہاشم، بنو امیہ، بنو عبد الدار، بنو اسد، بنو مکزوم، بنو تمیم، بنو جمع، بنو سہم، بنو عمار بن لوی، بنو فہر کے علاوہ احابیش جن میں عضل قارہ اور ملیس بنو ہون اور بنو مصطلق شامل تھے پوری طرح ہتھیاروں سے لیس ہو کر عکاظ میں آئے ان کے ہمراہ بنو بکر اور بنو اسد بن خزیمہ بھی شامل تھے۔ اس طرح پورے نجد کے قبائل ایک طرف تھے اور تھامہ و حجاز کے قبائل ایک طرف تھے۔ بنو قیس کا سردار ابو عامر مالک ملاعب الاسنہ تھا اور بنو قریش کا سالار حرب بن امیہ تھے۔ اس روز نبی اکرم ﷺ بھی اپنے چچا زبیر اور ابو طالب اور عباس اور ابولہب کے ہمراہ شامل ہوئے اس وقت بنو ہاشم کا سردار زبیر بن عبد المطلب تھے۔

عکاز میں اس روز قبائل قیس اور قبائل کنانہ و قریش کے درمیان بڑی خوفناک جنگ ہوئی جو ایام عرب میں سب سے شدید جنگ تھی۔ اس جنگ کی شدت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ بنو الحارث بن عبد مناۃ بن کنانہ کے جھنڈے تلے ۱۰۰ آدمی لڑتے ہوئے تلوار کی گھاٹ اترے۔

دن کے ابتدائی حصے میں بنو قیس کا پلہ بھاری رہا۔ مگر دن ڈھلنے پر قریش غالب آ گئے آخر کار قتل کی کثرت دیکھ کر دونوں گروہ صلح پر آمادہ ہو گئے آخر کار اس شرط پر صلح ہو گئی کہ جس گروہ

Marfat.com

کے مقتولوں کی تعداد زیادہ ہو دوسرا گروہ اسے زائد مقتولوں کی دیت دے۔
(ابن الاثیر الکامل: ۱/۵۹۱، ابن ہشام السیرۃ النبویہ: ۱/۱۸۴۔۱۸۷)

اس جنگ میں آپ نے عملاً کوئی حصہ نہیں لیا البتہ دشمن کی طرف سے آنے والے تیر اپنے چچاؤں کو پہنچا دیتے تھے اور وہ انھیں دوبارہ دشمن کے خلاف استعمال کرتے تھے۔
(ابن ہشام السیرۃ النبویہ: ۱/۱۸۶)

سہیلی نے بھی لکھا ہے کہ آپ اگرچہ جنگ کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ تاہم آپ نے اس جنگ میں عملاً کوئی حصہ نہیں لیا بلکہ اپنے چچاؤں کو دشمن کی جانب سے آنے والے تیر پکڑا دیتے تھے۔ اس لیے کہ یہ جنگ حرب فجار تھی (اس لیے کہ ذی الحجہ میں لڑی جا رہی تھی جس میں جنگ لڑنا ممنوع تھا۔) (سہیلی روض الانف: ۱/۱۲۰)

یہ جنگ عرب کی معاشرت کے بھی چند پہلوؤں کو بہت واضح کرتی ہے پہلی بات تو یہ کہ اس وقت تک قبائل عرب حرام مہینوں میں جنگ کو گناہ سمجھتے تھے جو دین ابراہیمی کا ایک نہایت اہم حکم تھا۔ البتہ اس میں نسی کر لیتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ ایام عرب میں اس کا نام ہی حرب فجار پڑ گیا۔ جس کے معنی ہیں گناہ گاروں کی جنگ۔ اسی طرح اہل عرب بیت اللہ کو ادب اور امن کی جا مانتے تھے۔ جو ایک اور حکم ہے جو دین ابراہیمی کے احکام میں سے تھے۔ چنانچہ اس سے پہلے سال قبائل بنو قیس نے نخلہ کے قریب پہنچ کر قریش پر حملہ کر دیا تھا اور جب قریش پسپا ہوتے ہوئے حدود حرم میں داخل ہو گئے تو بنو قیس نے حدود حرم میں ان کا تعاقب نہیں کیا کہ ان کے نزدیک حدود حرم کے اندر جو بلد امن ہے لڑنا گناہ تھا۔

ایک اور بات جو نکھر کر سامنے آتی ہے کہ قبائل عرب میں چونکہ حجاز اور تھامہ کے علاقے میں صدیوں سے کوئی حکومت موجود نہ تھی لہٰذا ظلم و تعدی کے ازالے کا کوئی ذریعہ سوائے قبائلی تحفظ کے نہ تھا۔ غیر کی زیادتی کا بدلہ سوائے قبیلہ کی طاقت کے نہ تھا۔ یوں لاٹھی ہی قانون کی محافظ تھی اور جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات تھی لہٰذا قبائلی عصبیت ہی ذاتی تحفظ کی ضمانت تھی اور یوں رفتہ رفتہ قبائلی عصبیت سے آگے بڑھ کر جھوٹی انا کے عفریت نے اپنی خون آشام کچلیاں معاشرے کے جسم میں گاڑ دیں۔ معمولی معمولی واقعات قبائل کے درمیان برسوں جنگ کی آگ بھڑکائے رکھتے۔ ایک انسان کا قتل سینکڑوں انسانوں کے قتل کا سبب بن جاتا جیسے اس حرب فجار میں عروہ بن

Marfat.com

جعفر بن قیس کا قتل عرب کی شدید ترین جنگ کا باعث بن گیا۔ سینکڑوں انسانوں کا خون دھرتی کے اندر جذب ہو گیا مگر اصل قاتل محاذ جنگ سے دور عیش کے مزے لوٹتا رہا۔

حلف الفضول

پورا جزیرہ نمائے عرب اس جھوٹے پندار کی چتا میں جل رہا تھا۔ انتقام اور دشمنی کے صدیوں پر پھیلے تسلسل نے ایک ایسے سیلاب کی صورت اختیار کر لی تھی کہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہر کوئی بہاؤ کے رخ پر تیرنے میں دوسروں پر سبقت لے جانے کی سعی لاحاصل میں مبتلا تھا اور اس صورت حال سے تنگ آ کے ایک طرف بیٹھ کر ستانے والوں کے لیے بھی اس کے سوا چارہ نہیں تھا کہ وہ اس کھیل سے ہٹ کر ستانے تک یہ دھمکی ضرور اچھال دیں کہ

الا لا یعلم الاقوام انا
تضعضعنا وانا قد ونینا

''خبردار لوگ یہ سمجھ لیں کہ ہم کمزور ہو گئے ہیں اور ہم نے ذلت اختیار کر لی ہے۔''

الا لا یجھلن احد علینا
فنجھل فوق جھل الجاھلینا

''خبردار ہمارے خلاف کوئی جہالت اختیار نہ کرے ورنہ ہم جہالت میں سب سے بڑھ جائیں گے۔''

اس صورت حال پر ہر دل تڑپتا تھا اور ہر سوچنے والا ذہن اس عذاب سے نجات کی راہ کی تلاش میں تھا مگر اندھیروں میں راہ سجھائی نہ دیتی تھی۔

اہل مکہ کے لیے یہ صورت حال اور بھی پریشان کن تھی۔ وہ بیت اللہ کے متولی تھے اور یہی شے ان کے اعزاز کا سبب بھی۔ اسی کی وجہ سے ان کے قافلے میں رحلة الشتاء والصیف میں امن اور احترام کے ساتھ ملک کے طول و عرض میں سفر کرتے تھے۔ آئے دن کی آویزشوں میں یہ احترام ختم بھی ہو سکتا تھا اور سفر میں مشکلات بھی پیدا ہو سکتی تھیں۔ جس کا انگیز کرنا اہل مکہ کے لیے مشکل تھا۔ حرب فجار میں بہنے والے خون نے اہل مکہ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اگر یہی صورت حال باقی رہتی تو عکاظ ذوالمجنہ اور ذوالمجاز کی منڈیوں کی رونق ختم ہو سکتی تھی جو مکہ کی آمدنی کا بہت

Marfat.com

بڑا ذریعہ تھا۔ ان میں ملک کے طول و عرض سے تجارتی قافلے اس وجہ سے اُمڈے چلے آتے تھے کہ یہ منڈیاں اشہر الحرام میں لگتی تھیں جو امن کی ضمانت کا عرصہ تھا۔ اگر انہی مقامات پر امن کی ضمانت نہ رہتی تو ان منڈیوں کی رونق کم ہو جاتی اور اہل مکہ کا ذریعہ آمدن متاثر ہوتا۔ ادھر حال یہ تھا کہ زیادتی کے معمولی سے واقعات کے نتیجہ میں خود اہل مکہ کو چار حرب فجار کا سامنہ کرنا پڑا تھا۔ جس میں حالیہ جنگ آخری تھی۔

اس طرح مکہ کے اہل دانش و بینش میں خیال ابھر رہا تھا کہ ظلم اور زیادتی کو روکنے اور جنگ کے بغیر مظلوم کی دادرسی کی کوئی سبیل نکالنی چاہیے۔ کم از کم مکہ کی حد تک تو ظالم کا ہاتھ روکنے کی تدبیر کرنی چاہیے کہ یہ امن کا گھر ہے۔ اور متولیان بیت اللہ کی حیثیت سے ہمیں اس سلسلہ میں کچھ کر گزرنا چاہیے۔ اس خیال کو قوی بنانے میں نبی اکرم ﷺ کی مساعی جمیلہ بھی شامل تھیں۔ آپ نے اپنے چچا زبیر بن عبد المطلب کو اس مسئلہ پر متوجہ کیا کہ بیت اللہ کو تو ظلم و تعدی سے پاک رکھا جائے۔

اتفاقاً حرب الفجار کے چند روز بعد عین مکہ میں ایک ایسا واقعہ پیش آ گیا جس نے اس خیال کو عمل میں بدل دیا۔ ایک زبیدی کچھ سامان تجارت کے ساتھ مکہ میں آیا سہیل بن عمرو سہمی نے اس سے وہ مال خرید لیا مگر بعد میں اس کی قیمت ادا کرنے سے انکار کر دیا وہ زبیدی انصاف کے حصول کی خاطر احلاف کے سارے قبائل جن میں بنو عبد الدار، بنو مخزوم، بنو جمع، بنو سہم اور بنو عدی کے سرداروں کے پاس گیا کہ وہ اپنے سردار سے رقم واپس دلا دیں مگر انھوں نے سہیل بن عمرو کے خلاف اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ زبیدی جب مایوس ہو گیا تو اس نے بوقبیس پر کھڑے ہو کر انصاف کی دہائی دی۔ اور درج ذیل اشعار الاپے۔

یا ال فھو لمظلوم بضاعتہٗ
ببطن مکہ نائی الدار والنضر

''اے فھو کی اولاد ایک مظلوم کا سامان دلا دو جو وادی مکہ میں اللہ کے گھر اور یہاں کے لوگوں کے پاس آیا ہے۔''

ومحرم لم یقض عمرتہٗ
یاللرجال وبین الحجر والحجر

Marfat.com

ان الحرام لمن تمت کرامته
ولا حرام لثوب الفاجر الغدر

''بے شک حرمت اسی کی ہوتی ہے جس کی عزت مکمل ہو بدکار اور بے وفا کا کوئی احترام نہیں۔''

یہ آواز سن کر زبیر بن عبدالمطلب نے جو بنو ہاشم کے سردار تھے اور سقایہ اور رفادہ جن کی ذمہ داری تھی کہا اس معاملے کو یونہی نہیں چھوڑا جا سکتا۔

چنانچہ مطیبین میں سے بنو ہاشم بنو زہرہ اور بنو تیم بن مرہ۔ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے یہ عبداللہ بن جدعان بنو تیم بن مرہ کے سردار تھے۔ بہت امیر آدمی تھے عمر رسیدہ تھے اور اپنی اوصاف حمیدہ کی وجہ سے مکہ میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اس کا گھر موجودہ باب الاجیاد کے سامنے تھا اسی وجہ سے یہ دروازہ ماضی میں باب بنی تیم کہلاتا تھا۔ یہ گھر بہت وسیع تھا۔ اس موقع پر بنو ہاشم کے سردار زبیر بنو زہرہ کے سردار ابی وقاص اور بنو تیم کے سردار عبداللہ بن جدعان کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے والد ابو قحافہ اور نبی اکرم ﷺ بھی شریک ہوئے۔ وہاں یہ فیصلہ متفقہ طور پر کیا گیا کہ بیت اللہ کی حرمت کا تقاضا ہے کہ یہاں کسی کو کسی پر ظلم کی اجازت نہ دی جائے ورنہ قریش بھی اسی انجام کو پہنچ سکتے ہیں جس کو بنو جرہم اور بنو خزاعہ پہنچے ہیں۔ ہم سب مل کر ہر مظلوم کی مدد کریں گے خواہ وہ مظلوم مکہ کا رہائشی ہو یا باہر کا مسافر۔ ہم اس معاملے میں ایک دوسرے کا ساتھ اس وقت تک دیں گے جب تک یہ دنیا قائم ہے۔

اس کے بعد یہ لوگ سہیل بن عمرو کے پاس گئے اور اسے مجبور کر کے زبیدی کا حق اسے دلایا اور سہیل بن عمرو جو مکہ میں بہت بااثر تھا۔ مطیبین کے دباؤ سے یہ حق دینے پر مجبور ہو گیا۔ وجہ یہ تھی کہ چند ہی سال قبل بنو عبدالدار اور بنو عبد مناف کے درمیان ہونے والے اختلاف کے سبب مکہ کی پوری آبادی دو گروہوں میں احلاف اور مطیبین میں تقسیم ہو چکی تھی۔ اور حلف الفضول میں مطیبین شامل تھے جو مکہ میں بجائے خود ایک قوت تھے۔ جبکہ سہیل بن عمرو کے قبیلہ بنو سہم کا تعلق احلاف سے تھا۔ انکار کی صورت میں دونوں گروہوں کے درمیان تصادم کی راہ نکل سکتی تھی۔ حرب فجار کے زخم ابھی تازہ تھے۔ لہٰذا احلاف کے لیے سہیل بن عمرو کی حمایت کر کے تصادم کے خطرے کو انگیز کرنا گوارا نہ تھا۔ قریش کے لیے اتحاد کی اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ تھی اس لیے کہ قبائل بنو قیس

Marfat.com

سے ابھی صلح ہوئی تھی۔ جو کسی بھی وقت ختم ہو سکتی تھی۔ اور اس سے قبل بنو بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ سے یوم نکیف میں جنگ ہو چکی تھی۔ اس جنگ کی وجہ یہ تھی کہ بنو بکر اولاد قصی سے تولیت کعبہ واپس لینا چاہتے تھے۔ لہٰذا اس بات کا امکان تھا کہ اردگرد کے مخالفین قریش کے باہمی اختلاف سے فائدہ اٹھاتے۔

اس معاہدے کے حلف الفضول کہلانے کی دو وجوہات بیان کی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ ماضی بعید میں بنوجرہم میں سے فضل بن فضالہ، فضل بن وداعۃ اور فضیل بن الحارث نے اسی نوعیت کا ایک معاہدہ کیا تھا۔ لہٰذا قریش نے بھی اپنے معاہدے کو حلف الفضول کا نام دیا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ معاہدہ کرنے والے شرف وفضیلت کے ایک معاملے میں داخل ہوئے تھے۔ لہٰذا اسے حلف الفضول کا نام دیا گیا۔

ابن اسحاق سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

لقد شهدت فی دار عبدالله بن جدعان حلفاً ما احب ان لی به حمر النعم والوادعیٰ به فی الاسلام لاجبت۔

(ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱۴۲/۱)

"میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں ایک معاہدہ میں شامل ہوا میں اس معاہدے کو بہترین اونٹوں کے بدلہ میں بھی نہ دوں اور اگر آج بھی مجھے ایسے کسی معاہدے میں شامل ہونے کی دعوت دی جائے تو میں قبول کروں گا۔"

شغل تجارت

جوان ہو کر آپ ﷺ نے کسب معاش کے لیے تجارت کے پیشے کا آغاز کیا۔ یہ معلوم کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ آپ نے تجارت کا آغاز کس سن مبارک میں کیا۔ نہ کسی قابل اعتماد ذریعہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تجارت کی نوعیت کیا تھی۔ ہو سکتا ہے کہ آپ نے ابتدائی تجربہ ابوطالب کی دکان پر حاصل کیا ہو اور پھر علیحدہ تجارت شروع کر دی ہو۔ یہ بھی پردہ اخفاء میں ہے کہ آپ نے کوئی دکان بنائی تھی یا نہیں۔ قرائن سے یہی محسوس ہوتا ہے کہ آپ سفلہ کی منڈی میں خرید وفروخت کے ذریعے کھلی تجارت فرماتے تھے۔ بوقبیس کے ساتھ ملحق

Marfat.com

ایک گھاٹی میں ایک جگہ ملکاء (الازرقی، اخبار مکہ: ۲۹۰/۱) مسجد النبی ﷺ کہلاتی ہے جو اجیاد صغیر اور سفلہ کے مقابل ہے۔ یہ غالباً تجارت کے سلسلے میں آپ کی نشست گاہ تھی۔ تجارت کے آغاز کے تھوڑے ہی عرصے میں آپ ایک کامیاب تاجر کی حیثیت سے ابھرے۔ آپ کی سوجھ بوجھ نے سب لوگوں کو متاثر کیا۔

تجارت میں صدق و امانت آپ کے امتیازی اوصاف بن کر سامنے آئے آپ نے کبھی خرید و فروخت میں کذب سے کام نہیں لیا۔ یہ اشیاء فروخت کرتے ہوئے کبھی حلف نہ دیا۔ پاس عہد میں آپ ضرب المثل تھے۔ یہ غالباً اسی دور کا واقعہ ہے کہ عبداللہ ابن ابی الحمساء بیان فرماتے ہیں کہ بعثت سے پہلے آپ سے ایک سودا کیا کچھ معاملہ طے ہو گیا تھا اور کچھ باقی تھا۔ میں نے کہا ابھی آتا ہوں۔ اتفاقاً مجھے یہ وعدہ بھول گیا۔ تیسرے دن مجھے یاد آیا تو اسی جگہ پہنچا جہاں آپ سے آنے کا کہہ گیا تھا۔ وہاں آپ کو منتظر پایا۔ آپ نے اس پر کسی غصے کا اظہار نہیں کیا بلکہ صرف اس قدر فرمایا کہ تم نے مجھے زحمت دی ہے۔ میں اسی جگہ تین دن سے موجود ہوں۔

(سنن ابی داود، کتاب الآداب، باب العدہ: ص ۳۳۴)

اسی طرح ایک اور صحابی قیس بن سائب مخزومی بھی آپ کے حسن معاملہ کی شہادت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ نے ہمیشہ معاملہ صاف رکھا ہے۔ انہی خوبیوں کی وجہ سے آپ پوری قوم میں صادق اور امین کے نام سے مشہور ہو گئے۔

خدیجۃ الکبریٰ کا مال تجارت

اس بارے میں کوئی معلومات نہیں ملتیں کہ اس دوران میں آپ کتنی بار مکہ سے باہر تجارتی کاروانوں کے ساتھ گئے اور کہاں تشریف لے گئے ہیں۔ تاہم اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو ایسے کاروانوں کی قیادت کا تجربہ تھا اور انہی میں حوالہ کیے گئے مال تجارت میں غیر معمولی امانت و دیانت کے سبب آپ کو امین کے نام سے پکارا جانے لگا تھا اور یہی سبب تھا کہ مکہ کی امیر ترین تاجرہ خدیجۃ الکبریٰ نے اپنے تجارتی قافلہ کا سربراہ بنا کر بھیجا تھا۔

خدیجۃ الکبریٰ کا تعلق بنو عبدالعزیٰ سے تھا اور آپ کا شجرہ نسب خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب ہے۔ عبدالعزیٰ نبی اکرم ﷺ کے جد امجد عبدمناف کے حقیقی

Marfat.com

بھائی ہیں۔ جو آپ کے پردادا ہاشم کے والد بزرگوار تھے۔ اس طرح خدیجۃ الکبریٰ آپ کی قریبی رشتہ دار تھیں۔ دونوں خاندان حلف مطیبین میں شامل ہونے کے سبب ایک دوسرے کے بہت قریب اور موید تھے۔ نبی اکرم ﷺ کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی بھاوجہ تھیں۔ ان کا نکاح حضرت خدیجۃ بنت خویلد کے بھائی عوام بن خویلد سے ہوا تھا۔ زبیر ابن العوام انہی صفیہ کے صاحبزادے ہیں۔ صفیہ آپ سے کوئی ایک سال چھوٹی تھیں۔ باپ کی جانب سے حقیقی پھوپھی اور ماں کی جانب سے خالہ زاد تھیں۔ یہ ہالہ بنت وہیب بن زہرہ کے بطن سے تھیں۔ بچپن میں آپ ان کے ساتھ کھیلے تھے اور شادی کے بعد آپ عوام کے ہاں ان سے ملنے آتے ہوں گے۔ پھر خدیجہ کا گھر بھی ایسی جگہ تھا جہاں سے خانہ کعبہ جاتے ہوئے آپ کو ان کے دروازے سے گزرنا ہوتا تھا۔ باب النبی سے باہر نکلیں اور سیدھے بڑھتے جائیں تو بوقبیس کے بالکل دامن میں خدیجہ کا گھر تھا اور اس سے آگے سوق اللیل میں ابوطالب کا گھر تھا اور یہ بالکل سیدھی گلی تھی۔ اس زمانے میں خواتین پردہ بھی نہیں کرتی تھیں۔ وہ آپ سے عمر میں بھی پندرہ سال بڑی تھیں۔ اس طرح انھوں نے اس سے پہلے آپ کو نہ جانے کتنی بار دیکھا تھا۔ انتہائی قریبی رشتہ دار ہونے کے ناطے سے وہ آپ کے ایک ایک لمحے سے واقف تھیں۔ آپ کی نشست و برخاست، عادات واطوار، صدق وامانت اور آپ کی برکات ہر شے سے واقف تھیں تجارت آپ کا تجربہ لین دین، صدق معاملہ اور امانت ہر شے ان کی نظر میں تھی۔ اس لیے کہ تجارت سے خود متعلق تھیں۔ یہی سبب ہے کہ خدیجۃ الکبریٰ نے خود آپ سے یہ درخواست کی آپ اس مرتبہ میرا سامان تجارت شام لے جائیں میں آپ کو اس سے دوگنا معاوضہ دوں گی جتنا میں قریش کے کسی بھی دوسرے آدمی کو دیتی ہوں۔ آپ نے ابوطالب سے مشورہ کے بعد اس پیش کش کو قبول کر لیا۔ (سید سلیمان ندوی، سیرت النبی: ۱/۱۹۰، محمد ادریس کاندھلوی، سیرت المصطفیٰ: ۱/۱۰۰)

آپ اس سامان تجارت کے ساتھ بصریٰ میں تشریف لے گئے۔ خدیجۃ الکبری نے نے اپنا غلام آپ ﷺ کی خدمت اور معاونت کے لیے ساتھ کر دیا۔ اور اسے ہدایت کی کہ اس سفر میں وہ آپ ﷺ کے ساتھ رہے۔ آپ کے معمولات پر نظر رکھے اور واپسی پر تمام واقعات آپ کو بتائے۔

اس وقت آپ کی عمر مبارک پچیس سال کے برابر تھی جب آپ نے تجارت کے لیے

Marfat.com

سفر کیا۔ آپ جب بصریٰ کے قریب پہنچے تو ایک راہب جس کا نام نسطور تھا اس کے صومعہ کے قریب پہنچے تو وہاں قیام فرمایا۔ بحیرہ راہب کی طرح یہ بھی عیسائیوں کی مذہبی کتابوں کا ماہر تھا۔ اور اس نے بھی آپ کو پہچان لیا اور آپ کی تکریم کی۔ میسرہ نے بھی راستہ میں آپ کے بارے میں کچھ خرق عادت اشیاء دیکھیں آپ واپس تشریف لائے تو دوہرا منافع ہوا تھا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے بھی حسب وعدہ دوگنا معاوضہ ادا کیا۔

حضرت خدیجہ سے نکاح

حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنو عبدالعزیٰ کے سردار خویلد کی بیٹی تھیں۔ حسن و جمال اور حسن سیرت و کردار میں مکہ کی کوئی خاتون ان کے برابر نہ تھیں۔ قبل اسلام ہی آپ اپنی نیک نفسی کے سبب طاہرہ کے لقب سے یاد کی جاتی تھیں۔ آپ کا پہلا نکاح ابوہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوا۔ ان کی صلب سے آپ کے دو بیٹے حارث عرف ہالہ اور ہند پیدا ہوئے یہ دونوں صحابی ہیں۔ ہند نبی اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک تفصیل سے بیان کرنے میں مشہور ہیں۔ ابوہالہ کی وفات کے بعد آپ کا نکاح عتیق بن عاید مخزومی سے ہوا تھا اور ایک بیٹی ہند بنت عتیق تھیں۔ یہ آپ کی ربیبہ ہیں۔ عتیق فوت ہو چکے تھے۔ آپ بیوہ تھیں۔ اور آپ کی عمر چالیس سال تھی بہت دولت مند تھیں یہاں تک کہ تجارتی قافلوں میں ان کا مال اہل مکہ کے مشترکہ مال کے برابر ہوتا تھا۔

مکہ کے بہت سے سردار آپ کے نکاح کے خواہش مند تھے مگر انھوں نے کسی کے پیغام کو قبول نہیں کیا۔ محسوس ہوتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کے حسن صورت و سیرت سے متاثر ہو کر آپ سے نکاح کی طرف مائل تھیں۔ بغور آپ کی شخصیت کا مطالعہ کرتی رہتی تھیں اور تجارت کے لیے آپ کو مضاربت پر بھیجنا غالباً آخری تجرباتی مطالعہ تھا۔

چنانچہ آپ ﷺ کی واپسی کے بعد آپ رضی اللہ عنہا نے پہلے تو اپنی سہیلی نفیسہ بنت منیہ کے ذریعے آپ کو پیغام بھیجا تا کہ آمادگی معلوم ہو جائے پھر خود ہی نکاح کی درخواست کی جسے آپ ﷺ نے قبول فرمایا۔ حضرت خدیجہ کے والد خویلد فوت ہو چکے تھے۔ آپ کے چچا اسد بن خویلد زندہ تھے۔ یہ نکاح ان کی رضامندی سے ہوا۔ ان کا نکاح ان کے بھتیجے حکیم بن حزام کے گھر میں ہوا۔ نکاح کے موقع پر آپ کے چچا اسد بن خویلد، حکیم بن حزام کے علاوہ بنو اسد بن عبدالعزیٰ کے

Marfat.com

دوسرے افراد اور بنو ہاشم کے افراد جن میں آپ کے چچا ابو طالب، حمزہ، عباس اور ابولہب شریک ہوئے۔ اس موقع پر عرب کے رواج کے مطابق ہر دو فریق کے بزرگوں نے خطبہ پڑھا بنو ہاشم میں سے ابو طالب نے خطبہ دیا۔ خطبہ یہ ہے:

اما بعد فان محمداً ممن لا یوازن بہٖ فتی من قریش الا رجع بہٖ شرفاً ونبلاً وفضلاً و عقلاً وان کان فی المال قل خانہ ظلٌ زائل وعاریۃ مسترجعۃ ولہٗ فی خدیجۃ بنت خویلد رغبۃٌ ولھا فیہ مثل ذلک۔ (سہیلی روض الانف: ۱/۱۲۲)

''امابعد محمد تو وہ ہیں کہ قریش کا جو جوان بھی شرف، رفعت، فضیلت اور عقل میں آپ کے ساتھ تولا جائے گا تو آپ ہی بھاری رہیں گے۔ آپ مال میں کم ہیں تو کیا کہ مال تو سایہ ہے جسے زائل ہونا ہے اور مستعار چیز ہے جسے واپس لیا جانا ہے اور یہ خدیجہ سے نکاح کی رغبت رکھتے ہیں اور وہ بھی برابر کی رغبت رکھتی ہیں۔''

حضرت خدیجہ کا یہ تیسرا نکاح تھا جبکہ آپ کا پہلا نکاح تھا۔ ابن ہشام کے مطابق حق مہر بیس اونٹ (ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ج ۱) مقرر ہوا۔ جبکہ زرقانی کی روایت کے مطابق حق مہر ساڑھے بارہ اوقیے (پانچ سو درہم شرعی) مقرر ہوا۔ (زرقانی: ۱/۲۰۲)

یہ نکاح محض تجارتی سفر میں آپ کی دیانت سے متاثر ہو کر نہیں ہوا بلکہ جیسا کہ ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے آپ کی زندگی کے طویل مطالعہ کی بنیاد پر کیا۔ وہ آپ کی قریبی رشتہ دار تھیں۔ آپ کے بچپن، لڑکپن اور جوانی میں آپ کے اخلاق، آپ کی سیرت اور آپ سے ظاہر ہونے والی برکات کا تذکرہ آپ کے ہاں رشتہ داروں کی زبانی ہوتا ہوگا۔ آپ کی تجارت میں آپ کی صلاحیتوں اور صداقت و امانت سے متاثر رہی ہوں گی اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کی زبانی وہ ایک آنے والے نبی کے بارے میں سن چکی ہوں گی۔ آپ کا یہ تجارتی سفر آخری آزمائش تھی۔ چنانچہ پتہ چلتا ہے کہ نکاح کا پیغام نفیسہ کی زبانی بھیجنے سے پہلے انھوں نے سفر شام اور راہب نسطورہ سے آپ کی ملاقات اور نسطورہ کی رائے نیز میسرہ کے مشاہدات کا تذکرہ ورقہ بن نوفل سے کیا تھا۔ اس نکاح کے بعد ورقہ کو آپ کے اعلان نبوت کا انتظار رہا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ورقہ کے یہ اشعار سند ہیں۔

Marfat.com

ووصفٍ من خديجة بعد وصفٍ
لهم طال ما نعث النشيجا
ببطن المكفين على رجائی
حديثك ان اری منه خروجاً
مما خبرتنا من قول قيس
من الرهبان اكره ان يعوجا
بان محمداً ميسور فينا
ويخصم من يكون لها مجيجا
ويظهر فی البلاد منياء نورٍ
يقيم به البرية ان بعوجا

(ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۱/۱۹۱۔۱۹۲)

حضرت خدیجہ الکبریٰ سے نکاح کے بعد نبی اکرم ﷺ انہی کے مکان پر اٹھ آئے۔ آپ ﷺ کی وہ ساری اولاد جو خدیجۃ الکبریٰ کے بطن سے تھی اسی مکان میں پیدا ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ کی ساری اولاد ماسوائے حضرت ابراہیم بن رسول اللہ کے انہی کے بطن سے ہوئی۔ اس مکان کی جگہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مسجد تعمیر کروادی تھی۔ سعودی حکومت نے حجاج کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر بوقبیس تک سفید پتھر لگوایا تو اس مسجد کو شہید کر دیا۔ اب اسی جگہ پر زیر زمین وضو کرنے کے لیے پانی کی نل لگوائے گئے ہیں۔ کاش اس جگہ کوئی ایسا نشان بنا دیا جاتا جس سے سیرت نبوی کے اس باب کی نشاندہی ہوتی رہے۔

زید بن حارث

حضرت خدیجہ کا آپ ﷺ سے نکاح ہو چکا تھا کہ ایک بار حضرت خدیجہ کے بھتیجے ایک تجارتی سفر سے واپسی پر عکاظ آئے اور وہاں سے کچھ غلام خرید لائے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ پھوپھی جان ان میں سے جو غلام آپ کو پسند ہو وہ آپ لے لیں۔ آپ نے ان غلاموں میں سے زید بن حارثہ کو پسند فرمایا۔ اور حکیم بن حزام نے یہ غلام انھیں تحفۃً پیش کر دیا۔ یہ

Marfat.com

غلام نبی اکرم ﷺ کی نگاہ انتخاب میں یوں جچا کہ آپ نے حضرت خدیجہ سے مانگ لیا اور انھوں نے آپ کو ہبہ کر دیا۔

یہ غلام زید بن حارثہ بن شرحبیل بن کعب بن عبدالعزیٰ بن امرئ القیس بن عامر تھے۔ حارثہ بن شرحبیل کا تعلق بنوکلب بن ویرہ سے تھا جو دومۃ الجندل کے قریب شام کے غسانی علاقے کے قریب آباد تھے۔ زید کی عمر کوئی آٹھ سال کی ہوگی جب ان کی والدہ سعدیٰ بنت ثعلبہ زید کو ساتھ لے کر میکے روانہ ہوئیں۔ جو بنومعن سے تعلق رکھتی تھیں۔ بنومعن بنوطے کی ایک شاخ ہے راستہ میں بنوقین بن جسر نے انھیں والدہ سے چھین لیا اور عکاظ کے بازار میں بیچ دیا۔ وہاں سے حکیم بن حزام نے خریدا اور یوں آپ بارگاہ رسالت میں پہنچ گئے۔ ان کے والد کو خبر ہوئی تو وہ ان کی تلاش میں کئی سال تک مارے مارے پھرتے رہے۔ زید کے فراق میں ان کے اشعار بہت موثر ہیں۔

تذکرنیہ الشمس عند طلوعها
وتعرض ذکراه اذا غربها أفل

”طلوع آفتاب کے وقت سورج اس کی یاد دلاتا ہے اور غروب کے وقت اس کا چھپ جانا یاد تازہ کرتا ہے۔“

وان هبت الارواح هيجن ذكره
فيا طول ماهزنی علیہ وماوجل

”ہوائیں چلیں تو اس کی یاد کو بھڑکاتی ہیں۔ ہائے اس کا غم اور اس کے بارے میں خوف کتنا طویل ہو گیا۔“

ایک حج کے موقع پر بنوکلب کے کچھ لوگ آئے تو مکہ میں ان کی ملاقات زید سے ہو گئی۔ انھوں نے واپس جا کر حارثہ بن شرحبیل کو اطلاع دی۔ حارثہ اپنے بھائی کو لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت زید کسی کام سے گئے ہوئے تھے۔ انھوں نے آپ کو مخاطب کر کے کہا۔ اے محمد ابن عبداللہ تم لوگ بیت اللہ کے ہمسائے اور حرم کے باسی ہو۔ سخاوت تمھاری عادت ہے اور مصیبت زدہ سے ہمدردی تمھارا شیوہ۔ ہمارا ایک بیٹا زید تمھارا غلام ہے۔ ہم پر احسان کرو۔ ہم اس کے لیے جو تم چاہو دینے کو تیار ہیں۔ اسے ہمارے حوالے کر دو۔

Marfat.com

آپ نے فرمایا اس سے بہتر معاملہ نہ کروں۔ انھوں نے کہا وہ کیا۔ فرمایا تمھارا بیٹا آیا ہی چاہتا ہے۔ اگر وہ تمھارے ساتھ جانا چاہے تو میں کچھ نہ لوں گا اور اگر وہ خود تمھارے ساتھ نہ جانا چاہے تو میں اسے کیسے نکال دوں جو میرے پاس رہنا چاہے انھوں نے کہا یہ انصاف نہیں احسان ہے اور ایسی عظمتوں پر یہ کائنات قائم ہے۔

زید واپس آئے تو آپ نے فرمایا زید انھیں جانتے ہیں انھوں نے عرض کیا ہاں یہ میرے والد اور یہ میرے چچا ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تمھیں لینے آئے ہیں۔ تم نے اپنے ساتھ میرا رویہ دیکھا ہے۔ تم جانا چاہو تو تمھاری خوشی۔ تم رہنا چاہو تو میں اسے نہ جانے دوں گا جو میرے پاس رہنا چاہے۔ زید نے بغیر کسی ادنیٰ تامل کے کہا میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ اس پر اس کے باپ نے آزردہ ہو کر کہا۔ زید تم آزادی پر غلامی کو اور اپنوں پر غیر کو ترجیح دیتے ہو۔ زید نے جواب دیا۔ ابا آپ انھیں نہیں جانتے۔ میں اپنے گھر والوں کی تو بات ہی کیا۔ تمام دنیا پر انھیں ترجیح دیتا ہوں۔

زید کے اس جواب سے آپ کو اتنی خوشی ہوئی کہ آپ ﷺ نے اسی وقت زید کا ہاتھ تھاما۔ خانہ کعبہ میں تشریف لے گئے اور سرداران قریش کو گواہ بنا کر اعلان کیا کہ لوگو! آج سے زید میرا بیٹا ہے غلام نہیں۔ میں اس کا وارث ہوں اور یہ میرا وارث ہے۔ اس پر ان کے والد کا غم جاتا رہا اور وہ خوشی خوشی واپس اپنے گھر کو چلے گئے۔

نبی ﷺ سے نسبت سب نسبتوں سے عظیم ہے اور زید وہ خوش نصیب ہیں کہ انھیں ایمان کی نسبت کے علاوہ آپ کی ذات گرامی سے منہ بولے بیٹے کی نسبت بھی حاصل ہے وہ تقریباً ربع صدی سے کچھ زائد عرصہ کے لیے زید ابن محمد ﷺ کہلاتے رہے۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے پانچ ہجری میں ایسا کہنے سے منع فرما دیا۔ نبی اکرم ﷺ کو آپ سے بہت محبت تھی۔ سفر وحضر میں انھیں ساتھ رکھتے۔ آپ نے اپنی پھوپھی زاد حضرت زینب بنت جحش کا نکاح ان سے فرمایا تھا۔ قرآن مجید میں صحابہ میں سے صرف انھی کا نام آیا ہے۔ حضرت زینب سے قبل نبی اکرم ﷺ نے ان کا نکاح اپنی لونڈی ام ایمن سے کیا تھا اور ان کے بطن سے آپ کے صاحبزادے اسامہ پیدا ہوئے جنھیں صحابہ حب النبی ﷺ (آپ کا محبوب) کہتے تھے۔ آپ سابقون الاولون میں سے تھے اور غزوہ موتہ میں شہید ہوئے۔

Marfat.com

تجارتی سفر

حضرت خدیجہ سے نکاح آپ کے لیے کئی اعتبار سے آسودگی کا سبب بنا دونوں میاں بیوی سیرت و کردار کے اعتبار سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ آپ کو اگر قوم صدق و امانت کے سبب الصادق اور الامین کے لقب سے یاد کرتی تھی تو خدیجہ اپنی پاکیزگی سیرت کے سبب طاہرہ کے لقب سے پکاری جاتی تھیں۔ پاکیزگی سیرت کا یہی اشتراک گہری محبت و اعتماد کا سبب بنا۔ حضرت خدیجہ بہت مالدار خاتون تھیں اور وہ اپنا مال آپ کی ادنیٰ خواہش پر نثار کرنے میں فرحت محسوس کرتی تھیں۔ آپ مساکین، بیواؤں اور یتیموں کی مدد کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ آپ جب بھی کسی کی مدد کے لیے کہتے خدیجہ نہایت خوش دلی سے تعمیل کرتیں۔

حضرت خدیجہ نے شادی کے بعد اپنی تجارت آپ کے حوالے کر دی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے تجارت کے سلسلے میں ملک کے طول و عرض کئی سفر کیے۔ اہل مکہ رحلۃ الشتاء والصیف میں شام، اردن، یمن، حضر موت، عمان تک اپنے تجارتی قافلے لے کر جاتے تھے بلکہ یمن سے آگے بحیرہ قلزم کو عبور کر کے حبش تک اپنا سامان تجارت لے جاتے تھے۔ آپ ﷺ کے تجارتی سفروں کی کوئی تفصیل تو میسر نہیں آتی تاہم کتب سیرت اور کتب حدیث کی منتشر روایات سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے۔ شادی سے لے کر بعثت سے تھوڑا عرصہ قبل تک آپ ﷺ نے بڑی محنت سے تجارت فرمائی ہے اور آپ ﷺ ایک کامیاب تاجر تھے اور دیانت و امانت اور صداقت میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔

سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ آپ ﷺ نے شام اور اردن کے کئی تجارتی سفر کیے۔ اسی طرح آپ نے غالباً بصرہ کا سفر بھی فرمایا تھا۔ جو ابلہ کہلاتا تھا۔ یہاں چین کے باشندے کبھی کبھی اپنا سامان تجارت لے کر آتے تھے اور وہاں سے کشتیوں پر بحرین اور عمان تک جاتے تھے۔

جنوب کی جانب آپ مباشہ کی منڈی میں اپنا مال تجارت لے کر اکثر تشریف لے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے اور علامہ ذہبی نے بھی اس کی تصدیق کی ہے کہ آپ کم از کم دو بار اپنا مال لے کر جرش میں تشریف لے گئے جو یمن میں واقع ہے۔

اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ آپ عمان کی منڈیوں میں بھی اپنا مال تجارت لے کر گئے

Marfat.com

ہیں۔عمان میں سہار، مشقر اور دابہ کے میلے بہت مشہور تھے اور مکی تاجر اپنا مال وہاں لے جایا کرتے تھے۔مشقر سے لوگ یکم رجب کو روانہ ہوتے اور سہار کے میلے میں ۲۰ر رجب کو پہنچتے میلہ پانچ دن تک لگا رہتا۔ یہاں سے روانہ ہو کر لوگ دابہ میں پہنچتے جو عرب کی مشہور بندرگاہ ہے۔ یہ میلہ رجب کی آخری تاریخ سے شروع ہوتا۔ یہاں ہند اور سندھ سے لوگ آتے، چینی تاجر بھی اپنا مال یہاں لاتے اور مشرق و مغرب کے تاجروں کا یہاں اجتماع ہوتا اور لوگ تجارت سے خوب فائدہ اٹھاتے۔محسوس ہوتا ہے کہ آپ کم از کم ایک بار ان میلوں میں تجارتی غرض سے تشریف لے گئے تھے جہاں آپ کو ہند کے لوگوں کے قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ابن ہشام نے لکھا ہے کہ جب یمن کے ایک قبیلہ بنی حارث بن کعب کے لوگ مسلمان ہو کر مدینہ منورہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا:

من طؤلاء القوم الذین کانھم رجال الھند۔

(ابن ہشام،السیرۃ النبویہ:۲/۵۹۴)

''یہ کون لوگ ہیں جو یوں لگتا ہے جیسے ہندوستان کے لوگ ہوں۔''

اسی طرح مسند امام احمد بن حنبل کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے بحرین کے علاقہ کا سفر بھی کیا ہے۔ان کا کہنا یہ ہے کہ جس سال آپ کی خدمت میں عرب کے دور دراز علاقوں سے وفود آئے تو ان میں قبیلہ عبدالقیس کے لوگ بھی وفد کی صورت میں حاضر ہوئے۔ یہ لوگ بحرین کے علاقہ میں آباد تھے۔آپ نے ان سے بحرین کے ایک ایک مقام کا حال پوچھا۔ اس کے علاوہ آپ نے علاقے کی بعض اہم شخصیات کے بارے میں بھی سوالات فرمائے۔اس پر ان لوگوں نے نہایت تعجب کے ساتھ پوچھا کہ آپ تو ہمارے علاقے کا حال ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔اس پر آپ نے فرمایا میں نے تو تمھارے علاقے کی خوب سیر کی ہے۔

(امام احمد بن حنبل:۴/۲۰۶)

ان روایات کی بنا پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ نے ان سالوں میں رحلۃ الشتاء والصیف میں ملک کے طول و عرض میں سفر فرمایا ہے اور تجارت میں بھرپور حصہ لیا ہے۔البتہ اس سلسلہ میں کسی بحری سفر کی کوئی روایت نہیں ملتی۔ممکن ہے آپ نے شمال کے سفر میں بحیرہ مردار دیکھا ہو کیونکہ تجارتی قافلے اس کے پاس سے ہو کر گزرتے تھے۔

Marfat.com

احباب خاص

نبی اکرم ﷺ حسن اخلاق میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے تجارتی سفر میں آپ نے ملک کے طول وعرض کی سیر کی تھی آپ جہاں بھی تشریف لے جاتے تھے آپ سے ایک خلق کثیر متاثر ہوتی تھی۔ ہر شخص آپ سے تعلق رکھنا اپنے لیے اعزاز سمجھتا پورا مکہ آپ کا گرویدہ تھا۔ تاہم چند ایسے خوش بخت لوگ بھی تاریخ میں ملتے ہیں جو آپ کے احباب خاص کہلاتے ہیں۔ یہ سارے کے سارے لوگ حسن اخلاق اور پاکیزگی سیرت کے حوالے سے ممتاز اور معروف تھے۔

ابوبکر عبداللہ بن ابی قحافہ

قبل بعثت میں ہی آپ ﷺ کے سب سے قریبی اور قابل اعتماد دوست ابوبکر عبداللہ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر تھے۔ ان کا شجرہ نسب ساتویں پشت میں مرہ پر نبی اکرم ﷺ سے مل جاتا تھا۔ ان کا خاندان قصی کے خاندان میں مناصب کی تقسیم میں ہونے والے اختلاف میں بنو عبد مناف کا حلیف تھا اور مطیبین میں شامل تھا۔ اس طرح آپ ﷺ کے خاندان کے ساتھ ابوبکر کے خاندان کے ساتھ گہرے مراسم تھے۔

ابوبکر عمر میں آپ ﷺ سے دو سال چھوٹے تھے۔ ان کا گھر سفلہ کی جانب خانہ کعبہ کے بالکل قریب تھا۔ عمر کے اس قرب نے بچپن ہی میں ایک دوسرے کو قریب کر دیا تھا اور یہ قربت دم واپسیں تک قائم رہی۔ ابوبکر نے جوانی میں قدم رکھتے ہی تجارت کا پیشہ اختیار کیا اور اس طرح پیشے کا یہ اشتراک بچپن کی اس محبت کو مزید مضبوط کرنے کا سبب بنا۔ ہر دو کے حسن معاملت نے باہمی اعتماد میں اضافہ کیا اور صفات وصلاحیت کی مماثلت نے اس اعتماد کو گہری قلبی محبت میں بدل دیا۔

ہر دو کے اخلاق میں کتنی گہری مماثلت تھی اس کا اندازہ ان بیانات سے بخوبی کیا جا سکتا ہے جو حضرت خدیجہ نے حضرت نبی اکرم ﷺ کے بارے میں اور ابن الدغنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں دیے۔

Marfat.com

نبی اکرم ﷺ پہلی وحی کے بعد جب حضرت خدیجہ کے پاس آئے تو فرمایا مجھے چادر اوڑھا دو۔ جب طبیعت ذرا ہلکی ہوئی تو خدیجۃ الکبریٰ سے واقعہ بیان فرمایا۔ خدیجہ مجھے اپنے بارے میں خوف آرہا ہے۔ انھوں نے کہا:

واللہ لایخزیك الله ابدا۔ انك تصل الرحم وتصدق الحدیث وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقوی الضیف وتعین علی نوائب الحق۔ (شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب، مختصر سیرت الرسول: ص)

''اللہ کی قسم اللہ آپ کو رسوا نہ کرے گا آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں۔ سچ بولتے ہیں ہر کسی کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ ناداروں کی خبر گیری کرتے ہیں۔ مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اور ہمیشہ حق دار کا ساتھ دیتے ہیں۔''

اسی طرح بعثت نبوی کے بعد ابوبکر آپ پر اولین ایمان لانے والوں میں سے تھے جب اہل مکہ کی مخالفت حد سے بڑھی تو نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی ہدایت کی۔ حضرت ابوبکر صدیق بھی ہجرت حبشہ کے لیے نکلے۔ راستے میں احابیش کے سردار ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا کہاں کے ارادے ہیں۔ آپ نے اپنا ارادہ بیان کیا تو اس نے کہا:

ان تلك لایخرج ولایخرج انك تکسب المعدوم، و تحمل الکل وتقوی الضیف وتعین علی نوائب الحق فانالك جار، ارجع واعبدبك ببلدك۔ (شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب، مختصر سیرت الرسول: ص ا)

''تیرے جیسے لوگوں کو نہ نکلنا چاہیے نہ نکالا جانا چاہیے تو تو ناداروں کی خبر گیری کرتا ہے تو سب کا بوجھ اٹھاتا ہے تو مہمان کی ضیافت کرتا ہے۔ تو ہمیشہ حق دار کا ساتھ دیتا ہے میں تجھے امان دیتا ہوں۔ واپس چلو اور اپنے شہر میں اپنے رب کی اطاعت کرو۔''

کتنی مماثلت ہے ہر دو کے حق میں بیانوں کے درمیان۔ لگتا ہے کہ ایک ہی شخص کے اخلاق بیان کیے جا رہے ہیں۔ سیرت و کردار کی یہی مماثلت تھی جو دونوں میں گہری قلبی محبت کا سبب بنی۔

ابوبکر صدیق قبل اسلام بھی بہت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ تجارت

Marfat.com

میں صداقت وامانت کے سبب لوگ ان کا احترام کرتے۔ دولت وثروت کے سبب ان کی بات مانی جاتی۔ انھیں ہر مشاورت میں شریک کیا جاتا۔ چنانچہ صرف اٹھارہ سال کی عمر میں آپ نے عبداللہ بن جدعان کے گھر میں حلف الفضول میں شرکت کی۔ اس حلف میں سرداران قریش کے ساتھ یہی دونو عمر دوست رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق شریک ہوئے۔

قبل بعثت نبوی مکہ کی آبادی میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حیثیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ قصی کے مقرر کردہ مناصب میں سے ایک اہم عہدے اشناق پر ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کم عمری میں فائز تھے۔ یہ ایک نہایت اہم عہدہ تھا۔ عرب قبائل کے درمیان آئے روز جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ آخر کار صلح کی کوششیں بارآور ہوتیں تو دیت پر فیصلہ ہوتا۔ دیت کے ادا کرنے کی ذمہ داری اشناق کے ذمہ دار کی ہوتی اور جس شخص میں دیت اور تاوان دینے کی توفیق نہ ہوتی اشناق کا ذمہ دار اس کی مدد کرتا۔ اس سلسلہ میں ابوبکر صدیق پر قوم کے اعتماد کا عالم یہ تھا کہ ان کے بغیر لوگ یہ رقم ادا کرنے پر تیار نہ ہوتے تھے۔

ابوبکر صدیق اولین روز ایمان لائے اور ایمان لانے والے پہلے مرد تھے۔ ایمان لانے کے بعد وہ آپ سے کبھی جدا نہیں ہوئے۔ آپ کے ساتھ تبلیغ اسلام پر کامل یک سوئی کے ساتھ مستعد ہو گئے۔ آپ کی مساعی جمیلہ سے، حضرت عثمان ذوالنورین، زبیر بن العوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبیداللہ جیسے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ انھیں ہجرت میں آپ کا ہم سفر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ تمام غزوات میں شریک رہے۔ آپ کے وصال کے بعد خلیفہ رسول ﷺ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اور وفات کے بعد آپ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

حکیم بن حزام

نبی اکرم ﷺ کے ایک اور دوست حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ۔ یہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھتیجے تھے۔ یہ رسول اللہ ﷺ سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئے۔ نہایت نیک فطرت آدمی تھے۔ طبائع کا اشتراک اور ہم پیشگی نے محبت کا مضبوط رشتہ استوار کردیا تھا۔ آپ سے بے پناہ محبت تھی۔ قبل اسلام میں بھی قریش کے محترم سرداروں میں شمار ہوتے تھے۔ رفادہ کا انتظام انہی کے سپرد تھا۔ دارالندوہ بھی آپ نے خرید لیا تھا۔ اسلام کے بعد انھوں

Marfat.com

نے یہ حضرت امیر معاویہ کے ہاتھ ایک لاکھ درہم میں بیچ دیا کسی نے عار دلایا کہ تم نے آباء کی فضیلت بیچ دی تو فرمایا۔ اسلام میں جاہلیت کی فضیلتیں ختم ہوگئیں میں نے گھاٹے کا سودا نہیں کیا۔ میں نے جاہلیت میں چند درہم میں خریدا تھا اور اب ایک لاکھ درہم میں بیچا ہے اور یہ ایک لاکھ درہم میں نے صدقہ کر دیے ہیں۔ چنانچہ ندورہ کی پوری قیمت خیرات کر دی۔

فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے مگر مدینہ طیبہ میں حضور سے محبت کا تعلق قبل اسلام بھی قائم رہا۔ ایک دفعہ کعبہ میں سیف بن دریزن حاکم یمن کا سامان نیلام ہوا۔ اس میں ایک عمدہ حلہ تھا جو آپ نے چالیس اشرفیوں میں خریدا اور نبی ﷺ کی خدمت میں مدینہ طیبہ میں حاضر ہو کر نذر کرنا چاہا۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ کہہ کر قبول کرنے سے انکار فرمایا کہ میں مشرکوں کا ہدیہ قبول نہیں کرتا البتہ تم قیمت لے لو تو لے سکتا ہوں۔ انھوں نے مجبور ہو کر عرض کیا آپ جیسے لینا چاہیں میں آپ کے لیے لے کر آیا ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے قیمت ادا کر دی اور حلہ لے لیا۔

(امام احمد بن حنبل، مسند احمد: ۴۰۳/۳)

قبل اسلام ہی بہت سخی تھے آپ نے قبل اسلام سو غلام خرید کر آزاد کیے اور سو اونٹ خیرات کیے۔ اسلام لانے کے بعد مختلف مشاہد میں حصہ لیا۔ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے تھے۔ یہیں ۵۴ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ آپ سے بہت سے لوگوں نے روایت حدیث کی ہے۔

عباس بن عبدالمطلب

نبی اکرم ﷺ کے احباب خاص میں آپ کے چچا عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم شامل تھے۔ آپ سے دو سال پہلے پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ نتیلہ بنت جناب وہ پہلی خاتون ہیں جس نے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا۔ بہت دولت مند تھے۔ قدیم الاسلام تھے۔ مگر آپ کے حکم سے مکہ میں رہے۔ اور اسلام کا اظہار فتح مکہ کے موقع پر کیا۔ آپ کی ہجرت کے بعد مکہ میں نادار مسلمانوں کی مدد کرتے تھے۔ بدر کے موقع پر اہل مکہ کے ہاتھوں مجبور ہو کر آئے۔ اسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا تھا کہ عباس کو کوئی قتل نہ کرے اس لیے کہ وہ مجبور ہو کر آئے ہیں۔ بدر میں اسیران میں شامل تھے۔ ایک روایت کے مطابق جنگ بدر کے بعد نبی ﷺ نے ابوسفیان کے

Marfat.com

قافلہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت عباس ہی نے انھیں ایسا کرنے سے باز رہنے کا مشورہ دیا اور کہا بھتیجے اللہ نے تمھیں قافلے اور لشکر میں سے ایک پر فتح کا وعدہ کیا ہے۔ ان کے تفصیلی حالات اولاد عبد المطلب میں گزر چکے ہیں۔

حمزہ بن عبد المطلب

آپ کے احباب خاص میں آپ کے چچا حمزہ بھی شامل تھے۔ ان کی والدہ ہالہ بنت وہیب تھیں جو حضرت آمنہ کی حقیقی چچازاد تھیں۔ حضرت حمزہ آپ کے ہمعصر تھے اور دودھ شریک بھائی بھی تھے۔ بہت مضبوط بدن کے آدمی تھے۔ اور پہلوانی، تیغ زنی اور تیر اندازی میں کمال حاصل تھا۔ آپ ﷺ کے ساتھ اکٹھا کھیلے تھے۔ اور آپ ﷺ سے گہری محبت تھی۔ اور یہی گہری محبت ۶ نبوی میں ایک اتفاقی واقعہ میں ایمان لانے کا سبب بنی۔ جناب رسالت مآب ﷺ سے اسد اللہ کا خطاب ملا۔ غزوہ احد میں شہید ہوئے اور سید الشہداء کا لقب ملا۔ ان کے تفصیلی حالات بھی اولاد عبد المطلب میں گزر چکے ہیں۔

ضماد بن ثعلبہ ازدی

آپ کے احباب خاص میں ضماد بن ثعلبہ بھی شامل تھے۔ یہ قبیلہ ازدی کی ایک شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ نہایت عمدہ صفات کے آدمی تھے۔ اور اپنے قبیلے میں نہایت عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ سے دوستانہ مراسم تھے۔ بعثت کے بعد اس زمانے میں مکہ مکرمہ میں آئے جب کفار مکہ آپ کی مخالفت میں سرگرم تھے۔ اہل مکہ نے انھیں کہا کہ تمھارے دوست نے ہمارے اندر انتشار پیدا کر دیا ہے۔ ہمارے بتوں کو برا کہتا ہے۔ ہمارے بزرگوں کو گمراہ کہتا ہے۔ یقیناً وہ پاگل ہو گیا ہے۔ یہ طب کرتے تھے اور پاگل پن کا دم بھی۔ آپ ﷺ کو تلاش کر کے ملے اور کہا میں تمھارے پاگل پن کا علاج کرتا ہوں تم ٹھیک ہو جاؤ گے پھر آپ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔

قبل بعثت سیرت واخلاق

نبی اکرم ﷺ اپنی قوم میں اپنی سیرت و کردار کے اعتبار سے نہایت ممتاز و محترم تھے۔ آپ نہایت شیریں خصائل تھے، مروت میں سب سے افضل تھے۔ اخلاق میں سب سے احسن،

Marfat.com

ہمسائیگی میں سب سے بہتر تھے۔سب سے زیادہ حلیم الطبع،سب سے زیادہ سچے تھے یہاں تک کہ قوم نے آپ کو الصادق کا خطاب دے رکھا تھا۔آپ سب سے زیادہ پاکیزہ نفس تھے اعمال میں سب سے زیادہ نیک اور سب سے زیادہ سخی تھے۔سب سے زیادہ عہد کے پاسدار تھے اور امانت و دیانت میں سب سے آگے تھے یہاں تک کہ قوم نے آپ کو امین کا لقب دے رکھا تھا۔سب سے صاحب الفکر تھے۔نظر بصیرت میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔کبھی لایعنی گفتگو نہیں فرمائی۔ بلاضرورت کبھی تکلم نہیں فرمایا۔طویل غور وفکر کے عادی اور حق کے متلاشی تھے۔

حسن معاشرت میں قریش بھر میں آپ کا جواب نہ تھا۔حق ہمسائیگی کی رعایت کی آپ سے بڑھ کر کسی کو توفیق نہ تھی۔صلہ رحمی میں آپ اپنی مثال آپ تھے۔اپنی ساری جسمانی فکری صلاحیتیں اور سارا مال صلہ رحمی پر بے تکلف صرف فرماتے تھے۔ہر اس شخص کا بوجھ اٹھانے پر ہر وقت مستعد رہتے تھے جو اپنا بوجھ خود اٹھانے کے قابل نہ تھا۔غریبوں اور ناداروں کی مدد کے لیے آپ کا مال ہر وقت وقف تھا۔کبھی کسی سائل کو خالی ہاتھ نہیں لوٹایا۔یتیموں اور بیواؤں کی سرپرستی اور کفالت آپ کا شیوہ تھا۔آپ کی ان صفات کا اعتراف ابوطالب نے اپنے مشہور قصیدہ لامیہ میں ان الفاظ میں کیا ہے:

وابیض یستسقی الغمام بوجہٖ
ثمال الیتامیٰ عصمۃً للا وامل

مظلوم کی مدد میں آپ ہر وقت مستعد رہتے۔یہی وجہ ہے کہ صرف بیس سال کی عمر میں آپ نے حلف الفضول میں شرکت کی۔جو قریش میں مظلوم کی مدد اور ظلم کی روک تھام کا پہلا معاہدہ تھا۔حق دار کی مدد میں آپ ہمیشہ مستعد رہتے تھے۔آپ کی اہلیہ حضرت خدیجہ نے آپ کے انہی خصائل کا اعتراف اولین وحی کے بعد اس وقت کیا تھا جب آپ نے ان الفاظ میں اپنی کیفیت کا اظہار فرمایا کہ مجھے اپنی ذات کے بارے میں خوف آرہا ہے۔اس موقع پر حضرت خدیجہ نے عرض کیا:

کلا لا یخزیك الله ابداً انك لتصل الرحم و تحلم الکل و تکسب المعدوم و تقری الضیف وتعین علیٰ نوائب الحق۔

(بخاری،صحیح بخاری:۳/۱)

Marfat.com

"ہرگز نہیں اللہ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں۔ آپ تو بے سہاروں کو سہارا دیتے ہیں غریبوں کی کفالت فرماتے ہیں۔ مہمان کی ضیافت کرتے اور آپ حق دار کی مدد فرماتے ہیں۔"

امور جاہلیہ سے اجتناب

نبی اکرم ﷺ قبل بعثت ہی مکارم اخلاق کا مجسمہ تھے۔ تاہم آپ کی سیرت مبارکہ کا اہم ترین پہلو یہ تھا کہ جس معاشرہ میں آپ نے پرورش پائی تھی اس کی کسی خرابی نے آپ کو متاثر نہیں کیا یوں لگتا تھا جیسے آپ کسی اور ہی معاشرے میں پروان چڑھے ہوں۔ یہ لوگ گو ابراہیم خلیل اللہ اور اسماعیل ذبیح اللہ کی اولاد تھے۔ تاہم صدیوں کے بُعد میں صحف ابراہیم اور صحف اسماعیل علیہما السلام سے محروم ہو چکے تھے اور کتاب ہدایت سے محرومی کے نتیجے میں وہ دین کی اصل تعلیمات سے محروم ہو گئے تھے اور ان کا دین ذہنی اشکلوں، قبائلی ضروریات اور معاشی تقاضوں سے بدل بدلا کر کچھ کا کچھ بن چکا تھا۔ اولاد ابراہیم حنیف بتوں کے پجاری ہی نہیں ان کے مجاور بن چکے تھے اور عرب میں ان کی سیادت کا سارا دارومدار اسی مجاورت پر آ ٹھہرا تھا۔ بتوں کی پرستش نے باقاعدہ ایک نظام عبادت کی شکل اختیار کر لی تھی۔ شرک کے ساتھ ساتھ دولت کی فراوانی نے تہذیب و تمدن کے نام پر عورت کو جنس بازار بنا دیا تھا۔ جنسی اباحیت عام تھی۔ شراب و شاہد سوسائٹی میں وجہ اعزا بن گئے تھے۔

مکہ جہاں گھر گھر شراب کشید کرنے کی بھٹیاں چلتی تھیں۔ بلانوشی وجہ شرف بن گئی تھی۔ جہاں شراب کے ایک مٹکے پر کبھی دارالندوہ بکتا تھا۔ سقایہ کا معزز منصب بدلتا تھا تو کبھی تولیت کعبہ کی قیمت شراب کا ایک مٹکا ٹھہرتی تھی۔ عرب کے اسواق میں شراب نوشی کے مقابلے ہوتے قریش کے نادیوں میں شراب پانی کی طرح چلتی تھی۔ وہاں پرورش پانے کے باوجود آپ نے دخت رز کو کبھی چھوا تک نہیں۔ جہاں شراب نوشی کے ساتھ شاہد بازی روزمرہ کا معمول تھا۔ جہاں لونڈی ہوس جنسی کا مشترکہ ذریعہ تھا۔ جہاں شراب و کباب کی محفل میں معززین اپنی خوبرو اور نازک اندام لونڈیوں کو اپنے مہمانوں کی تسکین ہوس کے لیے پیش کرنا آداب میزبانی میں شمار کرتے تھے۔ جہاں گلی گلی قحبہ خانے چل رہے تھے۔ پیشہ ور عورتیں اپنے گھروں پر جھنڈے لگایا

Marfat.com

کرتی تھیں کہ حاجت مندوں کو تلاش میں دقت نہ ہو۔ جہاں کئی معززین اپنی لونڈیوں سے قحبہ گری کرواتے اور اس فعل قبیح کی کمائی بڑی شان سے استعمال کرتے۔ جہاں عرب کی قبائلی معاشرت میں قریبی رشتہ داروں میں معاشقے چلتے تھے۔ جہاں قبائل کے شعراء اپنی حقیقی اور فرضی محبوباؤں کے نام لے کر عشقیہ اشعار لکھتے تھے۔ جہاں قصائد کا ایک لازمی حصہ تشبیب تھا۔ جہاں قصائد میں اپنی جنسی بے راہ روی کی داستانیں فخریہ نظم کرتے تھے اور ان میں سے بعض قصیدے خانہ کعبہ میں آویزاں کیے جاتے تھے۔ وہاں آپ نے کبھی کسی خاتون کو نگاہ غلط انداز سے بھی نہیں دیکھا تھا ہر کہ ومہ آپ کی عصمت کی قسمیں کھاتا تھا۔

جہاں اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کے لیے تعمیر ہونے والے بیت اللہ میں تین سو تیرہ بتوں کی کھلے بندوں عبادت ہوتی تھی۔ لوگ طواف اور سعی کے دوران ان بتوں کو احتراماً چھوا کرتے تھے۔ ان کے سامنے نذریں، نیازیں پیش کیا کرتے تھے۔ ان کے نام پر جانور ذبح کیا کرتے تھے۔ اور پھر ان جانوروں کا گوشت تبرکاً تقسیم کرتے اور عقیدۃً کھاتے تھے۔ ان کے سامنے رکھے فال کے تیروں سے فال نکالتے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ وہاں آپ نے ان بتوں کی کبھی تکریم نہیں کی۔ ھیں کبھی نہیں چھوا اور ان کے نام پر کیے جانے والے ذبیحہ کا گوشت کبھی نہیں کھایا۔

عروہ بن زبیر سے مروی ہے کہ حضرت خدیجہ کے ایک ہمسائے نے مجھے بتایا:

انہ سمع النبی ﷺ و ھو یقول لخدیجہ ای خدیجۃ واللہ لا اعبد اللات والعزیٰ واللہ لا اعبد ابداً قال فتقول خدیجہ خلل اللات خل العزی۔ (علامہ سیوطی، الخصائص الکبریٰ: ۱/۹۰)

"کہ اس نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا اور وہ خدیجہ سے مخاطب تھے اے خدیجہ اللہ کی قسم میں لات اور عزیٰ کی کبھی عبادت نہ کروں گا اور خدیجہ کہہ رہی تھیں لات کو جانے دیجیے عزیٰ کو جانے دیجیے۔"

حاکم نے مستدرک میں ابونعیم نے دلائل میں اور امام بیہقی نے دلائل میں حضرت زید ن حارثہ کی زبانی یہ روایت بیان کی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں مشرکین خانہ کعبہ کا طواف اور سعی کرتے تو اساف اور نائلہ کے بتوں کو جو کوہ صفا اور مروہ پر نصب تھے چھوتے تھے۔ ایک بار نبی اکرم خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے اور میں آپ کے ہمراہ تھا۔ ہم جب سعی کرتے ہوئے اساف

Marfat.com

اور نائلہ کے پاس سے گزرے تو میں نے ان کو چھوا۔ نبی اکرم ﷺ نے ناراضی کا اظہار فرماتے ہوئے مجھے ان کو چھونے سے منع فرمایا۔ ہم دوسرے شوط کے دوران ان کے پاس سے گزرے تو میں نے محض اس تجسس کی بنیاد پر انھیں دوبارہ چھوا کہ دیکھوں تو انھیں چھونے سے کیا ہوتا ہے۔ اس پر آپ نے مجھے ذرا زیادہ سختی سے منع فرمایا اور فرمایا۔ میں نے تجھے منع نہیں کیا تھا۔ زید بن حارثہ فرماتے ہیں خدا کی قسم اس کے بعد میں نے کبھی کسی بت کو نہیں چھوا یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو مبعوث فرمایا اور بتوں کی عبادت سے منع فرمایا۔

امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک بار نبی اکرم ﷺ اور زید بن عمرو بن نفیل اکٹھے تھے کہ مشرکین مکہ کی جانب سے آپ کے لیے کچھ کھانا پیش کیا گیا جو بتوں کے ذبیحے سے پکایا گیا تھا مگر آپ نے اسے کھانے سے انکار کر دیا۔ آپ نے یہ کھانا زید بن عمرو کی طرف بڑھایا تو انھوں نے بھی یہ کہہ کر کھانے سے انکار کر دیا کہ میں بتوں کے ذبیحہ کا گوشت نہیں کھاتا۔ (ابن حجر عسقلانی، فتح الباری ج ۷/۱۴۲۔۱۴۴)

قریش نے نہ جانے واقعہ فیل سے پہلے یا بعد میں حمس کا ایک لایعنی عقیدۃ تراش لیا تھا۔ اور اس کے سبب عرفات میں جانے سے رہ گئے تھے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم اللہ کے گھر کے ہمسایے ہیں ہم حمس ہیں ہمیں حدود حرم سے نہیں نکلنا چاہیے لہٰذا وہ حرم کی آخری حد پر آ کر رک جاتے تھے اور عرفات کے میدان میں جانے سے رک جاتے تھے۔ یوں حج کے اصل رکن میں شامل نہ ہو کر حج سے محروم ہو جاتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ حمس ہونے کے باوجود عرفات میں وقوف فرماتے۔

امام بخاری نے جبیرل بن مطعم سے یہ روایت نقل کی ہے کہ

اضللت بعیراً لی، فرھبت اطلبه یوم عرفة، فرابت النبی ﷺ واقفاً بعرفة، فقلت ھذا واللہ من الحمس فماشانه ھاھنا۔

"یوم عرفہ کو میرا ایک اونٹ گم ہو گیا اسے تلاش کرنے کے لیے میدان عرفات میں گیا تو میں نے نبی ﷺ کو وہاں وقوف کرتے دیکھا تو میں نے کہا اللہ کی قسم یہ تو حمس میں سے ہے یہ یہاں کیسے کھڑا ہے۔"

ان روایات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ قبل بعثت بھی امور جاہلیت سے مجتنب رہے اور کبھی ان کا ارتکاب نہیں کیا۔

Marfat.com

حضرت خدیجہ اور اولاد

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بہت سے فضائل احادیث مبارکہ میں بیان ہوئے ہیں ان فضائل میں سے ایک بڑی فضیلت یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ساری اولاد ماسوائے ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کے انہی کے بطن سے ہوئی۔ ان کے بطن سے رسول اللہ ﷺ کے دو صاحبزادے قاسم بن رسول اللہ ﷺ اور عبداللہ بن رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے اور چار صاحبزادیاں حضرت زینب بنت رسول اللہ ﷺ، رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ، ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ اور حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئیں۔ ان میں سے قاسم اور چاروں صاحبزادیاں قبل نبوت پیدا ہوئے جبکہ عبداللہ بعد بعثت پیدا ہوئے۔ عبداللہ ہی طیب و طاہر کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ ان کے تفصیلی حالات بھی بعد بعثت ہی بیان کیے جائیں گے۔

قاسم

رسول اللہ ﷺ کے سب سے بڑے صاحبزادے قاسم بن رسول اللہ ﷺ ہیں۔ وہ آپ کی پہلی اولاد ہیں۔ ان کی پیدائش بعثت نبوی سے گیارہ سال پہلے ہوئی اس وقت آپ کی عمر مبارک ۲۸ سال تھی۔ انہی کے حوالے سے آپ کی کنیت ابوالقاسم ہے۔ آپ اس کنیت کو بہت پسند فرماتے تھے۔ صحابہ کرام آپ کو محبت سے اسی کنیت سے پکارتے تھے۔ ایک دفعہ آپ بازار سے گزر رہے تھے کہ کسی نے یا اباالقاسم کہہ کر آواز دی۔ آپ نے اس کی طرف التفات فرمایا تو اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اسی نام کے ایک اور شخص کو پکار رہا تھا۔ اس پر آپ نے یہ کنیت رکھنے سے منع فرما دیا تاکہ اشتباہ نہ ہو۔

قاسم قبل بعثت فوت ہو گئے تھے۔ البتہ ان کی عمر کے بارے میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ مجاہد کی روایت ہے کہ یہ صرف سات دن زندہ رہے۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق دو سال تک زندہ رہے۔ ابن فارس کی روایت ہے کہ سن تمیز کو پہنچ گئے تھے۔ تاہم یہ بات متفق علیہ ہے کہ آپ کی اولاد میں قاسم سب سے پہلے پیدا ہوئے اور سب سے پہلے فوت ہوئے۔

Marfat.com

زینب

قاسم کے بعد آپ کے ہاں زینب پیدا ہوئیں۔ آپ کی پیدائش کے وقت نبی اکرم ﷺ کی عمر ۳۰ سال تھی۔ بعد بعثت نبی اکرم ﷺ نے ان کا نکاح ابوالعاص بن ربیع بن عبدالشمس بن عبد مناف بن قصی کے ساتھ کیا۔ یہ نکاح حضرت خدیجہ کی زندگی میں ہوا۔ ابوالعاص بن ربیع کی والدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی سگی بہن ہالہ بنت خویلد تھیں اس طرح زینب اور ابوالعاص حقیقی خالہ زاد تھے۔

حضرت زینب قدیم الاسلام ہیں۔ جبکہ ابوالعاص کا اسلام ۶ ھ تک موخر رہا۔ ابوالعاص غزوہ بدر میں کفار مکہ کی طرف سے گرفتار ہوئے اور فدیہ دے کر رہا ہوئے۔ حضرت زینب نے فدیہ میں حضرت خدیجہ کا ہار روانہ فرمایا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے رہائی کے وقت ابوالعاص سے وعدہ لیا کہ وہ مکہ جا کر زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ طیبہ میں آپ کے پاس بھیج دیں گے۔ ابوالعاص نے مکہ پہنچ کر اپنے بھائی کنانہ کو انھیں مدینہ طیبہ پہنچانے کے لیے بھیجا جب آپ مقام ذی طویٰ پر پہنچیں تو کفار قریش کے چند آدمیوں نے انھیں لے جانے سے روک دیا اور ہاتھا پائی شروع کر دی۔ تب کنانہ نے ترکش سے تیر نکالے اور کہا کہ اگر کوئی قریب آیا تو میں تیروں سے چھید دوں گا۔ آخر ابوسفیان کی فہمائش پر انھیں واپس لے گئے اور جب ہنگامہ ٹھنڈا ہو گیا تو چند روز بعد رات کے وقت انھیں لے کر روانہ ہو گئے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ کو روانہ کر دیا تھا۔ وہ بطن یاجج میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ کنانہ انھیں وہاں تک پہنچا کر واپس ہو گئے اور آپ زید بن حارثہ کے ساتھ مدینہ طیبہ پہنچیں۔

ہجرت کے انہی مصائب کی بنا پر نبی ﷺ نے ان کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے:

هی افضل بناتی اصیبت فی

''یہ میری بیٹیوں میں افضل ہے میرے لیے اسے تکلیف پہنچی۔''

۶ ھ میں ابوالعاص قریش کے قافلے کے ساتھ شام گئے۔ شام کی سرحد پر ابوبصیر اور ابوجندل نے اس قافلہ کا تمام مال ضبط کر لیا۔ مگر ابوالعاص کو گرفتار نہیں کیا۔ ابوالعاص وہاں سے سیدھا مدینہ منورہ پہنچا۔ لوگ اس وقت نماز فجر پڑھ رہے تھے۔ حضرت زینب نے بآواز بلند پکار کر کہا:

Marfat.com

انی قد اجرت اباالعاص بن ربیع

''میں نے ابوالعاص بن ربیع کو پناہ دے دی ہے۔''

نبی اکرم ﷺ نے اس امان کو قبول فرمایا۔ پھر نبی اکرم ﷺ کی سفارش پر ان کا مال واپس کر دیا گیا۔ اس دفعہ ابوالعاص نے مکہ میں جا کر سب کا مال واپس کیا۔ پھر دریافت کیا کسی کا مال رہ گیا ہو تو بتا دے سب نے کہا تم تو وفی و کریم نکلے ہو۔ تب ابوالعاص نے کلمہ طیبہ پڑھا اور ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے۔ نبی اکرم ﷺ نے چھ سال کی مفارقت کے بعد حضرت زینب کو پہلے نکاح کی بنا پر ہی ان کے گھر بھیج دیا۔ حضرت زینب کے بطن سے ابولعاص کے ایک بیٹے علی بن ابوالعاص قبل ہجرت نبوی مکہ میں پیدا ہوئے اور ایک صاحبزادی امامہ بنت ابوالعاص پیدا ہوئیں۔ علی ۸ھ میں فوت ہو گئے جبکہ امامہ کا نکاح حضرت فاطمہ کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ ان کے بطن سے حضرت علی کے صاحبزادے محمد الاوسط پیدا ہوئے جو اپنے بھائی حضرت حسین کے ہمراہ کربلا میں شہید ہوئے۔ حضرت زینب شعبان ۹ھ میں فوت ہوئیں اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

رقیہ

رسول اللہ ﷺ کی دوسری صاحبزادی رقیہ ہیں۔ آپ کی پیدائش اس وقت ہوئی جب نبی اکرم ﷺ کی عمر مبارک ۳۳ سال تھی۔ آپ ﷺ نے کم سنی میں آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح عتبہ بن ابی لہب سے کر دیا۔ عتبہ حضرت رقیہ کا حقیقی چچازاد تھا۔ بعثت کے بعد جب آپ نے علی الاعلان تبلیغ حق شروع کی تو ابولہب نے عتبہ کو اور اپنے دوسرے بیٹے عتیبہ کو جس سے آپ کی تیسری بیٹی ام کلثوم کا نکاح ہو چکا تھا مگر کسی کی بھی رخصتی نہیں ہوئی تھی، حکم دیا کہ وہ آپ کی دونوں بیٹیوں کو طلاق دے دیں اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ چنانچہ عتبہ نے حضرت رقیہ کو طلاق دے دی اور عتیبہ نے ام کلثوم کو طلاق دے دی۔

نبی اکرم ﷺ نے رقیہ کا نکاح حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبدالشمس بن عبد مناف بن قصی سے کر دیا۔ یہ پہلے ہی سال دولت ایمان سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔ ان کی والدہ اروی بنت کریز نبی اکرم ﷺ کی پھوپھی ام حکیم بیضا بنت عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں۔ اس طرح حضرت عثمان نبی اکرم ﷺ کے رشتہ میں بھانجے تھے۔ ان کے

Marfat.com

فضائل ایک تفصیل کا تقاضا کرتے ہیں جنھیں مناسب موقع پر بیان کیا جائے گا۔اس نکاح پر مکہ میں یہ بات مشہور تھی احسن زوجین راهما انسان رقیة و زوجها عثمان ۔بہترین جوڑ جو کسی انسان نے انسان سے بنایا رقیہ اور ان کے میاں عثمان ہیں۔

نکاح کے بعد دونوں میاں بیوی حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔امام حاکم نے مستدرک میں یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انهما لاقل من هاجر بعد لوط وابراهیم

''ابراہیم اور لوط کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جس نے راہ خدا میں ہجرت کی ہے۔''

اسی سال سورہ النجم کا نزول ہوا تو آپ نے یہ سورہ مجمع عام میں پڑھ کر سنائی۔آیت سجدہ پر پہنچے تو آپ نے سجدہ فرمایا۔قریش اتنے مرعوب تھے کہ سب نے سجدہ کیا۔حتیٰ کہ امیہ بن خلف نے سجدہ تو نہیں کیا البتہ مٹی کی مٹھی بر کر پیشانی سے لگالی اور کہا میرے لیے یہی کافی ہے۔یہ خبر حبشہ میں اس طرح پہنچی کہ قریش اور آپ میں صلح ہوگئی ہے اس افواہ پر حبشہ کے بہت سے مہاجرین واپس آ گئے۔ان میں حضرت عثمان اور آپ کی زوجہ محترمہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ بھی تھیں۔چنانچہ آپ ہجرت مدینہ تک مکہ ہی میں رہے۔یہ طبری کے روایت ہے تاہم یہ روایت مشتبہ ہے۔ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان دوسری مرتبہ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے اور پھر ہجرت مدینہ سے قبل ہجرت کر کے مکہ مکرمہ پہنچے اور پھر ہجرت مدینہ کی۔اس طرح رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کو تین بار راہ خدا میں ہجرت کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

مدینہ طیبہ میں انھیں چیچک نکل آئی اور یہی آپ کی وفات کا سبب بنی۔یہ وہ وقت تھا جب نبی اکرم ﷺ بدر کے لیے روانہ ہو رہے تھے۔چنانچہ آپ ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی تیمارداری کے لیے چھوڑ گئے۔یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بدر کے مال غنیمت میں سے حضرت عثمان کو حصہ دیا۔جب زید بن حارثہ فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ میں پہنچے اس وقت آپ کی تدفین ہو رہی تھی۔

حضرت رقیہ سے حضرت عثمان کے ایک صاحبزادے عبداللہ تھے۔حضرت رقیہ کی وفات کے دو سال بعد ایک مرغ نے ان کی آنکھ میں ٹھونگا مار دیا۔اور اسی زخم سے ان کی وفات ہو گئی۔اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی۔

Marfat.com

سیدہ ام کلثوم

رسول اللہ ﷺ کی تیسری صاحبزادی ام کلثوم ہیں۔ یہ رقیہ سے ایک سال چھوٹی تھیں ۳ھ میں نبی اکرم ﷺ نے ان کا نکاح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ آپ نے حضرت عثمان کو بلا کر فرمایا یہ جبریل ہیں جنھوں نے مجھے اللہ کا یہ حکم سنایا ہے کہ میں اپنی دوسری بیٹی تم سے بیاہ دوں۔

جن دنوں سیدہ رقیہ کا انتقال ہوا انہی دنوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حفصہ بیوہ ہو گئی تھیں۔ حضرت عمر نے حضرت عثمان سے یہ کہا کہ وہ حفصہ سے شادی کر لیں مگر وہ خاموش رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے رنج کا اظہار نبی اکرم ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا:

الا ادل عثمان علی من ھن خیر لہ منھا و ادلھا من ھو خیر لھا من عثمان۔

''میں عثمان کو وہ بتاتا ہوں جو اس کے لیے حفصہ سے بہتر ہو گی اور حفصہ کو وہ بتاتا ہوں جو اس کے لیے عثمان سے بہتر ہو گا۔''

پھر آپ نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو اپنے نکاح میں قبول فرمایا اور حضرت عثمان کا نکاح سیدہ ام کلثوم سے کر دیا۔

سیدہ ام کلثوم کی کوئی اولاد نہیں ہوئی آپ نے ۹ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

سیدہ فاطمہ

آپ ﷺ کی سب سے چھوٹی اور سب سے پیاری بیٹی سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا ہیں آپ کی ولادت میں بہت اختلاف ہے کہ آیا آپ کی ولادت قبل نبوت ہوئی یا بعد بعثت اور یہ بھی کہ یہ کس سال ہوئی۔ ایک روایت یہ ہے کہ آپ کی ولادت اس وقت ہوئی جب نبی ﷺ ۴۱ سال کے تھے۔ (شرح مواہب) ہشام بن محمد بن سائب الکلبی جو مشہور ماہر انساب ہیں۔ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباس سے یہ روایت بیان کی ہے کہ مکہ میں نبوت سے پہلے آپ ﷺ کے

Marfat.com

ہاں سب سے پہلے قاسم، پھر زینب، پھر رقیہ، پھر فاطمہ، پھر ام کلثوم پیدا ہوئیں اور نبوت کے بعد عبداللہ پیدا ہوئے۔ جن کو طیب و طاہر بھی کہا گیا ہے۔ (ابن سعد، طبقات: ۱۳۳/۱) علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ کی ولادت اعلان نبوت سے پانچ سال پہلے اس سال ہوئی ہے جس سال خانہ کعبہ کی تعمیر ہوئی ہے۔

حضرت فاطمہ کا نکاح رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کے ساتھ ۲ ھ میں فرمایا۔ آپ کا حق مہر ۴۸۰ درہم مقرر ہوا۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک پلنگ، ایک بستر، ایک چادر، دو چکیاں آٹا پیسنے کی اور ایک مشک جہیز میں دی۔ آپ نے حارث بن النعمان سے مکان لیا اور اس میں عروسی کی۔ بعد میں نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ کے حجرہ کے شمال کی جانب حضرت فاطمہ کے لیے ایک حجرہ اس طرح تیار کروادیا کہ ان دونوں حجروں کے درمیان اتنی سی گلی تھی جس میں سے بمشکل ایک آدمی گزر سکتا تھا۔ اس کی ایک کھڑکی مسجد میں کھلتی تھی۔ روضہ اقدس کی ترکی تعمیر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دونوں حجرے روضہ کے اندر آ گئے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ کا حجرہ مواجہہ شریف کی جانب ہے جبکہ حضرت فاطمہ کا حجرہ محراب تہجد کی جانب ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں نے گفتگو اور لب و لہجے میں حضرت فاطمہ سے زیادہ رسول اللہ سے مشابہ کسی کو نہیں پایا۔

حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کو سب سے پیارا کون تھا۔ فرمایا فاطمہ پھر سوال ہوا کہ مردوں میں سے کون فرمایا فاطمہ کے شوہر اور یہ بھی بتایا کہ علی بڑے صوام اور قوام تھے۔ (سید سلمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین: ۱۱۸/۲)

انھیں نبی اکرم ﷺ سے بہت محبت تھی۔ غزوہ احد میں آپ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو آپ خود میدان جنگ میں تشریف لے آئیں اس وقت آپ غار سے باہر تشریف لا چکے تھے۔ حضرت فاطمہ نے آپ کے زخم دھوئے۔

آپ کے دو صاحبزادے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین تھے اور دو صاحبزادیاں حضرت زینب اور ام کلثوم تھیں۔ بعض مورخین نے محسن اور رقیہ کے نام بھی لکھے ہیں تاہم وہ صغرسنی ہی میں فوت ہو گئے تھے لہٰذا ان کے حالات معلوم نہیں ہیں۔ حضرت فاطمہ کے سوا آپ ﷺ کی کسی بچی کی نسل نہیں چلی۔

Marfat.com

آپ کا وصال شب سہ شنبہ ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ کو ہوا۔ وفات کے وقت آپ کی عمر مبارک کے بارے میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض مورخین نے ۲۴ سال بعض نے پچیس سال اور بعض نے تیس سال لکھی ہے۔ صحیح روایات کے مطابق آپ کی عمر مبارک انتیس سال تھی۔ صحاح ستہ میں حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت یہ ہے کہ آپ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے چھ ماہ زندہ رہیں۔ ابن بکار نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دفعہ عبداللہ بن حسن بن امام حسن بن علی بن ابی طالب ہشام بن عبدالملک کے پاس آئے وہاں مشہور مورخ کلبی پہلے سے موجود تھا۔ ہشام نے پوچھا وفات کے وقت سیدہ فاطمہ کی عمر کیا تھی۔ عبداللہ نے کہا تیس سال۔ کلبی نے کہا پینتیس سال، ہشام نے کہا ابو محمد سنتے ہو کہ کلبی جو تاریخ میں ممتاز ہے کیا کہتا ہے۔ انھوں نے کہا میری ماں کا حال مجھ سے دریافت کیجیے اور کلبی کی ماں کا حال کلبی سے پوچھ لیجیے۔

سیدہ فاطمہ کی عمر مبارک کے بارے میں تو زرقانی اور عبداللہ بن حسن بن حسن کی روایات ہی صحیح لگتی ہیں جو قریب قریب ہیں۔ اس طرح یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ وفات کے وقت آپ کی عمر ۲۹ سال یا چند ماہ زیادہ تھی۔ اس طرح آپ کی پیدائش کے سال کے بارے میں حضرت ابن عباس کی یہ روایت درست محسوس ہوتی ہے کہ آپ کی ولادت قبل نبوت ہوئی۔ اس سے ابن جوزی کی اس روایت کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ آپ تعمیر کعبہ کے سال پیدا ہوئیں۔ (واللہ اعلم)

اس خیال کی تائید بخاری کی ایک روایت سے بھی جو انھوں نے عبداللہ بن مسعود سے نقل کی ہے۔

"نبی ﷺ بیت اللہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ابو جہل اور اس کے ساتھی بیٹھے تھے۔ انھوں نے ایک دوسرے سے کہا تم میں سے کون بنی فلاں کے ہاں سے اس اونٹنی کی بچہ دانی بچہ سمیت لے آئے۔ جو انھوں نے ذبح کی ہے اور آپ کے کندھوں کے درمیان پیٹھ پر رکھ دے۔ پھر ان میں سب سے بدباطن وہ لے آیا۔ پھر انتظار کیا۔ یہاں تک کہ آپ سجدے میں گئے تو آپ کی پیٹھ پر رکھ دی۔ میں دیکھ رہا تھا مگر بے بس تھا۔ پھر وہ ظالم ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو کر ایک دوسرے پر گر پڑ رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ سجدے سے سر نہ اٹھاتے تھے۔ یہاں تک کہ فاطمہ آئیں اور بچہ دانی کو آپ کی پیٹھ

Marfat.com

سے گرایا۔" (ابن حجر عسقلانی، فتح الباری: ۳۴۹/۱)
ظاہر ہے کہ واقعہ کفار کی جانب سے مخالفت کے اس ابتدائی دور کا ہے جب کفار مکہ آپ کے استہزاء کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ جب صرف نبی اکرم ﷺ تنہا خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے تھے اور باقی مسلمان چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے اور یہ دور حضرت عمر کے ایمان لانے سے پہلے کا ہے اور یہ مسلم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعثت کے بعد چھٹے سال میں ایمان لائے۔ یوں یہ واقعہ چھٹے سال نبوت سے پہلے کا بنتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ آپ کی ولادت سال بعثت میں ہوئی تو یہ ممکن نہیں ہے کہ چار پانچ سال کی ایک بچی نے اونٹنی کی بچہ دانی آپ کی کمر سے گرادی ہو۔ لہٰذا یہی رائے صحیح لگتی ہے کہ آپ کی ولادت قبل نبوت میں ہوئی۔

سیدنا عبداللہ

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بطن سے آپ کی آخری اولاد سیدنا عبداللہ ہیں ان کی ولادت یقینی طور پر بعد بعثت ہوئی۔ لہٰذا ان کے مفصل حالات بعد بعثت کے واقعات میں تحریر کیے جائیں گے۔

ایک قبیح جسارت

بعض لوگ بے خوف ہو کر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی صرف ایک صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا تھیں۔ باقی تینوں صاحبزادیاں آپ کی ربائب تھیں۔ یہ لوگ ایک جانب مومن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ قرآن مجید پر اپنے ایمان کے معدی ہیں۔ اور دوسری جانب قرآن مجید کی نص قرآنی کو نظر انداز کر دیتے۔ جس میں نبی اکرم ﷺ کی تین یا تین سے زیادہ صاحبزادیوں کا تذکرہ ہے۔

سورہ احزاب کے ابتدائی رکوع میں ارشاد ربانی ہے:

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ وَ مَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ وَ مَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَ اللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ

Marfat.com

وَ هُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ○ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ مَوَالِيْكُمْ وَ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَ لٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (الاحزاب:۴۔۵)

''اور نہ اس نے تمھارے منہ بولے بیٹوں کو تمھارا حقیقی بیٹا بنایا ہے۔ یہ تو وہ باتیں ہیں جو تم لوگ منہ سے نکال دیتے ہو۔ مگر اللہ وہ بات کہتا ہے جو مبنی بر حقیقت ہے۔ اور وہی صحیح طریقے کی رہنمائی کرتا ہے۔ منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے۔ اگر تمھیں معلوم نہ ہو کہ ان کے باپ کون ہیں تو وہ تمھارے دینی بھائی اور رفیق ہیں۔ نادانستہ تم جو بات کہو اس کے لیے تم پر کوئی گرفت نہیں۔ لیکن اس بات پر ضرور گرفت ہوگی جس کا تم دل سے ارادہ کرو۔ اللہ درگزر کرنے والا اور رحیم ہے۔''

تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جنھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبل بعثت خانہ کعبہ میں اعلان فرما کر اپنا متبنیٰ بنایا تھا۔ جو اسی بنا پر تقریباً ایک تہائی صدی تک زید ابن محمد کہلاتے رہے تھے۔ ان آیات کے نزول کے بعد انھیں زید بن حارثہ کے نام سے پکارا جانے لگا۔ اس طرح اس بات کی ممانعت کر دی گئی کہ اپنی صلب سے پیدا ہونے والے بچوں کے علاوہ کسی دوسرے بچے کو اپنا بیٹا یا بیٹی نہ کہا جائے۔ اس کے باپ کے نام کے ساتھ پکارا جائے۔ وہ منہ بولا بیٹا یا بیٹی ہو۔ لے پالک ہو یا اپنی بیوی کے پہلے شوہر کا بیٹا ہو۔ چنانچہ حضرت خدیجہ کے پہلے شوہروں کے تینوں بچے ہالہ بن ابی ہالہ، ہند بن ابی ہالہ اور ہند بنت عتیق اپنے باپوں ہی کے نام سے پکارے جاتے رہے۔

اس سورہ کے آٹھویں رکوع میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (الاحزاب:۵۹)

Marfat.com

''اے نبی اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں اور اللہ غفور و رحیم ہے۔''

اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے عورتوں کے لیے حکم حجاب نازل فرمایا گیا۔ خطاب عورتوں کے تین طبقات مخاطب تھے۔ نبی اکرم ﷺ کی بیویاں، آپ کی بیٹیاں اور تیسری اہل ایمان کی عورتیں۔ اس طرح یہ بات واضح کر دی گئی کہ جن کو آپ کی بیٹیاں کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔ وہ نہ آپ کی ازواج مطہرات کے پہلے شوہروں کی بیٹیاں ہیں نہ وہ اہل ایمان کی عام عورتوں میں شامل ہیں بلکہ آپ کی اپنی بیٹیاں ہیں جو آپ کی صلب سے پیدا ہوئیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ عربی زبان میں ایک بیٹی کے لیے بنت اور دو بیٹیوں کے لیے بنتان اور بنات کا لفظ کم از کم تین بیٹیوں کے لیے استعمال ہوتا ہے یا پھر تین سے زیادہ کے لیے۔ جس وقت یہ آیات ۵ھ میں نازل ہوئیں آپ کی تین بیٹیاں زینب، ام کلثوم اور فاطمہ زندہ تھیں اور ایک بیٹی رقیہ فوت ہو چکی تھیں۔

اگر یہ صاحبزادیاں آپ کی اپنی بیٹیاں نہ ہوتیں بلکہ آپ کی ربائب ہوتیں تو کسی طرح ممکن نہ تھا کہ غیروں کے بچوں کو اپنا بیٹا کہنے کی ممانعت کر دینے کے بعد اللہ تعالیٰ ان بچیوں کو آپ کی بیٹیاں کہہ کر خطاب کرتا۔ جو آپ کی بیٹیاں نہیں حضرت خدیجہ کے پہلے شوہروں کی بیٹیاں ہوتیں۔

اس طرح یہ آیت اس معاملے کی نص قطعی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی صاحبزادیاں دو سے زیادہ تھیں۔

ان لوگوں کو خدا کا خوف کرنا چاہیے اور ہوش کے ناخن لینے چاہئیں کہ انھیں آپ ﷺ کی صحیح النسب بیٹیوں کا انکار کرنے کی صورت میں قیامت کے روز خدا اور رسول کے سامنے کیسی سخت جواب دہی کرنی ہوگی اور کس رسوائی کا سامنا کرنا ہوگا۔ اور قرآن مجید کی نص صریحہ کا انکار کرنے کی صورت میں انھیں قیامت کے روز کن لوگوں کے انجام سے دوچار ہونے کا خطرہ پیش آسکتا ہے۔

تمام معتبر روایات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی صاحبزادیاں چار تھیں۔ قدیم

Marfat.com

ترین سیرت نگار محمد بن اسحاق حضرت خدیجہ کے ساتھ آپ کے نکاح کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''ابراہیم کے سوا آپ کی تمام اولاد انہی کے بطن سے پیدا ہوئی اور ان کے نام یہ ہیں: قاسم، طاہر، طیب (ان کا نام عبداللہ تھا اور طیب و طاہر عبداللہ کے دو لقب تھے)، زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ۔ (ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۱/۲۰۲)

ہشام بن محمد بن سائب نے جو خود مشہور عالم الانساب ہے انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ''مکہ میں نبوت سے قبل آپ کے ہاں سب سے پہلے قاسم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، پھر زینب، پھر رقیہ، پھر فاطمہ، پھر ام کلثوم رضی اللہ عنہن، اور نبوت کے بعد عبداللہ پیدا ہوئے جن کو طیب و طاہر کہا گیا۔ ان سب کی والدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

(ابن ہشام السیرۃ النبویہ: ۱/۲۰۲)

ابن حزم نے جوامع السیرہ میں تحریر کیا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضور ﷺ کی چار بیٹیاں تھیں سب سے بڑی حضرت زینب، ان سے چھوٹی حضرت رقیہ، ان سے چھوٹی فاطمہ رضی اللہ عنہن۔ (طبقات ابن سعد: ۱/۱۳۳)

ابن عبدالبر نے جو کتاب الاستیعاب کے مصنف ہیں مستند حوالوں سے لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے پہلے حضرت خدیجہ کے دو شوہر گزر چکے تھے۔ ایک ابو ہالہ تمیمی جس سے ان کے ہاں ہند اور ہالہ پیدا ہوئے دوسرے عتیق بن عابد مخزومی جس سے ان کے ہاں ایک لڑکی ہند نامی پیدا ہوئی۔ اس کے بعد ان کا نکاح نبی اکرم ﷺ سے ہوا۔ اور تمام علمائے انساب متفق ہیں کہ آپ کی صلب سے ان کے ہاں چار صاحبزادیاں زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن پیدا ہوئیں۔

(طبری: ۲/۱۱، طبقات ابن سعد: ۸/۱۴-۱۶، کتاب المحبر: ص ۷۸، ۷۹، ۴۵۲، الاستیعاب: ۲/۷۱۸)

محمد بن یعقوب بن اسحاق الکلینی نے اصول کافی میں جو شیعہ کی نہایت معتبر کتاب حدیث ہے لکھا ہے:

وتزوج خديجة وهو ابن بضع وعشرين سنة، فولدله منها قبل مبعثه صلى الله عليه وسلم القاسم ورقيه، زينب و ام كلثوم وددله بعد الميعث الطيب والطاهر وفاطمه عليها السلام۔

(محمد یعقوب الکلینی، اصول الکافی: ج ۲، ابواب التاریخ، باب مولد النبی ﷺ و وفاتہ: ص ۲۲۴)

Marfat.com

"اور آپ کی عمر بیس سے چند سال اوپر تھی جب آپ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو قبل بعثت ان سے نبی ﷺ کے ہاں القاسم، رقیہ، زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئے اور آپ کی بعثت کے بعد طیب وطاہر اور فاطمہ علیہا السلام پیدا ہوئیں۔"

ازدواجی زندگی

کسی انسان کی عظمت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ اس کا اپنی بیوی اور دوسرے زیردستوں کے ساتھ سلوک کیسا ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو آپ قبل بعثت ہی عظمت کے کمال پر تھے۔ آپ کی شادی ۲۵ سال کی عمر میں ہوئی جب امنگیں اپنی انتہا کو چھو رہی ہوتی ہیں۔ جبکہ حضرت خدیجہ الکبری آپ سے ۱۵ سال بڑی تھیں اور جوانی ڈھل رہی تھی مگر یہ ایک عجیب پاکیزہ اور طہارت مجسم جوڑا تھا۔ یہاں اگر قبل بعثت آپ اپنی سیرت اور معاشرت کی پاکیزگی کے سبب الصادق اور الامین کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے تو زوجہ محترمہ بھی قبل اسلام میں حسن سیرت وکردار کے سبب طاہرہ کے لقب سے یاد کی جاتی تھیں۔ اس اشتراک طہارت نے میاں بیوی کے درمیان انتہائی گہری محبت پیدا کر دی تھی۔

حضرت خدیجہ بہت مال دار تھیں اور شادی کے بعد ان کی پوری دولت آپ کے لیے وقف تھی۔ آپ اسی دولت سے تجارت بھی کرتے تھے اور حضرت خدیجہ الکبریٰ آپ کے ادنیٰ اشارے پر اپنی دولت بیواؤں، یتیموں اور حاجت مندوں پر لٹانے کے لیے ہر وقت تیار رہتی تھیں۔ بیوی کی حیثیت سے انھیں آپ سے قبل بعثت بھی محبت ہی نہیں عقیدت تھی۔ یہاں تک کہ انھوں نے محض اس وجہ سے اپنے خاندانی الٰہوں لات اور عزیٰ کی پرستش چھوڑ دی تھی کہ آپ کو ان سے نفرت ہے۔

نبی اکرم ﷺ کو بھی حضرت خدیجہ کے اس بے مثال رویے کا اعتراف تھا جو انتہائی جذباتی محبت میں ڈھل گیا تھا اور اس جذباتی محبت کا اظہار ام المومنین کی زندگی ہی میں نہیں آپ کی وفات کے بعد بھی متعدد واقعات کی صورت میں سامنے آتا رہا۔ میاں بیوی کی باہمی محبت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی حالانکہ اپنی وفات کے وقت حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی عمر ۶۵ سال تھی جبکہ آپ کی عمر ۵۰ سال تھی۔ جبکہ قریش

Marfat.com

میں ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا رواج عام تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ نے آپ ﷺ کی حضرت خدیجہ سے محبت کا تذکرہ کرتے ہوئے اسی شے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے خدیجہ کی زندگی میں کوئی نکاح نہیں فرمایا۔ (مسلم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے روایت ہے:

خیر نسائھا مریم و خیر نسائھا خدیجہ (متفق علیہ)

''اپنی امت کی بہترین عورت مریم تھیں اور اس امت کی بہترین عورت خدیجہ ہیں۔''

حضرت عائشہ صدیقہ ہی سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت خدیجہ کی ہمشیرہ حضرت ہالہ بنت خویلد جو ابو العاص بن ربیعہ کی والدہ تھیں آپ سے ملنے آئیں اور انھوں نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ ان کی آواز حضرت خدیجہ سے بہت مشابہ تھی۔ آپ ان کی آواز سن کر تڑپ گئے اور فرمایا اللھم ھالہ (خدایا یہ ہالہ ہوں) حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت رشک آیا اور میں نے کہا'' آپ قریش کی ایک بوڑھی عورت کو اتنا یاد کرتے ہیں۔ جسے فوت ہوئے مدت گزر گئی ہے۔ اور اللہ نے آپ کو اس سے اچھی بیوی دے دی۔'' مسند احمد اور طبرانی کی روایت کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں میری اس بات پر حضور کو غصہ آ گیا۔ تو میں نے آپ کا غصہ بھانپ کر عرض کیا کہ قسم ہے اس اللہ کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ میں اب کبھی ان کا ذکر بھلائی کے سوا نہ کروں گی۔ حضرت عائشہ صدیقہ ہی سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی بیویوں میں سے کسی پر اتنا رشک کبھی نہیں آیا۔ جتنا رشک مجھے خدیجہ پر آتا تھا۔ حالانکہ وہ میری شادی سے پہلے وفات پا گئی تھیں وجہ اس کی یہ تھی کہ میں اکثر آپ کو ان کا ذکر کرتے سنتی تھی اور جب کبھی آپ بکری ذبح کرتے تھے تو اس میں سے آپ ﷺ خدیجہ کی سہیلیوں کے لیے ضرور بھیجتے۔ کبھی کبھی تو میں کہہ اٹھتی تھی۔ یوں لگتا ہے جیسے دنیا میں خدیجہ کے سوا کوئی عورت ہی نہیں تو آپ ان کی تعریفیں کرتے ہوئے فرماتے وہ ایسی تھی وہ ایسی تھی اور میرے اس سے اولاد ہوئی۔ بلاذری نے انساب الاشراف میں حضرت عائشہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دفعہ ایک کالی سی عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے بڑی مسرت کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے پوچھا کہ اس عورت کے آنے پر اتنی خوشی کی وجہ کیا تھی۔ آپ نے فرمایا خدیجہ کے پاس آیا کرتی تھی۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ جنگ بدر میں نبی

Marfat.com

اکرم ﷺ کے داماد ابو العاص بن ربیع گرفتار ہو کر آئے۔ آپ کی صاحبزادی حضرت زینب نے ان کے فدیہ کے لیے مال بھیجا تو اس میں وہ ہار بھی تھا جو حضرت خدیجہ نے شادی کے موقع پر انھیں دیا تھا۔ اس ہار کو دیکھ کر نبی اکرم ﷺ پر رقت طاری ہو گئی۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ اگر تم مناسب سمجھو تو زینب کے قیدی کو فدیہ لیے بغیر رہا کر دو اور فدیہ واپس کر دو لوگ رضا مند ہو گئے اور ابو العاص کو بغیر فدیہ رہا کر دیا۔

یہ چند واقعات یہ بات ثابت کرنے کے لیے بہت کافی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو آپ سے کتنی گہری محبت تھی جو عمر بھر موجود رہی۔

حضرت علی حضور ﷺ کی کفالت میں

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قبل بعثت ہی انھیں اپنی کفالت میں لے لیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کی عمر مبارک اس وقت تقریباً پینتیس سال تھی۔ ابن اسحاق نے عبداللہ بن ابی نجیح کے واسطے سے مجاہد بن جبیر ابی الحجاج سے یہ روایت نقل کی ہے کہ قریش کو ایک بار سخت گرانی کا سامنا ہوا۔ ابو طالب کثیر العیال تھے۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے اپنے چچا عباس سے جو بنو ہاشم میں سب سے دولت مند تھے۔ کہا آپ کے بھائی کا کنبہ بڑا ہے اور مالی حالت اچھی نہیں ہے اور لوگ جس گرانی میں مبتلا ہیں وہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ آیئے ان کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ہم ان سے بات کریں۔ آپ ان کا ایک بیٹا اپنی کفالت میں لے لیں اور ایک بیٹا میں اپنی کفالت میں لے لیتا ہوں۔ حضرت عباس اس پر راضی ہو گئے۔ دونوں حضرات نے ابو طالب سے اپنا مدعا بیان کیا۔ تو انھوں نے کہا عقیل اور (بقول ابن ہشام) طالب کو میرے پاس چھوڑ دو باقی تم میں سے جو جس کو لینا چاہے لے لو۔ اس طرح حضرت عباس جعفر کو لے لیا اور آپ ﷺ حضرت علی کو اپنے ہاں لے گئے جو سب سے چھوٹے تھے۔

(ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۲۴۶/۱)

جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کفالت نبوی میں آنے کا تعلق ہے یہ بات مسلم ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قبل بعثت ہی اپنی کفالت میں لے لیا تھا۔ مگر اس کی جو وجہ اس روایت میں بیان ہوئی ہے وہ کئی وجوہ سے ناقابل قبول ہے۔ اول یہ کہ روایت مرسل ہے۔ مجاہد نے یہ کس سے سنی

Marfat.com

ہے اس کا کوئی تذکرہ نہیں۔ جہاں تک عبداللہ ابی نجیح کا تعلق ہے۔ وہ قابل اعتماد راوی ہونے کے باوجود قدریہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ وجہ اس لیے بھی قابل لحاظ نہیں ہے کہ خواہ کتنی ہی گرانی کیوں نہ ہو ابو طالب اتنے کثیر العیال نہیں تھے کہ وہ اپنے بچوں کو پالنے کے قابل نہ ہوں۔ ان کے کل چار بیٹے طالب، جعفر، عقیل اور علی تھے اور دو صاحبزادیاں ام ہانی اور جمانہ تھیں۔ ان میں سے طالب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عمر تھے۔ اس طرح وہ خود کفیل تھے اور ان کی عمر تقریباً پینتیس سال تھی۔ جعفر ان سے دس سال چھوٹے اور ان کی عمر پچیس سال تھی۔ اس طرح وہ خود بھی محنت مزدوری کر کے کھانے کے قابل تھے۔ عقیل کی عمر بھی س وقت ۱۵ سال تھی اور وہ جعفر سے دس سال چھوٹے تھے۔ آپ کی صاحبزادی ام ہانی کی شادی خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہو چکی تھی اور غالباً جمانہ کی شادی بھی ہو چکی تھی۔ اس طرح آپ کی کثرت عیال کا عالم یہ تھا کہ آپ کی کفالت میں ایک پینتیس سالہ اور ایک پچیس سالہ جوان ایک پندرہ سال کا نوجوان تھا جو آپ کے کاروبار میں معاون ہو سکتا تھا۔ البتہ ایک علی تھے جن کی عمر اس وقت زیادہ سے زیادہ چار یا پانچ سال تھی۔

اس وقت تک زبیر جو باپ کے وصی تھے فوت ہو چکے تھے اور ابو طالب سردار قبیلہ تھے اور ظاہر ہے کہ قبائلی نظام میں عمر کے علاوہ مالی حالت بھی سرداری کے لیے صفات مطلوبہ میں شمار ہوتی تھی۔ خود عباس کی عمر اس وقت سینتیس سال تھی۔ کیونکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال بڑے تھے۔ تجارت کرتے تھے اور ابھی کوئی اولاد نہیں تھے۔ اس لیے کہ ان کے بڑے صاحبزادے فضل جو ان کی اولاد میں سب سے بڑے تھے۔ حجۃ الوداع میں آپ کے ہم ردیف تھے اور اس وقت بالکل نوجوان تھے۔ وہ جنگ حنین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ شامل ہوئے تھے اور یہ پہلی جنگ تھی جس میں وہ شامل ہوئے تھے۔

اندریں حالات اندازہ یہی ہوتا ہے کہ ابو طالب چونکہ سربراہ قبیلہ تھے۔ عباس نے اپنے کاروبار میں مدد کے لیے ان سے جعفر کو مانگ لیا ہوگا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے قاسم چونکہ فوت ہو چکے تھے اور گھر میں چار صاحبزادیاں تھیں اور آپ کو تجارت کے لیے باہر جانا پڑتا تھا لہٰذا آپ نے ابو طالب سے حضرت علی کو بطور بیٹے کے لے کر ان کی پرورش فرمائی ہو۔

ابو طالب کی غربت اور کثیر العیالی کی روایت کو حال ہی میں کچھ مصنفین نے عداوت

Marfat.com

علی رضی اللہ عنہ میں اپنے مخصوص مقاصد کے لیے بھی بڑی دیدہ دلیری سے استعمال کیا ہے اور محمود عباسی نے تو اپنی عجیب الخلقت تحقیق میں انہی روایات کو بہانہ بنا کر اس بات ہی سے انکار کر دیا ہے کہ ابو طالب نے عبدالمطلب کے بعد نبی اکرم ﷺ کی کفالت کی تھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ ابو طالب تو کثیر العیال آدمی تھے اور مالی حالت بھی اچھی نہیں تھی اور عبدالمطلب کے بعد تو زبیر بن عبدالمطلب ان کے وصی اور جانشین تھے حالانکہ تمام کتب سیرت واحادیث اس پر متفق ہیں کہ آپ کی کفالت ابو طالب ہی نے کی تھی۔

خانہ کعبہ کی تعمیر

خانہ کعبہ کی تعمیر ابراہیمی کو اس وقت تک چھبیس سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا۔ یہ تعمیر پتھروں کو ایک دوسرے کے اوپر جوڑ کر اس طرح کی گئی تھی کہ پتھروں کو باہم جوڑنے کے لیے کسی طرح کا مصالحہ استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ یہ ایک چار دیواری تھی جس پر کوئی چھت نہ تھی۔ جس کے دروازے تھے۔ ایک اسی جانب جس جانب آج کل دروازہ ہے اور دوسرا پچھلی جانب۔ یہ دونوں دروازے بھی بلند نہ تھے بلکہ زمین کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ اس چار دیواری کے اندر ایک کنواں تھا۔ جس میں وہ تحائف پڑے رہتے تھے جو مختلف ادوار میں مختلف سلاطین نے نذر کیے تھے۔

خانہ کعبہ مختلف پہاروں کے درمیان ایک پیالہ نما جگہ میں جو نہایت نشیبی تھا تعمیر کیا گیا تھا۔ مشرق کی جانب جبل خندمہ جنوب میں جبل خلیفہ مغرب میں جبل عمر اور جبل کدی اور شمال میں حجون اس طرح واقع ہیں کہ معلات سے سفلہ تک ان پہاڑوں کے درمیان ایک نشیب کعبہ کے نشیب سے ہو کر گزرتا ہے۔ یہ نشیب بارش کی صورت میں برساتی پانی کی مستقل گزرگاہ تھی۔ مکہ میں بارشیں اگرچہ کم ہوتی ہیں۔ تاہم جب بھی بارش ہوتی تھی ارد گرد کی پہاڑیوں کا پانی سیلاب کی صورت میں اس سے گزرتا تھا اور کئی سیلاب تو بہت شدید ہوتے تھے۔ اس طویل عرصہ میں کتنے سیلاب آئے۔ تاریخ اس معاملے میں خاموش ہے البتہ اتنا پتہ چلتا ہے کہ بنوخزاعہ کے آخری دور میں ایک بہت شدید سیلاب آیا جس میں بنوبکر کی ایک عورت فارہ نامی بہہ گئی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سیلاب سیل فارہ کہلاتا ہے۔ عین اس سال جب نبی اکرم ﷺ کی عمر مبارک ۳۵ سال تھی۔ پھر ایک شدید سیلاب آیا اور اس سے عمارت کعبہ کو شدید نقصان پہنچا اور یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں

Marfat.com

عمارت کعبہ منہدم نہ ہو جائے۔

قریش نے اس صورت حال کے سبب کعبہ کی تعمیر نو کا فیصلہ کیا۔ قریش کے تمام قبائل حرم میں جمع ہوئے کہ تعمیر کعبہ کے لیے سرمایہ بھی جمع کیا جائے اور کام کی منصوبہ بندی بھی کی جائے۔ اس موقع پر بنو مخزوم میں سے نبی اکرم ﷺ کے والد بزرگوار کے ماموں ابو وہب بن عمرو بن عائذ نے اٹھ کر سرداران قریش کو خطاب کرتے ہوئے کہا ''اے قریش کے لوگو! اس تعمیر میں اپنی حلال کمائی لگاؤ۔ اس میں زنا کاری کی کمائی، سود کی کمائی یا ظلم کی کمائی داخل نہ ہونے پائے۔'' ایک اور روایت میں یہ الفاظ بیان ہوئے ہیں کہ ''اس گھر کی تعمیر میں کوئی ایسا مال نہ لگاؤ جو تم نے غصب کر کے یا قطع رحمی کر کے یا کسی ذمہ کو جو تمھارے اور کسی دوسرے انسان کے درمیان ہو توڑ کر حاصل کیا ہو۔'' (یہ ابن اسحاق کا قول ہے۔ موسیٰ بن عقبہ کی روایت کے مطابق یہ الفاظ ولید بن مغیرہ کے ہیں)

اس موقع پر ابو وہب نے خانہ کعبہ کی دیوار کا ایک پتھر اپنی جگہ سے اٹھایا اور پھر اسی جگہ رکھ دیا۔

عمارت کعبہ کی بوسیدگی کے علاوہ ایک سبب تعمیر نو کا یہ تھا کہ خانہ کعبہ کی عمارت پر چھت تھی نہ دروازوں میں کواڑ تھے۔ بیت اللہ کے قیمتی تحائف کھلے آسمان تلے بیت اللہ کے اندر کنوئیں میں ہوتے تھے اور بعض اوقات کچھ لوگ ان میں سے بعض اشیاء چرا کر لے جاتے تھے۔ اس سے کچھ ہی عرصے پہلے قریش کے کچھ نوجوان کعبہ کے دروازے پر لگی سونے کی دو غزالیں چرا کر لے گئے۔ جن میں ابولہب بن عبدالمطلب بھی شامل تھا اور وہ تختہ جس پر یہ دونوں ہرن نصب تھے بنو خزاعہ کی شاخ بنو ملیح بن عمرو کے غلام رویک کے گھر پھینک گئے۔ وہ سامان اس کے گھر سے برآمد ہو گیا نیز وہ غلام تھا اور باقی معززین لہٰذا اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

ان وجوہ کی بنیاد پر قریش چاہتے تھے کہ تعمیر نو میں چھت اور دروازوں میں کواڑوں کا اہتمام کریں تا کہ بیت اللہ کا خزانہ محفوظ ہو جائے۔ سرمایہ جمع ہو جانے کے بعد اگلا مرحلہ لکڑی کی فراہمی کا تھا۔ اسی دوران میں جدہ کی بندرگاہ پر ایک رومی جہاز تباہ ہو گیا۔ یہ جہاز حبشہ میں ایک کنیسہ کی تعمیر کے لیے قیمتی لکڑی لے کر جا رہا تھا۔ جہاز کے تباہ ہونے کی خبر سن کر ولید بن مغیرہ قریش کے لوگوں کے ہمراہ جدہ پہنچا اور لکڑی خرید لی۔ اسی جہاز میں ایک رومی معمار باقوم نامی بھی موجود تھا۔ ان لوگوں نے اسے بھی کعبہ کی تعمیر پر آمادہ کر لیا۔ مکہ میں ایک قبطی نجار پہلے سے موجود

Marfat.com

تھا۔ اسے لکڑی کا کام کرنے پر آمادہ کرلیا گیا۔

اگلا مرحلہ کعبہ کی عمارت منہدم کرنے کا تھا اور لوگ کعبہ کی عظمت کے سبب اس کو منہدم کرنے کی جسارت نہ کرسکتے تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہرنوں کی چوری کے بعد کہیں سے ایک اژدھا ادھر آنکلا اور اس نے کنویں میں رہائش اختیار کرلی تھی۔ جو شخص بھی عمارت کعبہ کے قریب آتا یہ اژدھا اپنا منہ کھول لیتا اور پھنکارتا۔ اس لیے بھی کوئی شخص عمارت کے قریب جانے کی جسارت نہ کرتا تھا۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق ایک روز وہ اژدھا کعبہ کی دیوار پر بیٹھا تھا کہ ایک عقاب نے آکر اسے اپنے پنجوں میں پکڑا اور جبل حجون کی طرف لے کر اڑ گیا اس کو قریش نے اس علامت کے طور پر لیا کہ اللہ بیت اللہ کی تعمیر نو پر راضی ہے۔

(ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۱/۱۹۳)

ابن ہشام نے اس سلسلے میں زبیر بن عبدالمطلب کے درج ذیل اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

عجبت کا تصوبت العقاب — الی الثعبان وھی لھا اضطراب
وقد کانت یکون لھا کشیش — واحیاناً یکون لھا وثاب
اذا قمنا الیٰ التاسیس شدت — تھیبنا البناء وقد تھاب
فلما ان خسینا الرجز جاءت — عقابٌ تتلب لھا انصباب
فضمتھا الیھا ثم خلت — لنا البنیان لیس لہ حجاب
فقمنا حاشدین الیٰ بناءِ — لنا منہ القواعد والتراب
غداۃ نرفع التاسیس منہ — ولیس علیٰ مسوینا ثیاب
اعزبہٖ الملیك بنی لوی — فلیس لاصلہٖ منھم ذھاب
وقد حشدت ھناك بنو عدی — ومرۃ قد تقدمھا کلاب
فبوأنا الملیك بذاك عزاً — وعند اللہ یلتمس الثواب

(ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۱/۱۹۸)

قدرت الٰہی کے اس واضح اشارے کے باوجود قریش عمارت کعبہ کو منہدم کرنے کی ہمت نہیں پاتے تھے انھیں یہ ڈر تھا کہ اس عمل کے نتیجے میں ان پر کوئی آفت نہ آٹوٹے دوسری

Marfat.com

جانب اس عمارت کو اکھاڑے بغیر تعمیر نو ممکن نہ تھی۔ چنانچہ ولید بن مغیرہ اٹھے اور انھوں نے کہا میں اسے گرانے کی ابتدا کرتا ہوں۔ پھر کہا اللھم لا نرید الا الخیر اے اللہ ہمارا کوئی ارادہ خیر کے سوا نہیں ہے پھر کدال ہاتھ میں لے کر دیوار سے ایک پتھر اکھاڑا اور پھر سبھی لوگ یہ فیصلہ کر کے گھروں کو چلے گئے کہ اگر صبح تک ولید بن مغیرہ پر کوئی افتاد آ پڑی تو ہم اس کام سے رک جائیں گے اور اگر ولید محفوظ رہا تو ہم تعمیر کعبہ میں جت جائیں گے۔ چنانچہ جب اگلی صبح ولید بن مغیرہ صحیح وسلامت کعبہ میں آیا تو قریش نے تعمیر نو کا کام شروع کر دیا۔ فیصلہ یہ کیا گیا کہ جو قبیلہ جس جانب آباد ہے وہی اپنی جانب والی دیوار کو گرائے گا۔ لہٰذا دروازے والی جانب بنو عبد مناف اور بنو زہرہ کے حصے میں آئی۔ حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان کا حصہ بنو مخزوم اور ان کے ساتھ شامل دوسرے قبائل کے حصہ میں آیا۔ کعبہ کی پشت کی جانب بنو جمح اور بنو سہم کے حصے میں آئی جو عمرو بن ھصیص بن کعب بن لوی کی اولاد میں سے تھے اور حطیم کی سمت بنو عبد الدار، بنو اسد بن عبد العزی بن قصی اور بنو عدی بن کعب بن لوی کے حصے میں آئی۔

مختلف سمتوں کی تقسیم کے بعد بیت اللہ کو منہدم کرنے کے کام کا آغاز ہوا لوگوں نے بہت جوش وخروش سے کام کیا۔

پہلی غیبی آواز

لوگ اپنے کندھوں پر پتھر اٹھا کر ڈھو رہے تھے اور انھوں نے اپنے تہبند اتار کر اپنے کندھوں پر رکھے ہوئے تھے۔ اس لیے کہ ان دنوں قریش کے نزدیک ستر کھولنا کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ قریش اپنے خود تراشیدہ دینی ڈھکوسلوں کے مطابق بیت اللہ کا طواف ننگے بدن کرنا بے ادبی نہیں عجز وانکساری کی علامت سمجھتے تھے کہ ہم اللہ کے حضور اسی حالت میں حاضر ہیں جس حال میں اس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ چنانچہ زبیر بن عبد المطلب کے وہ اشعار جو ہم قبل ازیں نقل کر چکے ہیں ان میں زبیر نے بڑے فخریہ انداز میں یہ کہا ہے کہ جس دن ہم کعبہ کی تاسیس کر رہے تھے ہمارا حال یہ تھا کہ اس کی تعمیر کرنے والوں کے بدن پر کپڑے نہ تھے۔ گویا ہم عجز وانکساری کی تصویر بنے اللہ کے گھر کی تعمیر میں مصروف تھے۔ اس سارے مجمع میں نبی اکرم ﷺ اپنے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اس لیے کہ آپ مجسم اخلاق تھے اور آپ نے کبھی اپنا ستر کسی کے سامنے نہ کھولا

Marfat.com

تھا۔آپ کے چچا عباس نے جو آپ ﷺ سے دو سال بڑے تھے اور آپ ﷺ سے نہایت محبت کرتے تھے۔ یہ اصرار کیا کہ اے محمد اپنا تہبند اتار کر اپنے کندھے پر رکھ لو ورنہ مسلسل پتھر اٹھانے کے نتیجے میں تمھارے کندھے چھل جائیں گے آخر جب ان کے اصرار کے ہاتھوں آپ ﷺ نے اپنا ازار بند کھولنے کے لیے اسے پکڑا تو آپ ﷺ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ نے حضرت جابر بن عبداللہ سے یہ روایت نقل کی ہے۔

ان رسول الله ﷺ كان ينقل معهم الحجارة للكعبه وعليه ازارٌ رقال له العباس عمه لو حللت ازارك فجعلته على منكبيك دون الحجارة فال فحله فجعله علىٰ منكبيه فقسط معشياً عليه فما روى بعد ذلك عرياناً۔ (امام بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الصلوٰۃ: ج۱)

''کہ نبی ﷺ ان کے ہمراہ کعبہ کے پتھر منتقل کر رہے تھے اور آپ نے تہبند باندھ رکھا تھا تو آپ کے چچا عباس نے آپ سے کہا کہ تم تہبند کھول کر کندھے پر پتھر کے نیچے رکھ لیتے تو آپ نے اسے کھول کر کندھے پر رکھا ہی تھا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر اس کے بعد آپ کو کبھی ننگا نہیں دیکھا گیا۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ابو طالب نے آپ سے پوچھا کیا ہوا آپ نے فرمایا کہ ایک سفید پوش آدمی دکھائی دیا۔ جس نے کہا اے محمد اپنے ستر کو چھپا اور یہ روایت ابن سعد، ابن عدی، ابونعیم اور حاکم نے ابن عباس کے طریق سے روایت کی ہے اور حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

حضرت ابوالطفیل سے مروی ہے کہ اس وقت آپ کو غیب سے یہ آواز آئی یا محمد عورتك۔ اے محمد (ﷺ) اپنے ستر کی خبر لو۔ یہ پہلی آواز تھی جو آپ کو سنائی دی۔ اس روایت کو ابونعیم نے دلائل میں، اور بیہقی اور حاکم نے مستدرک میں بیان کیا ہے اور اسے حدیث صحیح قرار دیا ہے۔

آپ ﷺ کی تحکیم

رفتہ رفتہ جب بیت اللہ کی بنیادیں اس مقام تک بلند ہو گئیں جہاں حجر اسود کو نصب کرنا

Marfat.com

تھا تو قریش کے درمیان اس بات پر اختلاف واقع ہو گیا کہ حجر اسود کون نصب کرے گا۔ یہ ایک افتخار تھا اور ہر قبیلہ کی یہ خواہش تھی کہ یہ شرف اسی کے حصے میں آئے۔ اس اختلاف نے طول کھینچا اور قریب تھا کہ تلواریں نیاموں سے نکل آتیں۔ چار پانچ روز تک یہ جھگڑا چلتا رہا۔ یہاں تک کہ بنو عبدالدار اور بنو عدی بن کعب بن لوی نے لہو میں انگلیاں ڈبو کر باہم موت پر حلف لیا۔ آخر ابو امیہ بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم نے کہا ''اے قریش کے لوگو! اپنے اس اختلاف میں اس شخص کو اپنا حکم مان لو جو کل سب سے پہلے بیت اللہ میں داخل ہو اور اس کا فیصلہ قبول کر لو۔ اگلے دن سب سے پہلے بیت اللہ میں داخل ہونے والا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ لوگوں نے آپ کو دیکھتے ہی کہنا شروع کر دیا ''ھذا الامین ارضینا ھذا محمد۔'' یہ امین ہیں ہم راضی ہو گئے یہ محمد ہیں۔ (ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۱/۱۹۷، سید ابوالاعلیٰ مودودی)

ہبیرہ بن ابی وہب المخزومی کے ان اشعار میں اسی واقعہ کی تصدیق ملتی ہے۔

تشاجرت الاحیاء فی فصل خطة
جرت بینهم بالنحس من بعد اسعد
تلاقوا بها بالبغض بعد مودةٍ
واوقد ناراً بینهم شر موقد
فلما رأینا الامر قد جدجده
ولم یبق شیءٌ غیر سل المهند
رضینا وقلنا العدل اول طالع
یحیی من البطحاء من غیر موعدٍ
ففاجأنا هذا الامین محمد
فقلنا رضینا بالامین محمد

جب سبھی لوگ آپ کی آمد پر خوش ہو گئے تو آپ نے اس قضیے کا فیصلہ اس طرح فرمایا کہ اپنی چادر بچھائی اور حجر اسود کو اٹھا کر اس میں رکھا۔ پھر فرمایا کہ قبائل میں سے سر برآوردہ لوگ آئیں اور چادر اٹھائیں۔ چنانچہ بنو عبد مناف میں سے عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس، بنو عبدالعزی میں سے اسود بن مطلب، بنو مخزوم بن سرہ میں سے ابو حذیفہ بن المغیرہ اور بنو عدی بن کعب میں سے

Marfat.com

قیس بن عدی سہمی نے آپ کی چادر مبارک کے کونے پکڑ کر اٹھایا۔ کیونکہ مکہ میں یہی چار بنیادی قبائل تھے جو شاخ در شاخ مختلف قبائل میں تقسیم تھے۔ جب یہ لوگ چادر اٹھا کر اس مقام تک لے گئے جہاں حجر اسود نصب کرنا تھا تو آپ نے خود حجر اسود اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر نصب فرما دیا۔ اس طرح آپ کے حسن تدبیر سے یہ خطرہ بھی ٹل گیا۔

بنائے ابراہیمی میں تغیر

بنائے ابراہیمی طول وعرض کے اعتبار سے مربع نما شکل کی تھی۔ اس طرح کہ حجر اسود سے رکن شامی تک لمبائی ۳۲ ہاتھ، رکن شامی سے رکن غربی تک لمبائی ۲۲ ہاتھ پچھلی جانب رکن عربی سے رکن یمانی تک ۳۱ ہاتھ اور رکن یمانی سے حجر اسود تک ۲۰ ہاتھ تھی۔ دیوار کی بلندی ۹ ہاتھ تھی۔ بیت اللہ پر چھت تھی نہ دروازوں میں کواڑ تھے۔ ایک دروازہ اسی جگہ تھا جہاں اب ہے مگر بلند نہ تھا بلکہ زمین کے اوپر تھا۔ دوسرا دروازہ پچھلی جانب رکن غربی کے قریب تھا اور وہ بھی زمین کے اوپر تھا۔ (الازرقی، اخبار مکہ: ۱/۶۴)

اس نئی تعمیر میں دیواریں بنیاد ابراہیمی تک صاف کر دی گئیں تو یہ دیواریں ایک ابھری ہوئی چٹان پر تھیں جو ریڑھ کی ہڈی کی طرح ایسی چٹانوں سے مل کر بنی تھی جیسے وہ مہرے ہوں۔ ان چٹانوں کو اکھاڑنے کے لیے ان کی دراڑوں میں گینتی ڈال کر زور لگایا گیا تو مکہ کی پوری وادی ہل گئی۔ لہٰذا انھیں جوں کا توں رہنے دیا گیا اور ان کے اوپر تعمیر اٹھائی گئی۔

اس موجودہ تعمیر میں بنائے ابراہیمی سے تھوڑا سا تغیر کیا گیا۔ جتنی مکانیت کے لیے لکڑی کفایت کرتی تھی وہاں تک مکمل عمارت تعمیر کی گئی۔ چنانچہ موجودہ عمارت کی لمبائی دروازے کی جانب سے رکن اسود سے رکن شامی تک ۲۵ ہاتھ اور پچھلی دیوار بھی رکن یمانی سے لے کر رکن عربی تک ۲۵ ہاتھ رکن یمانی سے حجر اسود تک ۲۰ ہاتھ اور میزاب رحمت والی جانب ۲۱ ہاتھ ہے۔ تعمیر ابراہیمی سے جو حصہ شمال مغربی جانب بچ گیا تھا اس کے ارگرد تین فٹ پتھر کی دیوار بنا دی گئی اور رکن شامی اور رکن غربی کے ساتھ ملحقہ دو دروازے اندر داخل ہونے کے بنائے دیے گئے۔ یہ حصہ حطیم کہلاتا ہے۔ یہ بیت اللہ کا حصہ ہے لہٰذا اس کے اندر نماز ادا کرنے والے لوگ کعبہ کے اندر نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ بیت اللہ کا پچھلی جانب کا دروازہ بند کر دیا گیا اور سامنے کا دروازہ

Marfat.com

زمین سے بلند کر کے چار ہاتھ اور ایک ہاتھ بالشت کی بلندی پر لگا دیا گیا۔ تاکہ قریش جس کو چاہیں اندر جانے دیں۔ ان کی مرضی کے بغیر کوئی اندر داخل نہ ہو سکے۔ دروازے میں کواڑ لگا کر تالا لگا دیا گیا۔ بنائے ابراہیمی میں کعبہ مشرفہ کی بلندی ۹ ہاتھ تھی قریش نے نو ہاتھ مزید بلند کر دیا۔ اس طرح خانہ کعبہ کی کل بلندی ۱۸ ہاتھ ہو گئی۔ کعبہ کی چھت چھ ستونوں پر اٹھائی گئی جو تین تین کی دو قطاروں میں بنائے گئے تھے۔ چھت کا پرنالہ حطیم کی جانب لگایا گیا۔ اس طرح کہ اس کا پانی حطیم میں گرتا ہے۔

آپ ﷺ کا حلیہ مبارک

اللہ وحدہ لاشریک کی جانب سے اس کے بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے مبعوث ہونے والی ہستیاں (انبیاء علیہم السلام) ہمیشہ غیر معمولی درجے کی شخصیتوں سے آراستہ ہوتی تھیں۔ اصلاح و ترکیب اور عبودیت کی تعلیم کے کام میں اصل قوت ان کی موثر شخصیت ہی رہی ہے۔ کسی شخصیت کو سمجھنے میں اس کی وجاہت کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ آدمی کا سراپا، اس کے بدن کی ساخت، اس کے اعضاء کا تناسب، اس کی صلاحیتوں اور سیرت و کردار کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی کوئی حقیقی شبیہ یا تصویر اس وقت دنیا میں موجود نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے تصویر کشی کی حرمت کا حکم دے کر اس کے امکانات کو خود ہی حکم فرما دیا تھا۔ اگر آپ کی تصویر موجود ہوتی تو اس بات کا کھلا امکان موجود تھا کہ اس سے عجب اعجازات منسوب کر دیے جاتے۔ اس کے اعزاز میں نہ جانے کتنی رسمیں، کتنی تقریبات اور کتنی بدعتیں اختراع کر لی گئی ہوتیں۔ بعید نہ تھا کہ اس کی پرستش شروع ہو چکی ہوتی۔

تاہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جنھیں حضور سے شدید محبت ہی نہیں عقیدت بھی تھی۔ آپ کا حلیہ مبارک الفاظ میں اس طرح مرتب کر دیا ہے کہ اسے پڑھ کر تصور تصویر مرتب کر لیتا ہے۔ صحابہ کرام سے شمائل النبی ﷺ کے بارے میں روایات کو محدثین نے نہایت قوی اسناد سے ہم تک پہنچا دیا ہے۔ ان روایت کرنے والوں میں حضرت علی، حضرت ابوہریرہ، حضرت انس، حضرت براء بن عازب، حضرت جابر بن سمرہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن حضرت ہند بن ابی ہالہ اور متعدد دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ ام معبد شامل ہیں۔ ان روایات کو بخاری، مسلم، احمد،

Marfat.com

ترمذی، نسائی، بیہقی، حاکم اور دار قطنی نے کتب احادیث میں نہایت قوی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

ان روایات سے مرتب ہونے والی آپ کی تصویر اس طرح بنتی ہے:

قد مبارک متوسط قامت سے کچھ نکلتا ہوا تھا۔ آپ کسی مجمع میں ہوتے تو نمایاں نظر آتے۔ چہرہ اقدس نہ لمبوترا نہ بالکل گول بلکہ کچھ گولائی لیے ہوئے تھا۔ رنگ نہ گندمی تھا نہ بہت سرخ نہ بالکل سفید بلکہ گورا سرخی مائل اور روشن جیسے شہد ملے دودھ میں سرخی اور نور کی حسین آمیزش کر دی گئی ہو۔ سر مبارک بڑا تھا۔ چشمان مبارک بڑی اور لمبی جن میں نہایت روشن ڈھیلے تھے۔ سفید حصہ نہایت سفید تھا جس میں سرخ ڈورے عجب جاذبیت پیدا کرتے، سیاہ حصہ نہایت سیاہ تھا۔ پلکیں گھنی اور لمبی تھیں۔ سرمہ لگائے بغیر بھی ایسے لگتا تھا جیسے سرمہ لگا ہو۔ ابرو گھنے اور خمیدہ تھے مگر ایک دوسرے سے جدا تھے۔ ان کے درمیان ایک رگ تھی جو غصے میں ابھر آتی تھی۔ سر کے بال گھنے اور دراز تھے، نہ بالکل سیدھے نہ گھنگریالے، ہلکا سا حسین خم لیے ہوئے۔ زلفیں کبھی کانوں کے نصف حصہ تک کبھی لو تک اور کبھی کندھوں سے اوپر تک لہراتی تھیں۔ ریش مبارک گھنی اور بھرپور جس کو کناروں سے تراش کر خوبصورت رکھتے۔ زلفوں اور ریش مبارک میں آخری عمر میں بھی زیادہ سے زیادہ انیس بیس بال سفید تھے۔ ریش مبارک اتنی طویل تھی کہ وضو فرماتے ہوئے خلال فرماتے اور ریش مبارک ہاتھ سے اٹھا کر نچلے حصے میں پانی دیتے تھے۔ ناک ستواں مگر بہت اٹھی ہوئی نہ تھی بلکہ حسین جس پر ایک خوبصورت چمک کے سبب پہلی نظر میں طویل دکھائی دیتی۔ ہونٹ پتلے اور بھنچے ہوئے اور دہن مبارک چوڑا تھا۔ دندان مبارک موتیوں کی طرح جڑے ہوئے۔ نہایت سفید اور چمکدار۔ اگلے دانتوں کے درمیان فاصلہ مناسب تھا تبسم یا تکلم فرماتے تو دانتوں کے درمیان سے نور نکلتا دکھائی دیتا تھا۔ جبین مبارک کشادہ اور روشن تھی۔

سینہ مبارک کشادہ تھا اور دونوں شانوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ شانوں میں ہلکا سا جھکاؤ جسم کو اور حسین بنا گیا تھا۔ جسم اطہر گٹھا ہوا مگر موٹا نہ تھا۔ جوڑ بند بہت مضبوط تھے۔ بازو بھرے ہوئے اور پنڈلیاں جسم سے متناسب تھیں۔ پنڈلیوں اور بازوؤں پر

Marfat.com

ہلکے ہلکے بال تھے۔ سینہ مبارک پر ہلکے بال تھے اور سینہ مبارک سے ناف تک بالوں کی ہلکی لکیر چلی گئی تھی جو بہت حسین معلوم ہوتی تھی۔ باقی جسد اطہر بالوں سے صاف تھا۔ ایڑیاں ہلکی تھیں۔ ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں بھاری مگر لمبی تھیں۔ ہتھیلیاں اور تلوے بھرے ہوئے تھے۔ پاؤں کے تلووں میں ہلکا سا حسین خم تھا۔ گردن لمبی مگر موزوں جیسے اہتمام سے ڈھلی ہو۔ سینہ اور پیٹ برابر تھے۔ پشت کی جانب گوشت نسبتاً کم تھا۔ جسم جیسے نور کے سانچوں میں ڈھلا ہو۔ دونوں کندھوں کی چوڑی ہڈی کے نچلی جانب دونوں ہڈیوں کے درمیان دائیں جانب کی ہڈی کے قریب مہر نبوت تھی۔ یہ بیضوی شکل کا گوشت کا ہلکا سا ابھار تھا جس پر سنہرے رنگ کے چھوٹے چھوٹے مسے اتنے حسین تھے جیسے چودھویں کی رات نور میں ڈھلے آسمان پر کہکشاں چمکتی ہو۔

جسمانی طاقت کا یہ عالم تھا کہ ایک بار رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف نے جو عرب کے بہت بڑے پہلوان تھے آپ کو کشتی کی دعوت دی۔ یہ آپ کی بعثت کے بعد کا واقعہ ہے۔ آپ نے اسے پچھاڑ دیا۔ اس نے اٹھ کر دوبارہ مقابل ہونے کو کہا آپ نے اس بار پھر اسے پچھاڑ دیا۔ وہ حیران تھا کہ نہ تو آپ نے کبھی ورزشیں کی تھیں نہ کبھی کشتی کی تھی جبکہ رکانہ قریش کا سب سے طاقتور پہلوان تھا اور اسے کسی نے آج تک نہیں پچھاڑا تھا۔ لہٰذا اس نے کہا ''اے محمد، تعجب ہے، تم مجھے پچھاڑ دیتے ہو۔'' اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے بچپن کا واقعہ ہے کہ ایک بار ابوجہل عبداللہ بن جدعان کے ہاں ایک دعوت میں آپ سے الجھ پڑا۔ آپ نے اسے اٹھا کر اس طرح پٹخا کہ اس کا گھٹنا زخمی ہو گیا۔ اس زخم کا نشان ابن ہشام نے لکھا ہے کہ ابوجہل جب بدر میں قتل ہو گیا تو آپ نے فرمایا اس کی لاش تلاش کی جائے اور یہ بتایا کہ اس کے گھٹنے پر زخم کا نشان ہے۔ اس کی لاش کی پہچان اسی زخم سے ہوئی اس موقع پر آپ نے یہ واقعہ خود بیان فرمایا۔

لباس

آدمی کی شخصیت کا اندازہ اس کے لباس، لباس کی وضع قطع، لمبائی، رنگ، معیار، صفائی اور ایسے ہی کئی دوسرے پہلوؤں سے بھی ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں آپ کے صحابہ نے جو معلومات فراہم کی ہیں وہ بڑی حد تک حضور کے ذوق کو نمایاں کر دیتی ہیں۔ آپ کا لباس

Marfat.com

تقویٰ کا لباس تھا۔ اس لباس تقویٰ میں مزید دو خصوصیات یہ تھیں کہ ساتر تھا اور کسی طرح بھی اس لباس میں جسم کے وہ ابھار نمایاں نہ ہوتے تھے جن کا چھپانا مقصود ہے۔ یہ لباس زینت تھا اور صاحب لباس کے حسن ذوق کا مظہر تھا۔ تاہم اس میں کبر وریا اور ٹھاٹھ باٹھ کا شائبہ تک نہ تھا۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے: انما انا عبد البس کما یلبس العبد۔ ''میں غلام ہوں اور وہی پہنتا ہوں جو ایک غلام کو زیب دیتا ہے۔'' ریشم، دیبا اور حریر کو آپ نے مردوں کے لیے حرام کر دیا۔ آپ نے کبھی قبل بعثت بھی دیبا حریر نہیں پہنا۔ آپ کو لباس میں موسمی تغیرات سے تحفظ، ستر، سادگی، صفائی ستھرائی اور وقار کا بہت لحاظ تھا۔ آپ نے کبھی غیر ساتر، گندا یا ایسا لباس زیب تن نہیں فرمایا جو گھٹیا اخلاق کے لوگوں میں رائج تھا۔ اپنے دور کی موسمی، جغرافیائی، تمدنی ضروریات اور عرب کے رواج کے اعتبار سے بڑا معیاری لباس تھا۔

آپ کو لباس میں کرتا قمیص بہت پسند تھا۔ قمیص کا گریبان سینے پر تھا۔ سخت گرمی میں کھلا بھی رکھتے تھے اور اسی حال میں نماز بھی ادا کرتے تھے۔ کرتے کی آستین نہ بالکل تنگ ہوتی تھی نہ بہت کھلی۔ آستین کلائی اور ہاتھ کے جوڑ تک ہوتی تھی البتہ سفر میں ایسی قمیص استعمال فرماتے جس کی آستین کی لمبائی اور بھی کم ہوتی تھی۔ قمیص زیب تن کرتے وقت پہلے دائیاں ہاتھ آستین میں ڈالتے۔ عمر بھر تہ بند (لنگی) کا استعمال فرمایا جسے ناف سے ذرا نیچے باندھتے۔ نچلی جانب ٹخنے سے ذرا اوپر نصف پنڈلی تک رہتی۔ تہ بند اس طرح باندھتے کہ اگلے جانب جھکی رہتی۔ شلوار (پاجامہ) دیکھا تو پسند فرمایا۔ ایک بار آپ بازار میں تشریف لے گئے تو چار درہم میں پاجامہ خرید فرمایا۔ یہ ہجرت مدینہ کے بعد کا واقعہ ہے۔ اس زمانے میں کپڑا وزن کر کے فروخت ہوتا تھا۔ وزان سے فرمایا۔ اسے جھکتا تولو۔ وزان نے یہ الفاظ اس سے پہلے کبھی کسی سے نہیں سنے۔ حضرت ابو ہریرہ ساتھ تھے۔ بولے کیا تم اپنے نبی کو نہیں پہچانتے۔ وہ دست بوسی کے لیے بڑھا تو آپ نے منع فرمایا کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے۔ آپ پاجامہ خرید چکے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ اسے پہنیے گا؟ انھیں شاید اس لیے تعجب ہوا کہ پاجامہ اہل فارس کا لباس تھا۔ اور آپ تشبیہ کو پسند نہ فرماتے تھے نیز یہ کہ آپ کے معمولات میں ایک نمایاں تبدیلی تھی۔ اس پر آپ نے فرمایا ہاں! سفر میں بھی اور حضر میں بھی، دن کو بھی رات کو بھی۔ کیونکہ مجھے ستر پوشی کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے زیادہ ستر پوش لباس اور کوئی نہیں۔ تاہم اس معاملے میں اختلاف ہے کہ آپ نے پہنایا

Marfat.com

نہیں البتہ وہ پاجامہ آپ کے ترکہ میں موجود تھا۔

آپ سر پر عمامہ باندھنا پسند فرماتے تھے جو نہ بہت بھاری ہوتا تھا نہ بہت چھوٹا۔ ایک روایت کے مطابق ۷ گز لمبا ہوتا تھا۔ عمامہ کا شملہ ایک بالشت چھوڑتے تھے جو پشت کی جانب دونوں شانوں کے درمیان لٹکتا تھا۔ شدید گرمی میں یہ شملہ سر کے اوپر پھیلا کر ڈال لیتے تھے۔ موسمی تقاضوں کے مطابق کبھی کبھی عمامہ کا آخری بل ٹھوڑی کے نیچے سے لے کر گردن کے گرد لپیٹ لیتے تھے۔ سر کے بالوں پر لگے تیل کی چکنائی سے بچنے کے لیے عمامہ کے نیچے ایک خاص قسم کا کپڑا جسے عربی میں قناع کہتے تھے، استعمال فرماتے۔ یہ کپڑا چکنا تو ہو جاتا مگر میلا ہونے سے پہلے دھلا لیتے۔ روایات میں تصریح ہے کہ یہ کپڑا کبھی میلا نہیں دیکھا گیا۔ آپ عموماً سفید عمامہ پہنتے۔ البتہ کبھی کبھی شتری رنگ کا عمامہ استعمال فرماتے۔ فتح مکہ کے موقع پر سیاہ عمامہ زیب سر تھا، عمامہ کے نیچے ٹوپی بھی استعمال میں رہی۔ نیز روایات کے مطابق عمامہ کے نیچے ٹوپی کا استعمال اسدی روایت بن گیا۔ جو مشرکین سے امتیازی روایت تھی۔ آپ کبھی کبھی بغیر عمامہ کے ٹوپی بھی پہنتے تھے۔ گھر کے اندر استعمال میں رہنے والی ایسی ٹوپی سر سے چمٹی رہتی البتہ باہر نکلتے تو اٹھی ہوئی باڑ والی ٹوپی استعمال فرماتے۔ کپڑے کی کڑھائی والی موٹی ٹوپی بھی استعمال فرمائی۔ بعض اوقات رومال کو بھی سر پر باندھ لیتے۔

عرب کے شرفاء کے ہاں کندھے پر چادر رکھنے کا رواج تھا۔ آپ بھی یہ چادر شانہ ہائے مبارک پر رکھتے تھے۔ چادر کی لمبائی چار گز اور چوڑائی اڑھائی گز ہوتی تھی۔ یہ چادر کبھی لپیٹ لیتے اور کبھی ایک پلو سیدھے بغل سے نکال کر الٹے کندھے پر ڈال لیتے تھے۔ تاہم قمیص کے بغیر بغل سے نکال کر کندھے پر ڈالنا پسند نہ فرماتے تھے۔ کبھی بیٹھے بیٹھے اس چادر کو کمر اور ٹانگوں کے گرد یوں لپیٹ لیتے کہ سہارا بن جائے کبھی ضرورت ہوتی تو چادر کو تہ کر کے تکیہ بنا لیتے۔ بعض اوقات معزز ملاقاتیوں کے اعزاز کے لیے یہ چادر بچھا بھی دیتے تھے۔ یمن کی بنی ہوئی چادر جس میں سرخ یا سبز دھاریاں ہوتی تھیں بہت پسند تھی یہ چادر حبرہ کہلاتی تھی۔ ایک مرتبہ سیاہ چادر بنوائی جو غالباً اون کی تھی۔ اسے اوڑھا تو پسینے کی وجہ سے بو دینے لگی۔ لہٰذا پھر نہیں اوڑھی۔

لباس میں سفید رنگ بہت پسند تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا ''سفید کپڑے پہنا کرو۔'' اور سفید ہی کپڑے سے اپنے مردوں کو کفن دیا کرو۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

Marfat.com

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے حق یہ ہے کہ تمھارے لیے مسجدوں میں اللہ کے سامنے جانے کا بہترین لباس بھی سفید لباس ہے۔ (ابوداود، ابن ماجہ)

سفید کے بعد ہلکی سبز دھاریوں والے کپڑے کو پسند فرماتے۔ آپ نے ہلکی سرخ دھاریوں والے کپڑے بھی پہنے اور شتری رنگ کا لباس بھی آپ کے جسم اطہر پر دیکھا گیا۔

گو عام طور پر آپ کا لباس مبارک فقیرانہ اور سادہ ہوتا تھا تاہم لباس میں اس بات کو پسند فرماتے کہ لباس آدمی کے اپنے معاشی مرتبے کے مطابق ہو۔ ترمذی نے عمرو بن شعیب سے ان کے والد بزرگوار کے واسطے سے نبی اکرم کی یہ حدیث نقل کی ہے اور نسائی نے بھی عن ابی الاحوض عن ابیہ کی سند سے یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ اللہ کو یہ بات پسند ہے کہ اس کی عطا کردہ نعمت (رزق) کا اثر اس کے بندے سے ظاہر ہو۔ سو نبی اکرم ﷺ کبھی کبھار قیمتی لباس بھی زیب تن فرماتے چنانچہ تنگ آستین کا رومی جبہ بھی آپ نے پہنا ہے۔ سرخ دھاری کا یمنی جوڑا بھی زیب تن فرمایا ہے اور المواہب اللدنیہ کی روایت کے مطابق طبلسانی قسم کا کسروانی جس کے گریبان کے ساتھ ریشمی گوٹ لگی ہوئی تھی پہنا ہے۔ ایک بار آپ نے ایک جوڑا ۲۷ اونٹنیوں کے بدلے میں خرید کر پہنا اور اس میں نماز بھی ادا فرمائی ہے۔

چاندی کی انگوٹھی بھی آپ کے لباس مبارک کا حصہ تھا۔ اس کا نگینہ بھی چاندی کا ہوتا تھا اس میں کبھی کبھار آپ نے سیاہ یمنی عقیق یا حبشی پتھر بھی استعمال فرمایا ہے۔ آپ انگوٹھی عموماً دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے کبھی کبھی بائیں ہاتھ میں بھی استعمال فرمائی ہے۔ آپ انگوٹھی انگشت شہادت اور درمیان والی انگلی مین پہنتے تھے عموماً چھنگلیا اور درمیان والی انگلی کے درمیان کی انگلی میں پہنتے۔ چھنگلیا میں پہننا بھی پسند فرمایا نگینہ ہتھیلی کی طرف رکھنا پسند تھا۔ ہجرت مدینہ کے بعد امور سلطنت کے لیے اسی انگوٹھی کے نگینہ پر مہر بنوائی تھی جس پر اوپر محمد درمیان میں رسول اور نیچے اللہ لکھا تھا۔ نقش اس طرح تھا:

Marfat.com

آپ کا جوتا عربی تمدن کے مطابق چپل یا کھڑاؤں کی سی شکل کا تھا۔ یہ ایک بالشت ۱۲ انگل لمبا تھا۔ تلوے کے پاس سات انگل چوڑا تھا۔ درمیان میں چوڑائی کم تھی جبکہ اگلی اور پچھلی جانب زیادہ تھی۔ اس کی اگلی جانب دو تسمے تھے۔ ایک انگوٹھے اور ساتھ والی انگلی کے درمیان رہتا تھا۔ اور دوسرا چھنگلی اور ساتھ والی انگلی کے درمیان رہتا تھا۔ آپ کبھی کھڑے ہو کر جوتا پہنتے اور کبھی بیٹھ کر۔ پہنتے ہوئے پہلے دایاں پاؤں جوتے میں ڈالتے پھر بایاں پاؤں ڈالتے۔ اتارتے وقت پہلے دائیاں پاؤں نکالتے پھر بایاں پاؤں۔ جوتے کے اندر موزے اور جرابیں بھی استعمال فرماتے تھے۔ ان میں سادہ اور معمولی بھی ہوتے تھے اور قیمتی بھی۔ بعد بعثت نجاشی شاہ حبشہ نے سادہ موزے بھیجے آپ نے پہنے اور ان پر مسح کیا۔ اسی طرح دحیہ کلبی نے بھی موزے تحفہ میں پیش کیے جو آپ نے پھٹنے تک مسلسل استعمال فرمائے۔

شخصیت کے بعض نمایاں پہلو

عام مذہبی لوگوں کی طرح آپ صفائی اور شائستگی سے کبھی غافل نہیں رہے۔ صفائی ستھرائی اور سلیقہ شعاری آپ کی شخصیت کا طرہ امتیاز تھا۔ آپ اپنے بال بڑے سلیقہ سے سنوار کر رکھتے۔ بالوں میں تیل لگاتے کنگھا کرتے۔ مانگ نکالتے۔ لبوں کے زائد بال اہتمام سے تراشتے۔ ڈاڑھی مبارک کو بھی طول و عرض سے ہموار کرتے۔ اس معاملہ میں رفقا کو بھی ہدایت فرماتے۔ ایک صحابی کو پراگندہ بال دیکھا تو گرفت فرمائی۔ ابوداود رحمۃ اللہ نے اپنی سنن میں حضرت ابوہریرہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

من کان له شعر فلیکرمه۔

"جس کے بال ہوں وہ انھیں سنوار کے رکھے۔"

رات کو سوتے وقت سرمہ لگاتے تھے اور ایک آنکھ میں تین سلائی سرمہ لگاتے۔ اثمد کا سرمہ پسند فرماتے۔ آخر شب وضو سے فارغ ہو کر لباس بدلتے۔ اور خوشبو لگاتے۔ ریحان کی خوشبو پسند تھی۔ مشک اور عود کی خوشبو سب سے زیادہ پسند تھی۔ گھر میں خوشبو کی دھونی دیتے۔ ایک عطردان تھا۔ جس میں بہترین خوشبو موجود رہتی۔ کبھی آپ یہ خوشبو اپنے ہاتھ سے لگاتے اور کبھی حضرت عائشہ صدیقہ لگاتیں۔ کوئی آدمی خوشبو ہدیہ کرتا تو قبول فرماتے۔ مسواک کا کثرت سے استعمال فرماتے۔

Marfat.com

سفر و حضر میں یہ سات چیزیں ہمراہ رہتیں:

(۱) تیل کی شیشی (۲) کنگھا (۳) سرمہ دانی (۴) قینچی (۵) مسواک (۶) آئینہ (۷) لکڑی کی ایک باریک پھچی۔

چلتے تو مضبوطی سے قدم جما کر چلتے۔ قدم گھسیٹ کر کبھی نہیں چلتے تھے۔ بدن سمٹا ہوا رہتا تھا۔ قوت کے ساتھ آگے کو قدم بڑھاتے۔ چلتے میں قامت آگے کو جھکی رہتی تو لگتا تھا جیسے بلندی سے اتر رہے ہوں۔ حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے یوں لگتا جیسے زمین پیچھے کو لپٹ رہی ہے۔ آپ کھلے قدموں کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتے مگر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق ایک عام آدمی کے لیے ساتھ دینا مشکل ہو جاتا تھا۔

قبل نبوت بھی حیا آپ کی شخصیت کا ایک تابناک پہلو تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ کنواری پردہ نشین خاتون سے بھی کہیں زیادہ باحیاء تھے۔ کبھی کوئی ایسا کام نہیں کیا جو حیاء کے منافی ہو۔ متانت، وقار اور سنجیدگی آپ کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ چہرے پر فکر مندی کے آثار نمایاں رہتے۔ طویل خاموشی اختیار فرماتے۔ کبھی بلا ضرورت کلام نہیں فرمایا۔ اس سنجیدگی کے ساتھ چہرہ اقدس پر ایک پروقار اور دلفریب تبسم ہمیشہ قائم رہتا تھا۔ کلام نہایت فصیح فرماتے اور اتنا ٹھہر ٹھہر کر کہ سننے والا چاہتا تو یاد کر سکتا تھا۔ گفتگو موتیوں کی لڑی کی طرح پروئی ہوئی ہوتی۔ الفاظ نہ کم ہوتے نہ زیادہ۔ آپ نہ کوتاہ سخن تھے نہ طویل گو۔ کبھی ضرورت محسوس فرماتے تو بات کو سمجھانے یا تاکید کے لیے الفاظ کو تین تین بار دہراتے۔ کبھی صریح کنایہ پسند نہ فرماتے تو کنایہ فرماتے۔ مکروہ، فحش اور غیر حیادارانہ کلمات کبھی بھول کر بھی آپ کی زبان مبارک پر نہیں آئے۔ گفتگو میں بالعموم ایک مسکراہٹ شامل رہتی۔ یہ مسکراہٹ سنجیدگی کو خشونت میں تبدیل ہونے سے بچاتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن حارث کا بیان ہے کہ میں نے حضور سے زیادہ مسکراتے کسی کو نہیں دیکھا۔ بات ہمیشہ سچی اور کھری کہتے۔ یہ وصف اتنا نکھرا ہوا تھا کہ آپ کا لقب ہی الصادق والامین ہو گیا تھا۔

آپ میں کبر اور خشکی مزاج نام کو نہ تھی۔ کسی مصنوعی خلوت پسندی کی بجائے معاشرے میں گھل مل کر رہتے، معاشرہ کے افراد سے شخصی اور نجی تعلق رکھتے تھے۔ ہم قبل نبوت آپ کے احباب کی فہرست نقل کر چکے ہیں۔ ان میں ہم عمر رشتہ دار، ہم عمر اور ہم ذوق ساتھی حتیٰ کہ صہیب رومی جیسے غلام بھی شامل تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ راستہ میں ملنے والوں کو سلام کرنے میں پہل

Marfat.com

کرتے۔ کسی کو پیغام بھجواتے تو ساتھ سلام ضرور کہلواتے۔ آپ چھوٹے بڑے سبھی لوگوں کو سلام کرنے میں پہل کرتے۔ احباب سے مصافحہ بھی فرماتے اور معانقہ بھی۔ مصافحہ فرماتے تو ہاتھ اُس وقت تک نہ کھینچتے جب تک دوسرا ہاتھ چھوڑ نہ دیتا۔ دوستوں کی مجلس میں تشریف لے جاتے تو جو بات چل رہی ہوتی اسی میں شامل ہو جاتے۔ کوئی نیا غیر متعلق موضوع نہ چھیڑتے۔ یہاں تک کہ بعثت کے بعد بھی یہی معمول رہا۔ نماز فجر کے بعد مجلس رہتی اور صحابہ میں خوب باتیں ہوتیں۔ جاہلیت کی باتیں ہوتیں اور ان پر خوب ہنسی بھی ہوتی۔ صحابہ شعر بھی پڑھتے۔ کبھی اہل مجلس کے چہروں پر اکتاہٹ محسوس فرماتے تو موضوع بدل دیتے۔ کوئی مخاطب ہوتا تو اس وقت تک منہ نہ پھیرتے جب تک وہ اپنی بات ختم نہ کر لیتا۔ کوئی شخص کان میں سرگوشی کرتا تو آپ اپنا سر اس کی طرف مسلسل جھکائے رہتے یہاں تک کہ وہ اپنی بات پوری کر کے منہ ہٹا لیتا۔ کسی کی بات کو کبھی نہ ٹوکتے جب تک وہ بات حق کے خلاف نہ ہو۔ بات اگر حق کے خلاف ہوتی تو ٹوک دیتے یا پھر چہرے پر ناگواری کا اظہار ہو جاتا یا اٹھ کر چلے جاتے۔

آپ کی شخصیت کا ایک نمایاں پہلو متعلقین سے انتہائی گہری محبت تھی جو ہمدردی تعاون اور ایثار سے مزین ہوتی تھی۔ غربا، مساکین، حاجت مندوں اور یتیموں اور بیواؤں کے لیے آپ قبل نبوت بھی سراپا رحمت تھے۔ دولت سے کبھی لگاؤ نہیں رہا۔ آپ اپنی دولت کو حاجت مندوں کے لیے لٹانے میں چلتی ہوا سے بھی سخی تھے۔ کسی کو تکلیف میں دیکھ کر تڑپ اٹھتے تھے اور اس تکلیف کو دور کرنے میں اپنی ہر ممکن کوشش صرف فرماتے۔ اسی بنا پر ابو طالب نے اپنے مشہور قصیدہ لامیہ میں آپ کی مدح میں یہ شعر کہا تھا ؎

وابیض یستقی الغمام بوجهہٖ
ثمال الیتامیٰ عصمۃً للا رامل

آپ اپنی عمر سے بڑے لوگوں کا احترام کرتے۔ ہم عمروں سے محبت و شفقت سے پیش آتے اور بچوں سے نہایت شفقت و محبت کا سلوک کرتے۔ بچوں کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے۔ پیار فرماتے۔ اُن کے لیے دعا کرتے۔ ننھے منے بچے لائے جاتے تو انھیں گود میں لے لیتے۔ ان کو بوسہ دیتے۔ ننھے بچوں کو بہلانے کے لیے عجیب سے کلمے زبان سے نکالتے جیسے خرقة خرقة فی عبن کل بقۃ۔ ایک بچے کو بوسہ دیتے ہوئے فرمایا انھم لمن ریحان

Marfat.com

اللہ ''یہ تو اللہ کے پھول ہیں۔'' بچوں کو قطار میں جمع کر کے دوڑ لگواتے۔ دیکھو ہمیں کون پہلے چھوتا ہے۔ بچے دوڑتے آتے تو کوئی سینے پر گرتا اور کوئی پیٹ پر۔

ملنے والوں کی رائے

کسی شخصیت کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کے دیکھنے والوں نے اس کا بارے میں کیا تاثر لیا ہے اور اس نے اپنے ملنے والوں کو کس حد تک متاثر کیا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اس معاملے میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ جس نے دیکھا متاثر ہوا جو ملا وہ آپ کی عظمت کا قائل ہوا۔ حتی کہ آپ کے مخالفین تک آپ کی شخصیت کی تاثیر کے قائل تھے۔ یہاں ہم چند ملنے والوں کے تاثرات نقل کر رہے ہیں:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ''میں ایک بار حضور کو دیکھ رہا تھا۔ رات بدر کی رات تھی۔ چاند پوری رعنائی سے چمک رہا تھا۔ آپ اس وقت سرخ جوڑا زیب تن کیے ہوئے تھے۔ میں کبھی چاند کو دیکھتا تھا اور کبھی آپ کو۔ بالآخر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ حضور اکرم ﷺ چاند سے کہیں زیادہ حسین ہیں۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''نبی اکرم ﷺ کا رنگ گورا تھا۔ جیسے چاندی میں ڈھلے ہوں۔''

حضرت براء کا کہنا ہے: ''رسول اللہ ﷺ کا چہرہ سب سے خوبصورت تھا اور آپ کے اخلاق اس سے بھی حسین تر۔''

حضرت ابوالطفیل روایت فرماتے ہیں: ''آپ میانہ قد، میانہ بدن تھے اور آپ کا رنگ سفید ملیح تھا۔''

حضرت ابن عباس بیان فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کے سامنے کے دانتوں میں خوبصورت فاصلہ تھا۔ گفتگو فرماتے تو یوں لگتا جیسے دونوں دانتوں کے درمیان سے نور نکلتا ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: ''رسول اللہ ﷺ نہ بہت طویل قد کے تھے نہ بالکل ٹھگنے بلکہ درمیانہ قد تھے۔ آپ کے بال نہ سخت گھنگھریالے تھے نہ بالکل سیدھے بلکہ لہریا دار گھنگریالے تھے۔ آپ نہ بہت موٹے تھے نہ چہرے پر گوشت کم تھا، چہرہ اقدس ایک گونہ گولائی

Marfat.com

لیے ہوئے تھے۔ سرخی مائل سفید رنگت تھی۔ آنکھیں سیاہ اور پلکیں دراز تھیں۔ سر مبارک قدرے موٹا تھا اور دو شانوں کے درمیان خاصا فاصلہ تھا۔ جسم پر بال بہت گھنے نہ تھے۔ سینے کے نچلے حصے سے ناف تک فاصلہ ذرا زیادہ اور تراشیدہ تھا۔ قدم اور ہتھیلیاں مضبوط تھیں۔ چلتے تو آگے کو تھوڑا سا جھکاؤ ہوتا جیسے بلندی سے اتر رہے ہوں۔ کسی طرف التفات فرماتے تو پورا التفات فرماتے۔ جو آپ کو پہلی بار دیکھتا رعب تلے دب جاتا۔ جو آپ سے معرفت حاصل کر کے آپ سے ملتا۔ آپ سے محبت کرتا۔ آپ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ نہ آپ پہلے آپ جیسا تھا نہ آپ کے بعد کوئی آپ جیسا ہو گا۔

حضرت ہند بن ابی ہالہ جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ان کے پہلے شوہر ابی ہالہ کے صاحبزادے رسول اللہ ﷺ کے سوتیلے بیٹے اور ربیب اور حضرت حسنین کے سوتیلے ماموں تھے۔ وہ نبی اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرنے میں مشہور تھے۔ حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما اپنے اسی ماموں سے روایت بیان کرتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ کا جسم بھرا بھرا سڈول تھا۔ چہرہ اقدس یوں چمکتا جیسے چودھویں رات میں چاند چمکتا ہے۔ درمیانے قد سے نکلتا اور بہت لمبے قدے سے چھوٹا قد تھا۔ سر مبارک بڑا تھا۔ پلکیں گھنی تھیں۔ آپ بالوں کے درمیان مانگ نکالتے۔ اور زلفیں کانوں کی لوؤں تک لٹکتیں۔ آپ کا گورا رنگ گلابی جھلک لیے تھا۔ جبین کشادہ ابرو گھنے طویل اور خمید، مگر ملے ہوئے نہ تھے۔ دونوں ابروؤں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ میں ابھر آتی۔ ناک ستواں جس پر ایک نور تھا۔ جو اس پر غور نہ کرتا وہ آپ کی ناک کو بہت اونچی سمجھتا (مگر یہ ستواں خوبصورت تھی)۔ ریش مبارک گھنی۔ رخسار مبارک بھرے۔ خم مبارک وسیع۔ دانتوں کے درمیان مناسب فاصلہ تھا۔ کمر مبارک خوبصورت تراشیدہ تھی۔ گوری اور خوبصورت گردن جیسے چاندی میں ڈھلی ہو۔ معتدل اور سڈول بدن۔ پیٹ اور سینہ برابر تھے۔ کندھوں کا درمیانہ فاصلہ زیادہ تھا۔ سینہ کشادہ اور جوڑ بند مضبوط تھے۔ جسم پر عموماً بال نہ تھے۔ گردن کے نیچے سے لے کر پیٹ تک بالوں کی ایک خوبصورت لکیر چلی گئی تھی۔ چھاتی، کندھوں اور بازوؤں پر ہلکے بال تھے۔ بازو مائل بہ درازی اور ہاتھ اور پاؤں مضبوط تھے۔ ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں دراز تھیں۔ قدموں کے تلووں میں خم تھا۔ اتنا کہ اس میں سے پانی آرام سے گزر جاتا تھا۔ چلتے تو مضبوطی سے قدم جما کے چلتے۔ قدم کھلا رکھتے اور سبک رفتار تھے۔ یوں لگتا جیسے بلندی سے اتر رہے ہوں۔ کسی طرف

Marfat.com

متوجہ ہوتے تو پورے متوجہ ہوتے۔ زمین پر آنکھیں جھکائے رہتے۔ آسمان کی طرف کبھی کبھی نظر اٹھاتے یا کسی کو دیکھنے کے لیے نظر اٹھاتے۔ اپنے صحابہ سے حسن معاملت سے پیش آتے۔ جو ملتا اسے سلام کرنے میں پہل فرماتے۔

یوں تو متعدد صحابہ نے لفظوں میں آپ کی تصویر کشی نہایت کمال کے ساتھ کی ہے مگر ام معبد نے آپ کی جو لفظی تصویر کشی کی ہے اس کا جواب نہیں۔ نبی اکرم ﷺ غار ثور سے نکل کر مدینہ (یثرب) کی طرف روانہ ہوئے تو اگلے ہی روز ام معبد کے خیمہ کے پاس جا اترے۔ ام معبد کا نام عاتکہ بنت خالد تھا۔ یہ بنوخزاعہ کی ایک شاخ بنوکعب سے تعلق رکھتی تھی۔ اپنے خیمہ کے صحن میں بیٹھی دودھ اور کھجوروں سے آنے جانے والوں کی تواضع کرتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں حضرت ابوبکر صدیق اور عامر بن فہیرہ کو شدید پیاس لگی تھی اتفاقاً اس کے پاس دودھ تھا نہ کھجوریں۔ خیمے کے ایک کونے میں کھڑی ایک کمزور سی بکری پر آپ ﷺ کی نظر پڑی تو آپ نے پوچھا۔ یہ کیا ہے۔ اس نے عرض کیا کمزوری کے سبب ریوڑ کے ساتھ نہیں جا سکتی۔ آپ نے فرمایا اجازت ہو تو دودھ دوہ لوں۔ اس نے عرض کیا۔ آپ کو اس میں سے دودھ ملتا ہے تو دوھ لیجیے۔ آپ نے بکری منگوا کر اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور اللہ سے دعا کی آپ نے دودھ دوہ کر ام معبد کو برتن بھر کر دیا۔ پھر تھوڑی دیر ستانے کے بعد آپ سفر پر روانہ ہو گئے۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ اس کا شوہر ابو معبد آ گیا۔ اس نے پورا ماجرا کہہ سنایا۔ ابو معبد نے کہا آپ کے بارے میں کچھ بتاؤ۔ ام معبد آپ سے ناواقف تھی۔ اس نے جو دیکھا تھا۔ خوبصورت الفاظ میں بیان کر دیا۔ اس کا بیان اس قابل ہے کہ ترجمہ کے ساتھ اصل عربی متن بھی بیان کر دیا جائے۔ ہم یہاں متن کے ساتھ علامہ سید سلیمان منصور پوری کا ترجمہ بعض ناگزیر تصرفات کے ساتھ نقل کر رہے ہیں۔

رأیت رجلاً ظاهر الوضاءة حسن الخلق لم تعبه تجلة۔ ویردیٰ نحلة بالنونِ والحاء۔ ولم تزربه صعلة کان عنقه ابریق فضة، وسیم جسیم فی عینیه دعج، فی اشفاره وطف، فی صوته صحل، أحور أکحل أزج اقرن شدید سواد الشعر، فی عقنه سطع وفی لهینه کثاثة، ذاصمت فعلیه الوقار واذاتکلم سمابه وعلاه البهاء، وکان منطقه خرزات نظم ینحدرون، ملو

Marfat.com

المنطق فصل، لاتزدولاهذر، أجهر الناس وأجمه من بعيد وأحلاه و أحسنه من قريب، ربعة تشنؤه عين من طول ولا تقتحمه من قصر، غض من غصنين، فهوأنضر الثلاثة منظراً وأحسنهم قدراً، له رفقاء يحفون به، اذا قال استمعوا القوله، وان امر تبادر وا الى امره، محفود، مشهود، لا عابس ومفند۔

(ابن قیم، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد: ا/۳۰۷، شیخ عبداللہ بن عبدالوہاب۔ مختصر سیرت الرسول: ص۔۱۷۰)

''میں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو انتہا درجے کا خوبصورت، پسندیدہ خو، نہ بڑا پیٹ کہ بدنما لگے نہ سر کے بال گرے ہوئے، گردن جیسے چاندی سے ڈھلی ہوئی۔ بھرا بھرا جسم زیبا۔ صاحب جمال۔ روشن مردمک، سرمگیں چشم، دراز اور گھنی پلکیں، باریک خمیدہ و پیوستہ ابرو، نہایت سیاہ بال۔ گھنی داڑھی۔ خاموش ہو تو باوقار اور بات کرے تو اسے دل بستہ و حسین بنادے۔ گفتگو موتیوں کی لڑی کی طرح پروئی ہوئی۔ شیریں کلام، واضح الفاظ، کلام کمی و بیشی الفاظ سے معرا۔ دور سے دیکھنے میں سب لوگوں میں ماہیت وخوبرو قریب سے دیکھیے تو سب سے زیادہ شیریں۔ حسین میانہ قد نہ اتنا طویل کہ آنکھ اس سے نفرت کرے نہ کوتاہ کہ نظر میں حقیر دیکھائی دے۔ زیبندہ نہال کی تازہ شاخ وہ تینوں میں سب سے زیادہ خوبرو اور سب سے قدر و منزلت میں بڑھا ہوا۔ اس کے رفقاء اس کے گرد و پیش رہتے۔ جب وہ کچھ کہتا غور سے سنتے، حکم دیتا تو تعمیل کے لیے جھپٹتے، مخدوم و مطاع نہ کوتاہ سخن نہ فضول گو۔''

خلوت گزینی (دور تحنث)

مشیت الٰہی میں آپ کو نبی آخر الزمان مبعوث فرمانا طے تھے اور یہ فیصلہ ابتدائے آفرینش ہی میں ہو چکا تھا۔ چنانچہ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت شرح السنہ میں موجود ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

انی عندالله مکتوب خاتم النبيين وان آدم لمنجدل فى طينه

''میں اللہ کے ہاں اس وقت خاتم النبیین لکھا تھا جبکہ ابھی آدم اپنی مٹی میں موجود تھے۔''

Marfat.com

انسان کو سوائے اس کے کسی مقصد کے لیے پیدا نہیں کیا گیا کہ جہاں اس کائنات کی ایک ایک چیز طوعاً و کرہاً اللہ کی غلامی اور عبادت پر زندگی بسر کر رہی ہے۔ وہاں یہ اپنے ارادے اور پورے شعور کے ساتھ خود اللہ کی غلامی اختیار کرے۔ اس کی عبادت کرے اور اس کے احکام کے مطابق زندگی گزارے۔ یہی انسانوں کے علاوہ جنوں کا مقصد تخلیق بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون﴾

”میں نے انسانوں اور جنوں کو صرف اس لیے پیدا کیا کہ میری غلامی اختیار کریں۔“

انسانی فطرت ہی یہی ہے کہ وہ یکسو ہو کر اللہ وحدہ لاشریک کی غلامی پر اپنی زندگی گزاریں۔

﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ (الروم:۳۰)

”اللہ کی اطاعت میں یکسو ہو جاؤ یہی وہ فطرت ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔“

اس فطرت پر پیدا کرتے ہوئے اللہ وحدہ لاشریک نے نفس انسانی کو بہترین سنوارا اور اس کے فجور و تقویٰ اس میں الہام فرما دیئے کہ اس کی آزمائش کا ذریعہ ہوں اس کے علاوہ اس نے انسانوں کو سمع و بصر اور فواد کی وہ روحانی قوتیں عطا فرما دیں جو کسی مخلوق کو سوائے جنوں اور انسانوں کے عطا نہیں کیں۔ یہ وہ قویٰ ہیں جن کی ضرورت حق کے فہم و ادراک کے لیے تھی۔

اللہ نے ہبوط آدم کے وقت ہی یہ بات واضح فرما دی تھی کہ تمھیں دنیا میں اپنی فکر و دانش اور اپنی متعین کردہ نہج پر زندگی نہیں گزارنا ہے بلکہ زندگی میں رہنمائی کی خاطر میں ہدایت بھیجتا رہوں گا جو اس ہدایت کے مطابق زندگی گزارے گا اسے آخرت میں کوئی خوف ہو گا نہ غم اور جو اس ہدایت کی پیروی کرنے سے انکار کریں گے وہ آگ میں جائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اولاد آدم کی تاریخ میں اللہ تعالیٰ نے جن انسانوں کے ذریعے یہ پیغام لوگوں کے پاس بھیجا ہے وہ انبیاء و رسل کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان انبیاء و رسل کا فیصلہ بھی تخلیق آدم سے قبل فرمایا جا چکا تھا۔ اور سنت اللہ یہ رہی ہے کہ اس نے ان انبیاء و رسل کو جسم و روح کی بہترین

Marfat.com

صلاحیتیں دے کر پیدا فرمایا اور پیدائش سے لے کر بعثت تک کے زمانے میں انھیں اپنی خصوصی نگرانی میں بھرپور زندگی کے مختلف مراحل میں سے گزار کر کارنبوت کے لیے تیار کیا اور اس سارے عرصہ حیات میں ان سے کسی ایسی فطری وعملی شے کا ظہور نہیں ہونے دیا جو کارنبوت سرانجام دیتے ہوئے ان کے لیے کسی اتہام کا سبب بنے۔ بھرپور زندگی گزارتے ہوئے ان کے قلوب واذہان پر معاشرت کی خرابیوں اور جہالتوں کے خلاف ایک زبردست نفرت اور ان کو درست کرنے کا ایک ایسا داعیہ پیدا فرمادیا جوان کے منصبی فرائض کی تکمیل کے لیے ایک زبردست داخلی قوت رہا ہے اور پھر انھیں مناسب وقت پر خلوف کی طرف مائل کر کے اس ہدایت کے وصول کرنے اور برداشت کرنے اور اسے تحمل کرنے کی تربیت دی جاتی۔ انبیاء ان سارے مراحل میں معاشرتی دباؤ یا ردعمل کے طور پر کچھ نہ کرتے تھے بلکہ مطلوبہ وقت پر ان کے اندر ایسے داعیات پیدا کر دیے جاتے تھے جو انھیں ان مراحل سے گزارتے تھے۔ انبیاء کی تعلیمات بھی ان کی کسی تدریجی سوچ کا نتیجہ ہوتی تھیں نہ کہ معاشرے کا ردعمل۔

نبی اکرم ﷺ نے جس معاشرے میں آنکھ کھولی تھی۔ وہ اولاد ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کا معاشرہ تھا۔ جنھیں دین حنیف پر ہونے کا دعویٰ تھا مگر خالصتاً اللہ کی عبادت کے لیے تعمیر کیے جانے والے کعبہ میں ۳۶۰ بت نصب تھے۔ پورا معاشرتی نظام شرک کی بنیاد پر استوار تھا۔ اولاد ابراہیم کو صحف ابراہیم اور تعلیمات اسماعیل علیہ السلام گم کیے صدیاں بیت چکی تھیں۔ دین ابراہیم علیہ السلام کے نام پر جہالت وجاہلیت کا دور دورہ تھا۔ دنیا طلبی اور زر پرستی دین کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ تجارتی راستہ پر قریش کی اجارہ داری اور تجارتی اسفار کی کامیابی نے مکہ میں دولت کی ریل پیل کر دی تھی۔ دولت کی اسی فراوانی کی کوکھ سے جنسی اباحیت عام ہوئی تھی۔ اختلاط زن ومرد نے اخلاقی قدریں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ شراب معاشرے میں پانی کی طرح استعمال ہوتی تھی۔ فخر ومباہات کی بنیادیں تقویٰ وطہارت کی بجائے دنیوی دولت ووجاہت پر استوار تھیں۔ فخر وانا، قبائلی عصبیتوں اور اولاد اسماعیل علیہ السلام کی بدویانہ معاشرت اور وسائل کی کمی نے قبائلی آویزش کو جنم دیا، چراگاہوں اور پانی کے ذخیروں پر قبیلے کے قبضہ کی خواہش نے قبائلی جنگوں کو جنم دیا۔ اس آویزش نے قبائلی تصادمات کی شکل اختیار کر کے معاشرہ کو جہنم زار بنا دیا۔ کسی کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کی کوئی صورت اس کے سوا نہ تھی کہ اس کا اپنا قبیلہ مضبوط ہو۔ یا وہ کسی مضبوط قبیلہ میں حلیف یا مولیٰ کی

Marfat.com

حیثیت اختیار کرے۔ ان تصادمات میں دشمن قبیلہ کی عورتوں کو غلام بنا لینے کی روایت عام تھی۔ اس صورت حال میں خاندانی عصبیت نے بچیوں کو زندہ دفن کر دینے کی ظالمانہ رسم کو جنم دے رکھا تھا اور اسے ظلم نہیں فخر کی بات سمجھا جانے لگا تھا۔ حیا مٹتی چلی جا رہی تھی۔ حتیٰ کہ خانہ کعبہ میں برہنہ طواف کا رواج عام تھا۔

نبی اکرم ﷺ کی پیدائش سے لے کر اب تک کا ایک ایک لمحہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ جس عظیم کام کے لیے آپ کو مبعوث فرمانا مشیت الٰہی میں طے تھا۔ اس کی خاطر آپ کی تربیت و نگرانی خود عالم بالا سے کی جا رہی تھی۔ آپ کی پیدائش سے قبل آپ کی والدہ ماجدہ کا خواب، آپ کی پیدائش کے وقت آپ کی والدہ ماجدہ کو دکھایا جانے والا نظارہ، حلیمہ کی گود میں جاتے ہی معجزات کا تواتر، شق صدر، سب اسی شے کی شہادت دیتے ہیں۔ بچپن سے سنجیدگی و وقار، لڑکپن ہی سے بتوں سے نفرت، بتوں کے چڑھاووں اور بتوں کے نام پر ذبیحہ کے گوشت کھانے سے انکار، آخر عالم بالا کی نگرانی کے بغیر ممکن کیسے تھا۔ لڑکپن میں چودہ سال کی عمر میں بکریاں چرانا، دوبار گانا سننے کی خواہش، مکہ میں جاتے ہی نیند کا مسلط کر دیا جانا اور پھر ہمیشہ کے لیے اس خواہش کا ختم کر دیا جانا۔ مکہ کے بگڑے ماحول میں خلق عظیم کی صفت سے متصف ہونا، زر پرستی کے اس دور میں سخاوت میں معروف ہونا، صدق و امانت سے ملقب ہونا اگر اسی شے کے غماز نہیں ہیں تو اور کیا ہے۔

آپ کو اللہ وحدہ لاشریک نے اپنی نگرانی میں بھرپور زندگی گزارنے کے مواقع بخشے آپ نے پیدائش ہی کے وقت یتیمی دیکھی، رضاعت کے وقت صحرا کی سخت کوشی سے سابقہ پیش آیا۔ دادا کی کفالت میں محبت اور لاڈ کی انتہا دیکھی۔ لڑکپن میں گلہ بانی کی تربیت سے گزارے گئے۔ تجارت کے دوران آپ نے ملک کے طول و عرض میں گھوم پھر کر لوگوں کی دینی، اخلاقی، معاشرتی، سماجی اور معاشی حالت کا خود جائزہ لیا۔ آپ کا قلب سلیم اور آپ کی فطرت پاکیزہ، جہالت و جاہلیت کے اس مرکب تمدن کی ایک ایک شے سے ابا کرتی تھی۔ اس سے آپ کے اندر ایک اضطراب اور بے چینی کو پیدا کر کے ایک سوچ ایک فکر پیدا کی جاتی رہی۔ مگر ہر طرف ایک اندھیرا اور ایک گھٹا ٹوپ تاریکی محسوس ہوتی تھی۔ روشنی کی کوئی ادنیٰ سی کرن بھی افق مستقبل پر دکھائی نہ دیتی۔

Marfat.com

آہستہ آہستہ وہ ساعت مبارکہ وسعیدہ قریب سے قریب تر آتی جارہی تھی جس میں آپ کو منصب نبوت ورسالت پر فائز کر کے رحمت للعالمینی کے اعزاز سے نوازا جانے والا تھا۔ آپ کے اس اضطراب اور بے نام بے چینی کو سمت بخشی جانے لگی۔ آپ خانہ کعبہ کا طواف تو معمول کے مطابق فرمایا ہی کرتے تھے۔ اب اس طواف کا دورانیہ بڑھنے لگا۔ آپ کے فارغ اوقات کا بیشتر حصہ طواف کرنے اور خانہ کعبہ میں بیٹھنے میں صرف ہونے لگا۔ ایک خواہش شعوری تمنا کی صورت اختیار کرتی جارہی تھی کہ کاش معلوم ہوتا کہ میرے مالک کو اپنی عبادت کے کون سے طریقے پسند ہیں۔ اللہ کو کیا طرز زندگی پسند ہے۔ کیا چیزیں ہیں جو اسے پسند ہیں اور کیا چیزیں ہیں جنھیں وہ پسند نہیں کرتا۔ لیکن اردگرد کے ماحول میں رہنمائی کی کوئی صورت نہ تھی۔ آسمانی کتابوں کے حاملین کی حالت اہل مکہ سے بھی گئی گزری تھی۔ عیسائی اور یہودی احبار اور راہبان بھی خود تراشیدہ رسوم کا شکار دکھائی دیتے تھے۔ وہ دنیا طلبی اور اخلاقی پستی میں الا ماشاء اللہ اہل مکہ سے بھی گئے گزرے تھے۔ ہر طرف جہالت کا گھٹاٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا اور اس احساس سے دم گھٹتا اور کمر ٹوٹتی دکھائی دیتی تھی۔

ایسے میں آپ ﷺ کی عمر مبارک کا چونتیسواں سال تھا اور بعثت مبارکہ کو ابھی سات سال باقی تھے۔ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے مطابق جسے صحیحین نے اپنے ہاں نقل کیا ہے۔ آپ کو علیحدگی میں ایک نہایت خوشنما اور فرحت بخش روشنی دکھائی جانے لگی جو آپ کو بھلی لگتی اور چند ساعتوں کے لیے آپ کو اضطراب کی اس کیفیت سے نکال لیتی۔ آپ ﷺ کو اس سے ایک عجیب بے نام اطمینان ملتا۔ اس طرح آپ کو آہستہ آہستہ خلوت نشینی کی عادت ہوتی چلی گئی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ذوق بڑھتا چلا گیا۔

تحنث

یہاں تک آپ رمضان مبارک میں مکہ سے مشرق کی جانب تقریباً دو اڑھائی کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع جبل نور کی چوٹی پر موجود غار میں جا کر عبادت میں مصروف رہنے لگے۔ یہ غار حراء کہلاتا ہے۔ یہ غار عرفات کو جانے والے لوگوں کو اپنے بائیں جانب دکھائی دیتا ہے۔ ابن ہشام اور طبری کی روایت کے مطابق ابن اسحاق نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے حضرت

Marfat.com

عبید بن عمیر اللیثی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ ہر سال ایک مہینہ حرا میں گزارا کرتے تھے۔ انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ حضور ﷺ نے حراء میں جا جا کر قیام فرمانے کا یہ سلسلہ کب سے شروع فرمایا تھا۔ تاہم ان کی روایت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ عمل بعثت تک چند سال سے جاری رہا۔ ابوبکر سراج الدین (سابق مارٹن لنگ) نے اپنی کتاب میں صراحت کی ہے کہ آپ جب پانچویں سال عبادت کے لیے غار حراء میں گئے تھے تو آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین نے آپ کے اس عمل کے لیے تحنث کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

اس سلسلے میں امام بخاری نے حدثنا یحییٰ بن بکیر قال حدثنا اللیث عن عقیل عن ابن شہاب عن عروہ بن الزبیر کی سند سے حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے یہ روایت نقل کی ہے۔

قال اول مابدی به رسول الله ﷺ من الوحی الرؤیا الصادقة فی النوم فکان لا یری رویا الا جاء ت مثل فلق الصبح۔ ثم حیت الیه الخلا ، وکان یخلوا بغار حراء فیتحنث فیه وهو التعبد۔ اللیالی ذوات العد قبل ان ینرع الی اهله ویتزود لذالك ثم یرجع الیٰ خدیجه فیتزود لمثلها۔ حتی جاء ه الحق وهو فی غار حرا۔

(محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح بخاری، کتاب بدأ الوحی: ج ۱)

"آپ نے فرمایا اولین شے جس کے ذریعے آپ کو وحی میں سے ابتداء کی گئی وہ نیند میں سچے خواب تھے۔ آپ جو بھی خواب دیکھتے وہ صبح روشن کی طرح سامنے آ جاتا۔ پھر خلوت آپ کے لیے (مزید) محبوب بنا دی گئی۔ جبکہ آپ غار حرا میں خلوت نشین ہوتے اور تحنث فرماتے اور وہ عبادت تھی۔ اور گھر والوں کی طرف آنے سے پہلے کئی راتیں گزارتے اور اس کے لیے زاد لے جاتے۔ پھر خدیجہ کی طرف لوٹتے اور اسی طرح زاد لے جاتے حتی کہ آپ کے پاس حق آ گیا جبکہ آپ غار حرا میں تھے۔"

فیتحنث کے معنی بیان کرتے ہوئے ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

هی معبنی یتحنف ، ای یتبع الحنفیه وهی دین ابراهیم ، والفاء تبدل ثاء فی کثیر من کلامهم۔ (ابن حجر عسقلانی، فتح الباری: ۲۴/۱)

"اور یہ یتحنف کے معنی میں ہے۔ یعنی آپ حنفیت کے اتباع میں ایسا کرتے۔

Marfat.com

اور حنفیت دین ابراہیم ہے اور ان کے کلام میں ث بہت سے موقع پر ف میں بدل جاتی۔"

ابن ہشام نے ابن اسحاق کے حوالے سے عبید بن عمیر بن قتادہ اللیثی سے غار حرا میں آپ ﷺ کی خلوت گزینی کے بارے میں روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے:

كان رسول الله ﷺ يجاور فی حرا من كل سنة شهراً، وكان ذلك مما تحنث به قريش في الجاهلية والتحنث التبرد۔

(ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۲۳۵/۱)

"رسول اللہ ﷺ ہر سال ایک مہینہ حرا میں گزارا کرتے تھے اور یہ ان امور میں سے تھا جو قریش جاہلیت میں بھی دین ابراہیم میں سے اختیار کرتے اور تحنث نیکی اختیار کرنا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے درمیان چوبیس صدیوں کا فاصلہ تھا۔ اس عرصہ میں بنو اسماعیل میں کوئی نبی نہیں آیا تھا۔ اہل مکہ اولاد اسماعیل علیہ السلام تھے۔ اپنے آپ کو دین ابراہیمی پر جانتے تھے۔ وہ صدیوں پہلے صحف ابراہیم گم کر چکے تھے اور دین ابراہیم سے ناواقف ہو کر رہ گئے تھے۔ صدیوں کے عرصہ کے دوران دین میں خود ساختہ تبدیلیوں سے انھوں نے دین ابراہیمی کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ تاہم ان کے ہاں دین ابراہیم کی بعض عبادات اب بھی رائج تھیں۔ اگرچہ ان میں بھی بہت سی بے بنیاد تبدیلیاں کر لی گئی تھیں۔ اور ان کی اصل روح گم ہو چکی تھی۔ ان میں حج کے مناسک اور رمضان کے مہینے میں اعتکاف یا خلوت گزینی شامل ہیں۔ یہی سبب ہے کہ وہ اسے تحنث یا تحنف کا نام دیتے تھے۔ جس کے معنی ہیں دین ابراہیمی کا اتباع کرنا۔ قبل نبوت کی زندگی میں نبی اکرم ﷺ ان عبادات میں شامل ہوتے رہے جو دین ابراہیمی کے باقیات میں سے تھیں اور ان رسوم سے مجتنب رہے جو بعد میں اضافہ کر لی گئیں۔ اعتکاف کی عبادت اولاد اسماعیل علیہ السلام میں ہمیشہ رائج رہی ہے۔ اور ہر نسل میں کچھ لوگ ایسے موجود رہے ہیں جو ماہ رمضان میں کسی خلوت گاہ میں اعتکاف کرتے رہے۔ چنانچہ اس سے قبل آپ کے دادا بزرگوار عبدالمطلب اسی غار حرا میں عبادت کرتے رہے ہیں اور ان کے علاوہ زید بن عمرو بن نفیل سے بھی اس خلوت نشینی کی روایات منسوب ہیں۔

Marfat.com

غار حرا میں نبی اکرم ﷺ کیا عبادت کرتے تھے۔اس بارے میں کوئی روایت نہیں ملتی اس معاملے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ غار حرا میں آپ کی عبادت ذکر پر مبنی تھی یا فکر پر۔ حقیقت یہ ہے کہ بعثت سے ایک لمحہ پہلے تک آپ نے قوم کے بگاڑ اور اس کی اصلاح کی صورتوں پر کبھی کلام نہیں فرمایا۔ جو کسی فکری محنت کا پتہ دیتی ہو۔تاہم آپ ان قباحتوں میں سے کسی ایک میں بھی کبھی ملوث نہیں ہوئے جو اہل مکہ میں پوری قوت سے رائج تھیں۔آپ اہل مکہ کے شرک سے نفرت کرتے تھے۔توحید باری پر آپ کو یقین تھا۔اس کا اظہار بھی نجی طور پر فرماتے تھے۔کبھی بتوں کا ذبیحہ اور ان کے چڑھاوؤں میں سے کبھی کوئی شے نہیں چکھی۔اس طرح یہ بات بالکل واضح ہے کہ غار حرا میں آپ کی عبادت، ذکر الٰہی اور اس کائنات میں پھیلی ہوئی آلاء اللہ پر فکر و تدبر اور مراقبہ و استغراق پر مبنی ہوگی۔اس فکر میں اوقات صرف ہوتے ہوں گے کہ اللہ وحدہ لاشریک کے ان بے شمار احسانات کے شکر بجالانے کا طریقہ کیا ہے؟ وہ دین ابراہیمی جس پر کاربند ہونے کے دعویدار اہل مکہ ہیں اس کی اصلی حقیقت کیا ہے؟ شاید آپ کی اسی کیفیت کے بارے میں سورہ والضحیٰ کی اس آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے: ﴿ووجدك ضالاً فهدىٰ﴾ اور (تیرے مالک نے) تجھے متاع گم گشتہ کا متلاشی پایا پھر تجھے ہدایت دے دی۔تاہم اس بارے میں روایات میں کوئی تفصیل نہیں ملتی کہ آپ وہاں ذکر الٰہی کیسے کرتے تھے۔مراقبہ و استغراق کی کیفیت کیا تھی اور آپ کے فکر و تدبر کی نوعیت کیا تھی۔

غار حرا میں اپنے قیام کے دوران آپ اس جانب سے گزرنے والوں کو کھانا کھلاتے ان کی خاطر و مدارات کرتے اور حاجت مندوں کی مدد فرمایا کرتے۔اپنے اس اعتکاف کے اختتام پر آپ گھر جانے سے پہلے خانہ کعبہ میں تشریف لاتے یہاں سات بار طواف فرماتے اور پھر اپنے گھر تشریف لے جاتے۔چنانچہ ابن اسحاق حضرت عبید بن عمیر بن قتادہ اللیثی سے وہب بن کیسان کے حوالے سے یہ روایت بیان کرتے ہیں:

فكان رسول الله ﷺ يجاور ذلك الشهر من كل سنة يطعم من جاءه من المساكين واذا قضىٰ رسول الله ﷺ جواده من شهره ذلك، كان اول مايبدا به، اذا انصرف من جواره، الكعبة، قبل ان يدخل بيته، فلطوف بما سبعاً او ما شاء الله من ذلك ثم

Marfat.com

یرحمهم الیٰ بیته۔ (ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۲۳۶/۱)

"رسول اللہ ﷺ اس مہینہ (رمضان) میں ہر سال (غار حرا) میں خلوت نشین ہوتے تھے اور مساکین میں سے جو آپ کے پاس آتا اسے کھانا کھلاتے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ اس مہینے کے اعتکاف کو مکمل کر لیتے تو سب سے پہلے خانہ کعبہ میں آتے گھر جانے سے پہلے پھر آپ کعبہ کے گرد سات یا جتنے طواف اللہ چاہتا فرماتے اور پھر گھر تشریف لے جاتے۔"

غار حرا میں آپ کے تحنث کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ حیات طیبہ کے اکتالیسویں سال میں آپ کے پاس جبریل امین اللہ کی جانب سے پہلی وحی لے کر نازل ہوئے۔

آپ پورے عرب میں متعارف ومحترم تھے

رسول اللہ ﷺ بنو ہاشم میں سے تھے جنھیں اپنی دولت، مہمان نوازی، شجاعت اور سخاوت کے سبب سے نہایت عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ چونکہ عرب کے اطراف و جوانب سے لوگ حج کے لیے آیا کرتے تھے۔ حجاج کی رہائش، خوراک اور مشروبات سے تواضع کی خدمت بنو ہاشم کے ذمہ تھی اور وہ یہ خدمت نہایت تندہی سے سرانجام دیتے تھے۔ لہٰذا عرب کے تمام قبائل بنو ہاشم کی مہمان نوازی سے مستفید ہوتے رہتے تھے۔ آپ سردار بنو ہاشم عبدالمطلب کے نہایت محبوب پوتے کی حیثیت سے عرب کے قبائل میں بچپن ہی سے متعارف تھے۔ حج کے علاوہ مکہ کے اردگرد لگنے والے تین میلوں۔ عکاظ، ذوالمجاز اور ذوالمجنہ کو بھی آپ کے تعارف میں خاصا دخل تھا۔ اس طرح آپ مکہ ہی میں نہیں پورے عرب میں صادق اور امین کے لقب سے متعارف تھے۔

اس تعارف میں عرب کے مختلف قبائل سے آپ کے رشتہ ہائے قرابت کو بہت دخل ہے۔ مکہ کے سارے قبائل تو چونکہ فہر بن غالب کی اولاد تھے ایک جا رہتے تھے اور باہم ان کی رشتہ داریاں تھیں۔ لہٰذا یہاں ان کے گنوانے کا موقع نہیں۔ ان شاء اللہ ہم بعثت کے بعد کے واقعات میں ان کا تذکرہ مناسب موقع پر کریں گے یہاں ہم مکہ کے گردونواح میں پھیلے ہوئے قبائل سے آپ کے رشتوں کا تذکرہ اس لیے کر رہے ہیں کہ معلوم ہو سکے کہ عرب کے لوگ آپ کو کتنے

Marfat.com

قریب سے جانتے تھے۔

آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب کا تعلق بنو زہرہ بن کلاب سے تھا۔ جو قصی کے بھائی زہرہ کی اولاد تھے مکہ کے اندر شعب بنو عامر میں رہائش پذیر تھے۔ آپ کی دادی بنو مخزوم سے تھیں اور ان کا اسم گرامی فاطمہ بنت عاید مخزومیہ تھا۔ بنو مخزوم قصی کے چچا یقظہ بن مرہ بن غالب کی اولاد تھے۔ حضرت خالد بن ولید اور ابو جہل دونوں کا تعلق اسی خاندان سے تھا اور یہ خاندان بھی مکہ میں آباد تھا۔ آپ کے دادا عبدالمطلب کی فاطمہ بنت عایذ کے علاوہ پانچ بیویاں تھیں۔ ان میں سے صفیہ بنت جنیدب کا تعلق بنو عامر بن صعصعہ سے تھا جو مکہ سے بجانب جنوب مشرق نجد میں آباد تھا۔ یہ خاندان نضر بن الیاس کی اولاد تھا۔ ابولہب کی والدہ لبنٰی بنت ہاجر کا تعلق بنوخزاعہ سے تھا۔ جو مرالظہران میں آباد تھا۔ یہ آجکل وادی فاطمہ کہلاتا ہے۔ حضرت حمزہ کی والدہ ہالہ بنت وہیب حضرت آمنہ کی حقیقی چچازاد بہن تھیں۔ حضرت عباس کی والدہ فقیلہ بنت خیاب بن کلیب کا تعلق بنو ربیعہ بن نزار کی شاخ بنوضحیان سے تھا اور یہ قبیلہ یمامہ کے کنارے پر نجد میں دور تک آباد تھا۔ آپ کی بیوی منعمہ بنت عمرو بن مالک کا تعلق بنوخزاعہ سے تھا۔

عبدالمطلب کے والد ہاشم نے چھ شادیاں کی تھیں۔ عبدالمطلب کی والدہ سلمٰی بنت عمرو بن زید کا تعلق مدینہ طیبہ میں بنوخزرج کی شاخ بنونجار سے تھا۔ ان کے بیٹے اباصیفی کی والدہ کا تعلق بھی مدینہ میں آباد بنوخزرج سے تھا۔ اسد کی والدہ قیلہ بنت عامر کا تعلق بنوخزاعہ سے تھا۔ نضلہ اور شفاء کی والدہ امیمہ بنت عدی بن عبداللہ کا تعلق بنوقضاعہ سے تھا۔ یہ قبیلہ انتہائی شمال میں شام کی سرحد کے قریب آباد تھا۔ ہاشم کی صاحبزادیوں صفیہ اور شفا کی والدہ واقدہ بنت ابی عدی بنو مازن سے تھیں جو بنوخزرج کی شاخ ہے۔ حنہ کی والدہ عدی بنت حبیب بنوثقیف سے تھیں جو طائف میں آباد تھے۔

ہاشم کے والد عبد مناف کی تین بیویاں تھیں۔ ہاشم، مطلب اور عبدالشمس کی والدہ عاتکہ بنت مرہ بن ہلال بنوسلیم سے تھیں اور بنوسلیم مکہ مکرمہ کے مشرق سے مدینہ طیبہ تک پھیلے ہوئے تھے۔ ہاشم کی نانی صفیہ بنت حوزہ بن عمرو بنوہوازن سے تھیں جو طائف کے قریب وادی حنین میں آباد تھے۔ نوفل، ابوعمرو، ابوعبیدہ کی والدہ واقدہ بنت عمرو بن مازن بن منصور بن عکرمہ سے تھیں جو بنوسلیم کا چچازاد قبیلہ تھا۔ عبدالمناف کی بیٹی ربطہ کی والدہ کا تعلق بنوثقیف سے تھا۔

Marfat.com

عبد مناف کی والدہ حبی بنت حلیل قبیلہ بنوخزاعہ سے تھیں اور عبد مناف کے والد قصی کی والدہ فاطمہ بنت سعد بن یمن کے ازد قبیلہ کی شاخ خثعمہ کی ذیلی شاخ بنوجدرہ سے تھیں۔ کلاب کی وفات کے بعد فاطمہ بنت سعد کا دوسرا نکاح ربیعہ بن خرام قضاعی سے ہوا اور قصی اپنی والدہ کے ساتھ گئے اور بنوقضاعہ میں ہی پرورش پائی اسی لیے قصی کہلائے۔ حالانکہ ان کا نام زید تھا۔

ہم نے یہاں تک آپ کی پانچ پشتوں کی دوسرے قبائل سے رشتہ داریوں کا تذکرہ کیا ہے۔ انہی پانچ پشتوں کے رشتوں کو شمار کرلیں بلکہ آپ کے دادا اور پردادا کے رشتوں کو ہی شمار کر لیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ مکہ کے جنوب میں آباد قبائل ہوازن اور ثقیف اور یمن کے ازد شنوہ سے آپ کی بہت قریبی رشتہ داری تھی۔ تہامہ میں پھیلے ہوئے قبائل بنوکنانہ آپ کے رشتہ دار تھے۔ مکہ سے مدینہ تک اہل مدینہ میں سے بنوخزرج آپ کے دادا کے ننھیال تھے اور آپ بچپن میں ان کے ہاں جا کر قیام پذیر بھی رہے تھے۔ شمال میں بنوقضاعہ آپ کے رشتہ دار تھے اور آپ سے اتنی قریبی رشتہ داری کے سبب وہ قبائل آپ سے متعارف تھے۔

حضرت خدیجہ سے شادی کے بعد آپ نے انہی کے مال سے وسیع پیمانے پر تجارتی کاروبار شروع کر دیا تھا اور تقریباً پندرہ سال تک آپ نے یہ سلسلہ نہایت کامیابی سے جاری رکھا۔ آپ نے ملک کے طول وعرض میں لگنے والی تجارتی منڈیوں میں ایک متمول اور کامیاب تاجر کی حیثیت سے شرکت کی۔ اس سلسلہ میں آپ شمال میں بصریٰ، جنوب میں یمن کی تجارتی منڈی حباشہ اور مشرق میں بحرین کی تجارتی منڈی دابہ میں متعدد بار تشریف لے گئے۔ اس دوران آپ ایک ایماندار صادق اور امین تاجر کی حیثیت سے پورے عرب میں پہچانے جاتے تھے اور اعلان نبوت کے وقت آپ کوئی غیر معروف آدمی ہرگز نہ تھے۔

بعثت کے وقت عرب کی حالت

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام عالم انسانیت کے لیے رسول بنا کر مبعوث فرمایا تھا تاہم آپ کو اپنے کام کا آغاز اپنی ہی بستی میں اپنی ہی قوم کے افراد سے کرنا تھا اور یقیناً آپ کے کام کی وسعت، راستے میں پیش آنے والی مشکلات اور اس راستہ میں آپ کے صبر واستقامت اور اللہ کی تائید کا اندازہ کرنا اس وقت تک مشکل ہے جب تک اس وقت کے حالات کا جائزہ پوری

Marfat.com

تفصیل کے ساتھ نہ لے لیا جائے۔عام طور پر سیرت کی کتابوں میں عرب کی حالت جس طرح بیان کی جاتی ہے اس سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ عرب میں زندگی عقلی، اجتماعی اور تمدنی ہر لحاظ سے ابھی عہد طفولیت میں تھی۔ وہ اونٹ اور بھیڑ بکریاں اور گھوڑے پال کر گزارہ کرتے تھے۔ان کا کھانا سوکھی روٹی یا اونٹ کا گوشت ہوتا تھا۔ وہ اونٹ کے بالوں کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔ان کے کھانے پینے میں کوئی تنوع نہ تھا۔لباس میں کسی طرح کی خوشنمائی وزیبائش کا کوئی سوال نہیں۔ وہ ہر طرح کی تہذیب وتمدن سے نا آشنا ایک وحشی قوم تھی۔ان کے ہاں اخلاق نام کی کوئی شے موجود نہیں تھی۔ حلال وحرام کے کسی بھی تصور سے وہ نا آشنا تھے۔ اللہ کے تصور سے نا آشنا تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے۔اور انھیں اپنا خالق مالک اور معبود سمجھتے تھے۔ وغیرہ۔ حالانکہ یہ اس دور کی عرب کی حقیقی تصویر نہیں ہے۔ یہ تاثر ان کتب سے ابھرتا ہے جو ان لوگوں کی تصانیف ہیں جنھیں بعثت کے وقت کے حالات سے واقفیت نہیں اور وہ عربوں کی تاریخ، سماجی زندگی، ان کے ادب اور شاعری اور قبائلی روایات پر زیادہ گہری نظر نہیں رکھتے اور یہ کتب زیادہ تر عجمی زبانوں میں لکھی گئی ہیں۔ یہ تصویر اس حقیقت کے بالکل خلاف ہے جو تاریخ کی عربی کتب، ادب اور جاہلی اشعار میں ملتی ہے۔

مکہ مکرمہ

مکہ مکرمہ اس وقت مشرق میں کوہ خندمہ مغرب میں جبل احمر شمال میں جبل قیقعان اور جنوب میں جبل راس الانسان تک پھیلے ہوئے پختہ مکانات کا شہر تھا۔ جس میں اس وقت بارہ مختلف خاندان آباد تھے۔ جن میں بنو ہاشم، بنو نوفل اور بنو امیہ جو عبد مناف بن قصی کی اولاد تھے۔ بنو عبد الدار بن قصی بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی شامل تھے۔ یہ پانچوں خاندان قصی بن کلاب کی اولاد تھے۔ان کے علاوہ بنو زہرہ جو قصی کے بھائی زہرہ بن کلاب کی اولاد تھے۔ بنو مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب اور بنو تیم بن مرہ بن کعب جو قصی کے دادا مرہ بن کعب کی اولاد تھے اور بنو سہم اور بنو جمع جو مرہ کے بھائی ہصیص بن کعب کی اولاد تھے نیز بنو عدی بن کعب جو مرہ کے بھائی عدی کی اولاد تھے اور بنو عامر جو کعب کے بھائی عامر بن لوی کی اولاد تھے، شامل تھے۔ اسی طرح قریش کے کل بارہ قبائل جو فہر بن مالک کی اولاد تھے مکہ میں آباد تھے۔ان بارہ قبائل کے علاوہ ان قبائل

Marfat.com

کے حلفاء کی اچھی بھلی آبادی تھی۔

قصی کو عرب میں بہت اقتدار نصیب ہوا۔ یہاں تک کہ اس کے احکام کو دین کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ قصی پہلا شخص ہے جس نے کعبہ کے گرد قریش کے لوگوں کو آباد کیا۔ اس نے مکہ کی زمین کو مختلف محلوں میں تقسیم کیا۔ جنھیں رباع کہتے تھے اور ہر قبیلہ کو الگ محلے میں آباد کیا۔ ان رباع کی تفصیل الازرقی کی کتاب اخبار مکہ میں موجود ہے۔ پہلی بار کعبہ کے گرد اس طرح پختہ مکانات تعمیر کیے گئے کہ پرانے مطاف کے گرد ان مکانات کی دیواروں سے ایک فصیل بن گئی جو حرم کی بیرونی دیوار تھی۔ ان محلوں سے مختلف گلیاں خانہ کعبہ تک آتی تھیں۔ یہ حرم کے دروازے بناتی تھیں۔ مکہ میں اس وقت پتھر کے بنے پختہ مکان تھے۔ گھر عموماً گول شکل کے بنائے گئے تھے تا کہ کعبہ سے مشابہت نہ ہو۔ کعبہ کے احترام میں گھروں کی چھتوں کو کعبہ سے بلند نہیں رکھا جاتا تھا۔ گھروں کے عموماً دو حصے ہوتے تھے۔ ایک مردانہ اور ایک زنانہ اور دونوں جانب الگ دروازے ہوتے تھے تا کہ مہمانوں کی صورت میں خواتین دوسری جانب سے آ جا سکیں۔ گھروں میں پردے اور آرائشی سامان آویزاں کرنے کا رواج تھا۔ ہر محلے کا اپنا نادیہ (چوپال) ہوتی تھی۔ اس طرح خانہ کعبہ کے گرد کئی نادیے تھے مگر کسی کا دروازہ حرم میں نہیں کھلتا تھا بلکہ کعبہ کو آنے والی گلی میں کھلتا تھا۔ سوائے دارالندوہ کے۔ قصی نے مطاف کے شمال مغربی جانب مطاف کے بالکل ساتھ اپنا گھر بنایا تھا۔ جس کا مردانہ حصہ خاصا وسیع تھا جو دارالندوہ کہلاتا تھا۔

دارالندوہ

دارالندوہ کو مکہ میں بہت اہمیت حاصل تھی۔ مکہ کے تمام اہم فیصلے اسی گھر میں ہوتے تھے۔ مختلف قبائل کے سردار اور ذمہ دار افراد یہاں بیٹھ کر اہم فیصلے کرتے۔ کسی قبیلہ سے جنگ کا موقع ہوتا تو لوا (جھنڈا) یہیں باندھا جاتا۔ مختلف معاہدات اسی میں طے ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی لڑکی جوان ہوتی تو اسے چادر یہیں اوڑھائی جاتی۔ حجابہ، سقایہ اور رفادہ کے انتظام کے علاوہ رشتے ناطے یہیں طے ہوتے۔

مناصب

قصی پہلا شخص تھا جس کو مکہ میں اتنا اقتدار حاصل ہوا کہ اس کی حیثیت بیک وقت مکہ

Marfat.com

کے حاکم اور مذہبی پیشواء کی سی تھی اس کی زندگی میں بھی اور اس کی وفات کے بعد بھی اس کے فرمودات کی حیثیت قانون کی سی تھی اور اس سے اختلاف نہیں کیا جاتا تھا۔ اس نے خانہ کعبہ کی آبادی اور تعظیم کے لیے مختلف مناصب مقرر کیے تاکہ کعبہ کی زیارت اور حج کے لیے آنے والوں کو سہولیات فراہم کی جائیں۔ ان مناصب میں حجابہ (بیت اللہ کی دربانی) سقایہ (حجاج کے لیے پانی اور سبیلوں کا انتظام) رفادہ (حجاج بیت اللہ کی سالانہ دعوت عام) تھے۔ اس کے علاوہ اہم مسائل پر مشورہ کے لیے ندوہ، اور جنگ کی صورت میں لواء کے مناصب مقرر تھے۔ قصی کے زمانے میں یہ سارے مناصب قصی کے ہاتھ میں تھے اور ان سارے امور کو وہ مکہ میں آباد خاندانوں کے باہمی مشورے سے طے کرتا تھا۔ مشاورت کے لیے لوگ دارالندوہ میں جمع ہوتے۔ قانون یہ تھا کہ دارالندوہ میں بنو قصی کے علاوہ دوسرے قبائل کے وہی لوگ شامل ہو سکتے تھے جن کی عمر چالیس سال سے کم نہ ہو۔ البتہ بنو قصی اور ان کے حلیف قبائل پر ایسی کوئی پابندی نہ تھی۔ ان میں سے چھوٹے بڑے سبھی اس میں شریک ہو سکتے تھے۔

قصی نے یہ تمام مناصب اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کے حوالے کر دیے۔ مگر اس کی وفات کے بعد بنو عبدالدار اور بنو عبد مناف کے درمیان ان مناصب کی تقسیم کے لیے اختلاف ہوا اور آخر کار یہ مناصب بنو عبدالدار اور بنو عبد مناف میں اس طرح تقسیم ہو گئے کہ بنو عبدالدار کو لواء، سدانہ اور حجابہ کے مناصب دیے گئے۔ جبکہ بنو عبد مناف کو سقایہ، رفادہ اور پرچم کے مناصب ملے۔ پھر یہ مناصب بنو عبد مناف میں تقسیم ہوئے بنو ہاشم کو سقایہ، بنو نوفل کو رفادہ اور بنو امیہ کو پرچم (عقاب) ملا البتہ مشاورت کا قلمدان بنو اسد کے حصہ میں آیا۔ اس طرح مکہ ایک ایسی شورائی شہری ریاست کی حیثیت اختیار کر گیا جس کا انتظام و انصرام سرداران قریش کی شوریٰ کرتی تھی۔ بعد کے ادوار میں مناصب کا اضافہ ہوتا گیا اور یوں شوریٰ کی تعداد بڑھتی گئی۔ ہر منصب پر قریش کے مختلف اصحاب الرائے اور صاحبان وجاہت لوگ مقرر تھے چنانچہ بعثت کے قریب درج ذیل مناصب پر یہ افراد مقرر تھے:

① حجابہ: حجابہ اور سدانہ کے منصب بنو عبدالدار میں تھے اور اس وقت شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ الحجبی العبدری کلید بردار مکہ تھے۔ جسے چاہتے تھے دروازہ کھول کر خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونے کی اجازت دیتے تھے۔ بعد بعثت نبی اکرم ﷺ نے ایک بار ان سے کہا

Marfat.com

مجھے خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کی اجازت دو تو اس نے انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا۔ شیبہ ایک وقت آئے گا جب کعبہ کی چابی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا عطا کروں گا۔ پھر وہ وقت آیا جب فتح مکہ کے موقع پر آپ نے شیبہ سے چابی منگوائی اور فرمایا۔ آج یہ چابی میرے قبضہ میں ہے جسے چاہوں دوں۔ حضرت عباس نے درخواست کی کہ یہ چابی مجھے عطا کر دی جائے۔ آپ نے یہ کہہ کر یہ چابی شیبہ کو دے دی۔ یہ لے لو یہ قیامت تک تمھاری اولاد میں رہے گی اور تم سے سوائے ظالم کے کوئی نہیں لے گا۔ یہ چابی آج بھی انہی کی نسل کے پاس موجود ہے۔ اس موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا:

ان اللہ یامرکم ان تودھا الامنت الی اھلھا۔

''اللہ کا حکم ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کو واپس کر دو۔''

② سقایہ: حجاج کے لیے پانی کا انتظام وانصرام اور سبیلیں لگانے کا انتظام بنو ہاشم کے ذمہ تھا اور اس پر اس وقت عباس بن عبدالمطلب آپ کے چچا مقرر تھے۔ انھوں نے خانہ کعبہ کے صحن میں چمڑے کے حوض رکھے ہوئے تھے۔ کسی میں زمزم کا سادہ پانی، کسی میں زمزم کے پانی میں کھجوریں، کسی میں زمزم کے پانی میں دودھ اور کسی میں زمزم کے پانی میں شہد ملا کر بھرا ہوتا تھا۔ جسے ہر آنے والا اپنی پسند کے مطابق پیتا تھا۔ اسی طرح زمزم کے کنویں کا انتظام بھی انہی کے ذمہ تھا۔

③ رفادہ: حاجیوں کے لیے ضیافت کا انتظام تھا۔ یہ بنو نوفل بن عبد مناف کے ذمہ تھا۔ قصی نے اس غرض کے لیے اہل مکہ پر ٹیکس کی ایک رقم مقرر کر رکھی تھی جسے اہل مکہ یہ رقم خوش دلی سے ادا کرتے جس سے وہ آنے والے حاجیوں کی ضیافت کا انتظام کرتا تھا۔ بعثت کے وقت اس کام پر الحارث بن عامر مقرر تھا۔ وہ آنے والے حاجیوں کے لیے کھانے کا انتظام کرتا۔ یہ کھانا اسلام کے ہر دور میں بھی اسی طرح جاری رہا اور آج کل عرفات میں حکومت کی طرف سے ملنے والا کھانا وہی رفادہ ہے۔

④ اللواء: قبائلی پرچم جسے لواء کہتے تھے۔ اس کے محافظ بنو عبدالدار تھے۔ لواء اور عقاب میں فرق یہ ہے کہ لوا چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں استعمال ہوتا تھا یا قبائلی جھنڈا الواء کہلاتا تھا۔ جبکہ

Marfat.com

عقاب بڑی لڑائیوں میں استعمال ہوتا تھا۔ اس منصب پر اس وقت عثمان بن طلحہ مقرر تھا۔ اور وہی دار الندوہ کا محافظ بھی تھا۔

⑤ عقاب: عقاب قریش کا مشترکہ قومی جھنڈا تھا جسے فتح ونصرت کی ضمانت خیال کیا جاتا تھا۔ قریش کی بڑی لڑائیوں میں استعمال ہوتا تھا۔ جنگ کے موقع پر فوج کا کمانڈر انچیف وہی شخص ہوتا تھا جو عقاب کے منصب پر فائز ہوتا۔ وہی عقاب کا علمبردار ہوتا الا یہ کہ متفقہ طور پر کسی خاص جنگ میں دوسرے آدمی کو اس خدمت پر وقتی طور پر مامور کیا جاتا۔ یہ صرف اس موقع پر ہوتا جب قریش کے علاوہ کچھ دوسرے حلیف بھی اس جنگ میں شریک ہوتے۔ عقاب کی حفاظت کی ذمہ داری بنوامیہ پر تھی اور بعثت کے وقت اس منصب پر ابوسفیان بن امیہ بن عبدالشمس مامور تھا۔

⑥ قبہ اور عنہ: قبہ اس خیمے کو کہتے تھے جو میدان جنگ میں اس بت پر لگایا جاتا تھا جسے اہل مکہ برکت کے لیے ساتھ لاتے تھے۔ عنہ اس گھوڑے کے ساز کو کہتے تھے جس پر اس بت کو لاد کر لے جاتے تھے۔ قبہ اور عنہ کا محافظ ہی میدان جنگ میں سواروں کے دستے کا کمانڈر ہوتا تھا۔ یہ منصب بنومخزوم کے پاس تھا اور اس وقت اس پر خالد بن ولید مقرر تھے۔ سواروں کے سالار کے ماتحت دو اور کمانڈر بھی مقرر ہوتے تھے۔ ایک میمنہ (دائیں) اور دوسرا میسرہ (بائیں) جانب کے دستہ کا سالار۔

⑦ المشورہ: اہم معاملات کے لیے آخری مشاورت کے لیے المشورہ کا منصب مقرر تھا۔ جب دار الندوہ میں تمام سرداران قریش عمومی طور پر کسی فیصلے کو قبول کرتے تو آخری فیصلہ کے لیے دار الندوہ ہی مشاورت بلائی جاتی۔ اس کی ذمہ داری بنواسد بن عبدالعزیٰ پر تھی جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا قبیلہ تھا۔ اس منصب پر اس وقت یزید بن زمعہ مقرر تھا۔

⑧ اشناق: اشناق جرمانے کی اس رقم کو کہتے تھے جو جنگی یا دوسرے جرائم میں کسی فریق پر عاید کی جاتی تھی۔ اسی میں قتل کی دیت وغیرہ بھی شامل تھی۔ ایسے سارے جھگڑوں کے فیصلے بھی صاحب اشناق ہی کو کرنا ہوتے تھے۔ یہ منصب بنوتیم بن مرہ کے پاس تھا۔ اس وقت اس منصب پر صدیق اکبر۔ (ابوبکر صدیق) فائز تھے۔ اس منصب کے لیے علم الانساب میں مہارت ہونا بہت ضروری تھا۔ یہی سبب ہے ابوبکر صدیق اس علم میں

Marfat.com

عرب کے سب سے بڑے عالم مانے جاتے تھے۔

⑨ ثالثی: ثالثی کا منصب مختلف افراد اور خاندانوں کے درمیان پیدا ہونے والے مالی قضیوں کے فیصلہ کے لیے مقرر کیا گیا تھا اور یہ منصب بنو سہم کے پاس تھا۔ یہ ایک طرح کی دیوانی عدالت تھی جس میں فوجداری جرائم کے فیصلے نہیں آتے تھے۔ یہ فیصلے صاحب اشناق کو کرنا ہوتے تھے۔ ثالثی کے منصب پر اس وقت الحارث بن قیس مقرر تھا۔ یہی خانہ کعبہ میں جمع ہونے والے نذرانوں کا محافظ بھی تھا۔

⑩ ازلام: خانہ کعبہ میں ہبل کے پاس تیر رکھے رہتے تھے جو قرعہ اندازی یا پانسے کے تیر تھے۔ جب کسی شخص کو کسی معاملے میں فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا تو وہ اسے اللہ پر چھوڑ دیتا۔ صاحب ازلام کو نذر دے کر وہ قرعہ نکلواتا اور پھر جو تیر نکلتا اس پر عمل کرتا۔ یہ منصب بنو جمع کے پاس تھا اور صفوان بن امیہ صاحب الازلام تھا۔

⑪ سفارہ: اہل مکہ جب کسی دوسرے قبیلہ یا بیرونی ریاستوں کے ساتھ کوئی معاملہ طے کرنا چاہتے تو اس کے لیے سفارت کا منصب کام میں لایا جاتا۔ یہ منصب بنو عدی کے پاس تھا۔ اور اس کی حیثیت وزارت خارجہ کی سی تھی اور اس منصب پر اس وقت عمر بن الخطاب فائز تھے۔

اس کے علاوہ تین چھوٹے چھوٹے مناصب ایسے بھی تھے جو اہل مکہ سے باہر بنو عدنان کے دوسرے قبائل کے پاس تھے ان میں افاضہ، نسی اور تعمیر شامل تھے۔

① افاضہ: میدان عرفات سے مزدلفہ کے لیے اور پھر مزدلفہ سے رمی جمار کے لیے روانگی کے لیے افاضہ کی اصطلاح استعمال ہوتی تھی۔ عرفات سے افاضہ پر مدت ہائے دراز سے الغوث بن مر بن اد بن طانجہ بن الیاس بن مضر کی اولاد مقرر تھی۔ جب تک وہ اجازت نہ دیتے کوئی عرفات سے روانہ نہ ہوتا۔ اس منصب پر کرب بن صفوان مقرر تھا۔

مزدلفہ سے افاضہ پر عدوان بن عمرو بن سعد بن قیس عیلان بن مضر بن نزار کی اولاد فائز تھی وہ جب تک منیٰ میں آ کر رمی جمار نہ کرتے کوئی دوسرا رمی نہ کرسکتا تھا۔ بعثت کے وقت اس منصب پر ابو سیار، عمیلہ بن الازعزل مقرر تھا۔

② نسئی: نسی کے معنی حرام مہینوں کو مؤخر کرنے کے ہیں۔ اس کی دو صورتیں تھیں:

Marfat.com

(۱) کسی غارت گری یا انتقام کی خاطر لوگ اس منصب پر مقرر شخص سے کسی بھی حرام مہینے کو ایک سال کے لیے حلال کروا لیتے اور اس کی جگہ کسی حلال مہینے کو حرام کروا کے حرام مہینوں کی تعداد پوری کر دیتے۔

(۲) قمری مہینوں کے حساب سے حج مختلف موسموں میں گردش کرتا تھا۔ اس ''زحمت'' سے بچنے کے لیے نساۃ کبیسہ کا تیرہواں مہینہ بڑھا دیتے اور یہ فیصلہ بھی وہ خود کرتے کہ اس سال کبیسہ کا مہینہ کس مہینے سے پہلے اور کس مہینے کے بعد آئے گا۔

نسی کا یہ منصب مدتوں سے مالک بن کنانہ کی اولاد کے پاس تھا اسی وجہ سے وہ نساۃ کہلاتے تھے۔ بعثت کے وقت نسی کا کام جنادہ بن عوف بن امیہ کنانی کے سپرد تھا۔

(۳) تعمیر: مکہ میں عوامی تعمیرات کی نگرانی کے لیے اس وقت حمالہ ابن عوف ابن عامر نامی ایک ماہر تعمیرات بھی مقرر تھا۔ جس کا تعلق جنوبی عرب کے قبیلہ ارد شنوہ سے تھا۔

مناصب کی اوپر بیان کردہ تفصیل سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مکہ میں آباد قبائل کس طرح ایک دوسرے کے ممد و معاون تھے۔ یہ سارے مناصب وراثۃً منتقل ہوتے تھے۔

قریش

مکہ کی آبادی قبائل قریش پر مشتمل تھی۔ جو فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ کی اولاد تھے۔ سوائے ان قبائل کے جو قریش کے مختلف قبائل کے حلیف تھے اور آ کر مکہ میں آباد ہو گئے تھے۔ قریش پانچویں صدی کے آغاز تک مکہ کے گرد میں پھیلے ہوئے قبائل بنو کنانہ میں منتشر گھرانے تھے۔ صحرا میں رہنے کے سبب ان میں قبائلی عصبیت، شجاعت، مہمان نوازی، راست گوئی اور دوسری قبائلی صفات بدرجہ کمال موجود تھیں۔ پانچویں صدی عیسوی کے نصف اول میں قصی نے بنو خزاعہ کو مکہ سے بے دخل کر کے مکہ میں آباد کیا تھا۔ یہ دور تھا جب مشرق و مغرب کے درمیان تجارت کا بحری راستہ جو بحیرہ قلزم سے ہو کر گزرتا تھا رومی اور حبشی بحری بیڑوں کی زد پر تھا۔ ساری تجارت عدن سے یمن اور پھر ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ مکہ اور بدر سے گزر کر غزوہ، بطرہ اور شام کے راستے ہو رہی تھی۔ یمن کی حمیر سلطنت حبشی قبضہ سے نجات پا کر ابھی سنبھل رہی تھی۔ اس طرح اس راستے پر آباد قبائل معد جری ہو گئے تھے اور حمیری سلطنت کے تجارتی قافلوں اور حیرہ کی

Marfat.com

ایرانی باجگزار لخمی ریاست تک کے تجارتی قافلوں کا گزران کی اجازت کے بغیر ممکن نہ رہا تھا اور وہ ان تجارتی قافلوں سے بھاری ٹیکس وصول کرتے تھے۔ حمیر پر تبابعہ کی حکومت تھی۔ ۴۵۰ء میں آخری بار سد مآرب ٹوٹا تبابعہ کا جاہ وجلال بھی اس میں بہہ گیا۔

ان حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عبد مناف کے ذہین بیٹوں نوفل، ہاشم اور عبد الشمّس اور مطلب نے اس راستے پر ہونے والی تجارت میں عملی حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ہاشم نے غسانی بادشاہ سے، عبد الشمّس نے حبش کے بادشاہ سے، نوفل نے عراق وفارس کی حکومتوں سے اور مطلب نے یمنی امراء سے تجارتی مراعات حاصل کر لیں۔ متولیان کعبہ ہونے کے حوالے سے قریش کے قافلوں سے قبائل بھاری ٹیکس بھی وصول نہ کرتے تھے اور انھیں اپنی حفاظت کے لیے وہ بھاری حفاظتی اخراجات بھی برداشت نہ کرنا پڑتے تھے جو دوسرے تجارتی قافلوں کے لیے ناگزیر تھے۔ ان تجارتی سرگرمیوں سے قریش کو اقتصادی اور تہذیبی اعتبار سے بہت فائدہ پہنچا۔ مختلف اقوام اور تہذیبوں سے میل جول کے نتیجے میں مکہ میں ایک نئی تہذیب ابھرنے لگی۔ ان کا معیار زندگی پہلے سے کہیں بلند ہو گیا۔ ان کی زبان میں نئے الفاظ، تراکیب اور اسالیب کے داخل ہو جانے کے نتیجے میں زبان میں بڑی وسعت پیدا ہوئی اور رفتہ رفتہ ان کی زبان منجھ کر ملک کی معیاری زبان قرار پا گئی کہ کسی دوسرے قبیلہ کی زبان اس کے مدمقابل ٹھہرتی نہ تھی۔ اظہار خیال اور بیان کے اچھوتے انداز پیدا ہوئے۔ تجارتی سرگرمیوں کے نتیجے میں دنیا بھر کی دولت قریش کی طرف بہنے لگی۔ ادھر یمن کی حکومت مارب کا بند ٹوٹنے اور لخنیعہ دو شنائر کی بدکرداری اور ذونواس حمیری کے مظالم کے نتیجے میں یمن میں انتشار بڑھتا گیا۔ بغاوتیں پھیلیں اور آخر میں حبشی ریاست جو رومیوں کی باجگزار ریاست تھی اور ایک عرصہ سے بری تجارتی راستے پر قابض ہونے کے لیے تڑپ رہی تھی اس انتشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عیسائیوں پر ذونواس کے مظالم کا بہانہ بنا کر یمن پر حملہ آور ہو گئی۔ اور آخر کار ۵۲۵ء میں ذونواس قتل ہو گیا اور تبابعہ کی سلطنت ختم ہو گئی۔ حبشی حکومت کو یہاں قدم جمانے میں کچھ وقت لگا۔ اس سارے عرصہ میں حالات سے فائدہ اٹھا کر قریش نے اپنی تجارت کو خوب فروغ دیا۔ حکومت کے استحکام اور بند کی ایک گونہ مرمت کے بعد اس تجارتی راستے پر قبضہ کرنے کے منصوبہ پر کام کا آغاز کر دیا۔ ابرہہ حاکم یمن نے صنعاء میں کلیس نامی ایک گرجا بنا کر اسے کعبہ کی حیثیت دینے کی کوشش کی اس میں ناکامی پر کلیس کی توہین

Marfat.com

کا مسئلہ کھڑا کر کے مکہ پر حملہ کر دیا اور پرندوں کے غولوں کے ہاتھوں اپنے رسوا کن انجام کو پہنچا۔ اس تائید ربانی نے قریش کا وقار کہیں بلند کر دیا اور وہ اللہ کے محبوب بندوں کی حیثیت سے پہچانے جانے لگے۔

مکہ کی مرکزی حیثیت

مکہ کو مذہبی اعتبار سے تو ابتدائے نسل آدم ہی سے مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ اللہ کی عبادت کے لیے تعمیر ہونے والا پہلا گھر اسی مکہ میں آباد تھا۔ آدم علیہ السلام نے خود اس گھر کا طواف اور حج کیا تھا اور اس کے بعد سارے انبیاء اور ان کی امتیں اس گھر کا طواف کرتی رہی ہیں۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے بعد ان کی اولاد کے لیے جو عرب کے دور دراز علاقوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ مکہ احترام و عقیدت کا مرکز تھا اور وہ ہر سال حج کے لیے جوق در جوق یہاں آتے تھے اور متولیان کعبہ کا پورا احترام کرتے تھے۔

قریش کی تجارتی سرگرمیوں نے چھٹی صدی عیسوی میں مکہ کو ایک تجارتی مرکزی حیثیت دے دی تھی۔ قریش کے لوگ تجارتی اغراض سے سال میں دو سفر کرتے تھے۔ موسم گرما میں شام کی طرف اور موسم سرما میں یمن کی طرف۔ اشہر حرم (رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم) میں بیت اللہ کے پہلو میں حرم کے اندر ان کے بازار لگتے تھے۔ اس کے علاوہ مکہ کے گرد و نواح میں انہی مہینوں میں تین مشہور میلے لگتے تھے۔ عکاظ کا میلہ نخلہ اور طائف کے درمیان ایک گاؤں میں لگتا تھا۔ جس کا نام عکاظ تھا۔ مجنہ مکہ کے قریب ایک بستی میں لگتا تھا اور ذوالمجاز عرفات سے جانب مغرب کو ایک فرسنگ کے فاصلے پر لگتا تھا۔ یہ میلے اور بازار چونکہ اشہر حرم میں لگتے تھے اور ان مہینوں میں کسی قسم کی لڑائی اور لوٹ مار کا کوئی خوف نہیں ہوتا تھا۔ اس میں پورے عرب سے قبائل بھرپور حصہ لیتے۔ یہ میلے تہواروں کی صورت منائے جاتے تھے۔ دکانیں لگتی تھیں لوگ ان دکانوں پر اپنا سامان تجارت بیچتے تھے اور ضروریات زندگی خریدتے تھے۔ ان بازاروں میں افریقہ اور ایشیاء کے مختلف ممالک سے نوادرات، تحفے، مشہور اور ملکی ضرورت کی دوسری اشیاء آتی تھیں۔ افریقہ سے آنے والی اشیاء میں گوند، ہاتھی دانت، سونا، آبنوس کی لکڑی شامل تھیں۔ یمن سے کھالیں اگربتی ولوبان اور کپڑے، عراق سے گرم مسالے، ہندوستان سے سونا، ٹین، جواہرات، ہاتھی

Marfat.com

دانت، صندل کی لکڑی، گرم مسالحے اور زعفران، تلواریں، مصر وشام سے مختلف قسم کے تیل، غلہ و اجناس، ریشم، شرابیں اور اسلحہ وغیرہ آتے تھے۔ قبائل کی علاقائی مصنوعات اس کے علاوہ تھیں۔ مکہ کی مقامی مصنوعات مثلاً چمڑا، تلواریں، نیزے وغیرہ انہی بازاروں میں فروخت ہوتے تھے۔

مکہ کے جن بازاروں کا تذکرہ ہمیں تاریخ مکہ میں ملتا ہے۔ جو مکہ کے مستقل بازار تھے۔ ان میں ایک بازار عطر فروشوں کا تھا۔ ایک بازار میں صرف پھل فروخت ہوتے تھے۔ ایک بازار صرف حجاموں کے لیے مخصوص تھا۔ یہ سب بازار بہت کشادہ اور وسیع تھے۔ مکہ کی منڈی میں گھی شہد اور مختلف اجناس موجود رہتی تھیں۔ ایک گلی جوتوں کی دکانوں کے لیے اور ایک بازار کپڑے کے لیے مخصوص تھا۔

اس طرح مکہ کو چھٹی صدی عیسوی میں تجارتی اور تہذیبی اعتبار سے وہی حیثیت حاصل ہو گئی تھی جو ماضی میں حمیری سلطنت کے دارالخلافہ صنعاء کو حاصل تھی۔ مکہ میں سکے ڈھالنے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ یہاں دو طرح کے درہم چلتے تھے۔ جن میں سے ایک فارسی درہم تھا۔ اس پر ایران کا نقش اور مہر ہوتی تھی۔ اس کو بغلیہ یا سوداء دامیہ کہتے تھے۔ دوسرا رومی درہم تھا۔ اس پر روم کا نقش اور مہر ہوتی تھی۔ اس کو طبرتیہ اور بزنعلیہ کہتے تھے۔ ان کا وزن مختلف تھا۔ یہی سبب ہے کہ ان کا سودا ان کی تعداد کے اعتبار سے نہیں ان کے وزن کے اعتبار سے ہوتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کاروبار کو سود قرار دیتے ہوئے منع فرمایا اور فرمایا:

لا تبیعوا الدرھم بالدرھمین۔

''ایک درہم کو دو درہم کے بدلے میں نہ بیچو۔''

علماء کرام کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ جس درہم کا شریعت میں اعتبار ہے اس کا وزن جَو کے بچپن دانوں کے برابر ہے۔

دوسرا سکہ دینار تھا۔ یہ سونے کا تھا۔ دینار رومی سکہ تھا اور روم ہی میں ڈھلتا تھا۔ ان پر بادشاہ روم کی تصویر ہوتی تھی اور بادشاہ کا نام رومی زبان میں کندہ ہوتا تھا۔ اس کا وزن ایک مثقال کے برابر ہوتا تھا۔ مثقال جَو کے ۷۲ دانوں کے ہم وزن مانا جاتا تھا۔

ناپ کے پیمانوں میں مد اور صاع کا رواج تھا۔ وزن کے پیمانے مثقال، اوقیہ اور رطل تھے۔

Marfat.com

قریش کی اقتصادی اور تہذیبی حالت

تجارت کے نتیجے میں قریش کے ہاں دولت کی فراوانی تھی۔ جن گھرانوں میں مال و دولت کی فراوانی تھی۔ ان میں بنو ہاشم، بنو امیہ اور بنو مخزوم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اشخاص میں ابولہب، عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب اور عباس بن عبدالمطلب کا شمار قریش کے دولت مند لوگوں میں ہوتا تھا۔ بنو امیہ میں سے ابوسفیان حرب بن امیہ اور ابواحیحہ بن سعید بن العاص بن امیہ مالدار لوگ تھے۔ ابوسفیان کے قافلہ میں ابواحیحہ کا مال تجارت تقریباً ۳۰،۰۰۰ تیس ہزار دینار کے برابر تھا۔ بنو مخزوم میں سے ولید بن مغیرہ اور عبداللہ بن ربیعہ المخزومی بھی بہت امیر و رئیس تھے۔ عبداللہ بن جدعان جن کا تعلق حضرت ابوبکر صدیق کے قبیلہ بنو تیم بن مرہ سے تھا مکہ کے مالدار لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ ان کے بارے میں یہ بات تاریخ کے صفحات میں ملتی ہے کہ وہ سونے کے پیالے میں پانی پیتے تھے۔ ان کا پورا لنگر خانہ تھا۔ جس میں غریبوں اور بھوکے لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ بنو عبدالدار میں سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا شمار بھی دولت مند لوگوں میں ہوتا تھا۔ مکہ میں اسوقت کئی ایسے لوگ تھے جن کے پاس تین تین قنطار سونا موجود تھا۔

قریش کو اللہ تعالیٰ نے جسم و صورت کے قدرتی حسن سے نوازا تھا۔ وہ حسن ذوق، لطافت طبع اور آرائش و تجمل میں پورے عرب میں ممتاز تھے اور جوان مردی اور عالی ظرفی کی ان اعلیٰ صفات کے حامل بھی تھے جس کو عربی زبان میں "الفتوہ" اور "المراوءۃ" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ وہ خیر و شر ہر میدان میں اہل عرب کے رہنما مانے جاتے تھے۔ اہل مکہ میں اگرچہ ناخواندگی عام تھی اور ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب بھی محفوظ نہ تھی جسے وہ پڑھتے اور اسی سبب سے اہل عرب امی کہلاتے تاہم مختلف اقوام سے میل جول کے نتیجے میں ایسے افراد کی خاصی تعداد اہل مکہ میں موجود تھی جو اپنے تجارتی حساب اور اپنے اشعار لکھ لیتے تھے اور لکھی چیز پڑھ لیتے تھے اور ایسے لوگوں کی تعداد قریش میں عرب کے دوسرے قبائل کے مقابلے بہت زیادہ تھی۔ اگرچہ اس وقت عرب میں کوئی مدون فن موجود نہیں تھا۔ تاہم انھوں نے بعض فنون میں حسب ضرورت مہارت پیدا کر لی تھی۔ اس سلسلے میں ان کی دلچسپی انساب، اخبار عرب، شعر و شاعری، علم نجوم، گھوڑوں کی پہچان، ان کے اعضا و صفات سے تفصیلی واقفیت اور شہ سواری اور

Marfat.com

قیافہ شناسی سے تھی۔ علم طب اور علاج معالجہ بھی کسی حد تک وہاں رائج تھا۔ علاقائی جڑی بوٹیوں سے علاج کرتے تھے۔ زخموں کو داغتے تھے۔ فصد کھلواتے اور پچھنے لگواتے تھے۔ فاسد اعضا کو کاٹ کر باقی جسم کو بیماری سے بچا لینے کا بھی رواج تھا۔

قریش کو بہت سے اعلیٰ اخلاق وراثت میں ملے تھے۔ وہ انتہائی سچے لوگ تھے۔ وعدے کے پکے تھے۔ پرلے درجے کے سخی تھے۔ وفا شعاری ان کا قومی شعار تھا۔ تاہم دولت و ثروت نے ان میں بہت سی اخلاقی خرابیوں کو جنم دے دیا تھا۔ وہ انتہائی دنیا پرست ہو گئے تھے۔ نتیجتاً ظلم و زیادتی اور ناانصافی ان میں بری نہیں جانی جا رہی تھیں۔ جوئے اور شراب نوشی کا رواج عام تھا۔ عورتوں میں پردے کا رواج نہیں تھا۔ وہ انتہائی بن سنور کر نکلتی تھیں۔ چہرے، بالوں، گردن اور سینہ پر کوئی دوپٹہ نہیں ہوتا تھا۔ البتہ سر کی پچھلی جانب ایک چادر اس طرح اڑس لیتی تھیں کہ پیٹھ پر لٹکتی رہتی تھی۔ نتیجتاً اخلاقی اباحیت کوئی عیب نہیں رہ گیا تھا۔ لونڈیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد نے زناکاری کو رواج دے ڈالا تھا۔ زناکاری کرنے والی لونڈیاں کھلے بندوں اپنے دروازوں پر جھنڈے لگا کر رکھتی تھیں۔ بعض سرداران اپنی لونڈیوں سے جسم فروشی کا کام لیتے تھے اور مہر البغی کھاتے تھے۔ ناچ گانے کا کام یہی لونڈیاں کرتی تھیں۔

کئی دولت مند سرداروں کے مکانات پر محافل شبینہ سجتی تھیں۔ بہترین قالینوں اور فرش وفروش سے کمرے سجے ہوتے تھے۔ بے تکلف دوستوں کے درمیان مینا و جام کا دور چلتا اور نہایت خوبصورت اور نازک اندام لونڈیاں اپنے رقص اور نغموں سے شرکائے محفل کا دل بہلاتیں۔ رقص و سرور کی ایسی محافل عام تھیں۔ حتیٰ کہ خانہ کعبہ کے گرد نادیوں میں بھی ان محافل کا انعقاد ہوتا تھا۔

دوسرے عدنانی قبائل

قریش کے علاوہ دوسرے عدنانی قبائل مکہ کے گرد و نواح سے لے کر شمال میں شام کی سرحد اور جنوب میں نجران اور یمن کی سرحد تک پھیلے ہوئے تھے۔ مشرق میں ساحل خلیج فارس کے قریب یہی عدنانی قبائل پھیلے تھے۔ اس طرح تہامہ، حجاز اور صحرائے نجد اور یمامہ تک کا سارا علاقہ قبائل معد بن عدنان کا مسکن تھا۔ ان قبائل کو دو اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک شہری اور دوسرے بدوی۔

Marfat.com

شہری قبائل

عدنانی قبائل میں سے قریش کے علاوہ بہت تھوڑے قبائل تھے جو چھوٹے چھوٹے شہر آباد کر کے رہتے تھے۔ جیسے بنو ثقیف جو مکہ سے تقریباً ساٹھ میل کے فاصلے پر طائف میں آباد تھے یہ ایک پر فضا پہاڑی شہر تھا اور مکہ کے بعد یہی سب سے اہم شہر تھا اور اس کے گرد ایک فصیل بھی بنی ہوئی تھی جس میں مختلف دروازے تھے۔ یہ صحت افزاء مقام تھا اور مکہ کے دولت مند لوگ گرمیوں کا موسم گزارنے یہاں آ جاتے تھے۔ اسی طرح شام کے قریب عرب کے شمال میں دومۃ الجندل موجود تھا۔ جہاں قبائل کلب آباد تھے یا مشرق میں صحرائے نجد کے جنوبی حصے میں قبائل ربیعہ یمامہ میں آباد تھے۔ شمال میں یثرب میں قبائل اوس و خزرج کا مسکن تھا۔ یہ قبائل بدوی لوگوں کے مقابلے میں بہتر زندگی گزارتے تھے اور شہری زندگی کی آسائشوں اور آسانیوں سے بہرہ ور تھے۔ یہ لوگ بھی بھیڑ بکریاں اور اونٹ پالتے تھے۔ صحرا میں ہونے کے سبب ان میں سخت کوشی اور محنت کی عادت بھی تھی اور ارد گرد کے قبائل سے آویزش کے سبب ان میں جنگجو قوموں کی صفات جیسے، بہادری، بے خوفی اور بیباکی موجود تھیں۔

عرب کی اصل شہری آبادی تو قبائل بنو قحطان پر مشتمل تھی۔ یہ قبائل یمن، نجران، حضر موت اور عمان کے علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ زمین زرخیز تھی۔ زراعت کے لیے پانی بھی موجود تھا۔ یہ لوگ بڑے بڑے شہر آباد کر کے ان میں بڑی بڑی کوٹھیاں اور محلات بنا کر رہتے تھے۔ ان قبائل میں سباء، حمیر، ہمدان، ازد، طی، لخم، جذام اور کندہ وغیرہ شامل تھے۔ یہ لوگ زراعت اور تجارت کی کمائی سے عیش و عشرت کی زندگی گزارتے تھے۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ ان کی تہذیب اس زمانے میں اتنی ترقی یافتہ تھی کہ یہ لوگ اپنے محلات اور گھروں کو بہت قیمتی سازوسامان سے سجاتے تھے۔ ان کے گھروں میں سونے چاندی کے برتن استعمال ہوتے تھے۔ باریک اور قیمتی کپڑے زیب تن کرتے تھے یہی سبب ہے کہ ان میں بہادری، بے خوفی اور بے باکی کی صفات بنو عدنان کے مقابلے میں بہت کم تھیں۔

بدوی قبائل

عدنانی قبائل ربع الخالی کے شمال سے لے کر شمال میں سرحد شام تک اور مغرب میں بحیرہ

Marfat.com

قلزم کے ساحل سے لے کر مشرق میں خلیج فارس اور دریائے فرات کے کنارے تک، تھامہ، حجاز، یمامہ، نجد اور الدحساء کے پورے علاقے میں پھیلے ہوئے تھے۔ یہ علاقہ جبل سراط اور نجد و یمامہ کے صحرا پر مشتمل تھا۔ آب و ہوا گرم خشک تھی۔ بارشیں بہت کم ہوتی تھیں۔ چشمے اور دریا اور نہریں مفقود تھیں۔ علاقہ یا تو لاوے کے ٹھنگر پہاڑوں پر مشتمل تھا یا موٹی ریت پر نجد کے نسبتاً بلند حصوں میں کہیں کہیں قابل زراعت زمین موجود تھی مگر اس کا تمام تر دارومدار یا تو بارشوں پر تھا یا برساتی نالوں پر لہٰذا یہاں پر شہری آبادی کی گنجائش کم تھی۔ اکثر قبائل خانہ بدوشی کی زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ یہ قبائل اپنے اپنے علاقوں میں عارضی طور پر کچے مکانات کی ایک چھوٹی سی بستی آباد کرتے۔ اونٹ، بھیڑ اور بکریاں پالتے۔ کہیں کہیں گائے پالنے کا رواج بھی تھا اور یہی ان کی دولت تھی۔ یہ لوگ کہیں جم کر نہیں رہتے تھے بلکہ چراگاہوں اور سبزہ زاروں کی تلاش میں ادھر ادھر منتقل ہوتے رہتے تھے اور اکثر خیموں میں زندگی گزارتے۔ ان کے خیمے ان کے جانوروں کی کھالوں کے ہوتے تھے۔ یہ خیمے وسیع و عریض ہوتے تھے۔ جن کو نصب کرنے کے بعد دو حصے کر دیے جاتے۔ ایک حصہ مردانہ اور ایک حصہ زنانہ۔ زنانہ حصہ عموماً پچھلی جانب ہوتا۔ ایک جگہ سبزہ اور پانی ختم ہو جاتا تو دوسری جگہ منتقل ہو جاتے۔ نجد کے اونچے حصوں میں جب بارشیں ہوتیں اور تھوڑی بہت گھاس پھوس اگ آتی تو یہ لوگ اپنے مویشی لے کر اس طرف چلے جاتے اور جب یہاں کی گھاس اور سبزہ ختم ہو جاتا اور گرمی کی لوئیں چلنے لگتیں تو اپنے خیمے اٹھا کر اپنے دیہاتوں میں واپس آ جاتے۔

ہر قبیلے کا اپنا سردار ہوتا تھا جو ان میں سے بہترین شاہسوار، بہترین تیغ زن ہوتا تھا۔ خطابت قبیلے کے سردار کی نہایت پسندیدہ خصوصیت تھی۔ اگر سردار قبیلہ شاعر بھی ہوتا تو یہ ایک مزید اعزاز تھا ورنہ قبیلے کا ایک خطیب اور شاعر ہوتا تھا۔ قبیلے کا سردار اس کا بے تاج بادشاہ ہوتا تھا۔ اس کا ہر حکم واجب العمل ہوتا تھا۔ جس سے سرتابی کی جسارت قبیلے کا کوئی فرد نہیں کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ قبائلی عصبیت قبیلے کے تحفظ کا واحد ذریعہ بن گئی۔ قبیلے کے افراد کی تائید و نصرت ہر فرد پر واجب تھی۔ افراد قبیلہ قبیلے کی روایات پر سختی سے کاربند ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ قبیلے کی روایات کے تحفظ میں جان دے دینے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ اپنے قبیلے کے افراد کی مدد کرنا اور اس کا انتقام لینا قبیلے کے دوسرے افراد پر فرض تھا۔ قطع نظر اس سے کہ قبیلے کا فرد حق پر تھا یا اس کے خلاف۔ یہ بات اس قبائلی معاشرے کے اندر ایک ناقابل تردید اصول بن گئی تھی کہ انصر اخاك ظالماً و

Marfat.com

مظلوماً۔ اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ قبیلے کا شاعر اور خطیب قبیلے کا سفیر تصور ہوتا۔ وہ اپنے قبیلے کے فضائل بیان کرتا دوسرے قبیلے کے عیوب گنواتا۔ شاعر اپنے قبیلے کے قصائد کہتا اور مخالف کی ہجو کہتا۔ افراد قبیلہ سردار قبیلہ کے احکام ہی کی اطاعت نہ کرتا بلکہ مال غنیمت اور سلب کی چوتھائی سردار قبیلہ کو خوش دلی سے پیش کرتے اور ان قبائلی روایات میں شہری اور بدوی سب برابر تھے حتی کہ قریش بھی اس کی پابندی کرتے تھے۔ عالی ظرفی، شجاعت، سخاوت، مہمان نوازی، ایفائے عہد اور بے خوفی ان قبائل کی امتیازی خصوصیات تھیں بلکہ بڑھتے بڑھتے یہ خصوصیات غرور و تکبر اور فخر و مباحات کی صورت اختیار کر گئی تھیں۔

خانہ بدوشی اور پانی اور چراگاہوں کے قبضہ کی کوشش میں بسا اوقات ایک جگہ جمع ہونے والے قبائل کے درمیان اختلاف کی صورت پیدا ہو جاتی تھی۔ جو بڑھ کر جنگوں کی صورت اختیار کر لیتی تھی۔ یہ جنگیں محض پانی اور چراگاہوں کے قبضہ پر ہی نہ ہوتی تھیں بلکہ کئی جنگیں جھوٹی انا اور غرور و تکبر کا نتیجہ بھی ہوتی تھیں۔ عدنانی قبائل کو عموماً دو شاخوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک ربیعہ اور دوسری مضر۔ اسلام سے دو سو سال پہلے تک یہی دو قبیلے سب سے زیادہ طاقت ور اور با اثر شمار ہوتے تھے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ یہ ہر دو قبائل ہم نسب تھے۔ ان کے درمیان سخت دشمنی چلی آ رہی تھی۔ جس کی وجہ سے ان کے درمیان سخت خون ریز جنگیں ہوئیں۔ جن میں دونوں جانب کے سیکڑوں آدمی مارے گئے۔ ربیعہ کی مزید دو شاخیں بکر اور تغلب تھیں اور مضر کی کئی شاخیں تھیں۔ قیس عیلان اور ہوازن اور بنو خزیمہ۔ بنو خزیمہ میں سے دو مشہور قبائل تھے۔ بنو کنانہ اور قریش۔ ان سارے قبائل کے درمیان بھی باہم خون ریز جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ ان میں سے اکثر جنگوں کی بنیاد بہت معمولی واقعات بنتے تھے مگر ایک بار جنگ چھڑ جاتی تھی تو سالوں تک مسلسل چلتی رہتی تھی۔

ہم یہاں صرف دو جنگوں کا تذکرہ محض اس لیے کر رہے ہیں کہ کتنی معمولی باتوں پر کتنی بڑی جنگیں ہوئیں۔ مؤرخین نے قبائل کے درمیان ہونے والی ان جنگوں کا ذکر ایام العرب کے نام سے کیا ہے اور اس سے یہ اندازہ کر لیجیے کہ قبائل کے درمیان کس تسلسل سے جنگیں ہوتی تھیں ہمیں تقریباً ڈیڑھ صدی میں کوئی ستر کے قریب جنگوں کا تذکرہ کتب تاریخ میں ملتا ہے۔

Marfat.com

حرب بسوس

یہ عرب کی منحوس ترین جنگ ہے جو ربیعہ کی دو شاخوں بکر اور تغلب کے درمیان ہوئی۔ وجہ یہ بنی کہ سردار کلیب نے عالیہ کے مقام پر ایک چراگاہ قائم کر رکھی تھی۔ کلیب جس کا نام وائل بن ربیعہ تھا۔ اس کے رعب و دبدبہ کا عالم یہ تھا کہ جس پانی پر اس کے مویشی پانی پیتے تھے وہاں کوئی دوسرا شخص اپنے جانور لانے کی جسارت نہ کرتا تھا۔ اس کی چراگاہ میں کسی کو جانور لانے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا۔ جہاں اس کے قبیلے کے خیمے لگتے تھے وہاں سے دوسرے قبائل اپنے خیمے اٹھا لیتے تھے۔ اس کی آگ کے مقابل کوئی دوسرا آگ جلانے کی ہمت نہیں پاتا تھا۔ اس کا لقب کلیب اس وجہ سے پڑ گیا تھا کہ اس نے بڑے بڑے خوفناک کتے رکھے ہوئے تھے۔ خانہ بدوشی میں وہ جس چراگاہ پر جا کر ڈیرہ لگاتا۔ وہاں وہ کتوں کو بھونکنے کا اشارہ کرتا جہاں تک ان کتوں کی آواز جاتی لوگ یہ کہتے ہوئے خیمے اٹھا لیتے: جاء کلیب وائل۔ ''وائل کے کتے آ گئے۔'' پھر آہستہ آہستہ اختصار ہو کر جاء الکلیب رہ گیا۔ پھر وائل کے نام پر کلیب کا لقب غالب آ گیا۔

کلیب کی شادی بنو بکر کی شاخ بنو شیبان کے سردار مرہ بن شیبان بن ثعلبہ کی بیٹی جلیلہ سے ہوئی تھی۔ ان دنوں مرہ کا بیٹا جساس بنو شیبان میں عملاً سردار تھا۔ چونکہ بنو تغلب اور بنو بکر ہم نسب تھے پھر جساس کلیب کا برادر نسبتی تھا۔ لہٰذا جساس کے مویشی کلیب کی چراگاہ میں چرتے تھے۔ جساس کی خالہ بسوس کے ہاں جرمی قبیلہ کا ایک شخص مہمان آیا اس کی اونٹنی بھی جساس کے اونٹوں کے ساتھ کلیب کی اس چراگاہ میں چرنے کے لیے چلی گئی۔ کلیب نے اس نئی اونٹنی کو دیکھ کر جساس سے پوچھا یہ اونٹنی کہاں سے آئی ہے۔ جساس نے بتایا کہ یہ میری خالہ کے مہمان کی اونٹنی ہے۔ کلیب نے کہا میں اسے آئندہ نہ دیکھوں۔ جساس نے تنک کر جواب دیا۔ جہاں میرے مہمان کی اونٹنی نہیں چر سکتی وہاں میرے اونٹ بھی نہیں چریں گے۔ اگلے روز کلیب نے جب اس اونٹنی کو اپنی چراگاہ میں دیکھا تو اس کے تھن میں تیر مار دیا۔ جساس سے اپنی یہ توہین برداشت نہ ہو سکی اور اس نے موقع پا کر کلیب کو قتل کر دیا۔ اس پر دونوں قبائل کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ پھر اس جنگ کا سلسلہ اتنا طویل ہو گیا کہ دونوں قبائل کے درمیان چالیس سال تک تلوار چلتی رہی۔ دونوں قبائل کے باصلاحیت سردار مارے گئے۔ بہت سی عورتیں بیوہ ہو گئیں اور نہ جانے کتنے بچے اپنے والد کی شفقت سے محروم ہو گئے۔ یہاں تک کہ دونوں قبائل نے تھک ہار کر صلح کر لی۔

Marfat.com

حرب داحس وغبرا

مضر کی مختلف شاخوں کے درمیان لڑی جانے والی جنگوں میں حرب داحس وغبراء سب سے خوفناک جنگ تھی۔ مضری قبائل کی شاخ بنوقیس عیلان کی شاخ بنوغطفان کی دو ذیلی شاخوں بنوذبیان اور بنوعبس کے درمیان ہونے والی یہ جنگ بھی ایک بالکل معمولی واقعہ سے شروع ہوئی اور پھر برسوں ان قبائل کا خون پیتی رہی۔

ہوا یہ کہ قبیلہ عبس کے ایک شخص قیس بن زہیر العبسی نے بنوذبیان کے ایک شخص حذیفہ بن بدر العزازی کے ساتھ گھوڑ دوڑ کی شرط بدی۔ مقابلے کے روز دونوں قبائل مقررہ جگہ پر جمع ہوئے۔ مقابلے میں شریک فرازی کے گھوڑے کا نام الغبراء تھا اور عبسی کے گھوڑے کا نام داحس تھا۔ میدان کے سرے سے دونوں گھوڑے چھوڑے گئے تو داحس آگے نکل گیا۔ مگر ابھی مقررہ نشان تک نہیں پہنچا تھا کہ کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر گر گیا اور یوں غبراء مقررہ نشان پر پہلے پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ جب تحقیق کی گئی کہ گھوڑا کیوں گرا ہے تو معلوم ہوا کہ فرازیوں نے وہاں اڑنگا لگا کر رکھا تھا۔ جس سے ٹھوکر کھا کر غبراء گر گیا ہے۔ اس پر ہر دو قبائل نے اپنے گھوڑے کے جیتنے کا دعویٰ کرنا شروع کر دیا اور بات بڑھتی چلی یہاں تک کہ ہر دو قبائل کے درمیان جنگ کا آغاز ہو گیا۔

یہ جنگ بھی حرب بسوس کی طرح چالیس سال تک چلتی رہی۔ یہ قبائلی عصبیت و تفاخر کا شاخسانہ تھا ورنہ بات معمولی تھی۔ ایک اور مقابلے میں اس بات کا فیصلہ آسانی سے ہو سکتا تھا کہ داحس وغبراء میں سے کون سا گھوڑا تیز رفتار ہے۔

اثرات

انہی دو جنگوں پر کیا موقوف ہے تقریباً ڈیڑھ صدی کے دوران لڑی جانے والی ستر سے زیادہ جنگوں کی بنیاد یا تو جھوٹی انا تھی یا اسی طرح کے معمولی واقعات۔ ان جنگوں میں فاتح قبیلہ مفتوح قبیلہ کے مردوں کو جی بھر کے قتل کرتا۔ عورتوں کو اٹھا کے اپنے ساتھ لے جاتا اور انھیں لونڈیاں بنا لیتا۔ بچوں کو غلام بنا لیتا۔ مال و منال لوٹ لے جاتا۔ سردار قبیلہ اول تو میدان جنگ میں کھیت رہتا یا پھر قید کر لیا جاتا۔ اگر فاتح اس پر رحم کھا کے آزاد کر دیتا تو اس کے بال مونڈ کر اپنے

Marfat.com

پاس رکھ لیتا۔ اس طرح یہ دونوں قبائل حلیف بن جاتے۔ مفتوح قبیلے کی اس کے بعد یہ ذمہ داری ٹھہرتی کہ وہ فاتح کے خلاف بغاوت نہیں کرے گا فاتح کے دشمنوں کو اپنا دشمن جاننے لگا اور فاتح قبیلہ کی یہ ذمہ داری ٹھہرتی تھی کہ وہ مفتوح کی حفاظت کرے اور اس کے ہر دشمن کے خلاف سینہ سپر ہو جائے۔ ہر دو اپنے اس حلف کی پابندی کرتے۔

ملک میں جنگ کے قانون کا دور دورہ تھا۔ زندگی اور امن کی واحد ضمانت طاقت تھی۔ کسی بھی شخص کے لیے قبائلی تحفظ کے بغیر زندہ رہنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہو گیا تھا یا تو آدمی کا اپنا قبیلہ اتنا مضبوط ہو کہ کوئی اس کے جان و مال اور عزت سے کھیلنے کی جسارت نہ کرے۔ یا پھر وہ کسی مضبوط قبیلہ کا حلیف ہو ورنہ جان و مال اور عزت کے کسی بھی ضیاع کے لیے تیار رہے۔ یہی سبب ہے کہ قبیلہ جسے قبیلہ بدر کر دیتا اسے خلیع کہتے تھے اور اس کی جان و مال کی کوئی سی حرمت نہ تھی۔ کوئی بھی شخص اس کا مال لوٹ سکتا تھا اور اسے جان سے مار سکتا تھا۔ اس کا نہ تو ''ثار'' (انتقام) کسی کے ذمہ ہوتا تھا نہ اس کی کوئی دیت تھی۔

ملک کے راستے غیر محفوظ تھے۔ سفر کے دوران یا تو راستے میں پڑنے والے قبائل سے تعلقات حفاظت کی سند تھے یا آدمی کا تعارف کہ اس کی پشت پر ایک مضبوط قبیلہ ہے یا راستہ میں پڑنے والے قبیلہ کی ضمانت ضروری تھی۔ راستوں پر قبائل کی غارت کے علاوہ قبائل کے افراد کے انفرادی ڈاکے عام تھے اور اگر ڈاکو صاحب اس ڈاکے کے دوران قتل ہو جاتے تو مظلوم سے انتقام ڈاکو کا قبیلہ لیتا۔ ایسے ڈاکوؤں کی بھینٹ چڑھنے والے متعدد افراد غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوئے اور بازار میں بکے۔ پھر ایسے غلام کے قبیلے والوں کو اگر اپنے لخت جگر کی اطلاع بھی مل جاتی تو وہ مالک کو بیٹے کی قیمت ادا کر کے ہی آزاد کروا سکتے تھے اور اگر یہ رقم لینے سے انکار کر دیتا تو قبیلہ والے بے بس تھے کہ یا تو غارت کر کے چھڑائیں یا پھر کمزور بن کر خاموش ہو جائیں۔ یہ صورت حال عورتوں کے معاملے میں زیادہ تکلیف دہ بن جاتی تھی۔ حضرت زید بن حارثہ جو بنو کلب سے تعلق رکھتے تھے ایسے ہی ایک ڈاکے میں غلام بنا لیے گئے اور عکاظ کے میلے میں بطور غلام حکیم بن حزام نے خرید لیے اور حضرت خدیجہ کو ہدیہ کرائے اور یوں انھیں نبی اکرم ﷺ کا متبنیٰ بننے کا شرف حاصل ہوا۔

قبائل کے ان آئے دن کے تصادمات نے جہاں معاشرے کو جہنم زار میں تبدیل کر دیا

Marfat.com

تھا۔ وہاں ان میں کچھ اعلیٰ ترین صفات کو پیدا کرنے کا سبب بھی بنے۔ شجاعت، عالی ظرفی اور بے خوفی ان کی بنیادی صفت بن گئی تھی۔ وہ جب جھوٹی انا، ذاتی وقار اور اپنی بات کے تحفظ میں جان دینے کے عادی تھے تو اعلیٰ مقاصد کے لیے جان دینا ان کے لیے اور بھی آسان تھا۔ اس معاشرہ میں قتل ہونا کوئی عیب نہیں تھا بستر مرگ پر مرنا ایک عیب بن گیا تھا۔ چنانچہ جاہلی شاعر نے اپنے قبیلے کے فضائل پر تفاخر کرتے ہوئے کہا ہے ؂

مامات منا سید حتف انفہ
وما طل مناحیث کان قتیل

''ہم میں سے کوئی سردار اپنی طبعی موت نہیں مرا اور جسے ہم قتل کر دیں پھر ہم سے بدلہ نہیں لیا جاتا۔''

اسی طرح بنو تغلب کے سردار عمرو ابن کلثوم نے مخالف قبیلہ کو خوف دلاتے ہوئے کہا ہے:

بشبان یرون القتل مجداً
وشیب بالحروب مجربینا

''ہم ان جوانوں کے ساتھ تمھارے مقابل ہوں گے جو قتل ہونا باعث فخر سمجھتے ہیں اور جنگوں میں ماہر بوڑھے ہمراہ ہوں گے۔''

ان کی کیفیت کچھ وہی تھی جسے نظیری نے اس مصرع میں بیان کیا ہے ؏

کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلہ مانیست

ان آویزشوں نے ان میں جرأت مندی، بے باقی، صدق اور سخاوت کی صفات بھی پیدا کر دی تھیں۔ وہ خود سچ بولتے تھے اور دوسروں پر اعتماد کرنے کے عادی تھے۔ وعدے کی پابندی ایک مزید صفت تھی۔ جو انہی تصادمات کے نتیجے میں ان میں پیدا ہوگئی تھی۔ کسی کو اپنی جوار میں لے لینے کے بعد اس کی حفاظت میں اپنا سب کچھ لٹا دینا ان کا شیوہ بن گیا تھا۔

وحدت لسانی

عدنانی قبائل یقینی طور پر اولاد ابراہیم علیہ السلام تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان عبرانی تھی آپ کے صاحبزادے اسماعیل علیہ السلام مکہ میں آباد ہوئے تو انھوں نے بنو جرہم اور عمالقہ سے عربی

Marfat.com

زبان سیکھی اسی لیے آپ کی اولاد عرب مستعربہ کہلاتی ہے۔ایک عرصے پر اولاد اسماعیل مکہ میں ہی آباد رہی۔ان کی زبان ایک تھی۔پھر جب ان کی آبادی کی کثرت کے سامنے مکہ کی سرزمین اپنے وسائل کے اعتبار سے کم ہونے لگی تو ان کے مختلف قبائل عرب کے دور دراز علاقوں میں پھیل گئے۔ رفتہ رفتہ جغرافیائی حالات اور آب و ہوا کے اختلاف کے سبب ان کے لہجوں میں اختلاف پیدا ہوا۔پھر مختلف قبائل ایک ہی شے کے لیے مختلف الفاظ استعمال کرتے جس سے اختلاف زبان نے جنم لیا۔تاہم چونکہ زبان کی اصل ایک ہی تھی اور کسی حد تک میل ملاپ بھی تھا لہذا وحدت زبان لہجات کے اختلاف کے باوجود قائم رہی۔پھر جب صحراء نوردی کا دور شروع ہوا اور سبزہ اور پانی پر قبضہ کی کوششیں شروع ہوئیں اور مختلف قبائل ایک جگہ ملنے لگے تو زبان میں مترادفات کا اضافہ ہونے لگا۔چھٹی صدی عیسوی میں تجارتی اسفار اور تجارتی منڈیوں میں قبائل کی شرکت کے سبب ایک مشترکہ زبان وجود میں آ گئی۔جس نے قبائلی دشمنیوں کے باوجود پورے عدنانی قبائل کو ایک وحدت لسانی کا احساس دلائے رکھا۔ان منڈیوں کا وراسواق میں سے تین میلے عکاز، مجنہ اور ذوالمجاز چونکہ اشہر حرم میں لگتے تھے۔کسی غارت گری کا خوف نہ ہونے کے سبب دشمن قبائل بھی ایک ساتھ ان میلوں میں حصہ لیتے تھے۔خطیب اپنی خطابت کا جوہر دکھاتے تھے۔شعرا اپنا اپنا کلام سناتے۔محافل مشاعرہ گرم ہوتیں۔یوں ایک ایسی مشترکہ زبان وجود میں آ گئی جو پورے عرب میں بولی اور سمجھی جاتی تھی۔

عربوں کی جنگجویانہ طبیعت اور ماحول کا اثر زبان پر بھی پڑا۔چنانچہ پوری عربی شاعری میں جنگ کے حالات کی تفاصیل،معرکہ کارزار کے بیان،اپنی کامرانیوں پر فخر،ناکامی کی صورت میں انتقام کی خواہش،ذلت و رسوائی کو برداشت کرنے کی بجائے مرجانے کو ترجیح دینے،عزت و ناموس کی خاطر جان کی بازی لگا دینے اور اپنے وقار اور خودداری پر اپنا سب کچھ لٹا دینے کے جذبات سے بھری پڑی ہے۔ان جنگوں میں استعمال ہونے والی سواری گھوڑا تھی۔یہی سبب ہے عرب گھوڑا بہت شوق سے پالتے تھے۔گھوڑوں کی افزائش نسل کا بہت خیال رکھتے اور ان کی شجرہ ہائے نسب کو یاد رکھتے تھے۔یہی سبب ہے کہ اب بھی عربی نسل کے گھوڑے بہت مشہور ہیں۔عربی شاعری میں جہاں گھوڑوں کے اوصاف بڑی تفصیل سے بیان ہوتے ہیں وہاں اسی نسبت سے بہت سے محاورات اور متعدد تراکیب عربی زبان کا حصہ بن گئی ہیں۔ہتھیاروں اور آلات حرب

Marfat.com

کے ناموں سے عربی زبان مالا مال ہے۔

بدویانہ زندگی گزارنے کے سبب سیر و شکار کا مشغلہ بھی ان عربوں کے یہاں رائج تھا چنانچہ نیل گائیوں، گورخروں اور شتر مرغ کے شکار کے تذکروں کی ان کی زبان میں کثرت موجود ہے۔ شیر کے شکار کا بھی ان کے ہاں رواج تھا۔ شیر کے شکار کے لیے بدو کبھی اونچی جگہ گڑھا کھود دیتے تھے۔ یہ اتنا گہرا ہوتا تھا کہ شیر اس میں گرنے کے بعد چھلانگ لگا کر باہر نہیں آ سکتا تھا۔ اس کو زبیہ کہتے تھے۔ جس کی جمع زبیٰ ہے۔ اسی سے عربی میں یہ مثل بن گئی بلغ السیل زبیٰ۔ پانی سر سے اونچا ہو گیا۔

بدویانہ معاشرہ میں عورت کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ یہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتی تھیں۔ کھانے پکانے کا تمام تر کام انہی کے ذمہ تھا۔ یہ جانوروں کی خدمت کرتی تھیں۔ جانوروں کا دودھ دوہتی تھیں۔ کپڑے بنتی اور کپڑے سیتی تھی۔ بدوی عورتوں میں پردے کا مطلق رواج نہ تھا۔ وہ گھر میں آنے والے مہمانوں کا استقبال کرتیں۔ انھیں شادی کرنے کی آزادی تھی۔ وہ تالابوں پر پانی بھرنے جاتیں اور ان تالابوں پر دوسرے قبائل کے ساتھ معاشقوں کی داستانیں عرب شاعری کی زینت ہیں۔ گو بظاہر مفاخرت کے مارے ہوئے عرب بظاہر اپنی اپنی عورتوں کے معاملے میں بڑے حساس تھے۔ اپنی عورتوں اور ان کی عصمت کی حفاظت پر جان دیتے تھے مگر جہاں قبائل آئے دن سفر کرتے رہتے تھے۔ حسینائیں آرائش جمال اور تبرج جاہلیہ کی عادی تھیں اور پانیوں پر حسین و تنومند، جنگجو اور نام آور جوانوں سے ہمکلامی کے مواقع ملتے تھے۔ وہاں معاشقوں کا جنم لینا ایک فطری امر تھا۔ چنانچہ عرب جاہلی شاعری میں قصیدے کی ابتدا میں تشبیب ایک لازمی حصہ بن گیا تھا۔ جس میں شاعر عیش و نشاط کے گزشتہ دنوں کو یاد کرتا تھا۔ اس جگہ جا کر کھڑا ہوتا تھا جہاں اس کی محبوبہ اور اس کے اپنے قبائل اکٹھے رہے تھے۔ وہ محبوبہ کے خیمے کے چھوڑے نشانات (اطلال و اثافی) پر روتا تھا اور ساتھیوں کو بھی رلاتا تھا۔ اسی سے ان کے ہاں غزل نے ایک الگ صنف شاعری کی صورت اختیار کر لی تھی۔

دوسرے قبائل سے لوٹی ہوئی عورتیں لونڈیاں پورے قبیلہ کی مشترکہ متاع سمجھی جاتی تھیں۔ جس کو موقع ملتا ان سے بے تکلف داد عیش دیتا اور اس میں کوئی عار محسوس نہ کرتا بلکہ فخریہ اس کا اظہار بھی کرتا۔ ان میں سے جنھیں حسن صورت کی نعمت ملی تھی۔ انھیں بے تکلف دوستوں اور

Marfat.com

مہمانوں کی ضیافت طبع کے لیے پیش کیا جاتا۔ جن کی آواز میں رس ہوتا انھیں با قاعدہ تربیت دے کر مغنیات بنایا جاتا۔ جن کے جسم میں لوچ ہوتا انھیں رقص کی تربیت دے کر اپنی شبینہ محافل کی زینت بنایا جاتا۔ ان لونڈیوں کی منڈیوں میں خرید وفروخت ہوتی اور انھیں جسم فروشی پر مجبور کر کے اپنی آمدنی میں اضافے کا ذریعہ بنایا جاتا۔ ایسی عورتوں کے با قاعدہ بازار لگتے۔ میلوں میں مجالس طرب سجتیں اور مردان ہوس اپنی رجولیت کی تسکین کرتے اور خوب داد عیش دیتے۔ اس سے اظہار جذبات کے نت نئے اسالیب پیدا ہوئے۔ سراپا نگاری بلکہ اعضاء نگاری شاعری کا سرمایہ افتخار بن گئی اور پورا معاشرہ اباحیت کا معاشرہ بن کر رہ گیا۔

سرحدی ریاستیں

ابراہیم علیہ السلام سے لے کر رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں ہجرت مدینہ تک حجاز، نجد اور حمساء کے وسیع وعریض علاقے میں کسی منظم ریاست کا وجود تاریخ کے صفحات میں نہیں ملتا البتہ جنوب میں یمن کے علاقے میں قوم سبا اور بنو معین کی بہت منظم اور متمدن سلطنتیں موجود تھیں بنو معین کی سلطنت جو نجران کے علاقے میں قائم ہوئی تھی اور غالباً عرب کی سب سے قدیم حکومت تھی آپ کی پیدائش سے صدیوں پہلے ختم ہو چکی تھی۔ یمن میں قوم سبا کی حکومت ۵۲۵ء میں ذونواس کی شکست کے بعد ختم ہو چکی تھی البتہ یمن پر حبشیوں کی سلطنت موجود تھی۔ شمال میں شام کے علاقے کے جنوبی حصے سے لے کر دومۃ الجندل تک بنوغسان کی حکومت تھی اور مشرقی سرحد پر عراق اور عرب کی سرحد پر دریائے فرات کے کنارے حیرہ کی ریاست موجود تھی جس کے حکمران لخمی کہلاتے تھے۔ عرب میں کل یہی تین حکومتیں تھیں۔ جنھیں حکومتیں کہا جاسکتا تھا۔ آپ کی بعثت کے وقت یمن کی حکومت ایران کی باجگزار ریاست کی حیثیت اختیار کر چکی تھی جبکہ حیرہ کی ریاست ایرانی فرماں رواؤں نے عرب قبائل کی غارت گری سے محفوظ رہنے کے لیے قائم کی تھی اور بنوغسان کی حکومت شروع ہی سے رومی سلطنت کی باجگزار تھی۔ البتہ سرحدی علاقوں ہی میں بعض چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں جنھیں ریاست سے زیادہ قبائلی عملداری کا نام دینا زیادہ موزوں ہوگا۔ جیسے ایلہ میں اکیدر کی حکومت یا یمامہ میں بنو عبدالقیس کی حکومت یا نجران کی عیسائی حکومت البتہ حیرہ کے جنوب میں مشرقی ساحل کے ساتھ قبائل بنو بکر کے علاقے میں بنو کندہ کی حکومت تھی جس کی حدود ایک

Marfat.com

وقت طائف تک تھیں مگر یہ حکومت چھٹی صدی عیسوی کے ابتدا میں نبی اکرم ﷺ کی پیدائش سے تقریباً نصف صدی پہلے اس کے آخری بادشاہ حجر کے قتل ہونے پر ختم ہوگئی تھی۔ حجر کندی کا بیٹا امری القیس ابوالحارث جندج بن حجر الکندی عربی زبان کا ملک الشعراء تھا۔ جو ۵۳۹ء میں فوت ہوا۔

یمنی حکومت

یمنی حکومت کی تاریخ واقعہ فیل کے پس منظر میں خاصی تفصیل کے ساتھ بیان کی جا چکی ہے جس کے دہرانے کی حاجت نہیں ہے یہاں گیارہویں صدی قبل مسیح میں قوم سبا کی حکومت قائم تھی جس کا تذکرہ یونانی اور رومانی جغرافیہ دانوں کی کتابوں میں موجود ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں اس جگہ سبا کی ملکہ بلقیس کی حکومت تھی۔ قوم سبا کی حکومت ۱۱۵ء قبل مسیح تک قائم رہی۔ اس حکومت کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ اس نے یہاں مآرب کا بند بنایا۔ یہاں کوئی قدرتی دریا یا چشمے نہ تھے۔ البتہ بارشیں بکثرت ہوتی تھیں اس علاقے میں بڑے بڑے پہاڑ اور گہری وادیاں بکثرت تھیں۔ جب بارش ہوتی تو مختلف وادیوں سے پانی بہہ کر اذنہ نامی بڑی وادی میں جمع ہو جاتا یہ وادی مآرب کے شہر سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھی اور پھر وہاں سے بہہ کر صحرا میں جذب ہو جاتا۔ وادی اور صحرا کے درمیان ایک درہ تھا یمنیوں نے مختلف وادیوں میں بند باندھ کر پانی کو مختلف سمتوں میں بکھر جانے سے روک کر وادی اذنہ کی طرف موڑ دیا۔ اور وادی اذنہ کے سامنے والے درے میں ایک بہت چوڑا بند باندھا۔ اس بند کے دونوں سروں پر انھوں نے پتھروں سے دیواریں کھڑی کر کے ان میں دروازے اور کھڑکیاں بنائیں جنھیں وہ حسب ضرورت کھول لیتے تھے اور بند بھی کر لیتے تھے۔ اس بند سے آبپاشی کے لیے نہریں نکال کر زمین میں کاشتکاری کا بہترین نظام قائم کیا۔ اس طرح پورے ملک میں باغات لگا کر زرعی پیداوار سے خوب فائدہ اٹھایا گیا۔ تاہم اس کی حفاظت اور مرمت کا خاطر خواہ نظام قائم نہیں کیا گیا جس کے نتیجے میں اس بند میں ۱۱۵ء میں دراڑیں پڑ گئیں اور نظام آبپاشی درہم برہم ہو گیا اور بہت سے لوگ نقل مکانی پر مجبور ہو گئے۔ بنو خزاعہ اور بنو غسان اور اوس خزرج نے اسی زمانے میں شمالی عرب کی طرف ہجرت کی۔

دوسرا دور

قوم سبا کی حکومت اس حادثے کے بعد قائم نہ رہ سکی اور سبا ہی کی ایک شاخ حمیر نے

Marfat.com

ملک پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس شاخ حمیر کی حکومت تیسری صدی عیسوی کے آخر تک قائم رہی۔ اس سے پہلے اس شاخ کی حکومت یمن سے ملحقہ مشرقی جانب حضر موت میں تھی جس کا دارالخلافہ قتبان تھا۔ یمن پر قبضہ کرنے کے بعد انھوں نے مخا سے ایک میل پر ظفر نامی ایک شہر کو اپنا دارالخلافہ بنا۔ حمیر کے زمانے میں مآرب کے بند کی مرمت کی گئی۔ ان کی دولت کا عالم یہ تھا کہ انھوں نے ایک پہاڑی پر ایک نادر روزگار محل بنایا جس کا نام غمدان تھا۔ اس کی بیس منزلیں تھیں جس کی آخری چھت ایسے شفاف پتھروں سے بنائی گئی تھی جن میں سے فضا میں اڑتے پرندے بھی صاف پہچانے جاتے تھے اور اس کی پہلی منزل کے سامنے پتھر پر چار شیر بنائے تھے جن کے کھلے منہ ہیں۔ جب زور دار ہوا گزرتی تو شیر کے غرانے کی آواز نکلتی تھی۔ سباء کے حکمران مقر کہلاتے تھے جب کہ حمیری حکمرانوں نے ملک کا لقب اختیار کیا۔

تیسرا دور

۱۱۵ء میں حمیر ہی کی ایک دوسری شاخ نے یمن پر قبضہ کر لیا اور تبع کا لقب اختیار کر لیا۔ اس شاخ کے نو بادشاہوں کے نام تاریخ میں ملتے ہیں۔ ایک کا نام شمر یا صر ہے ان میں سے اسعد ابو کرب تبع بہت مشہور ہے۔ یہی ابو کرب تبع ہے جس نے مدینہ طیبہ پر حملہ کیا۔ پھر دو یہودی حبروں سے متاثر ہو کر یہودیت اختیار کر لی۔ انہی حبروں کی اس اطلاع پر کہ یہ مہاجرت گاہ امام الانبیاء ہے محاصرہ ختم کر دیا۔ حضرت ابوایوب انصاری کے جد امجد عمرو بن طلّہ کو ایک دو منزلہ مکان بنا کر دیا کہ جب نبی اکرم ﷺ ہجرت کر کے یہاں تشریف لائیں تو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دینا۔ نیز آپ کے نام ایک تحریر بھی دے گیا جو حضرت ابوایوب انصاری نے آپ کی خدمت میں پیش کی۔ اسعد ابو کرب تبع ہی کے دور میں ۴۵۰ء یا ۴۵۱ء میں مآرب کا بند ٹوٹ گیا اور سباء کے مختلف قبائل ایک بار پھر ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس موقع پر ازد ہجرت کر کے عمان میں جا کر آباد ہو گئے۔ ان کے علاوہ لخم جذام اور طے بھی شمالی عرب کی طرف ہجرت کر گئے۔ اسی طرح بنو کندہ بھی ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ۵۲۵ء میں ذونواس حمیری کی شکست اور ابرہہ کے ہاتھوں قتل ہونے کے بعد سبائے حمیر کی حکومت ختم ہو گئی اور ابرہہ کے ماتحت حبشی حکومت قائم ہو گئی۔ ۵۷۱ء میں نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت سے پچاس یا پچپن روز قبل واقعہ فیل میں ابرہہ مکہ کے قریب وادی محسر میں پرندوں کے پتھروں کا شکار ہو کر اپنے انجام کو پہنچا تو اس کا بیٹا یکسوم حاکم ہوا

Marfat.com

اور اسی کے دور میں نبی اکرم کی ولادت ہوئی۔ یکسوم کے بعد اس کا بھائی مسروق حاکم ہوا۔ مسروق کے دور میں ایک حمیری شہزادے سیف بن ذی یزن نے ایران کی مدد سے یمن پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اسی سیف بن ذی یزن کے زمانے میں اس کے ایک جشن کے موقع پر حضرت عبدالمطلب اس کے دربار میں گئے تھے۔ سیف کی حکومت تقریباً پندرہ سال قائم رہی۔ اس کے قتل ہونے کے بعد ایران نے وہرز کو یہاں اپنا ماتحت حکمران مقرر کر دیا۔ اس کے خاندان میں منصب تین نسلوں تک رہا۔ پھر ایرانی سلطنت نے بازان کو یہاں کا حاکم مقرر کیا۔ اسی کے زمانے میں آپ ﷺ کی بعثت ہوئی۔

حکومت حیرہ

عرب کے شمال مشرق میں دریائے فرات کے کنارے حیرہ کی ریاست تھی حیرہ کوفہ سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر تھا۔ شاہ پور اول بن اردشیر شہنشاہ ایران نے یہاں ۲۶۸ء میں عمرو بن عدی کو والی مقرر کیا تھا اور یوں اس جانب آباد قبائل عرب کی غارت گریوں سے سلطنت ایران کو محفوظ کرنے کی تدبیر نکالی گئی۔ یہ عمرو بن عدی حاکم یمن نضر بن ربیعہ کا پوتا تھا ہوا یوں کہ نضر بن ربیعہ نے جو اسد ابو کرب تبع سے پہلے حاکم تھا ایک خواب دیکھا کہ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں سے آگ نکلی ہے اور تہامہ میں داخل ہو گئی ہے اور ہر ذی روح کو کھا گئی ہے۔ اس سے وہ بہت گھبرایا اس نے کوئی ایسا کاہن یا ساحر نہیں چھوڑا جس سے تعبیر نہ پوچھی ہو مگر کسی نے ایسی کوئی تعبیر نہیں بیان کی جس سے وہ مطمئن ہوتا۔ آخر اسے بتایا گیا کہ شق اور سطیح نامی دو ایسے آدمی ہیں جو تمہیں اس کی صحیح تعبیر بتا سکیں گے۔ اس نے ان دونوں کو بلوایا اور ان سے الگ الگ تعبیر پوچھی دونوں نے ایک ہی تعبیر بیان کی کہ حبشی اس سرزمین پر قابض ہو جائیں گے۔ اس نے پوچھا کیا اس زمانے میں یا بعد میں۔ دونوں نے کہا بعد میں۔ اس نے پھر پوچھا کیا ان کی حکومت ہمیشہ قائم رہے گی۔ دونوں نے کہا نہیں۔ بلکہ کچھ عرصہ کے بعد ذی یزن کے گھرانے کا ایک آدمی قابض ہو جائے گا۔ پھر کچھ عرصہ بعد ایک رسول جو غالب بن فہر بن مالک کی اولاد میں سے ہوگا۔ وہ ان کی حکومت منقطع کر دے گا اور قیامت تک یہاں کی حکومت اس کی امت میں رہے گی۔ (ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۱/۱۵۔۱۸)

یہ بات نضر بن ربیعہ کے دل میں بیٹھ گئی اور اس نے اپنے اہل خانہ اور بیٹوں کو شاہ پور بن اردشیر شہنشاہ ایران کے ہاں روانہ کر دیا۔ شاہ پور نے عدی کے بیٹے عمرو کو حیرہ میں اپنی جانب

Marfat.com

سے والی مقرر کر دیا۔شاہ پور اس طرف کے قبائل عدنان کے ہاتھوں سخت مشکل میں تھا وہ آئے دن شورشیں بپا کرتے رہتے تھے۔اس نے اس خیال سے کہ عمرو شہزادہ ہے اور صاحب صلاحیت بھی ہے نسلاً عرب ہے۔لہٰذا وہ عربوں کو قابو رکھنے میں کامیاب رہے گا اور شہنشاہ خود اس جانب سے مطمئن ہو جائے گا۔ حیرہ پر عمرو بن عدی بن نصر بن ربیعہ کی اولاد کی حکومت قائم رہی یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حیرہ کو سلطنت اسلامیہ میں شامل کر لیا۔ان کا آخری بادشاہ نعمان بن منذر تھا۔

یہ ریاست ایران کی باجگزار ریاست تھی۔حاکم اطاعت کے ثبوت کے طور پر ایک قلیل سی رقم حکومت ایران کو ادا کرتا تھا اور اندرونی معاملات میں وہ مکمل طور پر آزاد ہوتا تھا۔اس حکومت کی حدود بعد میں طائف کے مشرق تک پھیل گئی تھیں۔حیرہ کے یہ عرب حاکم عربوں اور ایرانیوں کے درمیان واسطہ کا کام بھی دیتے تھے۔یہ حکمران بڑے علم پرور اور ادب نواز تھے۔ان میں ابو قابوس النعمان الخامس اس صفت میں بڑا ممتاز تھا۔اس طرح عرب ان سے میل جول رکھتے تھے۔متعلقات کا نامور شاعر نابغہ ذبیانی اس سے خصوصی تعلق رکھتا تھا۔اس نے ابو قابوس کی مدح میں اپنا قصیدہ بھی پڑھا تھا۔ان حکمرانوں کے معاشرہ پر گہرے اثرات موجود تھے۔عرب میں زندقہ اور صابئیت کے اثرات یہیں سے پہنچے تھے۔بہت سی معاشرتی برائیاں بھی انہی کے درباروں سے منتقل ہوئیں چنانچہ بعض قبائل میں محرمات سے نکاح بھی انہی کی دین ہے۔کتابت کا فن بھی اہل مکہ میں اہل حیرہ ہی سے پہنچا تھا۔ریاست حیرہ نے عربی زبان و ادب پر بھی بہت اثرات چھوڑے ہیں۔ان کے ذریعے فارسی کے بہت سے الفاظ عربی زبان میں رائج ہو گئے اور کئی تعبیرات عربی زبان میں رائج ہوئیں اور ایرانی تہذیب و تمدن کے بہت سے نمونے در آئے۔

حیرہ کے حکمرانوں نے عرب میں تعمیراتی منصوبوں پر بھی کام کیا ہے۔چنانچہ خورنق اور سدیر نامی دو قلعے بہت مشہور ہیں کیونکہ عربوں نے ان جیسے عظیم الشان قلعے کبھی نہ دیکھے تھے۔عربی ادب میں ان دونوں قلعوں کا ذکر شان و شکوہ اور عظمت کے نشان کے طور پر آتا ہے۔

آپ کی ولادت کے سال عام الفیل میں حیرہ پر المنذر بن عمرو لخمی حکمران تھا اور اس کو حکمران ہوئے آٹھ سال گزر چکے تھے اور آپ کی بعثت کے وقت حیرہ پر ایاس بن قبیصہ طائی کی حکومت تھی۔

Marfat.com

ریاست غسانیہ

عرب کے شمال میں شام کی سرحد کے ساتھ غسانی ریاست موجود تھی۔ بنوغسان اصل میں یمن کی قوم سباء کی شاخ کہلان سے تعلق رکھتے تھے۔ اوس وخزرج اور بنوخزاعہ ہم نسب اور ایک ہی شخص کی اولاد تھے۔ ۱۱۵ ق م میں مارب کا بند ٹوٹنے کے نتیجہ میں یہ اکٹھے نکلے تھے۔ بنوخزاعہ مکہ میں رہ گئے اسی لیے خزاعہ کہلائے۔ اوس وخزرج نے یثرب میں یہود کے زیر سایہ سکونت اختیار کر لی اور یہ لوگ شام میں غسان نامی ایک پانی کے ذخیرے کے پاس آ کر اترے اور اسی کے حوالے سے بنوغسان کہلائے۔ بعد میں کسی وقت ان کے ایک سردار کو رومیوں نے اس علاقے میں اپنی جانب سے والی مقرر کر دیا۔ ان کے بادشاہوں میں الحارث بن جبلہ بہت مشہور ہے۔ یہ رومی بادشاہ کو سینان کے زمانے میں والی مقرر ہوا۔ اور اغلباً عام الفیل میں یہی غسانی بادشاہ تھا جب رسول اللہ ﷺ کی ولادت ہوئی۔ یہ مذہباً عیسائی تھا۔ سات ہجری میں ریاست غسان کا بادشاہ الحارث بن سمر الغسانی تھا جس نے آپ کے قاصد کو شہید کر دیا۔ جس کے نتیجے میں جنگ موتہ ہوئی اس خاندان کا آخری بادشاہ جبلہ ابن ایہم تھا۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمان ہو گیا لیکن بعد میں بھاگ کر قسطنطنیہ چلا گیا اور مرتد ہو گیا۔ وجہ یہ ہوئی کہ خانہ کعبہ میں طواف کے دوران بنو فرازہ کے ایک مسلمان کا پاؤں اس کے جامہ احرام پر آ گیا تو اس نے پلٹ کر اسے تھپڑ دے مارا۔ حضرت عمر نے اس کے خلاف فیصلہ دیا کہ اسے تھپڑ مارا جائے۔ اس نے دھمکی دی کہ اگر مجھے یہ تھپڑ لگا تو نہ صرف میں بلکہ میرے سپاہی بھی ارتداد اختیار کر لیں گے مگر حکم خداوندی کا نفاذ کر دیا گیا اور جبلہ بن ایہم موقع پا کر قسطنطنیہ چلا گیا اور عیسائیت اختیار کر لی۔ بنوغسان کی حکومت تقریباً چار سو سال سے زیادہ عرصے تک قائم رہی۔

غسانی ریاست رومی حکومت کی باجگزار ریاست تھی اور رومیوں نے یہ ریاست اس جانب کے عرب قبائل کے حملوں سے بچنے کے لیے قائم کی تھی اور یہ ریاست بھی رومیوں اور عربوں کے درمیان واسطے کا ذریعہ بنی اس ریاست کے حکمران بھی علم پرور اور ادب نواز تھے ان کے دربار سے عرب کے اکثر شعراء وابستہ تھے اور اکثر ان کے انعام واکرام سے مالا مال ہوتے رہتے تھے۔ معلقات کے دو شاعر نابغہ الذبیانی اور اعشیٰ ان نوازے جانے والے شاعروں میں

Marfat.com

شامل تھے۔ جاہلی شعراء میں سے علقمۃ الفحل اور مخضر میں سے حضرت حسان ان کے دربار سے متعلق رہے۔ عرب کے شمالی قبائل میں عیسائیت انہی کی وساطت سے پھیلی۔ ان کا دارالخلافہ دمشق کے قریب ایک بستی جلق تھی۔

عرب کے مذاہب

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عرب میں آبادی کے سبب اس وقت کی اکثر آبادی حضرت اسماعیل علیہ السلام پر ایمان لے آئی۔ یوں عرب میں توحید پر مبنی معاشرہ مستحکم ہو گیا۔ آپ کے بعد ایک عرصہ تک لوگ دین اسلام کے پیرو رہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک عرصہ کے بعد جنوب کے قحطانی بت پرستی کا شکار ہو گئے۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں قوم سبا سورج کی عبادت کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل علیہ السلام کو بہت کثرت دی اور آہستہ آہستہ جنوبی عرب کے سوا پورے جزیرہ نمائے عرب میں اسماعیلی عرب کے قبائل پھیل گئے۔ یہ سارے اسماعیلی قبائل اپنے آبا کے دین پر تھے تاہم صحف ابراہیم اور تعلیمات اسماعیل کے گم ہو جانے کے نتیجے میں آہستہ آہستہ ان کی معاشرت میں دین کی گرفت کمزور ہوتی چلی گئی اور مذہبی روایات میں بھی انسانی فکر کی فسوں کاریاں در آئیں۔ لوگ اگرچہ دین حنیف پر قائم ہونے کے مدعی تھے تاہم ان کے معتقدات میں دین کی اصل تعلیمات کے ساتھ ساتھ انسانی سوچ کے متعدد مفروضے بھی شامل ہونے لگے۔ نظام عبادات بھی اصل تعلیمات کے گم ہونے کے سبب اپنی اصلی حالت پر نہ رہا بلکہ آہستہ آہستہ ان کی جگہ نمائشی رسوم لینے لگیں۔ معاملات تو کاملاً دنیا طلبی اور وقتی ضروریات کے تابع چلنے لگے۔ یوں پوری معاشرت دعوائے حنفیت کے باوجود خالصۃً جلب منفعت اور طلب زر پر استوار ہو گئی۔

بخت نصر کے حملے کے بعد جب یہود کے بعض قبائل نقل مکانی کر کے شمالی عرب میں آباد ہو گئے تو بعض قبائل ان کے خیالات سے بھی متاثر ہوئے۔ شام میں صابئیت کے اثرات پہلے سے موجود تھے۔ دین حنیف کے محرف ہونے اور محرف یہودیت کے اس امتزاج میں اس نے دوبارہ شام اور عراق العرب میں خاصا فروغ پایا۔ غسانی حکومت کے اثرات سے شمال اور مشرقی عرب کے بہت سے قبائل نے نصرانیت اختیار کر لی اور حیرہ کی سلطنت کے اثر سے مشرقی عرب کے کئی قبائل نے مجوسیت اور زندقہ قبول کر لیا۔ تاہم عدنانی قبائل کی اکثریت پہلی صدی عیسوی تک

Marfat.com

دین حنفیت کی پیروکار رہی اور اعتقاداً خالص توحید پرست تھی۔ پہلی صدی عیسوی میں بنوخزاعہ مکہ میں آ کر آباد ہوئے اور غالباً دوسری صدی کے اوائل میں انھوں نے بنوجرہم سے مکہ کا اقتدار چھین لیا۔ ان کے سردار عمرو بن لحی نے جسے عرب میں بہت اقتدار نصیب ہوا دین حنیف کو بدلا اور شام وغیرہ سے بت لا کر مکہ میں نصب کیے اور اردگرد کے قبائل کو بھی دیے۔ جن میں مناۃ سب سے قدیم بت ہے۔ آہستہ آہستہ پورا عرب ایک مشرکانہ معاشرے میں تبدیل ہو گیا۔ یہاں تک کہ آپ کی بعثت کے وقت خود بیت اللہ اور اس کے گردونواح میں تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ یوں بیت اللہ جو خالصۃً اللہ کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا تھا اور جس کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم نے اللہ سے دعا کی تھی:

﴿......رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِيْ وَ بَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَ مَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

(ابراہیم: ۳۵-۳۶)

"میرے مالک اس شہر کو امن کا شہر بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ مالک ان بتوں نے بہتوں کو گمراہی میں ڈالا ہے۔ (ممکن ہے میری اولاد کو بھی یہ گمراہ کر دیں، لہٰذا ان میں سے) جو میرے طریقے پر چلے وہ میرا ہے اور جو میرے خلاف طریقہ اختیار کرے تو یقیناً تو معاف کرنے والا مہربان ہے۔"

اسے اولاد ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کے مندر میں بدل دیا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کو چھوڑ کر اس شرک کی راہ اختیار کر لی تھی اور ان کے اس کے واضح فرمان کے باوجود اس بات پر بضد تھے کہ ہمیں وارثان ابراہیم علیہ السلام ہیں اور ہمارا دین، دین ابراہیمی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت عرب کے مختلف علاقوں اور مختلف قبائل میں درج ذیل ادیان رائج تھے۔ یہودیت، عیسائیت، مجوسیت، زندقہ والحاد اور دین صابئیت اور شرک۔ شرک ایک الگ دین ہونے کے باوجود سارے ادیان میں مشترک کی حیثیت رکھتا تھا اور پورا عرب معاشرہ ایک مشرکانہ معاشرے میں تبدیل ہو چکا تھا۔

Marfat.com

یہودیت

عرب میں یہودیت کے پھیلنے کا سبب شمالی عرب میں یہودی قبائل کی مہاجرت بنی۔ پہلی بار یہودی قبائل اس وقت عرب میں آباد ہوئے جب عراق کے ایرانی سلطنت کے والی بخت نصر نے اسرائیلی ریاست پر حملہ کیا۔ ہزاروں کی تعداد میں یہودیوں کو قتل کیا۔ ہیکل سلیمانی کو مسمار کیا اور یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور یہودی قبائل دنیا بھر میں بکھر گئے۔ ان میں سے بعض قبائل سندھ، پنجاب اور ہمالیہ کے دامن میں آباد ہو گئے اور بعض قبائل افغانستان میں جا بسے اور بہت تھوڑی سی تعداد شمالی عرب میں آباد ہوگئی۔ یہ ۵۶۸ ق م کا واقعہ ہے دوسری بار جب ۷۰ء میں رومیوں نے اسرائیل پر حملہ کیا تو یہود کے کچھ قبائل شمال عرب میں آباد ہوئے۔ انھوں نے خیرہ، تیما اور یثرب میں سکونت اختیار کی۔ یہاں اپنے اطم اور قلعے تعمیر کیے اور ان مقامات پر انھیں بالادستی حاصل ہوگئی۔ ان کی حیثیت کا اندازہ اس سے کر لیجیے کہ جب دوسری صدی کے ابتدائی دور میں اوس اور خزرج یمن سے ہجرت کے کر یثرب میں آ کر آباد ہوئے تو ان کے لیے یہود کی ماتحتی اختیار کیے بغیر یثرب میں رہنا ممکن نہیں تھا۔

یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تھوڑا ہی عرصہ بعد دنیا طلبی اور ہوس زر کا شکار ہو کر بے شمار اخلاقی خرابیوں میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اور حضرت داود علیہ السلام کے زمانے تک پہنچتے پہنچتے ان کا اخلاقی بگاڑ اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ خود حضرت داود علیہ السلام کی زبان سے لعنت کے مستحق ٹھہرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾

(المائدہ: ۷۸۔۷۹)

''بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان پر عیسیٰ ابن مریم کی زبانی لعنت کی گئی کیونکہ وہ سرکش ہو گئے تھے اور حدوں سے تجاوز کرتے تھے۔ انھوں نے ایک دوسرے کو برے افعال کے ارتکاب سے

Marfat.com

روکنا چھوڑ دیا تھا۔ یہ برا طرز عمل تھا جو انھوں نے اختیار کیا۔“

یہی اخلاقی انحطاط بخت نصر کے ہاتھوں ان کی تباہی و بربادی کا سبب بنا۔ مگر ہر انحطاط پذیر معاشرے کی طرح اس تباہی سے انھوں نے کوئی سبق نہیں سیکھا اور اپنی اسی روش پر قائم رہے۔ اپنی دوسری مہاجرت تک وہ اپنی اخلاقی بے راہ روی میں انتہا کو پہنچ چکے تھے۔ دنیا طلبی اور جلب زر نے انھیں سود خوری میں مبتلا کر دیا تھا اور سود کی یہ لعنت انہی کے ذریعے عدنانی عربوں میں بھی پھیلی وہ مادی مفادات کے حصول کے لیے کسی خلاقی قدغن کے قائل نہ تھے۔ جھوٹ بولنا اور جھوٹی قسمیں کھانا ان کی عادت ہوگئی تھی۔ ذخیرہ اندوزی اور ملاوٹ ان کے ذرائع رزق بن گئے تھے۔ مسلسل عزیمتوں نے مکاری اور سازش ان کی سرشت میں داخل کر دی تھی۔ ہر وہ ہستی جو ان کو اقتصادی استحصال سے منع کرتی تھی وہ ان کی دشمن قرار پاتی تھی۔ اسی وجہ سے یہود اپنے کتنے ہی انبیاء اور علماء کا خون بہا چکے تھے۔ حتی کہ فرشتوں میں سے انھیں جبریل علیہ السلام سے اس لیے دشمنی ہوگئی تھی کہ کسی نئے نبی پر اللہ کا پیغام لے کر نازل ہوتے تو ان کی اخلاقی بے راہ روی کا پردہ یوں چاک کرتے کہ انھیں خود اپنی ذات سے گھن آنے لگتی اور دنیا ان کی دین داری کے کھوکھلے دعوے کی حیثیت سے واقف ہو جاتی اور دوسری جانب وہ کچھ نئی اخلاقی تعلیمات لے کر آتے جنھیں قبول کر لینا ان کے دنیوی مفاد میں نہ ہوتا تھا۔ لہٰذا انھوں نے اپنی اصلاح کرنے کی بجائے جبریل امین ہی کو اپنا دشمن قرار دے لیا۔ تاہم انھیں اب بھی دعویٰ تھا کہ ہم ہی اللہ کے محبوب بندے ہیں۔ غیر یہودی لوگوں کے مال کو کسی طرح بھی ہتھیا لینے کو انھوں نے شرعی طور پر حلال ٹھہرا لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قرض لے کر بغیر مجبوری کے اسے واپس نہ کرنا ان کی عادت ہوگئی تھی۔

جنسی اباحیت ان کا طرہ امتیاز تھی۔ دید بازی اور زنا کاری ان کا مشغلہ بن گیا تھا۔ عشق بازی ایک فیشن کی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔ بعض طاقت ور اور دولت مند سرداروں نے تو اپنی غیر یہودی رعایا پر لازم قرار دے رکھا تھا کہ ان کی ہر نوبیاہتا نکاح شب زفاف اس کے ہاں گزارے گی۔ خود یثرب میں ان کے ایک سردار کی اس روش کے نتیجے میں اوس و خزرج ان کے خلاف بغاوت پر مجبور ہو گئے تھے۔ اور انھوں نے اپنے چچازاد غسانیوں کی مدد سے ان کا قتل عام کیا اور یوں یہ یثرب کو چھوڑ کر حوالی یثرب میں اوس و خزرج کے حلیف بن کر رہنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

اس زمانے میں عرب کے غیور قبائل اپنی ساری بے راہ روی کے باوجود اپنی خواتین کی حفاظت

Marfat.com

کرنے کے عادی تھے۔ ان خاندانی خواتین کے لیے بیضۃ خدر کی اصطلاح عام تھی اور یہود اپنی خواہشات سفلی کی تکمیل میں اسے رکاوٹ جانتے ہوئے۔ جہالت کی علامت قرار دیتے تھے اور آزادی نسواں کے زبردست موید تھے۔

یہود اس بات کے مدعی تھے کہ وہ حضرت موسیٰ کی امت ہیں اور ان پر نازل ہونے والی کتاب تورات پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کے پاس تورات نامی ایک کتاب بھی موجود تھی۔ جو اصل کتاب تورات نہیں تھی جو حضرت موسی پر نازل ہوئی حضرت موسیٰ پر تورات کا ایک حصہ تو تحریری طور پر نازل ہوا تھا اور دس احکام (Ten Comenoments) کے نام سے توراۃ میں موجود ہے باقی وہ احکام ہیں جو آپ پر چالیس سال کی مدت میں وقتاً فوقتاً نازل ہوتے رہے۔ ان احکام کو حضرت موسیٰ نے لکھوا کر اور بارہ نقلیں کروا کر ہر قبیلے کو ایک ایک نقل دے دی تھی اور ایک نقل بنی لاوی کو دے دی تھی کہ وہ اس کی حفاظت کریں۔ حضرت موسیٰ کے کچھ ہی عرصہ بعد حتی، اموری، کنعانی، فرزی، یبوسی اور فلستی قوموں کے ساتھ میل ملاپ کے نتیجے میں جو مشرک قومیں تھیں، خود بھی شرک میں مبتلا ہو گئے تھے اور بعل اوعستار کی پرستش شروع کر دی تھی۔ اپنے پاس موجود تورات سے لاتعلق ہو گئے تھے۔ حتی کہ اس کی ناظرہ تلاوت بھی اس حد تک متروک ہو گئی تھی کہ یہود کے بادشاہ یوسیاہ کے دور میں جب ہیکل سلیمانی کی مرمت ہوئی تو سردار کاہن خلقیاہ کو توریت کا ایک نسخہ کہیں سے میسر آ گیا تو وہ اس پر اس قدر حیران ہوا کہ اس نے بادشاہ کو یہ نسخہ یوں بھیجا کہ جیسے اس نے کوئی انکشاف کر لیا ہو۔ تورات سے اس دوری کے نتیجے میں ان میں بے شمار اخلاقی بیماریاں پیدا ہو گئیں حتیٰ کہ بابل کے حکمران بخت نصر نے ۵۶۸ ق م میں یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور یہود توریت کے وجود ہی سے محروم ہو گئے۔ اس کے تقریباً ایک سو سال بعد ایرانی شہنشاہ اردشیر کے زمانے میں ۴۵۸ء میں یہود کو دوبارہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر کی اجازت ملی۔ اسی موقع پر عزرا کاہن نے اپنی ذاتی یادداشت اور بعض دوسرے ربیوں کی مدد سے یہود کی تاریخ مرتب کی اور اس میں حضرت موسیٰ کی تاریخ میں ترتیب نزولی کے ساتھ تورات کے احکام بھی جا بجا درج کر دیے اور اس طرح کتب خمسہ کو مرتب کر کے اس کا نام تورات رکھا۔ اس میں درج احکام کو عین انہی الفاظ میں درج کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا جن میں وہ نازل ہوئے تھے۔ بلکہ ربیوں نے ان کا جو مفہوم سمجھا تھا اسے اپنی زبان میں محفوظ کر دیا گیا۔ حضرت موسیٰ کے تقریباً نو سال بعد

Marfat.com

مرتب ہونے والے ان احکام کا مفہوم کس حد تک اپنی اصلی حالت پر قائم رہا اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس بات کا اعتراف خود یہودیوں کو آج بھی ہے۔ چنانچہ Jacob neusner اپنی کتاب The classics of Judaism میں لکھتا ہے:

"But most of what is attributed to our sages of blessed memory is worded in their own way and no one alleges that the exact wording in whieh they state their ideas has come to them from mases."

اس تورات کو مرتب ہوئے بھی آپ کی بعثت کے وقت تک دس صدیاں بیت چکی تھیں اور یہ دس صدیاں یہودیوں کو اخلاق باختگی کی انتہا تک پہنچا چکی تھیں۔ ان کے چند علماء کے سوا جو عبرانی جانتے تھے یہودی عوام اس کی تعلیمات سے نا آشنا تھے اور علماء نے اس کے ساتھ جو کھیل کھیلنا شروع کیا ہوا تھا وہ کسی کتاب سماوی پر ایمان رکھنے والی قوم کے لیے شرمناک تھا۔ انھوں نے اس کتاب کے ساتھ درج ذیل رویہ اختیار کر رکھا تھا:

① ان کے علماء اپنی مذہبی سیادت کی بنیاد پر اپنے آپ کو یہودی عوام سے اعلیٰ تر گنتے تھے۔ ان سے نذرانے وصول کرتے اور زراندوزی میں مگن تھے۔ جھوٹ، فریب کاری اور حرام خوری ان کی عادت بن گئی تھی۔ تورات میں درج سزائیں غریب اور نادار لوگوں پر لاگو کرتے اور امراء کو تاویلات کر کے ان سزاؤں سے بچا لیتے اور اس "عمل صالح" کی قیمت وصول کرتے۔ فتویٰ فروشی ان میں معمول بن گئی تھی۔ مذہبی تقریبات کے معاوضے علماء پر حلال تصور کیے جاتے۔ مادی مفادات اور تجارتی منافع کی ہر وہ شکل جو ان کی اس کتاب مقدس میں حرام تھی۔ ان کی اقتصادیات کی بنیاد بن گئی تھی۔ ربی اور احبار نہ یہ کہ اس کے خلاف آواز نہیں اٹھاتے تھے بلکہ تورات کی غلط تاویلات کر کے انھیں سند جواز عطا کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ اللہ کا ارشاد ہے کہ

﴿لَوْ لَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ (المائدہ:۶۳)

"ان کے ربی اور حبر انھیں گناہ کی باتوں اور حرام خوری سے کیوں منع نہیں کرتے تھے۔

Marfat.com

بہت برا رویہ تھا۔ جوانھوں نے اختیار کر رکھا تھا۔"

(۲) بے دینی اور بد اخلاقی اس انتہا کو پہنچ گئی تھی کہ ربی اور احبار اس کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے کوشش کرنے کی بجائے ہر غلط کام، ہر بے لگام رویے اور ہر بیہودہ رسم کو سند جواز عطا کرنے کے لیے اس کتاب مقدس کی آیات کو وہ معانی پہناتے تھے جو شاید جبریل امین اور حضرت موسیٰ تک کے حاشیہ خیال میں بھی کبھی نہ آئے ہوں۔ اس سلسلہ میں وہ لغت کے بکھیڑوں اور شاذ روایات کا سہارا لینے کے عادی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ نَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ وَ لَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ (المائدہ:۱۳)

"اب ان کا حال یہ ہے کہ الفاظ کا الٹ پھیر کر کے بات کو کہیں سے کہیں لے جاتے ہیں۔ جو تعلیم انھیں دی گئی تھی اس کا بڑا حصہ بھول چکے ہیں اور آئے دن تمھیں ان کی کسی نہ کسی خیانت کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ ان میں سے کم لوگ اس عیب سے بچے ہوئے ہیں۔ (پس جب یہ اس حال کو پہنچ چکے ہیں تو جو شرارتیں بھی یہ کریں وہ ان سے عین متوقع ہیں۔ لہٰذا ان سے صرف نظر کرو اور ان کی حرکات سے چشم پوشی کرتے رہو، اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو احسان کی روش رکھتے ہیں۔"

(۳) اس طرح کی تاویلات سے جب ایک عرصہ دراز تک رائج رہنے کے سبب کوئی قبیح رسم ان میں دین کی حیثیت اختیار کر لیتی تو ان کا کوئی ربی جو عبرانی زبان اور توریت کے اسالیب بیان پر اتنی مہارت تامہ اختیار کر لیتا کہ اسی انداز میں لکھ سکے تو وہ اصل الفاظ کو بدل کر اس کے جواز کی آیت خود توریت کے اندر تحریر کر دیتا اور یوں دعویٰ کرتے کہ ہمارا دین تو ایک متحرک اور ترقی پسند دین ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِیَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا فَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَیْدِیْهِمْ وَ وَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا یَكْسِبُوْنَ﴾ (البقرہ:۷۹)

Marfat.com

''پس ہلاکت اور تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے شرع کا نوشتہ لکھتے ہیں۔ پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں سے آیا ہوا ہے۔ تاکہ اس کے معاوضے میں تھوڑا سا فائدہ حاصل کریں۔ ان کے ہاتھوں کا یہ لکھا ہوا بھی ان کے لیے تباہی کا سامان ہے۔ اور ان کی یہ کمائی بھی ان کے لیے موجب ہلاکت ہے۔''

یہ عمل یہود کے ہاں آج بھی جاری وساری ہے۔

یہود کے ہاں ایک خرابی ان کی دنیا پرستی کے سبب بھی پیدا ہوگئی تھی کہ وقتی مصلحت اور جلب زر کے سبب وہ تورات کے احکام پر اس کی حقیقی روح کے مطابق عمل کرنے پر تیار نہ تھے۔ جن احکام کو اپنی کسی بھی دنیوی غرض میں رکاوٹ سمجھتے اسے بے تکلف نظر انداز کر دیتے اور جس حکم سے انھیں مادی نفع ہوتا اس پر اس سختی سے عمل پیرا ہوتے جیسے دین ہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ تورات کے احکام پر عمل نہ کریں۔ یثرب میں وہ اوس وخزرج کے ہاتھوں شکست کھا کر ان کے حلیف کی حیثیت سے رہ رہے تھے۔ بنو قینقاع اور بنونضیر نے خزرج کے ساتھ حلف کا معاہدہ کر رکھا تھا اور بنو قریظہ نے اوس کے ساتھ۔ یہ انھوں نے اس لیے کیا تھا کہ اوس اور خزرج کے درمیان اپنی سازشوں کے نتیجے میں اتحاد نہ پیدا ہونے دیں اور انھیں باہم لڑ کر کمزور کرتے رہیں۔ یہ ان کی سازشی فطرت کی کرشمہ سازی تھی اور اسی کے سبب وہ حلیف ہو کر بھی یثرب پر بالواسطہ حکمرانی کر رہے تھے۔ اس طرح جب وہ اپنی سازشوں سے جنگ کی بھٹی گرم کرتے تو اپنے اپنے حلیف قبیلہ کا ساتھ دینا ان کی مجبوری تھی ورنہ ان کا بھانڈا پھوٹنا یقینی تھا اور ان کے لیے یثرب میں رہنا ممکن نہ ہوتا۔ لہٰذا وہ اپنے اپنے حلیف قبیلہ کے ہمراہ ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہو جاتے۔ حالانکہ ایسا کرنا تورات کے واضح احکام کی رو سے ان کے لیے حرام تھا۔ اور پھر ایسی جنگ کی صورت میں جب مخالف یہودی قبیلے کے کچھ لوگ ان کے ہاتھوں گرفتار ہو جاتے۔ تو انھیں فدیہ لیے بغیر نہ چھوڑتے اور دلیل یہ دیتے کہ تورات میں حکم موجود ہے کہ جب کچھ لوگ تمھارے ہاتھوں قید ہو جائیں تو انھیں فدیہ لے کر رہا کرو اور اس طرح وہ تورات کی اطاعت کرنے کی بجائے اسے اپنی اغراض کے لیے استعمال کرتے تھے۔

قرآن مجید میں ان کی اسی بدعملی پر گرفت کرتے ہوئے ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَ لَا

Marfat.com

تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَ هُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (البقرۃ:۸۴۔۸۵)

''(یاد ہے) جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا تھا کہ تم ایک دوسرے کا خون نہیں بہاؤ گے اور نہ ایک دوسرے کو ملک بدر کرو گے پھر تم نے اقرار کیا اور تمھیں اس کا اعتراف ہے۔ پھر یہ تمھی تو ہو جو ایک دوسرے کو قتل کرتے ہو۔ اور ایک گروہ کو ان کے گھروں سے نکال دیتے ہو۔ اس حال میں کہ تم ان کے خلاف زیادتی اور گناہ کر کے چڑھ دوڑتے ہو اور اگر وہ قیدی ہو کر تمھارے پاس آئیں تو تم ان سے فدیہ وصول کرتے ہو حالانکہ تمھارے لیے ان کو نکالنا حرام تھا تو کیا تم کتاب کے بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض سے کفر کرتے ہو۔ سو جو ایسا رویہ اختیار کرے اس کی جزا دنیا میں ذلت کے سوا کیا ہے اور قیامت میں شدید ترین عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں ایک جانب تو اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا ہے کہ یہود کتاب اللہ پر کامل یکسوئی کے ساتھ عمل کرنے کی روش ترک کر چکے تھے اور کامل دنیاداروں کی طرح مادی اغراض کے لیے کتاب اللہ کے بعض احکام پر عمل کرتے تھے اور بعض دوسرے احکام کو ترک کر دیتے تھے اور دوسری جانب یہ واضح فرمادیا کہ کتاب اللہ پر ایمان کے لیے زبانی اقرار کافی نہیں ہے بلکہ اقرار کے ساتھ عمل ہی ایمان کی سند ہے۔ جبکہ کفر کے لیے اس کے احکام کا زبانی انکار لازم نہیں۔ اس کو عملاً ترک کر دینا ہی کفر ہے۔ اور تیسری جانب یہ بات بھی واضح فرمادی کہ کسی

Marfat.com

کتاب الٰہی پر ایمان کا دعویٰ کرنے والی کوئی بھی قوم یہ رویہ اختیار کرے گی تو دنیا میں اس کے لیے ذلت مقدر ہے جبکہ آخرت میں وہ شدید ترین عذاب کی مستحق ہوگی۔

اسی یہود نے تورات سے انحراف کی ایک صورت یہ اختیار کر لی تھی کہ بعض معاشرتی احکام اگرچہ ان کے ہاں جوں کے توں موجود تھے مگر بدلتے حالات میں برائیوں کے عام رواج کی شکل اختیار کر جانے کے بعد ان کی حکومتوں نے ان پر عمل ترک کر کے نئے قوانین بنا لیے تھے جن کو نافذ العمل قرار دے لیا گیا تھا۔ اور رفتہ رفتہ وہی دین کی حیثیت اختیار کر گئے تھے اور اصل حکم متروک ہو گیا تھا۔ اس کی ایک واضح مثال زنا کی سزا تھی۔ ان کے ہاں تورات میں اس وقت بھی یہ حکم موجود تھا اور آج بھی موجود ہے کہ اگر کوئی مرد کسی دوسرے مرد کی بیوی یا اس کی منسوبہ (منگیتر) سے زنا کرے جب کہ دونوں آزاد ہوں تو انھیں رجم کر دیا جائے۔

''اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتے پکڑا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں۔'' (الاستثناء:۲۲)

''اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہو گئی ہو (یعنی اس کی منگیتر ہو) اور کوئی دوسرا آدمی اسے شہر میں پا کر اس سے صحبت کرے تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھاٹک پر نکال لانا اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مر جائیں۔ لڑکی کو اس لیے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لیے کہ اس نے ہمسائے کی بیوی کو بے حرمت کیا۔ پر اگر اس آدمی کو وہی لڑکی جس کی نسبت ہو چکی ہو کسی میدان یا کھیت میں مل جائے اور وہ آدمی جبراً اس سے صحبت کرے تو فقط وہ آدمی ہی جس نے صحبت کی مار ڈالا جائے پر اس لڑکی سے کچھ نہ کرنا۔'' (استثناء:۲۲۔۲۳ تا ۲۶)

تاہم انھوں نے اس حکم کو چھوڑ کر یہ طریقہ اختیار کر لیا کہ دونوں کو کوڑے لگا کر ان کا منہ کالا کر کے گدھے پر پچھلی جانب منہ کر کے شہر میں پھراتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدنی دور میں سورہ نور کے نزول کے زمانے میں خیبر کے معزز یہودی خاندانوں میں سے ایک عورت اور ایک مرد کے درمیان ناجائز تعلق پایا گیا۔ یہودی اس سزا کو نافذ نہ کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس مقدمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بنایا جائے۔ اگر آپ رجم کا حکم دیں تو قبول نہ کیا جائے۔ اور اگر کوڑوں کا حکم دیں تو قبول کر لیا جائے۔ مقدمہ آپ کے سامنے لایا گیا تو آپ نے رجم کا حکم

Marfat.com

دیا۔ انھوں نے اس حکم کو ماننے سے انکار کیا۔ تو آپ نے ان علماء کو قسم دے کر پوچھا تمھارے مذہب میں اس کی سزا کیا ہے؟ انھوں نے کہا کوڑے مارنا اور منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کرانا۔ آپ نے پھر قسم دے کر پوچھا۔ کیا تورات میں شادی شدہ زانی اور زانیہ کی سزا یہی ہے تو انھوں نے کہا ہاں۔ اس پر آپ نے ابن سوریا کو جو یہود کے بیان کے مطابق ان کا تورات کا سب سے بڑا عالم تھا، مخاطب کر کے فرمایا۔ میں تجھے اس خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے تم لوگوں کو فرعون سے بچایا اور طور پر تمھیں شریعت دی۔ کیا تورات میں واقعی یہی سزا لکھی ہے تو اس نے جواب میں کہا۔ اگر آپ مجھے اتنی بڑی قسم نہ دیتے تو میں نہ بتاتا۔ واقعی تورات میں زنا کی سزا تو رجم ہی ہے۔ تاہم جب ہمارے ہاں زنا کی کثرت ہوگئی تو بڑے لوگوں کو چھوڑ دیا جاتا اور کمزور لوگوں کو رجم کر دیا جاتا۔ اس پر عوام میں ناراضی پیدا ہونے لگی تو ہم نے تورات کے حکم کو بدل دیا اور یہ طریقہ بنالیا کہ زانی اور زانیہ کو کوڑے لگائے جائیں اور ان کا منہ کالا کر کے گدھے پر الٹے منہ سوار کر کے شہر میں پھرایا جائے۔ اس پر یہود کے لیے انکار کی کوئی صورت نہ رہی اور آپ نے انھیں رجم کروادیا۔

یہ حال تو ان لوگوں کا تھا جو تورات کے علما تھے اور تورات کا علم حاصل کرنے اور اسے لوگوں تک پہنچانے کی ذمہ داری بنولادی کی تھی۔ باقی لوگ خواہ عوام ہوں یا سرداران قبائل یا یہود کی حکومتوں کے سربراہ رہے ہوں۔ وہ کتاب اللہ کے علم سے قطعی ناآشنا تھے۔ معاملات زیست ان کی نگرانی میں چلتے تھے اور وہ کسی علم کی بنیاد پر نہیں محض ظن وتخمین کی بنیاد پر ہر اس معاملے کو جوان کے مفاد مادی میں ہوتا دین قرار دے کر اس پر جم جاتے تھے اور رفتہ رفتہ یہ رسوم دین کا تقدس حاصل کر لیتیں اور علمائے یہود جو خود انہی کی طرح مادیت پرست تھے۔ دنیا کے جھوٹے وقار اور مادی منفعت کے عوض ان جاہلانہ رسوم کو سند دین عطا کرتے چلے جاتے اور ان میں خود بنولادی کے عالم لوگ کامل تندہی سے مصروف رہتے یہاں تک کہ خود حق پرست علما نکو بن کر رہ جاتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ مِنۡهُمۡ اُمِّیُّوۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ الۡكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِیَّ وَ اِنۡ هُمۡ اِلَّا یَظُنُّوۡنَ﴾ (البقرۃ:۷۸)

''ان میں ایک دوسرا گروہ امیوں کا ہے جو کتاب اللہ کا تو علم نہیں رکھتے،

Marfat.com

بس اپنی بے بنیاد امیدوں اور آرزوؤں کو لیے بیٹھے ہیں اور محض وہم وگمان پر چلے جا رہے ہیں۔"

کتاب اللہ کے ساتھ اس رویے کے نتیجے میں ان کے ہاں مذہب کے نام پر ایک ایسا ترقی پذیر لبرل ازم تشکیل پا گیا تھا جس میں اخلاق، معاملات اور سیاست کی بنیاد محض یہودی اور ذاتی مفادات پر استوار ہو چکی تھی اور انھیں یہ مادی مفادات اتنے عزیز تھے کہ انھیں مصلحین اور انبیاء تک سے دشمنی پیدا ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک ان کی تاریخ انبیاء اور ایسے مصلحین کے خون سے رنگین تھی جو انھیں اصل دین پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیتے تھے۔ ان کے اسی ظلم پر تنبیہ کرتے ہوئے قرآن مجید میں اللہ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّ یَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾ (العمران:۲۱)

"جو لوگ اللہ کے احکام و ہدایات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں اور اس کے پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کی جان کے درپے ہو جاتے ہیں جو لوگوں میں سے عدل و راستی کا حکم دیتے ہیں۔ ان کو دردناک سزا کی بشارت سنا دو۔"

تورات میں اپنی انہی تحریفات اور کتمان حق کے ذریعے انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے آنے والے آفاقی پیغام کو بنی اسرائیل کے نسلی مذہب میں تبدیل کر لیا اور اسے سلام کی بجائے یہودیت کا نام دے دیا۔ اس لیے کہ اسلام کے معنی تو اللہ اور اس کے رسول کی بلا تغیر اطاعت کے ہیں۔ جبکہ یہودیت کے معنی مذہب یہود کے ہیں۔ اور یہود کسی مذہب کے ماننے والوں کا نام نہیں ایک نسل کا نام ہے۔ اس طرح ان کا مذہب ان کے نسلی اتحاد کی علامت اور نسلی برتری کی علامت بن گیا۔ پھر انھوں نے اپنے افراد میں نسلی برتری کے احساس کو مضبوط بنیادیں فراہم کرنے کے لیے اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہونے کو خود تورات کا حصہ بنا ڈالا۔ یہ ساری کوشش غالباً اس لیے کی گئی کہ ۷۰ء میں رومیوں کی غارت گری کے نتیجے میں وہ دنیا میں یوں بکھرے کہ پھر کبھی دنیا کے کسی حصے میں منتشر آبادیوں کے سوا بحیثیت ایک قوم کبھی اکٹھے نہیں ہو

Marfat.com

سکے تاہم یہودیت کا نسلی مذہب انھیں ایک حد تک دنیا کی اقوام کھو جانے سے بچا کر ایک قوم ہونے کا احساس دلانے میں مددگار ثابت ہوا۔

اس زمانے میں چونکہ وہ کسی جگہ بھی اقتدار میں نہیں تھے۔ احکام الٰہیہ کے اتباع سے منہ موڑنے کی وجہ سے اخلاقی اصولوں سے محروم ہو چکے تھے۔ نسلی مفاخرت میں مبتلا تھے۔ دنیوی مفادات ان کا مقصد حیات بن چکے تھے۔ لہٰذا عزم و ہمت سے محروم اقوام کی طرح اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لیے انھوں نے سازش کی راہ اختیار کی۔ اور آہستہ آہستہ سازش ان کی فطرت ثانیہ بن گئی۔ اس وقت تک ان کی سازش کے دو ستون تھے۔ ایک یہ کہ حق و صداقت بھی واضح نہ ہونے دی جائے۔ خواہ اس کے لیے انھیں اپنے ہم نسل انبیاء اور مصلحین ہی قتل کیوں نہ کرنا پڑے۔ دوسرے غیر یہودی اقوام میں مذہب سے بغاوت اور اخلاقی اضمحلال کو فروغ دیا جائے تاکہ جن علاقوں میں وہ رہائش پذیر ہیں وہاں کی غیر یہودی آبادیاں اخلاقی برتری کی بنیاد پر ان کے مقابلے میں برتری کے احساس سے محروم ہو جائیں۔ اس کے لیے انھوں نے دو حربے بڑی کامیابی سے آزمائے۔ مادی مفادات کو ابھارنا اور زنا کاری کی ترویج کے لیے نسلی روایات سے انحراف کے ذریعے عورتوں کی آزادی اور مخلوط سوسائٹی کی ترویج۔

عرب کی قبل اسلام کی تاریخ چونکہ پردہ اخفا میں ہے اور عرب کے یہودیوں کی بھی کوئی مستند تاریخ موجود نہیں ہے انھوں نے نہ تو خود کوئی ایسی تحریر چھوڑی ہے نہ باہر کے یہودی مورخین و مصنفین نے ان کا کوئی ذکر کیا ہے۔ جس سے ان کی کارروائیوں کا کوئی علم ہو سکے کہ انھوں نے خود اپنے قومی احساس کو زندہ رکھنے اور عرب کے مختلف قبائل میں اختلافات پیدا کرنے میں کیا کیا پاپڑ بیلے ہیں۔ تاہم بعثت کے وقت بلکہ پیدائش سے بھی پہلے پیش آنے والی چند تبدیلیاں اس کی غمازی ضرور کرتی ہیں۔ پہلی صدی عیسوی کے اواخر یا دوسری صدی عیسوی کی ابتدا میں عرب میں کثیر تعداد میں یہود کی آمد اور آبادکاری سے قبل قبائل عدنان میں شرک اور اباحیت پرستی کے رواج کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ وہ اپنی کتب آسمانی صحف ابراہیم و اسماعیل سے مدتوں پہلے محروم ہو جانے اور تعلیمات ابراہیمی سے براہ راست آشنائی نہ رکھنے کے باوجود وہ دین ابراہیمی پر تھے اور خدائے واحد پر کسی شرک کے شائبے کے بغیر قائم تھے۔ بلاشبہ کعبہ کے اندر اور عرب میں بتوں کی تنصیب میں ان کا کوئی براہ راست دخل دکھائی نہیں دیتا اور یہ کام دوسری صدی عیسوی میں عمرو ابن لحی نے

Marfat.com

سرانجام دیا تھا تاہم اس کے لیے زمین ہموار کرنے میں یہود کی مساعی کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس لیے کہ ان کی آمد سے پہلے بھی ان عربوں کو یمن کے مشرکانہ ماحول سے واسطہ پڑتا رہا تھا۔ مگر وہ شرک قبول کرنے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوئے اور شرک کے آغاز کے لیے عمرو ابن لحی نے بتوں کے لانے سے قبل تلبیہ میں جو تبدیلی کی تھی کہ احادیث اور کتب تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ لبیك اللهم لبیك لبیك لا شریك لك کے بعد الا شریکاً هو لك تملكه وما ملك کا بظاہر بے ضرر سا مگر بباطن پورے تصور توحید کو یکسر منہدم کر دینے والا جملہ اس کے اپنے ذہن کی پیداوار نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ وہ تو کسی کتاب سماوی سے آشنا ہی نہ تھا کہ وہ اتنی مشاقی سے یہ اضافہ کر سکتا۔ یہ اضافہ تو کوئی ایسا ماہر کتب آسمانی ہی کر سکتا تھا جو ایسی تحریفات کا طویل تجربہ رکھتا ہو اور عمرو بن لحی کے شمال میں شام تک اسفار ثابت ہیں اور یہ روایت بھی موجود ہے کہ وہ ہبل کا بت بھی شام ہی سے لایا تھا۔ واللہ اعلم۔

اسی طرح یہود کے آنے سے قبل تو قبائل عدنان میں اپنی عورتوں کی حفاظت قبائلی روایت ہی ہے اور زنا کاری اور جنسی اباحیت کے ابتدائی آثار بھی شاید اس دور کے ادب عربی میں تلاش نہیں کی جا سکتی جو بعد میں عرب شاعری کا طرہ امتیاز بن گئی تھی۔

نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت عرب کے یہود عبرانی تہذیب و تمدن کو مکمل طور پر ترک کر چکے تھے۔ وہ اپنی زبان، اپنے طرز بود و باش اور لباس کے حوالے سے عرب آبادی کا حصہ بن چکے تھے ایسے لوگوں کی تعداد ان میں بہت قلیل تھی جو عبرانی زبان جانتے تھے۔ تاہم وہ یہودی قومیت کا احساس اپنے ہاں قائم رکھے ہوئے تھے۔ وہ اپنی آبادیوں میں کسی نہ کسی مضبوط قبیلے کے حلیف بن کر رہ رہے تھے کہ اس کے بغیر ان کے لیے اپنا تحفظ ممکن نہ تھا۔ وہ قبائلی لڑائیوں میں حصہ لینے سے عموماً مجتنب رہتے مگر اس امر کے لیے دائماً سرگرم عمل رہتے تھے کہ سازش سے مختلف قبائل کے درمیان جنگ کی آگ کو ہوا دیں اور پھر اسے سرد نہ ہونے دیں۔ اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ اگر قبائل کے درمیان اتحاد و یگانگت پیدا ہو گئی تو وہ انھیں بڑی بڑی جائیدادوں، باغات اور سرسبز زمینوں پر قابض نہیں رہنے دیں گے جو انھوں نے اپنی منافع خوری اور سود خوری سے کمائی تھیں۔ یہی سبب ہے کہ ہر احتیاط کے باوجود انھیں عرب قبائل کی باہمی لڑائیوں میں حصہ لینا پڑتا تھا۔ بسا اوقات تو ایک یہودی قبیلہ اپنے حلیف عرب قبیلہ کے ساتھ مل کر لڑائی میں حصہ لیتا

Marfat.com

تو اسے دوسرے یہودی قبیلہ کے خلاف بھی لڑنا پڑتا جس کے حلیفانہ تعلقات مخالف عرب قبیلہ کے ساتھ ہوتے۔ خود یثرب میں ہجرت سے تھوڑی مدت پہلے بعاث کی لڑائی میں یثرب کے یہودی قبائل بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ اپنے اپنے حلیف قبیلہ کی حمایت میں شریک ہوئے۔ یہ جنگ بعاث کے مقام پر اوس اور خزرج کے درمیان لڑی گئی تھی اور یہ یہود یثرب کی کارستانیوں کا نتیجہ تھی۔

یہود کو اپنی تاریخ کی پے در پے ہزیمتوں، طویل عرصہ کی دربدری اور غیر اقوام میں اپنے وجود کو قائم رکھنے کی مسلسل کوشش اور اپنی قلت تعداد نے دون ہمت اور بزدل بنا دیا تھا اور عزم و ہمت کی راہ سے کھلی مزاحمت کی راہ چھوڑ کر غیر یہودی اقوام کے خلاف زیر زمین سازشوں کا عادی بنا دیا تھا۔ وہ انھیں مذہب سے بیگانہ کر کے مادیت پرست بنانے کی جہد مسلسل میں جتے رہتے تھے۔ وہ خود اخلاقی زوال کا بدترین شکار تھے۔ اور دوسری اقوام کے اخلاق کو بگاڑنے میں ہر آن سرگرم عمل رہتے تھے۔ غیر قوموں کے اندر امن و سکون انھیں ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا اور وہ اپنی بقا اس میں پاتے تھے کہ غیر یہودی اقوام میں انتشار، نفرت، رقابت اور دشمنی کی آگ بھڑکا کر مسلح تصادم کی راہ پر انھیں ڈالے رکھیں۔ چنانچہ اسے کیا کہیے کہ قبائل عدنان کے درمیان دشمنی کی آگ یہودیوں کی دوسری ہجرت کے بعد ہی بھڑکی اور ایام العرب کی پوری تاریخ نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت سے صرف ڈیڑھ صدی یا دو صدی پہلے سے شروع ہوتی ہے۔ خود نبی اکرم ﷺ کی دعوت کے خلاف ان کی سازشی سرگرمیاں اب راز نہیں رہی ہیں اور آپ کے وصال کے بعد فتنہ ارتداد کو بھڑکانے میں ان کا ہاتھ رہا ہے۔ حضرت عثمان کے خلاف بغاوت اور آپ کی شہادت میں ان کا سازشی ہاتھ صاف کارفرما نظر آتا ہے اور آج بھی اقوام عالم میں ہونے والے ہر تصادم میں ان کے سازشی ذہن کی فسوں کاریاں صاف دیکھی جاسکتی ہیں۔

بعثت نبوی کے وقت معاشی حیثیت کے حوالے سے یہود کی معاشی پوزیشن سوائے قریش کے باقی قبائل عرب کے مقابلے میں مضبوط تھی۔ وہ چونکہ فلسطین اور شام کے زیادہ متمدن علاقوں سے ہجرت کر کے یہاں وارد ہوئے تھے۔ وہ بہت سے ایسے فنون سے واقف تھے جن سے قبائل عرب نا آشنا تھے۔ مرغ بانی اور ماہی گیری پر ان کا قبضہ تھا۔ پارچہ بافی کی صنعت پر بھی ان کی اجارہ داری قائم تھی۔ باہر کی دنیا سے ان کے تجارتی اور کاروباری تعلقات بھی تھے۔ انھی

Marfat.com

وجوہ کی بنا پر یثرب اور شمالی عرب میں غلے کی درآمد اور یہاں کے چھوہاروں کی برآمد ان کے ہاتھ آ گئی تھی۔ یثرب کے یہود میں سے بنو قینقاع زرگری، اسلحہ سازی اور ظروف سازی کا کاروبار کرتے تھے۔ اس سارے کاروبار میں یہودی مختلف حیلہ سازیوں سے بے تحاشہ منافع خوری کرتے تھے۔ اس منافع خوری سے وہ سودی کاروبار چلاتے تھے۔ اگرچہ سود خوری ان کے مذہب میں جائز نہ تھی۔ مگر تورات میں اپنی تحریفات سے انھوں نے غیر یہودیوں سے سود لینا جائز قرار دے لیا تھا۔ مثلاً بائبل میں حکم ہے جو قرض ایک شخص نے دوسرے کو دیا ہو وہ سات سال کے بعد ضرور معاف کر دیا جائے۔ مگر پردیسی سے تو اس کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ (استثناء: ۱۵: ۳) استثناء ہی میں ایک جگہ سود لینے سے منع کرنے کے بعد درج ہے: ''مگر تو پردیسی کو سود پر قرض دے تو دے۔ باپ بھائی کو سود پر نہ دینا۔'' (استثناء: ۲۳: ۲۰) یہی سودی کاروبار ان کا سب سے بڑا جال تھا۔ جس میں انھوں نے اردگرد کی عرب آبادیوں کو جکڑ رکھا تھا۔ انھوں نے مختلف حیلوں بہانوں سے عرب شیوخ اور سرداروں کو جھوٹی مفاخرت کا عادی بنایا اور قرض لے کر انھیں ٹھاٹھ جمانے کی عادت ڈالی۔ اور یوں انھیں پھندے میں پھنسا لیا تھا۔ وہ بھاری شرح سود پر قرض دیتے اور پھر سود در سود کا چکر چلاتے تھے۔ جس میں پھنس جانے کے بعد کسی کے لیے اس سے نکل جانا مشکل نہیں تو محال ضرور تھا۔ آج بھی اقوام عالم میں ترقی پذیر ملکوں کے اقتصادی استحصال کا موثر ترین ذریعہ بین الاقوامی مالیاتی اداروں کی جانب سے ترقیاتی امداد کے نام پر دی جانے والی سودی امداد اور قرض ہے۔ جس میں ایک بار پھنس جانے کے بعد قومیں اپنی اندرونی آزادی تک سے محروم ہو جاتی ہیں۔

یہود تورات میں پے بہ پے تحریفات سے دین موسیٰ کی اصل روح سے محروم ہو چکے تھے۔ تاہم توحید کے زبانی قائل ضرور تھے اگرچہ عزیز کو ابن اللہ مانتے تھے۔ وہ رسالت، وحی، آخرت اور ملائکہ کے قائل بھی تھے وہ اس ضابطہ شرعی کو تسلیم کرتے تھے جو خدا کی طرف سے حضرت موسیٰ پر نازل ہوا تھا۔ تاہم ان کے عقائد میں ایسے غیر شرعی عناصر داخل ہوئے تھے۔ جن کے لیے تورات میں کوئی سند موجود نہ تھی۔ انھوں نے بچے کھچے احکام کو بھی اپنی من مانی تاویلوں اور تفسیروں سے مسخ کر دیا تھا۔ ان کے عوام ہی کیا ان کے سرداران اور ان کے علماء و مشائخ تک کی اعتقادی، اخلاقی اور عملی حالت بگڑ گئی تھی۔ اور ایک ظاہری مذہبیت کا ایک بے جان ڈھانچہ تھا۔ جس کو وہ سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ ان کے ہاں بدعتوں، موشگافیوں، تحریفات، فرقہ بندیوں،

Marfat.com

حقیقت ترک کر کے ظاہری تقدس، خدا فراموشی و دنیا پرستی کی بدولت وہ انحطاط کی آخری حدوں پر پہنچ گئے تھے۔ تاہم وہ اسی ظاہری مذہبیت اور محرف توراہ کی موجودگی کے سبب سے ان عربوں کو جو کوئی کتاب الٰہی نہیں رکھتے تھے اور جن کے پاس کوئی مرتب دین نہیں تھا اپنی فضیلت کو قائم کرنے میں کامیاب تھے۔ یہودی علماء نے تعویذ گنڈوں، فال گیری اور جادوگری کا کاروبار خوب چمکا رکھا تھا اور اسی کاروبار اور محرف تورات کے علم کے سبب عربوں پر ان کے ''علم'' و ''عمل'' کی دھاک بیٹھی ہوئی۔ اور یہی دھاک یہود کے لیے عربوں کو دین ابراہیمی سے برگشتہ کرنے کی سازش کا موثر ذریعہ تھی۔

عیسائیت

عیسائیت ۳۳۰ء میں بنوغسان کے عیسائی مذہب قبول کرنے پر عرب میں داخل ہوئی۔ شمالی عرب میں قبائل، غسانی حکومت کی ادب پروری اور شعراء نوازی سے متاثر تھے اور ان کی فیاضی سے لطف اندوز ہوتے رہتے تھے بنوغسان نے جن کی ریاست رومی حکومت کی باجگزار ریاست تھی۔ رومیوں کے زیر اثر عیسائیت قبول کرلی تو آہستہ آہستہ انہی کے اثر کے تحت عیسائیت عرب کے شمالی حصے، عراق، بحرین، صحرائے فاران، دومۃ الجندل اور فرات و دجلہ کے دوآبہ میں پھیلنے لگی۔ حیرہ میں عربوں کے متفرق قبائل نے جو عباد کہلاتے تھے۔ عیسائی مذہب قبول کرلیا۔ اس کے علاوہ بنوتغلب بھی عیسائیت میں داخل ہو گئے۔ قبائل بنو ربیعہ اور بنو قضاعہ میں سے بعض لوگوں نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا۔

جنوب میں یمن کی سلطنت میں عیسائیت کی ابتدا اس وقت ہوئی جب حبشہ کی عیسائی حکومت نے ۳۴۰ء میں یمن پر پہلی بار قبضہ کیا تھا۔ یہ قبضہ ۳۷۸ء تک قائم رہا۔ اس عرصہ میں کئی مشنری اس غرض سے یہاں بھیجے گئے کہ یہاں عیسائیت کو فروغ دیا جائے۔ ان کوششوں کا مقصد عرب کے ساحلی تجارتی راستے پر قبضہ کرنا تھا۔ اس عرصہ میں ایک عیسائی سیاح جس کا نام فیمون تھا۔ نجران میں آیا۔ وہ اصل دین عیسوی (دین اسلام) پر تھا۔ صاحب علم و کرامت تھا اور اس کی مساعی سے نجران میں عیسائیت خوب پنپی۔ حبشی حکومت نے وہاں ایک کعبہ تعمیر کرایا اور یہ کعبہ یمانی کہلاتا تھا۔ اس کے اساقفہ پگڑی باندھتے تھے اور اسے حرم قرار دیتے تھے۔ یمن کی عیسائی

Marfat.com

حکومت اسے حرم کعبہ کی بجائے عرب کی مرکزی عبادت گاہ قرار دے کر وہی حیثیت دینا چاہتی تھی جو بیت اللہ کو حاصل تھی اور اس طرح عدنانی قبائل سے تولیت کعبہ کا شرف چھین کر اس تجارتی راستہ پر اپنا قبضہ جمانا چاہتے تھے جو ساحل قلزم کے ساتھ ساتھ شام تک جاتا تھا۔ مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ۳۷۸ء میں وہ یمن کو چھوڑ کر چلے جانے پر مجبور ہوئے اور اقتدار ایک بار پھر تابع کی گود میں جا گرا البتہ تابع میں سے عبد کلال نے عیسائیت قبول کر لی۔ اس کے بعد اسعد ابو کرب تبع نے یثرب کے دو یہودی حبروں سے متاثر ہو کر یہودی مذہب اختیار کر لیا۔ اس طرح یمن میں عیسائیت ختم ہو گئی تاہم اہل نجران عیسائیت پر قائم رہے۔ اسعد ابو کرب کے بعد ذونواس تبع نے ۵۲۳ء میں نجران پر قبضہ کرنے کی غرض سے تاکہ وہ اقتصادی خوشحالی سے فائدہ اٹھا کر یمن کی معیشت کو مضبوط کرے۔ یہودیت کی تبلیغ میں رکاوٹ ڈالنے کا بہانہ بنا کر نجران پر حملہ کر دیا۔ اور فتح کرنے کے بعد اہل نجران پر وہ انسانیت سوز مظالم توڑے جن کی صدائے بازگشت واقعہ اصحاب الاخدود کے نام سے مشہور ہے اور اسی ظلم کی تلافی کے بہانے حبشہ کے نجاشی نے ارياط اور ابرہہ کی قیادت میں ایک لشکر جرار بھیجا جس نے ۵۲۵ء میں حمیری سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور ذونواس قتل کر دیا گیا۔ ذونواس کے بارے میں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اسعد ابو کرب تبع کا بیٹا تھا مگر مشہور مؤرخ جواد علی نے اپنی کتاب تاریخ العرب قبل الاسلام میں لکھا ہے کہ وہ شرحبیل بن یعفر کا بیٹا تھا۔

اس کے بعد ارياط اور ابرہہ نے یکے بعد دیگرے یمن پر حکومت اور ابرہہ نے جس کا دور اقتدار ۵۴۳ء تا ۵۶۹ء یا ۵۷۱ء ہے۔ یمن میں ایک عظیم عمارت القلیس تعمیر کی اور اسے حرم قرار دیا۔ وہ حج کو اس کی طرف منتقل کرانا چاہتا تھا۔ اس نے القلیس کی توہین کا بہانہ بنا کر ۵۶۹ء یا ۵۷۱ء میں خانہ کعبہ پر حملہ کر دیا اور مکہ کے قریب وادی محسر میں اس کا لشکر پرندوں کی برسائی کنکریوں سے تباہ ہو گیا اور وہ خود واپس آ کر دار الحکومت میں اسی کنکری کے اثر سے فوت ہو گیا۔

اس کے بعد اس کا بیٹا یکسوم اور پھر اس کا بیٹا مسروق حاکم ہوا اور ۵۷۵ء میں سیف بن یزن حمیری کے ہاتھوں قتل ہو گیا اور یوں جنوب میں عیسائی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

نجران میں اس کے بعد بھی عیسائی حکومت قائم رہی۔ یہ ایک ایسی عیسائی ریاست تھی جس پر تین سردار حکومت کرتے تھے۔ ایک عاقب کہلاتا تھا جو اصل حاکم یا امیر قوم ہوتا تھا۔ دوسرا

Marfat.com

سید کہلاتا تھا۔ جو ان کے تمدنی اور سیاسی امور کی نگرانی کرتا تھا اور تیسرا اسقف (بشپ) تھا جو مذہبی پیشوائی کرتا تھا۔ عام الفود ۹ھ میں یہ تینوں عہدہ داران چالیس افراد کے وفد کے ساتھ آپ کی خدمت حاضر ہوئے اور مباہلہ کا واقع انہی کے ساتھ پیش آیا۔ جسے ہم سیرت طیبہ میں عام الوفود میں تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے آخری رسول ہیں۔ ان کی پیدائش فلسطین کے ضلع گلیل کے ایک قصبہ ناصرہ میں کنواری مریم کے بطن سے معجزاتی طور پر بن باپ کے ہوئی۔ اس وقت فلسطین کی یہودی ریاست رومی حکومت کی باجگزار تھی۔ اس وقت تک یہودی آپ کی معجزانہ ولادت اور پنگھوڑے میں تکلم کے سبب ایک برگزیدہ ہستی اور غیر معمولی اسرائیلی کی حیثیت سے آپ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ اس وقت یہودی عوام تو کیا علماء بھی اخلاقی بگاڑ کی انتہا کو پہنچ چکے تھے۔ وہ دین کے داعی تو تھے مگر عامل نہ تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعوت دیتے ہوئے جب ان کی اخلاقی خرابیوں پر گرفت کی تو وہ سارا احترام و تقدس بھول کر آپ کی مخالفت پر اتر آئے اور اپنی سازشی فطرت کی بنیاد پر آپ کی کردار کشی کرنے کی خاطر عصمت و عفت مجسم حضرت مریم پر الزام زنا کاری لگانے سے بھی نہیں چوکے۔ اس وقت ان کے علما کی اخلاقی حالت کیا تھی اس کا اندازہ آپ کے ان اقوال سے لگایا جا سکتا ہے کہ جو عہد نامہ جدید کی اناجیل اربعہ متی، لوقا، مرقس اور یوحنا کے اوراق میں آج بھی موجود ہیں۔

”اے ریا کار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ آسمان کی بادشاہت لوگوں پر بند کرتے ہو نہ آپ داخل ہوتے ہو نہ داخل ہونے والوں کو داخل ہونے دیتے ہو۔“

”اے ریا کار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ ایک مرید کرنے کے لیے تری اور خشکی کا دورہ کرتے ہو اور جب وہ مرید ہو چکتا ہے تو اسے اپنے سے دوگنا جہنم کا فرزند بنا دیتے ہو۔“

”اے اندھے راہ بتانے والو! تم مچھر تو چھانتے ہو اور اونٹ کو نگل جاتے ہو۔“

”اے ریا کار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے۔ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہوئی ہو۔ اسی طرح تم بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے

Marfat.com

ہو مگر باطن میں ریاکاری اور بے دینی سے بھرے ہوئے ہو۔"

اپنے حواریوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"فقیہہ اور فریسی موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں۔ پس جو کچھ تمھیں بتائیں وہ سب کرو اور مانو۔ لیکن ان کے سے کام نہ کرو۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں اور کرتے نہیں۔ وہ ایسے بھاری بوجھ جن کا اٹھانا مشکل ہے باندھ کر لوگوں کے کندھوں پر رکھتے ہیں۔ مگر آپ انھیں اپنی انگلی سے ہلانا بھی نہیں چاہتے۔ وہ سب کام لوگوں کو دکھانے کے لیے کرتے ہیں۔ اپنے تعویذات بڑے بناتے اور اپنی پوشاک کے کنارے چوڑے رکھتے اور ضیافتوں میں صدر نشینی اور عبادت خانوں میں اعلیٰ قسم کی کرسیاں اور بازاروں میں سلام اور آدمیوں سے مربی کہلانا پسند کرتے ہیں۔" (متی: ۲۳: ۲۔۲۸)

یہ یہودی علما اور مشائخ کی ایسی سچی تصویر کشی تھی جس کی تردید ان کے لیے ممکن نہ تھی۔ وہ خود کو بدلنا نہیں چاہتے تھے اور مذہبی سیادت کو ہاتھ سے نکلتا دیکھ کر دشمنی پر اتر آئے تھے۔ سامنے سے آ کر وار کرنا ان کی سرشت میں ہی نہیں تھا۔ لہٰذا وہ اپنی فطرت کے مطابق سازش پر اتر آئے۔ آپ کی معجزاتی پیدائش اور پنگھوڑے میں کلام کو پس پشت ڈال کر آپ کو مطعون ٹھہرانے کی خاطر آپ کی عصمت مآب والدہ پر الزام تراشی پر اتر آئے۔ دوسری طرف انھیں پھانسنے اور ہیرودی حکومت سے سزا دلوانے کے لیے مختلف طریقے اختیار کرتے رہے۔ یہاں ان طریقوں کی تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ صرف ایک واقعہ نقل کرتے ہیں ورنہ اناجیل اربعہ میں ایسے کئی واقعات درج ہیں:

"اس وقت فریسیوں نے جا کر مشورہ کیا کہ اسے کیونکر باتوں میں پھنسائیں۔ پس انھوں نے اپنے شاگردوں کو ہیرودیوں کے ساتھ اس کے پاس بھیجا اور انھوں نے (یعنی شاگردوں نے) کہا اے استاد! ہم جانتے ہیں کہ تو سچا ہے اور سچائی سے خدا کی راہ کی تعلیم دیتا ہے اور کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ ہمیں بتا تو کیا سمجھتا ہے۔ قیصر کو جزیہ دینا روا ہے یا نہیں؟ یسوع نے ان کی شرارت جان کر کہا۔ اے ریاکارو مجھے کیوں آزماتے ہو؟ جزیہ کا سکہ مجھے دکھاؤ۔ وہ دینار اس کے پاس لے آئے اس نے ان سے کہا۔ یہ صورت اور نام کس کا ہے؟ انھوں نے کہا قیصر کا۔ اس نے کہا جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو اور جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو۔" (متی: ۲۲: ۱۵۔۲۱)

Marfat.com

اس موقع پر حضرت عیسیٰ نے پیغمبرانہ بصیرت سے یہ بھانپ لیا تھا کہ وہ اس معاملہ میں حکم خداوندی معلوم نہیں کرنا چاہتے ہیں بلکہ یہ استفسار سازشی ہے کہ اگر آپ یہ فرمائیں کہ جزیہ دو تو ایک شور اٹھا دیا جائے کہ یہ عجیب نبی ہیں جو تورات کے احکام کے خلاف ایک کافر حکومت کی غلامی کا درس دے رہے ہیں اور غلامی کی سند کے طور پر ادا کیے جانے والے جزیہ کا ادا کرنا لازم قرار دے رہے ہیں اور اگر آپ جزیہ نہ ادا کرنے کا فیصلہ دیں تو بادشاہ کے ہاں بغاوت کا مقدمہ قائم کروا کر قتل کرا دیں اور دین انبیاء کی اس کوشش کو ختم کر دیں۔ جو انھیں ایک آنکھ گوارا نہیں تھی۔ اس موقع پر آپ نے نہ تو صریح طور پر جزیہ دینے کا حکم دیا اور نہ اس سے صریح طور پر منع کیا۔ بلکہ نہایت لطیف پیرایہ میں انھیں اصل حقیقت سمجھائی کہ تصویر اور نام قیصر کا ہے اسے دے دو اور سونا جو اللہ کا ہے۔ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ جسے وہ سمجھ نہیں پائے بلکہ سمجھنا چاہتے بھی نہیں تھے۔ لہٰذا یہ سازش ناکام ہوگئی۔ تاہم انھوں نے اپنی سازشیں جاری رکھیں اور جب ان میں ناکام ہو گئے تو انھوں نے براہ راست قیصر سے نالش کر دی اور کہا کہ عیسیٰ عوام کو بادشاہ کے خلاف ابھارتے اور لوگوں کو جزیہ دینے سے منع کرتے ہیں اور اپنے آپ کو مسیح بادشاہ کہتے ہیں۔ قیصر پیلاطس نے سردار کاہنوں اور عوام سے کہا کہ میں اس شخص میں کوئی خرابی نہیں پاتا مگر وہ بار بار کی تاکید کے بعد آپ کے قتل کا حکم لینے میں کامیاب ہو گئے اور آپ کے حواریوں میں سے یہوداہ اسکریوتی کو رشوت دے کر آپ کو پکڑوانے پر آمادہ کر لیا مگر معجزاتی طور پر وہ خود گرفتار ہو کر صلیب پر ایلی ایلی لم شبکتنی کی دہائی دیتا اپنے انجام کو پہنچا اور حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کے بگاڑ کے دور میں ان کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ احکام تورات چونکہ ایک حد تک اس تورات میں جو عزرا کاہن نے مرتب کی تھی محفوظ تھے لہٰذا وہ کوئی الگ ضابطہ حیات کر کے نہیں آئے تھے بلکہ یہود کی اخلاقی خرابیوں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ تورات میں موجود احکام خداوندی کی تنفیذ ان کا مقصد بعثت تھا اور اسی کی کوشش میں آپ سرگرم عمل رہے۔ وہ انہی احکام پر عمل کرنے کی تعلیم دیتے تھے اور اس پر متی کے اوپر نقل کردہ

Marfat.com

حوالے ہی کافی ہیں بالخصوص وہ جو انھوں نے حواریوں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا ''فقیہہ اور فریسی موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں۔ پس جو کچھ وہ تمھیں بتائیں وہ سب کرو اور مانو'' یوں صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شریعت موسوی ہی کا تسلسل اور اجر تھا۔ نیز یہ کہ آپ کا مقصد بعثت یہ بھی تھا کہ حضرت موسیٰ کے بعد سے تیرہ صدیوں میں یہودی فقیہوں اور فریسیوں نے احکام تورات میں جہاں جہاں ردوبدل کر لیا ہے اسے اصل پر تبدیل کر دیا جائے۔ قرآن مجید میں یہ مقصد آپ ہی کی زبانی بڑے واضح انداز میں بیان فرمایا گیا ہے:

﴿وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ لِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ﴾ (العمران:۵۰)

''اور میں اس تعلیم و ہدایت کی تصدیق کرنے والا بن کر آیا ہوں جو تورات میں سے اس وقت میرے زمانہ میں موجود ہیں اور اس لیے آیا ہوں کہ تمھارے لیے بعض ان چیزوں کو حلال کر دوں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔ دیکھو میں تمھارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بات خود اپنے مشہور پہاڑی کے وعظ میں بڑے واشگاف الفاظ میں ارشاد فرما دی تھی۔ متیٰ کی انجیل میں آپ کا یہ ارشاد آج بھی موجود ہے:

''یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہو۔'' (متیٰ:۵:۱۷)

اس طرح یہ بات واضح تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آئے تھے اور نہ ان کے پیروکار کوئی الگ امت تھے بلکہ آپ حضرت داود اور حضرت سلیمان اور دوسرے انبیائے بنی اسرائیل کی طرح تورات کے احکام کو ان تحریفات سے پاک کر کے ان کی عملی تنفیذ کے لیے تشریف لائے تھے جو فقیہوں اور فریسیوں نے از خود کر لی تھیں۔ آپ اس بات سے پوری طرح باخبر تھے کہ بگڑے ہوئے فقیہہ اور فریسی اس دعوت کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کریں گے۔ اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ حضرت عیسیٰ اب احکام توریت کو محض ایسی ہدایات کی حیثیت سے نہیں

Marfat.com

رہنے دیں گے۔ جو مقدس تو ہیں مگر معاشرے کا واجب الاتباع قانون نہیں ہیں اور حضرت عیسیٰ بھی اس کا بہت واضح اعلان فرمارہے تھے کہ ان کی ساری کوششوں کا مقصود یہ ہے کہ زمین پر خدا کے امر شرعی کی اسی طرح اطاعت ہو جس طرح آسمانوں پر اس کے امر تکوینی کی اطاعت ہو رہی ہے۔ چنانچہ ان کا یہ ارشاد متیٰ کی انجیل میں آج بھی موجود ہے:

''تیری بادشاہی آئے۔ تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو۔''

(متی:۶:۱۰)

یہی سبب ہے کہ اس جہد مسلسل میں آپ اپنے حواریوں کو سخت استقامت اور بے مثال صبر کی تلقین فرماتے تھے۔

''یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا ہوں۔ صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں۔ میں اس لیے آیا ہوں کہ آدمی کو اس کے باپ سے اور اس کی بیٹی کو اس کی ماں سے اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کر دوں۔ اور آدمی کے دشمن اس کے گھر کے لوگ ہی ہوں گے۔ جو کوئی باپ ماں کو مجھ سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ وہ میرے لائق نہیں۔'' (متی)

''اور جو کوئی اپنی صلیب نہ اٹھائے اور میرے پیچھے نہ چلے وہ میرے لائق نہیں۔ جو کوئی اپنی جان بچاتا ہے اسے کھوئے گا اور جو کوئی میرے سبب اپنی جان کھوتا ہے اسے بچائے گا۔''

اس وقت چونکہ یہودی علماء اعتقادی اعتبار سے دو بہت بڑے عیوب میں مبتلا تھے ایک شرک اور دوسرے دنیا پرستی اور آخرتی فراموشی چنانچہ آپ نے توحید اور آخرت کی فکر کرنے اور لذات دنیا کو مقصود نہ بنانے پر بہت زور دیا۔

''فقیہوں میں سے ایک نے پوچھا کہ سب حکموں میں اول حکم کون سا ہے یسوع نے جواب دیا کہ اول یہ ہے اے اسرائیل سن خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ اور تو خداوند اپنے خدا سے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ...... فقیہہ نے اس سے کہا۔ اے استاد، کیا خوب! تو نے سچ کہا وہ ایک ہی ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں۔'' (مرقس:۱۲:۲۸ تا ۳۲)

''تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور اسی کی عبادت کر۔'' (لوقا:۴:۸)

Marfat.com

ترجیح آخرت اور دنیا کو مقصد نہ بنانے اور اس سلسلہ میں اللہ پر اعتماد کرنے کا درس دیتے ہوئے فرمایا:

''اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کر۔ جہاں کپڑا اور زنگ خراب کرتا ہے۔ اور جہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں۔ بلکہ اپنے لیے آسمان پر مال جمع کرو۔'' (متی ۶:۱۹۔۲۰)

''مانگو تو تمھیں دیا جائے گا۔ ڈھونڈو تو تم پاؤ گے۔ دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمھارے واسطے کھولا جائے گا۔'' (متی ۷:۷)

''کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کرسکتا...... تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کرسکتے۔ اپنی جان کی فکر نہ کرو کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے اور نہ بدن کی کہ کیا پہنیں گے؟ ہوا کے پرندوں کو دیکھو کہ نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے ہیں۔ نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں۔ پھر بھی تمھارا آسمانی باپ ان کو کھلاتا ہے کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے؟ تم میں ایسا کون ہے جو فکر کرکے اپنی عمر میں ایک گھڑی بھی بڑھا سکے؟ اور پوشاک کے لیے کیوں فکر کرتے ہوں؟ جنگلی سوسن کے درختوں کو دیکھو وہ کس طرح بڑھتے ہیں۔ وہ نہ محنت کرتے ہیں نہ کاٹتے ہیں۔ پھر بھی میں تم سے کہتا ہوں کہ سلیمان بھی باوجود اپنی شان وشوکت کے ان میں سے کسی کی مانند پوشاک پہنے ہوئے نہ تھا۔ پس جب خدا میدان کی گھاس کو جو آج ہے اور کل تنور میں جھونکی جائے گی۔ ایسی پوشاک پہناتا ہے تو اے کم اعتقادو! تم کو کیوں نہ پہنائے گا؟ تم پہلے اس کی بادشاہت اور اس کی راست بازی کی تلاش کرو تو یہ سب چیزیں بھی تمھیں مل جائیں گی۔''

(متی ۶:۲۴۔۳۳)

ہم نے موجودہ اناجیل اربعہ سے یہ چند اقتباسات اس لیے نقل کیے ہیں تا کہ حضرت عیسیٰ کی اصل تعلیمات پیش نظر رہیں تا کہ اس اعتقادی قزاقی کا اندازہ ہو سکے جو یہود نے اب دعوت حقہ کو سامنے آکر روکنے کی کوشش میں ناکامی کے بعد تعلیمات عیسیٰ پر کی۔

یہودی سازش

رفع عیسیٰ کے بعد آپ کے حواری روپوش ہو گئے اور سرگرمی سے آپ کی تعلیمات کو

Marfat.com

اسرائیلی ریاست یہودیہ اور رومن علاقے میں پھیلانے میں مصروف ہو گئے۔ یہود نے ان کی شدید مخالفت کی اور انھیں ہر طرح کے ظلم وتشدد کا نشانہ بنایا۔ مگر رومی بادشاہ پیلاطس نے انھیں تحفظ فراہم کیا۔ اس وقت تک پیروان عیسیٰ کسی الگ امت کی حیثیت سے نہیں پہچانے جاتے تھے بلکہ یہود ہی کا حصہ تصور کیے جاتے تھے۔ وہ اپنے لیے شاگرد کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ اپنے رفقا کا ذکر اخوان یعنی بھائی کہہ کر کرتے تھے۔ انھیں ایمان دار "الذین آمنو" کہہ کر پکارتے یا ان کے لیے مقدسوں کا لفظ استعمال کرتے۔ وہ بنی اسرائیل ہی کا ایک حصہ تھے۔ وہ یہودی شریعت یا زیادہ درست الفاظ میں شریعت موسیٰ کے پابند تھے۔ یہود کے فقیہہ اور فریسی اس بات سے خائف تھے کہ اگر یہ اسی طرح یہود ہی کا ایک حصہ سمجھے جاتے رہے اور انھوں نے حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کی ترویج جاری رکھی تو حق کے مقابل باطل کا ٹھہرنا ممکن نہ ہوگا اور اگر یہودی عوام ان کی تعلیمات سے متاثر ہونے لگے تو اس بات کا خطرہ تھا کہ ان کا خود ساختہ بے روح مذہبی وقار ختم ہو جائے۔ لہٰذا یہودی علماء نے انھیں کبھی گلیلی اور کبھی ناصریون کا بدعتی فرقہ کہہ کر ان کا تمسخر اڑانا شروع کر دیا۔

یہ یہود کی باقاعدہ سوچی سمجھی سازش تھی یا محض اتفاق اسے تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

بہر حال حضرت عیسیٰ کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بعد پال اور پولوس نامی دو یہودی علما نے تعلیمات عیسیٰ پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا اور آہستہ آہستہ پیروان عیسیٰ کے ہاں سینٹ کے درجے پر فائز ہو گئے اور انھوں نے عیسائیوں کے ہاں بعض ایسی تعلیمات پھیلانا شروع کر دیں جن کا دین عیسیٰ کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ یہ دونوں یہودی علماء حضرت عیسیٰ کی زندگی میں آپ کے بدترین مخالف تھے اور کئی برس بعد تک بھی مخالفت کرتے رہے۔

سینٹ پال نے تعلیمات عیسیٰ قبول کرنے کے بعد اپنی علمی حیثیت تسلیم کروا کر چند ایسے خیالات کی ترویج پیروان عیسیٰ میں شروع کر دی۔ جنھوں نے اسے عیسائیت کا روپ دے کر یہودی معاشرے سے الگ کر دیا۔ یہ خیالات ایسے تھے جن کی کوئی سند تعلیمات عیسیٰ میں تلاش نہیں کی جا سکتی تھی بلکہ وہ یکسر تعلیمات عیسیٰ کی تحریف تھی۔ اس نے یہ بات بنیادی عقیدہ کے طور پر رائج کر دی۔ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کے لیے تورات کے احکام پر عمل کرنا لازم نہیں ہے اور آسمانی بادشاہت میں نجات حاصل کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ پر نجات دہندہ کے طور پر ایمان لانا ہی کافی ہے۔ اس لیے کہ عیسیٰ صلیب پر مصلوب ہو کر انسانیت کا کفارہ ادا کر چکے ہیں۔ اس

Marfat.com

نے شراب اور خنزیر کے گوشت کا استعمال جائز قرار دے دیا۔ ختنہ کرنے کو عیسائیوں کے لیے غیر ضروری قرار دے دیا۔ حالانکہ اسے ایسا کرنے کا کوئی حق نہ تھا۔ اس طرح تعلیمات عیسیٰ سے حضرت عیسیٰ پر ایمان لانے والوں کا تعلق یکسر کٹ گیا اور دین اسلام کے بجائے عیسائیت کی بنیاد پڑی۔ اسی ایک تعلیم سے عیسائیت امور حیات میں کسی بھی آسمانی ہدایت سے محروم ہو کر سیکولرزم کے راستے پر چل نکلی۔ اس پر اس ایک ستم اور یہ ڈھایا کہ حضرت عیسیٰ کے اس لطیف جملے کو کہ ''جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو اور جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو'' نئے معنی پہنا دیے کہ امور دنیا میں حکومت جو حکم دے اسے قبول کرو اور معتقدات اور عبادات میں اللہ کی عبادت کرو۔ اس طرح اس نے دین اور سیاست کو الگ کر دیا اور دین کو انفرادی معاملہ بنا کر اقتصادیات، معاشرتی احکام اور سیاسیات سے بے دخل کر دیا۔ اس سے یہودی اصلاحات عیسیٰ سے محفوظ ہو گئے اور عیسائیت رومیوں اور یونانیوں اور دوسری اقوام میں خوب پھیلنے لگی اور یہ سارا تغیر رفع عیسیٰ کے فوراً بعد پہلی ہی صدی میں وقوع پذیر ہو گیا تھا۔

پولوس نے اعتقادی تعلیمات پر ہاتھ صاف کیا۔ یہ شخص بھی پولوس کی طرح حضرت عیسیٰ کی زندگی میں آپ کا بدترین مخالف تھا۔ رفع عیسیٰ کے چھ سال بعد ایمان لایا اور بحیثیت عالم اپنی حیثیت مستحکم کر کے معتقدات میں ایسی تاویلات کیں جن کا تعلیمات عیسیٰ سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ حضرت عیسیٰ نے ہمیشہ توحید کا درس دیا تھا اور اپنے آپ کو ایک اوتار کی حیثیت سے نہیں۔ ابن آدم کلمۃ منہ اور اللہ کے رسول کی حیثیت سے متعارف کروایا تھا۔ پولوس یونانی فلسفہ میں مہارت رکھتا تھا۔ اس وقت یہود میں یونانی فلسفہ کے اثرات بہت گہرے مرتب ہو چکے تھے۔ حضرت عیسیٰ کی معجزانہ ولادت کی وضاحت اللہ کے کلمہ سے کی گئی تھی۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی یہی لفظ استعمال کیا گیا ہے:

﴿اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ﴾ (العمران:۴۵)

''اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ تجھے اپنے ایک کلمہ کی خوش خبری دے رہا ہے۔ جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا دنیا اور آخرت میں باوقار ہوگا اور اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہوگا۔''

Marfat.com

یہاں یہ لفظ حکم خداوندی کے معنی میں استعمال ہوا ہے مراد یہ ہے کہ عیسیٰ کی پیدائش تمام قوانین سے ہٹ کر محض حکم خداوندی کے تحت ہوگی۔

سب سے پہلے تو اس شخص نے اسے حکم کے معنی سے ہٹا کر نطق کے معنی پہنائے۔ پھر اسے یونانی فلسفے میں رائج لفظ (Logos) کے مترادف ٹھہرایا۔ جو نطق ہی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور پھر اس خیال کی کہ مریم کے رحم میں اسی نطق (Logos یا کلمہ) کی تجسیم کی گئی۔ جو اللہ کی ذاتی صفت ہے۔ لہٰذا عیسیٰ نہ اللہ ہیں نہ اللہ سے جدا ہیں۔ اور ان کا اللہ سے وہی تعلق ہے جو باپ کا بیٹے سے ہوتا ہے۔ یوں نہایت کامیابی سے حضرت عیسیٰ کی توحید پر مبنی تعلیمات کو تاویل کی کٹھالی میں گرم کر کے شرک کی آمیزش کی راہ استوار کر دی۔ انجیل متیٰ میں یہ فقرہ موجود ہے ''کہ فرشتے نے اسے (یعنی یوسف نجار کو) خواب میں دکھائی دے کر کہا کہ اے یوسف ابن داود، اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر، کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے۔'' سیدھی سادی مراد یہ تھی کہ جو روح پاکیزہ اللہ نے رحم یوسف میں ڈالی تھی۔ وہ اسی کے سبب پل بڑھ رہا ہے۔ مگر اس نے اسے بھی کامل چابکدستی کے ساتھ یونانی فلسفے کے (Holy Ghost) کے مترادف قرار دے کر باپ اور بیٹے کے ساتھ الوہیت میں شامل کر دیا کہ یہ بھی ایک الگ صفت ذات ابدی ہے جو نہ ذات اللہ ہے نہ اس سے الگ۔ یوں اس تثلیث کے عقیدے کی تخلیق ہوئی جو آج عیسائیت کا مسلم عقیدہ ہے۔

اس طرح رفع عیسیٰ کے ایک صدی کے اندر ان دونوں حضرات نے توحید سے شرک کی طرف رخ موڑ دیا اور دوسری جانب کسی بھی قانون شرعی سے محروم کر کے سیکولرزم کی راہ پڑ ڈال کر یہود سے بالکل کاٹ دیا اور اس کی اصلاحی صلاحیت سلب کر لی اور اتنا بے جان کر دیا کہ ہر تہذیب کے اثرات اس میں بے تکلف داخل ہوتے چلے جائیں یہاں تک کہ ۴۳ یا ۴۴ء میں جب سینٹ پال اور برناباس (جو حضرت عیسیٰ کا حواری اور ان کے اصل دین پر تھا) دونوں اپنے اپنے عقائد کی ترویج کے لیے انطاکیہ میں گئے تو وہاں کے باشندوں نے انھیں طنزاً مسیحی کہنا شروع کر دیا لیکن جب ان کے دشمنوں نے انھیں اسی نام مسیحی (Christion) کے نام سے پکارنا شروع کر دیا تو ان کے لیڈروں نے کہا وہ اگر تمھیں حضرت مسیح کی نسبت سے مسیحی کرتے ہیں تو شرمانے کی ضرورت کیا ہے۔ (اپطرس:۴:۱۶) رفتہ رفتہ پیروان مسیح علیہ السلام نے اسے اپنے نام کے طور پر قبول کر لیا۔

Marfat.com

رہبانیت

سینٹ پال اور پولوس کی اس ''سعی جمیلہ'' کے نتیجے میں حضرت عیسیٰ پر ایمان لانے والے لوگ اپنی تاریخ کی ابتدائی صدی ہی میں دو متحارب فرقوں میں منقسم ہو گئے۔ایک آپ کے حواریوں کے ذریعے تعلیمات عیسیٰ علیہ السلام سے متاثر ہونے والا فرقہ جو اپنی تعلیمات کی عملی مشکلات اور یہودی مخالفت کے سبب ہمیشہ قلیل تعداد میں رہا اور کبھی غالب عنصر کی حیثیت سے نہیں ابھر سکا اور دوسرا سینٹ پال اور پولوس کی تعلیمات سے متاثر ہونے والا طبقہ جس کی تعداد ہمیشہ بہت کثیر رہی۔اس لیے کہ یہ خیالات یونانی، رومی اور دوسری غیر یہودی مشرک اقوام کے لیے حضرت عیسیٰ کے حواریوں کی مبنی برحق تعلیمات کے مقابلہ میں کہیں زیادہ قابل قبول تھے۔اور غیر اقوام کے افراد کا ایک سیلاب عیسائیت میں داخل ہو رہا تھا۔حقیقی تعلیمات کے حامل افراد ان غلط خیالات کی تردید کے لیے مسلسل سرگرم عمل رہے مگر اس ریلے کے مقابلے میں ان کی ایک نہیں چلی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہر قوم سے ملاقات اس کی خرابیاں عیسائیت کو ملاقاتی تحفے کے طور پر دے جاتی۔عوام ہر دینی قید سے آزاد ہو کر سیکولرزم میں پختہ ہوتے چلے گئے۔حکومت بے سمت ہو گئی اور صرف مادی ترقی ہی مقصود حیات ٹھہری۔حکومت کسی بھی الہامی قانون کی گرفت سے بالاتر تھی اور ہر قانون سازی میں مختار تھی، مذہب ان کے نزدیک کلیسا کی حاضری اور چرچ کی رسوم کی حیثیت اختیار کر گیا۔

مذہبی حوالے سے تقدس کو اپنے لیے سمیٹنا مذہبی رہنماؤں کا واحد مقصد بن کر رہ گیا۔ظاہر داری کی عبادتوں اور دنیا سے بے رغبتی کی عیسوی تعلیم نے نظم حیات سے لاتعلق ہو کر ترک دنیا کے رجحانات کو جنم دینا شروع کیا ان رجحانات کو بدھ مت کے بھکشوؤں، ہندو جوگیوں، ایران کے مانویوں، قدیم مصری فقراء (Anehorites) سنیاسیوں کی تعلیمات اور افلاطون اور دوسرے یونانی فلسفیوں کی تعلیمات نے باقاعدہ رہبانیت کو پروان چڑھایا۔رفع عیسیٰ کے دو سو سال بعد تک عیسائیوں میں رہبانیت کا کوئی نشان نہیں ملتا۔رہبانیت کا آغاز مصر سے ہوا۔اس کا بانی سینٹ اینتھونی (St Anthonie) تھا۔یہ شخص ۲۵۰ء میں پیدا ہوا اور ۳۵۰ میں فوت ہوا۔یہ پہلا باقاعدہ راہب تھا۔اس نے پہلی خانقاہ فیوم کے علاقے میں پسپیر کے مقام پر قائم کی۔یہ مقام آج

Marfat.com

دیرالمیمون کہلاتا ہے۔ اس کے بعد مصر میں جابجا خانقاہیں تعمیر ہونے لگیں۔ پھر یہ سلسلہ شام، فلسطین، افریقہ اور یورپ تک میں پھیل گیا۔ ترک لذات، خواہشات کا قلع قمع کرنا نفس کو مارنا مقصود ٹھہرے۔ گندا رہنا اور جسم کو اذیتیں دینا روحانیت کا کمال ٹھہرے۔ رہبانوں کے نزدیک جسم کو پانی لگانا خدا پرستی کے خلاف خیال کیا جاتا تھا۔ جسم کی صفائی کو وہ روح کی نجاست خیال کرتے تھے۔ رہبانیت میں ازدواجی زندگی بالکل حرام خیال کی جاتی تھی۔ سینٹ جیروم کہتا ہے:

''عفت کی کلہاڑی سے ازدواجی تعلق کی لکڑی کو کاٹ پھینکنا سالک کا اولین کام ہے۔''

رہبانیت میں انتہائی غیر انسانی اور تکلیف دہ پہلو یہ تھا کہ روحانی ترقی کے لیے ماں باپ، بھائی بہنوں اور اولاد تک سے تعلق توڑنا ناگزیر تھا۔ ان رشتوں کی محبت گناہ سمجھی جاتی تھی۔ ایک شخص اگر خداوند خدا کی محبت چاہتا ہو تو اسے انسانی محبت کی وہ ساری زنجیریں توڑ دینا لازم تھیں جو اسے والدین، بہن بھائیوں اور بیوی بچوں کے ساتھ باندھتی ہیں۔ نفس کشی پاکیزہ زندگی کا کمال سمجھا جاتا تھا۔ ان کے نزدیک خواہشات کا بالکل مار دینا اس لیے ضروری سمجھا جاتا تھا کہ اس سے حیوانیت مضبوط ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک کسی طرح کی لذت کا حصول خواہ وہ جائز طریقے سے ہو گناہ تھا۔ سینٹ باسل ہنسنے اور مسکرانے تک کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ اس بدعت کے پرچار کرنے والے اکابر علما اور بزرگ ترین پیشوا تھے۔ تیسری صدی سے بعثت نبوی تک سینٹ اتھاناسیوس، سینٹ باسل، سینٹ گریگوری، سینٹ کرائی سوسٹم، سینٹ ایمبروز، سینٹ جِروم، سینٹ آگسٹائن، سینٹ بینیڈکٹ اور گریگوری اعظم جیسے لوگ خود راہب تھے اور رہبانیت کے علمبردار تھے۔ رہبانی خانقاہوں میں چونکہ راہب اور راہبائیں ایک ساتھ رہتے تھے۔ نفس کشی کی مشقوں میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر نہاتے بھی تھے اور بسا اوقات نفس کشی کی زیادہ سخت مشقوں میں ایک ہی بستر پر رات بھی گزارتے تھے۔ تو وہاں جنسی بے راہ روی سے مجتنب رہنا انتہائی مشکل تھا۔ اس شے نے آٹھویں صدی سے گیارہویں تک پہنچتے پہنچتے جو روپ دھارا اس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے کہ ہمیں تو یہاں بعثت کے وقت عرب میں عیسائیت سے گفتگو کرنا ہے۔ جس کے پس منظر کے طور پر عیسائیت کی تاریخ بیان کی جا رہی ہے۔ ورنہ قرون متوسط کی تصانیف ان شکایات سے مالا مال ہیں کہ راہبات کی خانقاہیں بداخلاقی کے چکلوں میں تبدیل ہو چکی ہیں اور پادریوں کے محرمات تک سے تعلقات قائم ہیں۔ ہم جنسیت وہاں پھیل رہی ہے۔

Marfat.com

جس تبدیلی کی نیو سینٹ پال اور پولوس نے بنیاد رکھی تھی۔ اس میں یونانی فلسفے اور یہودیوں کی محنتوں کا حصہ اور اہم کردار ہے۔ اس کی تصدیق کے لیے انسائیکلوپیڈیا برٹانکا میں ریورنڈ جارج ولیم ناکس کے ایک مضمون مسیحیت (Chrestianity) کا یہ اقتباس کافی ہے:

''عقیدہ تثلیث کا فکری سانچہ یونانی ہے اور یہودی تعلیمات اس میں ڈھالی گئی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ ہمارے لیے ایک عجیب قسم کا مرکب ہے۔ مذہبی خیالات بائبل کے اور ڈھلے ہوئے ایک اجنبی فلسفے کی صورتوں میں۔''

آخری توثیق

پولوسی نظریات کے سارے قبول عام کے باوجود حقیقی دین عیسوی پر اعتقاد رکھنے والے عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد تیسری صدی تک موجود تھی جو توحید کے خالص اعتقاد اور شریعت عیسوی پر قائم تھے۔ نہایت متقی اور دیانت دار تھے اور زر پرستی کی اس لعنت سے محفوظ تھے جو سینٹ پال اور پولوس کے خود ساختہ دین عیسائیت کی دین تھی۔ مگر چوتھی صدی ربع اول میں ۳۲۵ء میں منعقد ہونے والی نیقیہ کی کونسل نے پولوسی عقائد کو قطعی طور پر مسیحیت کا مسلّم مذہب قرار دے دیا۔ پھر رومی سلطنت نے عیسائیت کو اختیار کر لیا ور قیصر تھیوڈوسیس کے زمانے میں یہی مذہب رومی سلطنت کا سرکاری مذہب قرار پایا۔

اس کے بعد عیسائیت کے عقیدے تثلیث کی توجیحات پر اختلافات کا ایک ایسا باب کھلا جو آج تک بند نہیں ہو سکا۔ ریورند جارج ولیم باکس اپنے اسی مضمون میں جس کا حوالہ اوپر گزر چکا ہے۔ لکھتا ہے:

''باپ، بیٹا اور روح القدس کی اصطلاحیں یہودی ذرائع کی بہم پہنچائی ہوئی ہیں۔ آخری اصطلاح اگر چہ خود یسوع نے شاذ و نادر ہی کبھی استعمال کی تھی اور پال نے بھی جو اس کو استعمال کیا اس کا مفہوم بالکل غیر واضح تھا۔ تاہم یہودی لٹریچر میں یہ لفظ شخصیت کے اختیار کرنے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ پس اس عقیدہ کا مواد یہودی ہے۔ (اگر چہ اس مرکب میں شامل ہونے سے پہلے وہ یونانی اثرات سے مغلوب ہو چکا تھا۔) اور مسئلہ خالص یونانی۔ اصل سوال جس پر یہ عقیدہ بنا وہ نہ کوئی اخلاقی سوال تھا۔ نہ

Marfat.com

مذہبی، بلکہ سراسر فلسفیانہ سوال تھا۔ یعنی یہ کہ ان تینوں اقانیم (باپ، بیٹے اور روح) کے درمیان تعلق کی حیثیت کیا ہے؟ کلیسا نے اس کا جو جواب دیا وہ اس عقیدے میں درج ہے جو نیقیا کی کونسل میں مقرر کیا گیا تھا اور اسے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی تمام خصوصیات میں بالکل یونانی فکر کا نمونہ ہے۔''

حضرت عیسیٰ نے جیسا کہ ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں توحید کا درس دیا تھا اور آج عیسائیوں کی معتبر اناجیل اربعہ متیٰ، مرقس، لوقا اور یوحنا میں بھی کسی تثلیث کا کوئی اشارہ تک نہیں ملتا جس کے سبب توحید کے ساتھ، مسیح کی الوہیت اور روح القدس کی الوہیت پر یہ فلسفیانہ سوال فطری طور پر اٹھا۔ نیقیا کی کونسل کے مقرر کردہ عقیدے کے باوجود یہ سوال اتنا آسان نہیں تھا کہ اس کی تشریح پر سبھی مطمئن ہو جاتے۔ چنانچہ اسی سوال پر عیسائیت فرقوں میں بٹتی چلی گئی کہ سینٹ آگسٹائن نے جس کی وفات ۴۳۰ء میں ہوئی عیسائیوں کے ۸۸ فرقوں کو گنوایا ہے۔

انجیل اور مزید انحرافات

حضرت عیسیٰ کے عہد میں فلسطین میں سریانی زبان بولی جاتی تھی اور آپ نے اسی زبان میں اپنی دعوت دی۔ آپ نے اپنی دعوت کا آغاز زمین سے اٹھائے جانے سے تین سال پہلے کیا تھا۔ جب ان کو اللہ وحدہ لاشریک کی طرف سے ایسا کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس تین سال کے دوران انھیں یہود کی سخت مخالفت کا سامنا تھا۔ آپ نے اس عرصہ میں نازل ہونے والے احکام کو کسی کتاب کی صورت میں جمع کروایا یا نہیں اس کے بارے میں معلومات کا کوئی ذریعہ نہیں۔ تاہم اتنا پتہ چلتا ہے کہ ۳۲۵ء میں نیقیہ کی کونسل کے انعقاد تک حضرت عیسیٰ کی حیات طیبہ پر مختلف رسالے مرتب ہو چکے تھے۔ جن کی تعداد کوئی ایک سو انتیس کے لگ بھگ تھی۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کے حواریوں میں سے کسی نے اپنے طور پر آپ کی تعلیمات کو یادداشتوں کی صورت میں مرتب کیا ہو یا کچھ دوسرے لوگوں نے بھی انھیں زبانی طور پر یاد رکھا ہو۔ یہ سارے رسالے انہی زبانی یا تحریری یادداشتوں سے مرتب کیے گئے تھے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ان رسالوں کے مرتب کرنے والوں میں سے کوئی بھی نہ تو حضرت عیسیٰ کے حواریوں میں سے تھا نہ کسی مرتب نے یہ تذکرہ کیا تھا کہ اس نے یہ رسالہ کن لوگوں کی زبانی یا تحریری یادداشتوں سے مرتب کیا ہے۔ ماسوائے انجیل برناباس کے

Marfat.com

مصنف کے جس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں حضرت عیسیٰ کے ابتدائی حواریوں میں سے ایک ہوں۔ میں نے یہ واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اور آپ کے ارشاد اپنے کانوں سے سن کر مرتب کیے ہیں۔ مگر نیقیہ کی مجلس میں جب پولوسی اعتقادات کو عیسائیت کا مسلم مذہب قرار دے دیا گیا تو فطری طور پر وہی اناجیل اور دوسری کتب معتبر قرار پائیں۔ جنھیں کسی نہ کسی طرح کی تاویل کر کے ان خیالات کی تائید میں پیش کیا جا سکتا تھا۔ ۳۶۷ء میں پہلی مرتبہ اتھاناسیوس (Athanasius) نے ایک خط کے ذریعے مسلم کتابوں کے ایک مجموعہ کا اعلان کیا۔ پھر ۳۸۲ء میں پوپ ڈیمیس (Demesus) نے ایک مجلس میں جو اسی کی صدارت میں منعقد ہوئی اس مجموعہ کی توثیق کی اور آخر کار متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کی اناجیل اور سینٹ پال اور پولوس کے خطوط کے متن کی منظوری قرطاجنہ کی کونسل میں دی گئی جو ۳۹۷ء میں منعقد ہوئی۔

ان اناجیل اربعہ میں سے کوئی بھی کسی حواری کی لکھی ہوئی نہیں نہ ان میں کوئی انجیل سریانی زبان میں تحریر ہوئی۔ یہ سب کی سب یونانی زبان میں لکھی گئیں۔ اس طرح زبان کے اختلاف سے خیال کی تعبیر میں اختلاف واقع ہو جانا قدرتی بات ہے۔ ان اناجیل کا قدیم ترین جو نسخہ اس وقت دنیا میں موجود ہے۔ چوتھی صدی عیسوی کے وسط کا ہے۔ دوسرا نسخہ جو ناقص ہے پاپائے روم کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ یہ بھی چوتھی صدی سے قدیم نہیں ایک تیسرا مکمل نسخہ پانچویں صدی کا ہے۔ ان چاروں انجیلوں میں روایت باللفظ نہیں روایت بالمعنیٰ کا طریق اختیار کیا گیا ہے اور اس طرح معانی کے بدل جانے کا کھلا امکان ہے۔ چاروں انجیلوں کے بیانات میں اختلاف ہے۔ حتیٰ کہ پہاڑی کا وعظ بھی جو مسیحی تعلیم کی اصل بنیاد ہے۔ چاروں انجیلوں میں مختلف اور متضاد طریقوں سے بیان ہوا ہے۔ چاروں انجیلوں کے مصنفین کے اپنے خیالات ان میں نمایاں ہیں۔ مرقس جو ان میں غالباً سب سے قدیم ہے اور جو ۶۳ء اور ۷۰ء کے درمیان مرتب ہوئی۔ جس کا مصنف مرقس حضرت عیسیٰ کے حواری پطرس کا شاگرد تھا۔ اس انجیل میں مخاطب رومی معلوم ہوتے ہیں اور وہ انہی اسرائیلیات سے روشناس کرانا چاہتا ہے۔ لوقا جو ہارنک میکسگفرت اور پلومر جیسے محققین کے نزدیک ۸۰ء میں مرتب ہوئی۔ اس کا مصنف سینٹ پال کا وکیل نظر آتا ہے۔ متیٰ جو بعض مؤرخین کے نزدیک ۹۰ء کی تصنیف ہے۔ اس کے مصنف کے مخاطب یہودی معلوم ہوتے ہیں اور وہ ان پر اتمام حجت کرتا نظر آتا ہے اور یوحنا جو ہارنک کے نزدیک ۱۱۰ء کی

Marfat.com

مرتب ہے اس کا مصنف فلسفیانہ خیالات سے متاثر نظر آتا ہے۔ اس طرح ان چاروں انجیلوں میں لفظی اختلاف سے زیادہ معنوی اختلاف پایا جاتا ہے۔

یہ ہے اناجیل اربعہ کی تاریخی حیثیت جو آج عیسائی دنیا میں عہد نامہ جدید کے نام سے معتبر اور مسلم مانی جاتی ہیں۔ یہ موقع نہیں ہے کہ ان کے مضامین کے درمیان پائے جانے والے اختلافات لکھے جائیں۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کتاب اظہار الحق کے شرح ترجمے میں ان انجیلوں کے مندرجات میں اختلافات اور غلطیاں تفصیل کے ساتھ بیان کردی گئی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی پیدائش سے ۷۵ سال پہلے گلاسٹس اول کے زمانے میں ان کتابوں کی ایک فہرست شائع کی گئی جس میں ایک انجیل کا نام شامل ہے جس کا نام انجیل برناباس ہے۔ سولھویں صدی تک پوپ سکسٹس (Sixtus) کے کتب خانہ میں اس کا ایک مترجم نسخہ موجود تھا۔ یہ ترجمہ اطالوی زبان میں تھا اور کسی کو اس کے پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔ ایک شخص جان ٹولینڈ کے ہاتھوں یہ نسخہ کسی طرح ۱۷۳۸ء میں ویانا کی امپیریل لائبریری میں پہنچ گیا۔ ۱۹۰۷ء میں اسی نسخے کا انگریزی ترجمہ آکسفورڈ کے کلیرنڈن پریس سے شائع ہوگیا تھا۔ مگر بعد میں اس کے نسخے غائب کردیے گئے۔ جارج سیل نے اپنے انگریزی زبان میں شائع کردہ ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں اس کے ایک ترجمہ کا ذکر کیا ہے جو اٹھارویں صدی میں پایا جاتا تھا۔ یہ ترجمہ اسپینی زبان میں تھا اور اب اس کے تراجم مختلف زبانوں میں ملتے ہیں۔ یہ انجیل اس اعتبار سے نہایت اہم ہے کہ اس کا مرتب برناباس دعویٰ کرتا ہے کہ وہ مسیح کے اولین بارہ حواریوں میں سے ایک ہے۔ جبکہ موجودہ مسلم اناجیل اربعہ میں کسی کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ میں آپ کے حواریوں میں ہوں یا میں نے فلاں حواری سے سن کر اسے مرتب کیا ہے۔ اس کتاب میں حضرت عیسیٰ کے حالات ان اناجیل میں زیادہ تفصیل کے ساتھ اور زیادہ مربوط بیان ہوئے ہیں اور اس کا انداز بیان بھی ایسا ہے جیسے اس کا مصنف خود ان واقعات میں موجود تھا اور فی الواقع واقعات کا خود مشاہدہ کررہا ہے۔ مجھے خود اس کا ایک نسخہ دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ جسے میں نے لفظاً لفظاً پڑھا۔ مجھے کوئی وجہ ایسی نظر نہیں آئی کہ اس نعمت سے عیسائی دنیا نے خود کو کیوں محروم کرلیا ہے۔ سوائے اس کے کہ اس سے ان کے خود ساختہ مذہب کے تارو پود بکھرنے کا اندیشہ محسوس کرتے تھے۔ مسیحی لٹریچر میں جہاں کہیں اسے ایک جعلی انجیل قرار دیا گیا ہے۔ وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ کسی مسلمان نے اسے تصنیف کرکے برناباس سے

Marfat.com

منسوب کر دیا ہے۔ حالانکہ گلاسیس اول کے زمانے میں تو خود رسول اللہ ﷺ کی ولادت نہ ہوئی تھی۔

ان مذہبی کتب سے جو بجائے خود غیر مصدقہ تھیں، انحراف اور رہبانیت کے امتزاج نے جہاں اخلاقی اباحیت اور سیکولرزم کی ترویج کی۔ وہاں راہبوں کی غیر معمولی ریاضتوں اور نفس کشی کے کمالات اور تعویذ گنڈے کے کاروبار اور شعبدہ بازیوں نے عوام کو بڑا متاثر کیا اور نذرانوں کی بہتات نے ماسوائے چند کے خانقاہوں کو عموماً جلب دنیا میں اس حد تک بڑھایا کہ بڑے بڑے دنیا دار بھی ان کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکے۔ پانچویں صدی عیسوی کے آغاز میں روم کا بشپ بادشاہوں کی طرح محل میں رہتا تھا اور اس کی سواری کے ٹھاٹھ باٹھ خود قیصر کی سواری کے برابر ہوتے تھے نبی اکرم ﷺ کی بعثت تک خانقاہوں کی دنیا طلبی اور کلیسا کی دولت اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔

رومی اور یونانی تہذیبوں نے وحی الٰہی کی روشنی سے محروم اس عیسائیت کو ایک مشرکانہ تہذیب میں بدل دیا تھا اور اس میں قبور پرستی اور بت پرستی شروع ہوگئی تھی۔ صلیب کا نشان مذہبی نشان کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ جو مذہبی طبقہ اپنی چھاتی پر لگاتا تھا۔ حضرت عیسیٰ کے مجسمے کلیساؤں میں رکھے جاتے۔ ۴۳۱ء میں شہر افسس میں ایک کونسل منعقد ہوئی اور اس کونسل میں پہلی مرتبہ حضرت مریم کے لیے مادِ خدا کا لقب اختیار کیا گیا۔ یوں باپ، بیٹے اور روح القدس کے ساتھ مریم پرستی کا آغاز ہوگیا۔ بعثت نبوی تک پہنچتے پہنچتے حضرت مریم ان تینوں سے بھی بڑی دیوی بن چکی تھیں۔ ان کے مجسمے جگہ جگہ کلیساؤں میں رکھے جاتے تھے۔ ان کے آگے عبادت کی رسوم ادا کی جاتی تھیں۔ ان سے دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ وہی فریاد رس، مشکل کشا اور بے کسوں کا سہارا تھیں۔ انہی کی حمایت و سرپرستی کا حصول اعتماد کا سب سے بڑا سہارا سمجھا جاتا تھا۔ قیصر جسٹینین نے اپنے ایک قانون کی تمہید میں حضرت مریم کو اپنی سلطنت کی حامی و ناصر قرار دے رکھا تھا۔ اور قیصر ہرقل نے اپنے جھنڈے پر حضرت مریم کی تصویر بنا رکھی تھی۔ اگرچہ پروٹسٹنٹس نے مریم پرستی کو آج ترک کر دیا ہے مگر رومن کیتھولک کلیسا آج بھی مریم پرستی میں مبتلا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت عیسائیت اپنی ان ساری خرابیوں سمیت عرب کے قبائل میں موجود تھی اور رہبانیت اپنی ساری دنیا طلبی اور جنسی اباحیت سمیت موجود تھی۔ جا بجا راہبوں کی خانقاہیں موجود تھیں اور اپنے اسفار میں یہ قبائل ان کی مہمان نوازی سے مستفید بھی ہوتے تھے۔ وہ ان کی ریاضتوں سے متاثر بھی تھے اور انھیں احترام کی نظر سے بھی دیکھتے تھے۔

Marfat.com

ان کی شاعری میں رہبانوں کی مہمان نوازی کے چرچے بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ تاہم عیسائیت کا اس وقت دین عیسیٰ سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔ بلکہ یہ انسانی ذہن کا تراشیدہ ایسا دین تھا جس کی بنیادیں درج ذیل تھیں:

① توحید باری تعالیٰ پر ایمان کے دعوے کے ساتھ ساتھ عقیدہ تثلیث اور مریم پرستی، قبور پرستی اور رہبان پرستی۔

② کسی بھی ضابطہ شرعی سے محروم سیکولرزم۔

③ رہبانیت کے پردے میں جنسی بے راہ روی اور دنیا طلبی۔

④ روحانیت کے لیے انسانی تذلیل پر مبنی غیر اخلاقی اور غیر انسانی ریاضات۔

⑤ دین اور سیاست کے ایک دوسرے سے الگ ہونے کا تصور۔

⑥ کلیسا اور حکومت کا گٹھ جوڑ۔

اور یہ سب کچھ یہودیوں کی اس سازش کا نتیجہ تھا جو سینٹ پال اور پولوس کی صورت میں انھوں نے دین عیسیٰ کے خلاف پہلی صدی میں کی تھی۔

صابئیت

صابئی دو مختلف عقائد اور دو مختلف امتوں کے لوگ تھے۔ ایک وہ لوگ جو اپنے آپ کو حضرت یحییٰ کے پیروکار بتاتے تھے اور انہی کے طریقہ پر اصطباغ (بپتسمہ) کے طریقے پر عمل کرتے تھے۔ یہ لوگ الجزیرہ (عراق) میں اچھی خاصی تعداد میں پائے جاتے تھے اور دوسرے وہ لوگ جو اپنے آپ کو حضرت شیث بن آدم علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کی امت کہتے تھے۔ یہ دوسرا گروہ ستارہ پرست تھا۔ فی الواقع یہ کلدانیوں کا مذہب تھا۔ جن کی طرف ان کے شرک کو ختم کرنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا۔ یہ لوگ سات ستاروں (سورج، چاند، زہرہ، مشتری، عطارد، مریخ اور زحل) کے علاوہ بارہ برجوں کی تعظیم کرتے تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ سیاروں پر مختلف فرشتے فرماں روا ہیں اور عناصر پر سیاروں اور ستاروں کی فرماں روائی ہے۔ یہ لوگ باقاعدہ زائچے بناتے تھے اور ان کا خیال یہ تھا کہ انسانی طبائع، ان کی شخصیات اور ان کی قسمت اپنی پیدائش کے ستاروں کے ماتحت ہوتی ہے۔ یہ لوگ مشرک تھے۔ اپنے مندروں میں

Marfat.com

ان ستاروں اور برجوں کی تصاویر بناتے تھے ان کے ہاں ہر ستارے کے لیے الگ مندر بھی موجود تھا اور ان کے نزدیک ہر ستارے کے لیے مخصوص عبادات بھی تھیں۔ یہ لوگ حران میں رہتے تھے۔

محمود شکری آلوسی لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی طرح ان کے ہاں بھی پانچ نمازیں تھیں۔ یہ نمازیں وہ مکہ کی طرف منہ کر کے پڑھتے تھے۔ ان کے ہاں مکے میں جا کر حج کرنے کا عقیدہ بھی تھا۔ وہ لوگ رمضان کے مہینے میں روزے بھی رکھتے تھے۔ شادی بیاہ میں انہی رشتوں کو حرام قرار دیتے تھے جو مسلمانوں کے ہاں حرام ہیں۔ یہی سبب ہے کہ انھیں بغداد کی مسلمان حکومت میں مختلف مناصب پر مقرر بھی کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ بلال بن المحسن صابی دیوانِ انشاء کا افسر اور مشہور رسائل کا مصنف بھی ہے۔ صبا یصبوا عربی زبان میں اس وقت بولتے تھے جب یہ کہنا مقصود ہوتا کہ فلاں شخص نے اپنا مذہب چھوڑ کر کوئی دوسرا مذہب اختیار کر لیا ہے۔ چنانچہ بعثت نبوی کے بعد نبی اکرم ﷺ نے دین اسلام کی دعوت دینا شروع کی تو قریش طنزاً کہا کرتے تھے قد صبا ابن عبداللہ (عبداللہ کا بیٹا صابی ہو گیا) نیز وہ آپ کے صحابہ کو صباۃ کہتے تھے۔

مجوسیت

مجوسیت دراصل ایران کا مذہب تھا۔ وہ لوگ اپنے آپ کو زردشت کا پیروکار کہتے تھے۔ بعض لوگوں کا گمان ہے کہ زردشت پیغمبر تھا۔ اور اس کی تعلیمات خالصۃً توحید پر مبنی تھی۔ وہ فرشتوں اور یوم آخرت کا بھی اور جنت اور دوزخ کا بھی واضح تصور رکھتا تھا۔ مزدک نے جو ۲۱۵ء میں پیدا ہوا اس نے دو خداؤں کا تصور دیا اور مزدک نے جنسی اباحیت کو اتنا عام کیا کہ محرمات تک سے نکاح رواج پا گیا۔ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت ایران میں آتش پرستی کا رواج عام تھا۔ فریدون نے طوس میں اور بخارا میں آتش کدے تعمیر کیے بہمن نے سجستان میں ایک آتشکدہ تعمیر کروایا۔ ان آتشکدوں کے لیے زمینیں وقف تھیں۔ محافظ اور دربان مقرر کیے۔ آگ ان آتشکدوں میں مسلسل جلتی رہتی اور ایک لمحہ کے لیے بھی بجھنے نہ دی جاتی تھی۔ آگ کی عبادت کے طریق مقرر تھے۔

آتش پرستوں کے کئی فرقے تھے۔ ایک گروہ آگ کے گرد روزہ رکھ کر بیٹھتا تھا اور چلے کاٹتا تھا یہ لوگ رہبانیت کی طرف مائل تھے۔ یہ لوگ اچھے اخلاق مثلاً صدق، وفا، امانت

Marfat.com

داری، پارسائی عفت اور عدل کی ترغیب دیتے تھے۔

ایک گروہ آگ کی پوجا کرنے میں اس حد تک آگے چلا گیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو بھی اور اپنی اولاد کو بھی آگ پر قربان کر دیتے تھے۔ جبکہ ایک گروہ کے لوگ اگر چہ آگ کی پرستش کرتے تھے لیکن کسی نفس کے آگ میں ڈالنے اور آگ سے بدن کو جلانے کو حرام سمجھتے تھے۔

ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں لکھا ہے کہ مجوسیت کا رواج بنو تمیم میں تھا۔ اور زرارہ بن عدس تمیمی اور اس کا بیٹا حاجب بن زرارہ مجوسی تھے۔ حاجب بن زرارہ نے اپنی بیٹی سے شادی کر لی تھی مگر بعد میں نادم ہوا۔ اسی طرح اقرع بن حابس مجوسی تھے۔ بعد میں اسلام قبول کر کے آپ کے صحابہ میں شمار ہوئے۔ اسی طرح وکیع بن حسان کا دادا ابوالاسود بھی مجوسی تھا۔

عرب کے مشرق میں لخمی سلطنت کے اثر ہی سے یہ مذہب انہی قبائل میں پھیلا جوان کے زیر اثر تھا۔ ۵۷۵ء کے بعد یمن کی سلطنت بھی ایرانی سلطنت کے زیر اثر آ گئی مگر آپ کی بعثت تک کے ۳۶ سالوں میں اس جانب اکا دکا لوگوں کے سوا کسی نے بھی اس دین کو قبول نہیں کیا۔ البتہ قریش میں بعض ایسے لوگ پائے جاتے تھے جو مجوسی تو نہ تھے تاہم خیر اور شر کے دو الگ خداؤں کے قائل تھے۔ قریش انھیں زندیق کہتے تھے اسی طرح قریش ان لوگوں کو بھی زندیق کے لقب سے یاد کرتے تھے جو آخرت اور ربوبیت پر یقین نہ رکھتے تھے۔

مجوسیوں کا خیال یہ تھا کہ اصل خالق دو ہیں۔ ایک خیر کا خالق اور یہ نور ہے اور ایک شر کا خالق اور یہ ظلمت ہے۔ وہ ان دونوں کو ازلی اور ابدی مانتے تھے۔ قوی اور حساس اور ادراک کے مالک مانتے تھے اور انھیں سمیع وبصیر مانتے تھے۔ کچھ لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ حق سبحانہ ایک مدت تک تنہا رہا اور اداس ہو گیا۔ لہٰذا اس کے دل میں برا خیال آیا (العیاذ باللہ) اور یہ خیال جسمیت اختیار کر کے تاریکی بن گیا پھر اس سے ابلیس پیدا ہوا۔ (اردو ترجمہ بلوغ الارب: ۱۳۱/۳)

نبی اکرم ﷺ نے انھیں اہل کتاب میں شمار نہیں فرمایا چنانچہ ہجر کے مجوسیوں کو آپ نے جو نامہ مبارک تحریر فرمایا اس میں لکھوایا تھا:

"فان اسلتم فلكم مالنا وعليكم ماعلينا ومن ابى فعليه الجزية غير اكل ذبائهم ونكاح نساهم۔

"اگر تم اسلام قبول کرو گے تو تمھارے حقوق وہی ہوں گے جو ہمارے ہیں۔ اور

Marfat.com

تمھارے فرائض وہی ہوں گے جو ہمارے ہوں گے۔ اور جو لوگ تم میں سے انکار کریں گے۔ ان پر جزیہ عاید کر دیا جائے گا۔ مگر نہ ان کا ذبیحہ کھایا جائے گا اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے گا۔"

دہریت

عرب قبائل میں یہودی عیسائی اور مجوسی ادیان کو قبول کرنے والے قبائل کے علاوہ چند بکھرے ہوئے قلیل التعداد افراد کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جو دہریہ خیالات کا حامل تھا۔ یہ لوگ سرے سے یہی نہیں مانتے تھے اس کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ سب کچھ محض مادے کی ہیجان کا نتیجہ ہے یا ایک حادثہ ہے۔ کسی علیم و بصیر ہستی کی صناعی کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ چونکہ یہ کائنات حادثاتی طور پر وجود میں آئی ہے لہٰذا اس کا اختتام بھی حادثاتی ہوگا۔ مر کر کوئی شخص دوبارہ زندہ نہیں ہوگا نہ اسے کسی خبیر ذات کے سامنے جواب دہی کرنی ہوگی۔ لہٰذا جتنا کچھ تمھیں کرنا ہے اس دنیا میں کرلو۔ اپنی محنتوں کا پھل اسی دنیا میں سمیٹنے کی کوشش کرو۔ یہاں کی خوشی اور مسرت کا حصول ہی مقصود کائنات ہے۔ اور تعیشات ہی کمال زیست ہیں ع

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

یہاں ہم مزید وضاحت کے لیے علامہ محمود شکری آلوسی کی کتاب بلوغ الارب کے اردو ترجمہ سے دہریت پر ان کے نوٹ سے چند اقتباسات نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں:

"عربوں میں ایک قسم دہریوں کی تھی۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے مصنوعات کو صانع سے بالکل الگ تھلگ قرار دے رکھا تھا۔ ان لوگوں کا قول جیسا کہ خدا تعالیٰ نے بیان کیا ہے یہ ہے:

﴿ان ھی اِلَّا حیاتُنا الدُّنیا وَمَا یُھلِکُنَا اِلَّا الدَّھرُ﴾ (الجاثیہ:۲۴)

"کہ زندگی تو صرف دنیا کی زندگی ہے۔ ہم مرتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں اور ہمیں زمانے کے سوا کوئی چیز ہلاک نہیں کرتی۔"

پھر علامہ صاحب ان کے دو فرقوں کا ذکر کرتے ہیں اور زیادہ مقبول فرقے کے خیالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

Marfat.com

''اشیا کی قطعاً کوئی ابتدا نہیں ہے۔ اشیا تو صرف قوت سے فعل کی طرف نکل آتی ہیں۔ لہٰذا جو چیز پہلے بالقوہ ہو جب وہ فعل کی طرف نکل کر آئے تو اشیا کے مرکبات اور بسائط تو خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ کسی اور چیز سے نہیں پیدا ہوتے۔ نیز وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جہاں ازل سے ہے اور اسی طرح ابد تک چلتا رہے گا نہ ہی اس میں تغیر ہو گا اور نہ ہی اس کے فعل کے باوجود اسے زوال ہو گا اور یہ جہاں خود ہی ان اجزاء کو جو اس کے اندر مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہے۔''

شہرستانی کی کتاب الملل والنحل میں دہریہ سے بحث کی گئی ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ یہ لوگ ہیں جنھوں نے خلق کے دوبارہ زندہ کیے جانے اور لوٹائے جانے کا انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں طبیعت (فطرت) زندہ کرنے والی ہے اور زمانہ فنا کرنے والا ہے......'' آمدی نے اپنی کتاب ابکار الافکار میں طبیعت کے ماننے والوں کے ساتھ بہت لطیف بحث کی ہے۔

''جو لوگ دہر کے معتقد ہیں انھوں نے اس کے لیے صفات کمال بھی ثابت کی ہیں مثلاً علم، قدرت وغیرہ۔''

''دہر کو ماننے والوں اور طبیعت پر اعتقاد رکھنے والوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے ان میں فرق روا رکھا ہے۔''

قرآن مجید سمیت ساری ہی آسمانی کتابیں اس بات پر متفق ہیں کہ یہ سارے ہی انسان ایک باپ آدم ایک ہی ماں حواء کی اولاد ہیں اور یہ کہ آدم علیہ السلام کو بذریعہ وحی دین کی تعلیم عطا کی گئی تھی۔ وہ توحید باری تعالیٰ کے قائل تھے انھیں اپنی اولاد کے لیے رسول کا درجہ حاصل تھا۔ انھوں نے اپنی اولاد کو اس کی تعلیم بھی دی۔ یہی سبب ہے کہ اولاد آدم میں سے کوئی قوم یا انسانوں کی کوئی ہیئت اجتماعی ایسی نہیں گزری ہے جو بحیثیت مجموعی خدا کی منکر رہی ہو۔ البتہ منتشر افراد یا چھوٹے چھوٹے فلسفیانہ گروہ ایسے ضرور گزرے ہیں جو وجود باری کا انکار کرتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شرک ہو یا دہریت کسی کی بنیاد بھی یقین پر نہیں ہے۔ اس لیے کہ یقین کی بنیاد علم پر ہے اور علم خدا کے وجود کا انکار کبھی نہیں کرتا۔ جس نے بھی شرک یا دہریت کو اختیار کیا ہے اس نے محض قیاس و گمان پر اس کی عمارت کھڑی کی ہے۔ جس کی بنیاد شک کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور شک حقائق کائنات سے کبھی بے نیاز نہیں کر سکتا۔

Marfat.com

مشرکین عرب

جزیرہ نمائے عرب میں پھیلے ہوئے اکثر قبائل حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی اولاد تھے۔ اگرچہ بعض ماہرین انساب کی رائے یہ ہے کہ تقریباً سارے ہی قبائل حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے تاہم اس بات سے انکار ممکن نہیں ہے کہ جنوبی عرب خصوصاً یمن میں جرہم، سبا اور حمیر اسماعیلی نہیں تھے اسی طرح جنوب سے ہجرت کر کے وسطی یا شمالی عرب میں سکونت اختیار کرنے والے بعض قبائل غیر اسماعیلی تھے۔ جیسے ازد اور طے وغیرہ تاہم وسطی عرب اور شمالی عرب میں سارے ہی قبائل اسماعیلی تھے۔ دو پیغمبروں کی اولاد ہونے اور ان پر ایمان کا دعویٰ کرنے کے سبب یہ مسلم ہی تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے تھوڑے ہی عرصہ بعد شاید وہ صحف ابراہیم اور فرمودات اسماعیل علیہ السلام کو گم بھی کر بیٹھے تھے اور فراموش بھی۔ اور اسماعیل علیہ السلام کے بعد سے لے کر بعثت نبوی تک تقریباً چوبیس صدیوں میں ان کے ہاں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔ تاہم یہ عجیب بات ہے کہ جنوب اور شمال کی مشرک اقوام سے میل جول کے باوجود وہ دوسری صدی عیسوی کے آغاز تک شرک میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہے۔ ہوسکتا ہے کہ انھوں نے مکہ سے منتشر ہوتے وقت جو قبائل مکہ مکرمہ سے نکلے ہوں وہ بیت اللہ کی محبت میں اپنے ساتھ یہاں سے کچھ پتھر بھی لے گئے ہوں اور انھیں کعبہ قرار دے کر ایام حج میں ان کے گرد احرام باندھ کر طواف بھی کر لیتے ہوں جیسا کہ بعض مسلمان سیرت نگاروں نے لکھا بھی ہے۔ تاہم اس مشرکانہ فعل کے باوجود ان میں کوئی اعتقادی یا عملی شرک کے کوئی آثار نہیں ملتے۔ شرک بحیثیت اعتقاد اور باقاعدہ دین کی حیثیت سے عمرو بن لحی کی سعی نامسعود سے پہلی صدی عیسوی کے آخر یا دوسری صدی عیسوی کے ابتدائی دور میں رائج ہوا۔ یہ خزیمہ بن مدرکہ کا دور تھا۔ الیاس جو خزیمہ بن مدرکہ اور عمرو بن لحی دونوں کے دادا ہیں ان کے بارے میں یہ بات مسلم ہے کہ وہ دین ابراہیمی پر تھے۔ نیز یہ کہ خذیمہ کے بیٹے کنانہ کی اولاد میں ایک نام عبد مناۃ بن کنانہ ہے۔ یہ پہلا مشرکانہ نام ہے جو اولاد عدنان میں ملتا ہے۔ اس سے پہلے ایسا کوئی نام بھی میسر نہیں آتا۔

عمرو بن لحی ہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے شرک کی ابتداء کے طور پر تلبیہ کے اندر الا شریکا ھو لک تملکه وما ملك کا بظاہر بے ضرر سا جملہ بڑھایا۔ اور جب وہ

Marfat.com

ہضم ہو گیا تو شمال اور جنوب کی مشرک اقوام سے مختلف بت لا کر مختلف مقامات پر نصب کیے۔ پھر ان بتوں کے لیے عبادات کے طریق مقرر کیے۔ اور یہ ابتداء آپ ﷺ کے دور تک پہنچتے باقاعدہ ایک منظّم صورت اختیار کر گئی۔ مکہ کو چونکہ اسماعیلی قبائل کے ہاں ہمیشہ ایک روحانی مرکز کی حیثیت حاصل رہی تھی لہٰذا بہت جلد نجد، احساء حجاز اور تھامہ میں پھیلے ہوئے سارے ہی قبائل نے اس دین کو اپنا لیا اور یہ دعویٰ کرنے لگے کہ ہم نے دین ابراہیمی سے کوئی انحراف نہیں کیا بلکہ ہم اب بھی دین ابراہیمی پر ہیں۔

توحید

عرب کے مشرک قبائل اگرچہ شرک کے ایک منظّم دین میں جکڑے ہوتے تھے۔ ملک بھر میں بتوں کے استھان تھے اور بت نصب تھے مگر اولاد ابراہیم علیہ السلام ہونے کے ناطے سے نہ صرف اللہ کا تصور رکھتے تھے بلکہ اسے اور اس کی صفات اور اختیارات کو واضح طور پر جانتے اور مانتے تھے۔ قرآن مجید میں اس کی تائید ملتی ہے۔ وہ یہ بات تسلیم کرتے تھے کہ اس کائنات کا خالق اللہ ہے۔ اسی نے چاند سورج ستاروں اور سیاروں کو اپنے اپنے مدار پر قائم رکھتے ہوئے خدمت پر لگایا ہوا ہے۔

﴿وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ (العنکبوت:۶۱)

”اور اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے اور کس نے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا ہے۔ تو یقیناً کہیں گے کہ اللہ نے۔ پھر انھیں کدھر سے جھوٹ پر لگایا گیا ہے۔“

وہ یہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ وہی بارش برساتا ہے اور اس بارش کے ذریعے زمین کو دوبارہ اللہ ہی زندہ کرتا ہے۔

﴿وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ (العنکبوت:۶۳)

”اور اگر تو ان سے پوچھے کہ کس نے آسمان سے پانی برسایا اور اس کے

Marfat.com

ذریعہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیا تو وہ یقیناً کہیں گے کہ اللہ نے۔ کہو سب اختیارات اللہ کے ہیں مگر ان میں سے اکثر نہیں سمجھتے۔"

انھیں اس بات کا بھی اعتراف تھا کہ خود ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا ہے۔

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾

(الزخرف:۸۷)

"اور اگر تم ان سے پوچھو کہ انھیں کس نے پیدا کیا ہے تو وہ یقیناً کہیں گے کہ اللہ نے پھر وہ کہاں سے دھوکا میں مبتلا ہیں۔"

وہ یہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ انھیں اللہ ہی آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے۔ ہماری سماعت اور بصارت تک پر اختیار رکھتا ہے۔ وہی زندہ کو مردہ میں نکال سکتا ہے۔ اور زندہ سے مردہ نکالتا ہے۔ وہی اس کائنات کے ہر معاملہ کی تدبیر کرتا ہے۔

﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ (یونس:۳۱)

"کہو تمھیں آسمان اور زمین میں سے رزق کون دیتا ہے۔ سماعت اور بصارت کس کی ملکیت اور زندہ کو مردہ میں سے کون نکالتا ہے اور مردہ میں سے زندہ کو کون نکالتا ہے اور کون معاملات کی تدبیر کرتا ہے۔ وہ کہیں گے کہ اللہ۔ تو کہو کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔"

وہ یہ بھی مانتے تھے کہ زمین و آسمان اور ان میں موجود ہر چیز کا مالک اللہ ہے۔ وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ ہر شے کی ملکیت اس کی ہے۔ وہ ہر کسی کے خلاف پناہ دے لیتا ہے مگر اس کے خلاف کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔

﴿قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ

Marfat.com

السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِO سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ O قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَO سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ﴾ (المومنون:۸۴تا۸۹)

''ان سے کہو، بتاؤ اگر تم جانتے ہو، کہ زمین، اس کی ساری آبادی کس کی ہے یہ ضرور کہیں گے اللہ کی۔ کہو پھر تم ہوش میں کیوں نہیں آتے؟ ان سے پوچھو ساتوں آسمان اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ یہ ضرور کہیں گے اللہ۔ کہو پھر تم ڈرتے کیوں نہیں ہو؟ ان سے کہو بتاؤ اگر تم جانتے ہو کہ ہر چیز پر اقتدار کس کا ہے اور کون ہے جو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا یہ ضرور کہیں گے کہ یہ اللہ ہی کے لیے ہے۔ کہو پھر کہاں سے تم کو دھوکا لگتا ہے۔''

قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیات یہ بات واضح کر دیتی ہیں کہ مشرکین عرب آپ کی بعثت کے وقت بھی کائنات کا واحد خالق، اس کا مالک، اس کا مدبر الامر صرف اللہ کو مانتے تھے اور اپنے کسی معبود کو بھی ان معاملات میں اللہ کا شریک نہیں ٹھہراتے تھے۔ وہ اللہ کو رزاق تسلیم کرتے تھے اور اس کے اقتدار اعلیٰ کے قائل تھے۔ یہ مشکوٰۃ نبوت کی تعلیمات تھیں۔ جو زمانے کے طویل سفر میں بھی ان کے ہاں بدلی نہیں تھیں۔

دین ابراہیمی کی باقیات

مشرکین عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام سے چوبیس صدیوں کے طویل بعد میں ان کی ساری تعلیمات بھلا چکے تھے۔ ان کا پورا معاشرہ مشرکانہ معاشرہ میں تبدیل ہو چکا تھا۔ وہ دین ابراہیم پر ہونے کے زعم میں مبتلا تھے۔ جبکہ ان کا پورا تمدن دین اسماعیل علیہ السلام کی بجائے اپنے اکابر اور سرداروں کی نت نئی ایجاد کردہ رسوم کا مجموعہ بن گیا تھا۔ جن کا اس دین حق سے دور کا واسطہ بھی نہیں تھا جو اللہ کی جانب سے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کے والد بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ تاہم ان کے ہاں بعض مذہبی اور تمدنی رسوم ایسی پائی جاتی تھیں جو یقیناً دین ابراہیمی کی باقیات تھیں۔

Marfat.com

یہ کہ وہ ہر سال حج کرتے تھے اور یہ سنت ابراہیم تھی۔ اگرچہ یہ حج اپنی اصلی روح سے محروم ہو چکا تھا اور ایک سالانہ میلے کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ تاہم سات طواف کرتے اور حجر اسود کو بوسہ دیتے تھے۔ سعی کرتے اور اس کے شوط بھی سات ہی رکھتے تھے۔ وقوف، منیٰ، وقوف عرفات کرتے اگرچہ آخر میں قریش حمس کے عقیدے کے سبب اس سے محروم ہو گئے تھے۔ مگر باقی قبائل میدان عرفات ہی میں وقوف کرتے تھے۔ واپسی پر رات مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے۔ دس ذی الحجہ کو منیٰ میں آ کر رمی جمار کرتے تھے قربانی دیتے اور حلق کرتے تھے۔ حج کے دوران تلبیہ پڑھتے تھے۔ جس کے الفاظ یہ تھے:

لبيك اللهم لبيك لبيك لا شريك لك

''میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں۔''

البتہ عمرو بن لحی نے اس میں اتنا اضافہ کر دیا تھا: الا شريكا هو لك تملكه وما ملك ''سوائے اس شریک کے جو تیرا غلام ہے۔ تو اس کا بھی مالک ہے اور اس کے اختیارات کا بھی۔'' دوران حج وعمرہ احرام باندھتے تھے۔

وہ روزہ رکھتے تھے۔ رمضان مبارک میں کسی غار میں جا کر اعتکاف کرنے کا بھی ان میں رواج تھا اور ہر نسل میں کوئی نہ کوئی ایسا آدمی رہا ہے جو یہ اعتکاف کرتا۔ اسے تحنث کہتے تھے جو تحنف کی بدلی ہوئی شکل ہے اور اس کے معنی ہیں دین حنیف اختیار کرنا۔ نبی اکرم ﷺ کے دادا عبدالمطلب رمضان مبارک میں غار حرا میں تحنث اختیار کرتے تھے۔ خود نبی اکرم ﷺ بھی قبل نبوت کئی سال تحنث کرتے رہے اور آخری بار اسی تحنث میں آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی۔

وہ بعض سنن ابراہیمی پر سختی سے قائم تھے۔ وہ ختنہ کرتے تھے۔ داڑھی رکھتے تھے اور شہپر کترواتے تھے۔ زیر ناف بالوں کو تراشتے اور بغلوں کو صاف کرتے تھے۔ ناخن تراشتے تھے۔

ان مذہبی رسوم کے علاوہ بعض تمدنی رسوم بھی باقیات دین حنیف میں سے تھیں وہ اپنی بیویاں نکاح کر کے لاتے تھے اور اس میں وہی طریق اختیار کرتے تھے جسے اسلام نے قائم رکھا ہے۔ حضرت عائشہ کی روایت ہے۔ قبل اسلام میں بھی نکاح کا وہی طریق تھا جو آج اسلام میں ہے۔ نکاح فریقین کے اولیاء کی اجازت سے ہوتا تھا۔ نکاح علانیہ ہوتا۔ گواہ قائم کیے جاتے۔ حق مہر مقرر کرتے اور خطبہ نکاح دیا جاتا۔ حیض اور نفاس کو ناپاکی تصور کرتے اور ان سے فارغ ہو کر عورتیں

Marfat.com

پاکیزگی اختیار کرتیں۔ ان ایام میں عورتوں سے ہم بستری نہ کرتے تھے۔ غسل جنابت کرتے تھے۔

بچے کی پیدائش پر ساتویں دن بچے کا سر منڈواتے۔ اس کا نام رکھتے اور عقیقہ کرتے تھے۔ اپنے مُردوں کو غسل دیتے کفن پہناتے اور دفن کرتے تھے۔ رزق کے معاملے میں حلت و حرمت کا ایک دھندلا سا تصور بھی ان کے ہاں موجود تھا۔ البتہ حلت و حرمت کے فیصلے وہ خود کیا کرتے تھے۔ سود ان کے ہاں رائج تھا مگر اسے حرام جانتے تھے۔ لونڈیوں سے وہ بدکاری کا پیشہ کرواتے تھے اور اس کی کمائی بھی کھاتے تھے مگر اسے حرام سمجھتے تھے اور اسے مہر البغی کے ذلت آمیز نام سے یاد کرتے تھے۔ ظلم و زیادتی اور دھوکے سے حاصل کیے ہوئے مال کو حرام سمجھتے تھے مگر کھاتے تھے۔ یہ اس طرح کے ہر مال کو حرام سمجھتے تھے۔ تبھی تو ہمیشہ تعمیر کعبہ کے وقت جو قبل بعثت ہوتی تھی۔ نبی اکرم ﷺ کے والد بزرگوار کے ماموں ابو وہب بن عمرو بن عائذ نے قریش کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: ''اے قریش کے لوگو! اس تعمیر میں اپنی حلال کی کمائی لگاؤ۔ اس میں زنا کی کمائی، سود کی کمائی یا ظلم کی کمائی داخل نہ ہونے پائے۔'' اسی طرح ان کے نزدیک نکاح کے لیے تقریباً وہی رشتے حرام سمجھے جاتے تھے جنھیں اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔

اوصاف حمیدہ

ہر دین میں جھوٹ خلق قبیح گنا گیا ہے اور صدق اخلاق حسن۔ تعلیمات ابراہیمی میں سچائی پر بہت زور دیا گیا ہے۔ صدق ان عربوں میں اپنے آبا سے وراثت میں آیا تھا۔ اور صحرا نوردی کی آزادی اور زندگی سخت کوشی نے اسے جلا بخشی تھا۔ عرب مشرکین جھوٹ بولنے کو ایک بہت بڑا عیب گنتے تھے اور حق یہ ہے کہ کوئی آزاد قوم جھوٹ کی عادی نہیں ہوتی۔ جھوٹ تو دون ہمتی کی پیداوار اور غلامی کی علامت ہے۔ عرب جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ یہاں تک کہ عرب شعرا اپنے قصائد میں تشبیب کے اشعار میں اپنی حقیقی محبوبہ کا نام لے کر اشعار کہتے تھے اور جو شعرا معاشقے کی لعنت سے بچے ہوئے تھے وہ کسی خیالی محبوبہ کا نام لینے کی بجائے اپنی بیوی کا نام لے کر اشعار کہتے تھے۔ ان کے صدق کا عالم یہ تھا کہ سات ہجری میں جب ہرقل کے نام آپ کا نامہ مبارک پہنچا تو اس نے آپ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے ابوسفیان بن حرب بن امیہ بن عبدالشمس سے آپ کے بارے میں سوالات کیے تو انھوں نے آپ کی خوبیوں کا کھل کر اعتراف

Marfat.com

کیا۔ حالانکہ ان دنوں آپ کے اور اہل مکہ کے درمیان دشمنی تھی اور اس کا تقاضا یہ تھا وہ صریح نہ سہی آپ کے خلاف کوئی دروغ مصلحت آمیز ہی بول جاتا۔ مگر ایسا کرنا عربی روایات کے خلاف تھا۔ حد یہ کہ کسی خاندانی آدمی کے بارے میں یہ تصور نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔ غزوہ حنین میں آپ نے سخت وقت میں پکار کر کہا تھا:

انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب

''میں نبی ہوں جھوٹ نہیں کہتا میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں۔''

اخلاص

صدق اور اخلاص دونوں لازم ملزوم صفات ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک آدمی سچا تو ہو مگر مخلص نہ ہو۔ مشرکین عرب اس صفت میں بہت مشہور تھے اور یہ قبائلی زندگی کی مجبوری بھی تھی۔ وہ دوستی اور دشمنی میں بہت واضح تھے۔ دونوں صورتوں میں ان کی پہچان بہت آسان تھی۔ منافقت نام کی کوئی شے ان میں نہیں تھی۔ وہ کسی کے ساتھ ہوتے تو پورے اخلاص کے ساتھ اور کسی کے ساتھ دشمنی کرتے تو پوری قوت کے ساتھ۔ عمرو بن کلثوم ثغلبی نے اپنے معلقہ میں اپنے قبیلے کی مدح کرتے ہوئے اسی صفت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے ؎

وانا الناصمون اذا اطعنا
وانا العازمون اذا عصینا

''ہماری اطاعت اختیار کر لی جائے تو ہم حفاظت کرتے ہیں۔ اور اگر ہماری بات نہ مانی جائے تو ہم چڑھ دوڑنے والے ہیں۔''

وفا ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ کسی کو اپنے ہاں پناہ دیتے تو اس کی حفاظت اپنے بیوی بچوں کی طرح کرتے تھے۔ ایسے واقعات ان کے ہاں موجود ہیں کہ ایک سردار کے والد کو قتل کر دیا گیا۔ قاتل معلوم نہ تھا۔ وہ قاتل کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ ایک دن ایک شخص اس کے دروازے پر آیا اور اس سے پناہ طلب کی اور اس نے پناہ دے دی۔ اس کے ہاں رہتے ہوئے وہ شخص اس کے حسن سلوک سے متاثر ہوا اور اس نے پوچھا آپ روزانہ کہاں نکل جاتے ہیں۔ اس نے جواب میں اسے بتایا کہ میرا باپ قتل ہو گیا ہے اور قاتل معلوم نہیں ہے میں اسے تلاش کرنا

Marfat.com

چاہتا ہوں۔اس کے استفسار پر جب اس نے اپنے باپ کے قتل کا دن، جگہ اور دوسری نشانیاں بتائیں تو اس شخص نے افسوس کے ساتھ اسے بتایا کہ اس کا قاتل میں ہوں۔ یہ سن کر اس کے غصے کی انتہا نہ رہی مگر اس نے اپنی امان برقرار رکھی اور اسے کہا میں تمھیں پناہ دے چکا ہوں اور اس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔تم چاہو تو یہیں رہو۔ مگر میری درخواست ہے کہ تمھیں اب کوئی خطرہ نہیں تمھیں خطرہ مجھی سے تھا۔اور میں پناہ دے چکا ہوں۔ میں تم پر کبھی حملہ نہیں کروں گا۔تم گھر چلے جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھیں دیکھ کر مجھے والد یاد آ جائے تو میں اپنی امان کی خلاف ورزی نہ کر بیٹھوں۔ہاں اگر تمھیں کسی اور سے خطرہ ہو تو مجھے اطلاع دینا۔ میں مدد کو پہنچوں گا۔

اس سلسلہ میں سموئیل بن عادیا کی وفاداری تو ضرب المثل ہے۔جس کے پاس امرئ القیس کی زرہیں امانت تھیں۔اس نے بیٹے کا قتل گوارا کر لیا مگر حیرہ کے بادشاہ کو وہ زرہیں نہیں دیں۔

مہمان نوازی

صحرائے عرب میں جہاں دور دور تک پانی کا حصول تک مشکل تھا۔مسافروں کے لیے کسی کی میزبانی سے لطف اندوز ہوئے بغیر سفر کرنا اگر محال نہیں تھا تو مشکل ضرور تھا۔اور قبائل کے لوگوں کو اکثر ایسے اسفار سے سابقہ پیش آتا رہتا تھا۔لہٰذا ان میں مہمان نوازی کی عادت سی ہوگئی تھی۔ ہر آدمی ہر وقت مہمان کو خوش آمدید کہنے کے لیے تیار رہتا تھا۔اکثر رات کے وقت اپنے خیموں کے سامنے آگ روشن کیے رہتے تاکہ مسافر رات کے وقت آگ کو دیکھ کر ان کے خیمہ تک آسکے۔اس آگ کا تذکرہ وہ اپنے اشعار میں نہایت فخر سے کرتے ہیں۔کوئی اگر کسی عرب سے یہ پوچھ لیتا کہ مجھے مہمان رکھو گے؟ تو یہ صاحب خانہ کی توہین کے مترادف سمجھا جاتا۔مہمان کہیں بھی کوئی خیمہ دیکھ کر بے تکلف چلا آتا اور اس کی بھرپور خاطر تواضع کی جاتی بلکہ بسا اوقات مہمان کے لیے اتنا اہتمام کیا جاتا کہ وہ بے جا تعلّی کے زمرہ میں آتا۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنے ایک ایسے ہی سفر کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور ایک ساتھی سفر پر تھے سورج غروب کے قریب تھا کہ ہمیں ایک خیمہ دکھائی دیا۔جس کے دروازے پر ایک عورت بیٹھی تھی۔عورت جان کر ہم نے پوچھ لیا کہ مہمان ٹھہرالو گی؟ مرد ہوتا تو شاید ہم یہ پوچھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کرتے۔اس نے جواب دیا کیوں میں عرب نہیں ہوں؟ ہم اس کے ہاں ٹھہر گئے۔رات کو اس کا میاں آ گیا۔وہ ہمارے لیے ایک اونٹنی ذبح کر کے لے آیا۔ہم

Marfat.com

نے گوشت بھون کر کھایا اور ان کے ہاں سے دودھ پیا اور سو گئے۔ رات کو بارش شروع ہو گئی جو کئی روز تک رہی اور ہمیں رکنا پڑا۔ صبح ایک اور اونٹنی ذبح کر کے لے آیا ہم نے کہا بھئی ابھی تو رات کا گوشت باقی ہے۔ اس نے کہا عرب یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کا مہمان باسی گوشت کھائے۔ ہمیں وہاں دو تین روز رکنا پڑا اور وہ صبح و شام تازہ گوشت پیش کرتا رہا۔ جس دن بارش تھمی ہم نے دانستہ انتظار کیا کہ جب وہ اپنے مویشی لے کر چلا جائے ہم تب روانہ ہوں گے۔ روانگی کے وقت میں نے درہموں کی بھری ایک تھیلی یہ کہہ کر خاتون خانہ کے حوالے کی کہ یہ ہمارے بھائی کی امانت تھی اسے پہنچا دینا۔ ہم ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ ہمیں اپنے پیچھے دوڑتے گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی ہم نے دیکھا کہ ہمارا میزبان چلا آ رہا ہے۔ اس نے تیر چلے پر چڑھایا ہوا ہے۔ اس کی غصے میں کانپتی آواز سنائی دی۔ ایھا الرکب اللئام قفوا ۔ او کمینے سوار و رک جاؤ۔ اس نے قریب آ کر تھیلی ہماری طرف اچھالی اور کہا یہ لے لو ورنہ میرا تیر تمھارے سینے کے پار ہو جائے گا۔ تؤلونني ثمن القویٰ۔ مجھے مہمانی کی قیمت دینا چاہتے ہو۔

یہی ایک داستان مہمان نوازی کی نہیں ہے۔ یہاں روز ایسی داستانیں عرب لٹریچر میں ملتی ہیں جنھیں ہم طوالت کے خوف سے دانستہ ترک کر رہے ہیں اور یہ محض اس لیے بیان کر دی ہے کہ معلوم ہو سکے کہ مہمان نوازی میں ان کی روایات کیا تھیں۔

سخاوت

ان مشرکین عرب کو مہمان نوازی ہی کی عادت نہیں تھی۔ وہ ہاتھ کے بھی بہت سخی تھے۔ وہ سائل کو انکار کرنا جانتے ہی نہیں تھے۔ بخل کو انتہائی رذیل عادت جانتے تھے۔ سخاوت ان کے نزدیک ایسی عادت تھی جس پر فخر کیا جانا چاہیے۔ اگر چہ یہ سخاوت اللہ کے لیے نہیں دنیا کے فخر کے لیے کی جاتی تھی۔ شعراء اس سردار کی تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے۔ جس میں یہ صفت پائی جاتی تھی اور اپنے قصائد میں اس کا ذکر کرتے تھے۔ مشہور جاہلی شاعر زہیر بن ابی سلمیٰ ہرم بن سنان کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے ؎

وابیض فیاض یداہ غمامة
علی معتفیه ماتغب فواضله

Marfat.com

''وہ پاکباز سرخرو اور بڑا سخی داتا ہے۔اس کے ہاتھ برستے بادل کی طرح سخی ہیں اور دست سوال دراز کرنے والوں پر اس کی داد و دہش کبھی ختم نہیں ہوتی۔''

تراہ اذا ماجئتہ منہلا
کانک تعطیہ الذی انت سائلہ

''جب تو اس سے مانگنے جائے تو دیکھے گا کہ وہ اتنا خوش ہوتا ہے جیسے تم جو چیز مانگنے آئے ہوا سے عطا کر رہے ہو۔''

رضیعی لبان تدی ام تقاسما
باسحم داج عوض لانتفرق

دونوں نے ایک ہی ماں کی چھاتی کا دودھ پیا ہے اور انہوں نے ایک گھنگھور تاریک رات میں قسم کھائی ہے کہ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔''

یداہ یدا لصدق فکف مبیدۃ
وکف اذا ماضن بالمال تنفق

''اس کے دونوں ہاتھ دراصل جود وسخا کے ہاتھ ہیں۔سو ایک ہتھیلی تو مال کو ٹھکانے لگانے پر لگی ہی رہتی ہے۔دوسری اس وقت خرچ کرتی ہے جب تنگ دستی کے سبب لوگ بخل کرنے لگتے ہیں۔''

یہ صفت اسلام میں آ کر اور نکھر گئی۔حضرت ابن عباس نے جو خود جود وسخا میں بہت مشہور تھے سے کسی نے پوچھا آپ نے اپنے سے زیادہ سخی کسی کو دیکھا ہے۔فرمایا میں ایک دفعہ سفر پر تھا۔میں نے ایک باغ میں ایک غلام کو دیکھا۔میں نے اس سے کہا مجھے کچھ پھل دے دواس نے کہا یہ باغ میرا نہیں میرا آقا ابھی آتا ہوگا آپ انتظار کرلیں۔مجھے بھوک لگی تھی۔میں بیٹھ گیا۔غلام نے ایک کپڑے میں لپٹی ہوئی دو روٹیاں نکالیں اور کھانے بیٹھ گیا۔اتنی دیر میں ایک کتا آیا اور دم ہلا کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔غلام نے اسے ایک روٹی ڈال دی۔کتا وہ کھا کر پھر دیکھنے لگا تو غلام نے دوسری بھی ڈال دی۔میں نے پوچھا تمھیں دن میں روٹی کتنی بار ملتی ہے۔اس نے کہا صرف ایک بار۔میں نے پوچھا پھر تم نے ساری روٹی کتے کو کیوں ڈال دی۔اس نے کہا یہاں کتے نہیں ہوتے یہ بیچارہ پردیسی تھا اور بھوکا تھا۔اس کی یہ بات بہت پسند آئی۔اس کا مالک آیا تو

Marfat.com

اس نے اس سے وہ باغ اور غلام دونوں خرید لیے۔ اس سے کہا میں تمھیں اللہ کی راہ میں آزاد کرتا ہوں اور یہ باغ تمھیں دیتا ہوں۔ میرا شکریہ ادا کیا اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ اگر آپ نے یہ باغ مجھے عطا کر دیا ہے تو میں اسے اللہ کی راہ میں وقف کرتا ہوں۔

شجاعت

بادیہ نشینی، صحرا نوردی اور قبائل کی آئے دن کی آویزشوں نے انھیں انتہائی دلیر، شجاع اور خطر پسند بنا دیا تھا۔ وہ اپنے مال، اولاد، اپنی خواتین کی حفاظت کے لیے جان پر کھیل جانے کے عادی تھے۔ پاس عہد کے لیے جان سے گزرنا ان کا معمول تھا۔ اپنے قبیلے کے افراد اور اپنے سرداروں کی حمایت میں جان دینا ان کے باعث افتخار تھا۔ غیرت وحمیت اور عزت وآبرو تو ان کے لیے کہیں زیادہ قیمتی چیزیں تھیں وہ تو اونٹوں کو پانی پہلے پلانے کے لیے جان دے جانے کے عادی تھے۔ نسلی افتخار نے اسے جھوٹی انا میں بدل دیا تھا۔ وہ خطرات سے بھاگنا جانتے ہی نہ تھے۔ بلکہ خطرات سے کھیلنا ان کا محبوب مشغلہ بن گیا تھا۔

عمرو بن کلثوم اُپنے مشہور معلقہ میں اپنی اسی خصوصیت کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

اذا ما عی بالاسناف قوم
من الھول المشبہ ان یکونا

''جب قومیں ایسے خطرات کے خوف سے جن کا وقوع پذیر ہونا یقینی ہو عاجز آ جاتی ہیں۔''

نصبنا مثل رھوۃ ذات حدٍ
محافظۃً وکنا السابقینا

''ایسے خطرات میں ہم اپنے معاملات کی حفاظت کے لیے کسی مضبوط پہاڑ کی طرح جم جاتے ہیں اور ہم ہی غالب رہتے ہیں۔''

بشبان یردن القتل مجداً
وشیبٍ بالحروب مجربینا

''ہمارے ساتھ وہ جوان ہوتے ہیں جو قتل ہونا باعث افتخار سمجھتے ہیں اور وہ بوڑھے ہوتے ہیں جو تجربہ کار جنگجو ہیں۔''

Marfat.com

اس قصیدہ کا پس منظر یہ ہے کہ عمرو بن کلثوم بن تغلب کا سردار تھا اس کی ماں لیلیٰ بنت مھلھل تغلبی تھی۔ اس کا ماموں کلیب بن ربیعہ تھا جو اپنی قوم کا سردار تھا۔ عمرو پندرہ سال کی عمر میں قبیلہ بنو تغلب کا سردار ہوا اور ۱۵۰ سال کی عمر تک سردار رہا۔

ابوالفرج اصفہانی نے الاغانی میں اور ابن قتیبہ نے الشعر والشعرا میں لکھا ہے کہ ایک بار عمرو بن ہند حاکم حیرہ نے اپنے درباریوں سے کہا۔ کیا تم عرب میں سے کسی ایسے سردار کو جانتے ہو جس کی ماں میری ماں کی خدمت کرنا پسند نہیں کرے گی۔ انھوں نے کہا سوائے عمرو بن کلثوم تغلبی کے ایسا کوئی شخص نہیں ہے۔ اس کی ماں یہ خدمت ہرگز پسند نہ کرے گی۔ کیونکہ اس بیٹا عمرو قوم کا سردار، بہترین تیر انداز اور بہترین تیغ زن ہے۔ اس کے والد مھلھل اور بھائی کلیب کسی تعریف کے محتاج نہیں ہیں۔ اور اس کا شوہر کلثوم بن مالک سردار تغلب اور عرب کا بہترین سردار ہے۔ یہ بات حاکم حیرہ کو بری لگی۔ اس نے عمرو بن کلثوم کو لکھا کہ ایک بار شرف زیارت بخشو اور میری والدہ بھی آپ کی والدہ کی زیارت کی شائق ہے عمرو بن کلثوم اپنے قبیلہ کے ساتھ حیرہ آیا۔ مرد مردوں کے ساتھ ٹھہرے اور عورتیں عورتوں کے ساتھ۔ عمرو بن کلثوم عمرو بن ہند کے خیمہ میں جبکہ اس کی والدہ عمرو بن ہند کے خیمہ میں ٹھہری۔ عمرو ابن ہند نے اپنی والدہ سے کہہ رکھا تھا کہ اس کی والدہ سے کسی نوعیت کی خدمت لے لینا۔ کھانے پر بیٹھے ہوئے اس نے عمرو بن کلثوم کی والدہ سے کہا وہ رکابی مجھے پکڑ دینا۔ تو اس نے ان سنی کر دی۔ اس نے دوبارہ کہا رکابی پکڑا دو مجھے اس کی حاجت ہے۔ اس پر اس نے کہا جسے حاجت ہے اس سے کوئی زیادہ دور نہیں۔ تیسری بار اس نے ذرا تلخی سے کہا پکڑا دینے میں حرج کیا ہے۔ اور پکار کر کہا یا ذل تغلب۔ ہائے بنو تغلب کی کیا تذلیل ہو رہی ہے۔ عمرو بن کلثوم نے عمر بن ہند کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا تو وہاں شرارت نظر آئی۔ عمرو بن کلثوم کی رگ حمیت پھڑکی۔ اس کے پاس اس وقت کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ اسے خیمے میں عمرو بن ہند کی تلوار لٹکی نظر آئی۔ اس نے اسی سے عمرو بن ہند کا سر قلم کر دیا اور قتل عام کیا پھر حیرہ لوٹ کر اپنے وطن واپس چلا گیا۔ اس نے اپنی خاندانی وجاہت کے تحفظ کے لیے حاکم حیرہ سے تصادم کی بھی پرواہ نہیں کی۔ اسی کا اظہار اس نے اپنے اس شعر میں کیا ہے۔

ورثنا المجد قد علمت معد
نطاعن دونہ حتی یبینا

Marfat.com

''ہم نے شرف و مجد وراثت میں پایا ہے۔ بنو معد خوب جانتے ہیں۔ ہم اس کی حفاظت کے لیے لڑتے ہیں تا کہ یہ واضح رہے۔''

ایمان اور کفر و شرک

ایک سوال یہاں یہ اٹھ کر سامنے آتا ہے کہ جب یہ لوگ اولادِ ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام تھے وہ ان دونوں کو اللہ کے رسول بھی تسلیم کرتے تھے۔ نکاح و طلاق اور بعض عبادات میں بھی اور تمدنی و معاشرتی رسوم میں بھی باقیات دین حنیف قلیل مقدار میں ہی بہر حال موجود تھیں۔ وہ بے عملی و گمراہی میں ڈوب کر بھی حلت و حرمت کا دھندلا سا تصور بھی رکھتے تھے۔ اللہ کی ذات، اس کی صفات و اختیارات اور اس کی نعمتوں کا اعتراف بھی کرتے تھے تو آخر وہ کافر و مشرک کیوں قرار دیے گئے۔ نیز ان کے کفر اور شرک کی نوعیت کیا تھی۔ یہ وہ سوال ہے جس کا جواب تلاش کیے بغیر نہ تو اسلام کا حقیقی پیغام ہی سمجھ آ سکتا ہے، نہ نبی اکرم ﷺ کے ذریعے برپا ہونے والے اس دین کو سمجھا جا سکتا ہے جو آپ کی بعثت کا مقصد ہے اور نہ اس جہد مسلسل کی قدر پہچانی جا سکتی ہے جو آپ کی بعثت کے بعد کی حیات دنیوی میں جاری رہی اور نہ اس سیرت سازی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جس کا مجسم نمونہ آپ کے صحابہ کرام کی صورت میں دنیا میں وجود پذیر ہوئی۔ یہاں ہم کسی تفصیل میں جانے سے اس لیے گریز کریں گے کہ اس کو ہم بعثت نبوی کے بعد کے واقعات میں زیر بحث لانا چاہتے ہیں۔ البتہ اختصار کے ساتھ یہ کوشش کریں گے کہ ان کے شرک اور کفر کی نوعیت واضح ہو جائے۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اللہ کو اس کائنات واحد خالق، مالک، مدبر الامر تسلیم کر لینا اس کی صفات کا ادراک اقرار، اس کے اختیارات کا اعتراف اور اس مہربانیوں، نوازشوں نعمتوں اور کرم فرمائیوں کا احساس و اقرار ہی ایمان ہے۔ خواہ اس کے اثرات سے انسانی زندگی یکسر خالی ہو۔ حالانکہ معاملہ اس سے مختلف ہے۔ یہ محض اللہ کا اقرار و اعتراف ہے جبکہ اس سارے اقرار و اعتراف کے ساتھ اللہ کو اپنا واحد خالق و مالک ماننے کے علاوہ اپنا واحد فرمانروا اور واجب الاتباع تسلیم کیا جائے اور اس کا اعتراف کیا جائے کہ انسانوں کی حقیقی حیثیت یہ ہے کہ وہ اس کے پیدا کردہ ایسے غلام ہیں جن پر اللہ کے ہر حکم کی اطاعت فرض ہے اور اعتراف و اقرار کے ساتھ اپنی وسعت و استطاعت کے مطابق اپنی ساری زندگی میں اس کی اطاعت میں کوشاں رہیں۔

Marfat.com

﴿...... وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ O وَ اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (یونس:۱۰۵)

''اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مومنوں میں سے ہو جاؤں یعنی یہ تو یکسو ہو کر اللہ کی اطاعت پر قائم ہو جا اور تو مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہونا۔''

اس آیت میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ بات ارشاد فرمادی گئی ہے کہ ایمان ہر قسم کے شک وریب سے بالاتر ہو کر اللہ کی اطاعت کے سوا ہر اطاعت سے منہ پھیر کر اللہ کی اطاعت پر قائم ہو جانے کا نام ہے۔

رہا شرک تو اسی آیت میں یہ وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ کچھ ایسی اطاعتوں کو بھی لازم ٹھہرا لینا شرک ہے جو اللہ کی اطاعت سے متصادم ہوں۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں ایک یہ کہ آدمی اللہ کے احکام جانتا ہو مگر اپنی مرضی سے اس پر چلنے کا حق محفوظ سمجھتا ہو اور اس کا قائل ہو کہ یہ میرا انفرادی معاملہ ہے کہ اطاعت کروں یا نہ کروں۔ یا یہ کہ وہ اس کا تو قائل ہو کہ مجھے اطاعت اللہ کرنی چاہیے۔ مگر اس کی عمومی زندگی کی روش یہ بتا رہی ہو کہ یہ کسی حکم کا پابند نہیں ہے بس خواہشات نفس کا بندہ ہے یا یہ کہ نہ تو وہ احکام الٰہی سے واقف ہو نہ اس کی ضرورت ہی محسوس کرتا ہو کہ یہ معلوم کرے کہ اللہ کے احکام کیا ہیں تاکہ اس پر عمل کیا جائے۔ یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ وہ اپنی خواہشات نفس کو اپنا الٰہ بنا چکا ہے۔

﴿اَفَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ (الجاثیہ:۲۳)

''پھر کیا تم نے کبھی اس شخص کے حال پر غور کیا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا الٰہ بنا لیا اور اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہی میں پھینک دیا اور اس کے دل اور کانوں پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور اب اللہ کے بعد کون اسے ہدایت دے۔ کیا تم لوگ کوئی سبق نہیں لیتے۔''

اس شرک کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے سرداروں اور صاحبان اقتدار کا یہ حق تسلیم کرے کہ زندگی کے معاملات میں جو حکم وہ دیں وہ بجائے خود واجب الاتباع ہے قطع نظر اس

Marfat.com

سے کہ وہ حکم احکام الٰہی کے مطابق ہے یا اس کے خلاف یا وہ اپنے علماء اور مذہبی پیشواؤں کا یہ حق تسلیم کرے کہ وہ جو حکم صادر فرمائیں وہ احکام الٰہیہ کے مطابق ہو یا خلاف اس پر عمل واجب ہے یا وہ اپنی علاقائی، قومی یا قبائلی روایات کو خواہ وہ احکام خداوندی کی خلاف ورزی پر ہی مبنی کیوں نہ ہوں واجب الاتباع سمجھے یا اس پر اس طرح عمل پیرا رہے کہ اس کو اس کے خلاف کبھی احساس ہی نہ ہوا ہو یا اس احساس کے باوجود اس پر عامل رہے۔ ایسی کسی بھی ہستی کو جسے وہ یہ حیثیت دیتا ہے وہ اللہ کا شریک ٹھہرا رہا ہے اور اسے رب کی حیثیت دے رہا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ﴾ (الانعام: ۱۳۷)

'اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے لیے ان کے شریکوں نے اپنی اولاد کے قتل کو خوشنما بنا دیا ہے تاکہ ان کو ہلاکت میں مبتلا کریں اور ان کے دین کو مشتبہ بنا دیں۔''

یہ آیت بھی اس معاملے میں بالکل واضح ہے کہ جس کو یہ حیثیت دے دی جائے ایسا کرنے والا اس کو اللہ کا شریک بنا رہا ہے۔ اس میں قتل اولاد کو ان کے شرکاء کا کیا دھرا قرار دیا گیا ہے۔ اس کی تین صورتیں عرب میں اس وقت رائج تھیں۔

① لڑکیوں کا قتل اس خیال سے کہ کوئی ان کا داماد نہ بنے، یا قبائلی لڑائیوں میں دشمن کے ہاتھ نہ پڑیں یا کسی دوسرے سبب سے وہ ان کے لیے عار کا سبب نہ بنیں۔

② بچوں کا قتل، اس خیال سے کہ ان کی پرورش کا بار نہ اٹھایا جا سکے گا اور ذرائع معاش کی کمی کے سبب سے وہ ناقابل برداشت بوجھ بن جائیں گے۔

③ بچوں کو اپنے معبودوں کی خوشنودی کے لیے بھینٹ چڑھانا۔

جدید و قدیم علمائے تفسیر اس بات پر متفق ہیں کہ اس آیت میں شرکاء سے مراد ا[illegible] کے معبودوں کے مجاور، ان کے شیطان صفت سردار اور خود ان کے شیاطین (جن) ہیں جنھیں انھوں نے واجب الاتباع قرار دے کر عملاً اللہ کا شریک بنا لیا تھا۔ حضرت مجاہد جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں وہ فرماتے ہیں

شرکاؤهم شیطینهم یامرونهم ان یئروا اولادهم خشیة العیله۔

Marfat.com

''شرکاء سے مراد ان کے شیاطین (معبودوں کے مجاور اور شیطان صفت سردار) ہیں جو انھیں تنگ دستی کے خوف سے اپنی اولاد قتل کرنے کا سبق سکھاتے تھے۔''

امام ابن کثیر نے لکھا ہے اس سے مراد ان کے شیاطین ہیں جنھوں نے ان کی زرعی پیداوار اور جانوروں میں معبودوں کا حصہ سمجھایا تھا انھوں نے ہی انھیں قتل اولاد کا درس دیا ہے۔

امام شوکانی نے اپنی مشہور تفسیر فتح القدیر میں لکھا ہے کہ فراء اور زجاج نے کہا ہے کہ شرکاؤھم ھاھناھم الذین کانو یخدمون الاوثان۔ کہ یہاں ان کے شرکاء سے مراد وہ لوگ ہیں جو بتوں کے خادم تھے وقیل ھم الغواۃ من الناس اور کہا گیا ہے کہ وہ لوگوں میں سے سرکش سردار تھے وقیل ھم الشیطین۔ وہ شیاطین (جن) تھے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اس آیت میں ''شریک'' سے مراد وہ انسان اور شیطان ہیں جنھوں نے قتل اولاد کو ان لوگوں کی نگاہ میں ایک جائز اور پسندیدہ فعل بنا دیا تھا۔ انھیں شریک کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے نقطۂ نظر سے جس طرح پرستش کا مستحق تنہا اللہ تعالیٰ ہے، اسی طرح بندوں کے لیے قانون بنانے اور جائز و ناجائز کی حدیں مقرر کرنے کا حق دار صرف اللہ ہے۔ لہٰذا جس طرح کسی دوسرے کے آگے پرستش کے افعال میں سے کوئی فعل کرنا اسے خدا کا شریک بنانے کا ہم معنی ہے اسی طرح کسی کے خود ساختہ قانون کو برحق سمجھتے ہوئے اس کی پابندی کرنا اور اس مقرر کیے ہوئے حدود کو واجب الاطاعت ماننا بھی اسے خدائی میں اللہ کا شریک قرار دینے کا ہم معنی ہے۔ یہ دونوں افعال بہرحال شرک ہیں خواہ ان کا مرتکب ان ہستیوں کو زبان سے الٰہ اور رب کہے یا نہ کہے جن کے آگے وہ نظر و نیاز پیش کرتا ہے یا جن کے مقرر کیے ہوئے قانون کو واجب الاطاعت مانتا ہے۔''

یہی وہ شرک ہے جس کا وہ اعتقادی شرک (بت پرستی) میں مبتلا ہونے سے صدیوں پہلے وہ شکار ہو گئے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانے میں یہاں تحریر کا کوئی رواج نہ تھا۔ لہٰذا ان کی تعلیمات کی روایت نسلاً بعد نسل زبانی رہی ہوگی۔ جن میں سے اکثر کا بدل جانا یا بھول بھلا جانا بعد از قیاس نہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد بنی اسماعیل میں آپ ﷺ سے پہلے کوئی نبی یا رسول مبعوث نہیں ہوا جو ان کی تعلیمات کی تجدید کرتا۔ پھر اپنے انتشار کے دور میں مختلف اقوام

Marfat.com

کے ساتھ ان کے میل ملاپ میں تہذیب، ثقافت، صحرانوردی اور پانی اور چراگاہوں کی تلاش میں ان میں قبائلی عصبیت نے جنم لیا اور قبائل کی باہمی آویزش نے سرداران قبائل کو مطاع مطلق کا درجہ عطا کر دیا۔ رفتہ رفتہ ان کے سرداروں کی مقرر کردہ حدود، ان کی مقرر کردہ رسوم، معاشرتی آداب ان کا دین بنتے گئے اور ہر نئی تبدیلی اور ہر نئے حکم کو وہ دین ابراہیم کی ترقی پسند شکل سمجھ کر قبول کرتے چلے گئے۔ ان کے پاس کوئی معیار نہیں تھا جس سے وہ فیصلہ کر سکتے کہ ان میں کیا درست ہے اور کیا غلط۔ رفتہ رفتہ ان کا پورا معاشرتی ڈھانچہ شرک کی بنیادوں پر استوار ہو گیا۔ جس کا دین ابراہیمی کے ساتھ اتنا ہی تعلق رہ گیا تھا جتنا یہود کا تعلق تعلیمات موسیٰ کے ساتھ اس دور میں رہ گیا تھا۔ جس میں حضرت داود علیہ السلام نے ان پر لعنت کی تھی۔ مزید یہ کہ یہود کے پاس تو محرف تورات موجود تھی جبکہ ان کے پاس تعلیمات اسماعیل علیہ السلام کا کوئی مجموعہ بھی موجود نہیں تھا۔ یہی شرک ان کے اس شرک میں مبتلا ہونے کا سبب بنا جس کی بنیاد عمرو بن لحی نے دوسری صدی عیسوی میں رکھی تھی اور نبی اکرم ﷺ کی دعوت توحید کو قبول نہ کرنے کا سبب بھی یہی شرک تھا۔

شرک کی دوسری صورت جو ان کے ہاں رائج تھی وہ ایسا صریح شرک تھا جس کے شرک ہونے میں کسی کو شبہ نہیں اور وہ بت پرستی تھی خود خانہ کعبہ کے دروازے پر ان کا سب سے بڑا بت ہبل نصب تھا۔ صفا اور مروہ پر اساف اور نائلہ کے بت تھے۔ خانہ کعبہ کے اندر اس کی دیواروں پر حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہم السلام کی تصاویر بنی ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ کئی چھوٹے اور بڑے بت حرم میں نصب تھے۔ جن کی تعداد تین سو ساٹھ بیان کی جاتی ہے۔ وہ بت اس کے علاوہ تھے جو ملک کے طول و عرض میں جابجا نصب تھے۔ جن کی عبادت کے طور طریقے متعین تھے۔ لیکن وہ ان میں سے کسی کو بھی ان معنوں میں اپنا الٰہ نہیں سمجھتے تھے کہ یہ کائنات کی تخلیق میں اللہ کے ساتھ اس کے شریک تھے یا کائنات میں انھیں کسی نوعیت کی شراکت حاصل تھی یا کائنات کی ملکیت میں انھیں کوئی دخل تھا یا اس کائنات کی تدبیر میں ان کا کوئی حصہ تھا یا وہ بجائے خود کسی شے پر اختیار رکھتے تھے۔ بلکہ وہ انھیں دو حیثیات سے الٰہ تسلیم کرتے تھے۔

ایک یہ کہ وہ انھیں اللہ کے ہاں شفعاء تسلیم کرتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ بجائے خود تو الٰہ نہیں تھے البتہ کہتے تھے ہم انھیں اس معنی میں الٰہ سمجھتے ہیں کہ یہ اللہ کے مقرب بندے ہونے کے نتیجے میں اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں اور ان کی سفارش اللہ کے ہاں یقیناً قبول کی جاتی

ہے۔ ہم گناہ گاروں کی اللہ براہ راست کب سنتا ہے یہ سفارشی ہوں تو اللہ انکار نہیں کرتا۔ ہم ان سے تعلق قائم کر کے ان کی سفارش کے مستحق ہو جاتے ہیں اور اسی تعلق کو قائم کرنے کے لیے ہم نے وہ نظام عبادت ترتیب دے رکھا ہے جسے بجا لانے کے بعد ہم ان کا قرب حاصل کر لیتے ہیں۔ ہمیں اللہ ہماری ساری بے راہ روی کے باوجود انہی کی سفارش سے رزق دیتا ہے۔ ہماری بیماریاں دور کرتا ہے۔ ہمیشہ اولاد سے نوازتا ہے۔ ہمارے لیے بارش برساتا ہے اور ہمارے دشمنوں کے خلاف ہماری مدد کرتا ہے۔ انہی کی سفارش پر ہماری نجات کا دارومدار ہے۔ اس کی تصدیق قریش کے اس گیت سے بھی ہوتی ہے جو وہ دوران طواف تلبیہ کے علاوہ گاتے تھے۔ ابن الکلبی نے کتاب الاصنام میں لکھا ہے کہ قریش خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے کہتے تھے:

واللات والعزیٰ ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ فانھن غرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترجیٰ

''اور لات کی قسم عزیٰ کی قسم اور تیسری مناۃ کی قسم یہ عجب شان والیاں ہیں اور ان کی سفارش یقینی مقبول ہے۔''

قریش مکہ کے اپنے معبودان باطل کے بارے میں عقائد بیان کرتے ہوئے قرآن مجید اسی بات کی تصدیق کرتا ہے:

﴿وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ (یونس:۱۸)

''یہ لوگ اللہ کے سوا ان کی پرستش کرتے ہیں جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع اور کہتے ہیں یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ اے محمد ان سے کہو ''کیا تم اللہ کو اس بات کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے نہ زمین میں؟'' پاک ہے وہ اور بالاتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔''

دوسری یہ کہ وہ انہیں اللہ کے ایسے مقرب بندے سمجھتے تھے جو محض اپنے تقرب کی بنیاد پر

Marfat.com

آدمی کو اللہ کا قرب عطا کر دیتے ہیں۔ ان کا خیال یہ تھا کہ اللہ کے تقرب کا راستہ بڑا کٹھن ہے اور اس میں محنت بہت زیادہ کرنا پڑتی ہے۔ اللہ کی بے چون وچرا اطاعت بھلا کس کے بس میں ہے انسانی کمزوریاں کب اس قابل ہیں کہ آدمی ان کے ہوتے ہوئے اللہ کی اطاعت یوں کرے جیسے اس کے کرنے کا حق ہے۔ یہ انہی کا حوصلہ تھا کہ آب وگل کی دنیا میں رہتے ہوئے بھی اللہ کی اطاعت کر گئے۔ ہم تو کمزور ہیں۔ ہمیں تو دنیا میں رہنا ہے۔ نہ اپنے نفس کی خواہشات کی مخالفت کر سکتے ہیں نہ معاشرہ کی۔ بھلا کس میں حوصلہ ہے کہ وہ بس اللہ کی اطاعت کو اپنا مقصود ٹھہرائے۔ اپنی روایات و رسوم سے رخ موڑ لے۔ اپنوں اور پرایوں سبھی کو ناراض کر لے۔ ہاں اللہ کا قرب حاصل کرنے کا ایک آسان راستہ یہ ہے کہ اللہ کے ان مقربین سے تعلق جوڑے۔ انھیں خوش رکھے۔ اور یہ اللہ کے ہاں اپنے مقام و مرتبہ کے سبب ہمیں اللہ کا قرب عطا کر دیں گے۔ اللہ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿اِنَّـا اَنْـزَلْـنَـا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدُ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَـعْـبُـدُهُـمْ اِلَّا لِيُـقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اِنَّ اللّٰهَ يَـحْـكُـمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۬ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ﴾ (الزمر: ۲-۳)

"(اے محمد) یہ کتاب ہم نے تمھاری طرف برحق نازل کی ہے، لہٰذا تم اللہ ہی کی بندگی اور دین کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے۔ خبردار دین خالص اللہ کا حق ہے۔ رہے وہ لوگ جنھوں نے اس کے سوا دوسرے سرپرست بنا رکھے ہیں۔ (اور اپنے پاس فعل کی توجیہہ یہ کرتے ہیں کہ) ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرا دیں۔ اللہ یقیناً ان کے درمیان ان تمام باتوں کا فیصلہ کر دے گا، جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور منکر حق ہے۔"

اس تفصیل سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے ان کی دو باتیں ایسی تھیں جن کی وجہ

Marfat.com

سے اللہ کے اقرار اولاد ابراہیم واسماعیل علیہم السلام ہونے اور انھیں اللہ کے رسول ماننے نیز دین حنیف پر ہونے کے ادعیٰ کے باوجود مشرک قرار دیا گیا۔

① ایک یہ کہ گو وہ اللہ کے وحدہ لاشریک ہونے کا اقرار کرتے تھے اور اس کے اختیارات اور صفات کو مانتے تھے۔ اس کی کرم فرمائیوں کو تسلیم کرتے تھے۔ مگر اس کی غلامی اختیار کر کے اس کے احکام پر عمل کرنے کو تیار نہ تھے۔ یا تو اپنی خواہشات کی پیروی کرتے تھے یا اپنے سرداروں اور معبودان باطل کے مجاوروں کی اطاعت کرتے تھے۔

② انھوں نے اجرام فلکی، فرشتوں، جنوں اور اللہ کے اطاعت شعار بندوں کو اپنے سفارشی اور اللہ تک رسائی کا ذریعہ تسلیم کر لیا تھا۔ جس کی کوئی سند اللہ کی طرف سے نازل نہ ہوئی تھی۔

امت کے اس دور زوال میں محض پہچان کے لیے ان دونوں صورتوں کو عملی شرک اور اعتقادی شرک کے نام دے دیے گئے ہیں۔ اور ان میں فرق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اعتقادی شرک تو حقیقی شرک ہے اور یہ کسی صورت معاف نہیں ہوگا جبکہ عملی شرک گناہ گاری کی ایک قبیح صورت ہے اور یہ کہ اگر اعتقادی شرک نہ کیا جائے تو عملی شرک قابل معافی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ امت عملی شرک میں یکساں مبتلا ہونے کے باوجود موحدین اور محبین میں بٹی ہوئی ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ عملی شرک اعتقادی شرک سے بھی خوف ناک ہے۔ اس طرح عملی شرک ہی اعتقادی شرک کا سبب بھی بنتا ہے اور اعتقادی شرک سے غذا پا کر مضبوط بھی ہوتا ہے۔ ورنہ خدا کی توحید پر ایمان رکھنے والا وہ شخص جو اطاعت شعار بھی ہو۔ شرک اعتقادی میں مبتلا ہی نہیں ہو سکتا۔

بت پرستی

عدنانی قبائل بتوں کو شفعاء اور اللہ کے ہاں ذریعہ تقرب کے طور پر پوجتے تھے اور یہ بت خانہ کعبہ کے علاوہ دور دراز علاقوں میں کہیں عبادت گاہوں میں، کہیں وادیوں میں اور کہیں پہاڑوں کی چوٹیوں پر نصب تھے ان میں سے کچھ انسانی صورت میں تھے کہیں یہ بت صفاتی صورتوں میں تھے اور کچھ بت محض چٹانوں کی صورت میں تھے۔ جو بت پتھر کے مجسموں کی صورت میں تھے صنم کہلاتے تھے اور جو کسی دھات کی مورتی کی صورت میں ہوتے وثن کہلاتے تھے۔ کچھ

Marfat.com

لکڑی کے مجسمے تھے جو تمثال کہلاتے تھے۔

انسان اتنا احمق کبھی نہیں رہا کہ وہ پتھر اور دھات کے ان مجسموں میں الوہیت کی صفات مان لے اور ان کی پرستش کرنا شروع کر دے۔ بلکہ ہر دور میں اور مختلف اقوام میں مشرکین انھیں کسی ہستی کا واسطہ سمجھتے رہے ہیں۔ جن کی اپنی صورت میں انھیں تراشا گیا تھا۔ تا جن کی صفاتی صورت گری کی گئی تھی اور اس بت کو اس ہستی کا مظہر تسلیم کیا جاتا رہا ہے۔ لہٰذا گو بظاہر آداب عبادت انہی بتوں کے سامنے بجالائے جاتے تھے مگر مقصود اس ہستی کی خوشنودی حاصل کرنا ہوتا تھا۔ ان کی تعظیم کرتے ہوئے حقیقی تعظیم اس ہستی کی کی جارہی ہوتی تھی جس کا یہ بت مظہر ہو اور اس تک کی توہین دراصل اس ہستی کی توہین سمجھی جاتی تھی۔ جس کا مظہر یہ بت تھا۔ خواہ عوام الناس اس باریک نکتے سے واقف نہ بھی ہوں خواص اسے خوب سمجھتے تھے۔

عرب شرک میں اشتراک کے باوجود اپنے ان معبودان باطل کے حوالے سے کئی گروہوں میں منقسم تھے۔

ایک گروہ اجرام فلکی سورج، چاند ستاروں اور سیاروں کی پرستش کرتا تھا۔ ان میں سے بعض کا خیال یہ تھا کہ یہ بعض سفلی فرشتے ہیں جو عالم بالا سے متعلق نہیں ہیں بلکہ ان کے ذمہ امور دنیا ہیں اور یہ اجرام فلکی ان کی تجسیم ہیں۔ جبکہ دوسرے گروہ کا خیال یہ تھا کہ یہ ان میں فرشتوں اور بعض انسانی روحوں کے مسکن ہیں۔ ان میں سب سے بڑا سورج ہے اس کے بت انسانی صورت میں ہوتے تھے جس کے ایک ہاتھ پر آگ کے رنگ کا یاقوت ہوتا تھا۔ چاند کا بت بیل کی شکل میں ہوتا تھا۔ جس کے ہاتھ میں ہیرہ ہوتا تھا اور اسی طرح دوسرے ستاروں اور سیاروں کی شکلیں چاند کی طرح صفاتی ہوتی تھیں۔ یہ شمال میں بکھرے گروہ تھے جو صابی کہلاتے تھے۔ ان بتوں کے وہاں باقاعدہ مندر تھے۔ یہ حضرت ابراہیم کی قوم کلدانیوں کے بچے کچھے لوگ تھے۔ جنوب میں قوم سبا کے لوگ بھی اجرام فلکی کی عبادت کرتے تھے سورج دیوتا (ہوبس یا حرمتم) اور چاند دیوتا (المقہ) کے مندروں کی بہتات تھی جن کے آثار اب بھی موجود ہیں۔

دوسرا گروہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتا تھا۔ ان کے مندر بھی تھے۔ جن میں ان کے بت تھے جیسے لات، مناۃ اور عزیٰ۔

تیسرا گروہ جنوں کو اللہ کے رشتہ دار قرار دیتا اور ان کی عبادت کرتا تھا۔ ان میں قبیلہ

Marfat.com

ربیعہ جن پرستی میں خاص طور پر مشہور تھا۔

چوتھا گروہ بزرگوں کے مجسموں اور تصاویر کی پرستش کرتا تھا۔ جسے ود، سواع، یعوق، یغوث اور نسر۔

اس کے علاوہ عرب میں قبر پرستی بھی عام تھی۔

حجاز کے بت

یوں تو حجاز کے بتوں کی تعداد کا شمار محال ہے کیونکہ صرف خانہ کعبہ میں چھوٹے بڑے بتوں کی تعداد تین سو ساٹھ بیان کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ہر گھر میں کوئی نہ کوئی بت موجود تھا اور عرب میں پھیلے قبائل میں سے ہر قبیلے میں ہر بطن کا بت خدا تھا۔ تاہم پورے ملک میں پھیلے بڑے بڑے بتوں کی تعداد اکتیس تھی۔ جن میں ہبل، لات، مناۃ، عزیٰ، ود، سواع، یغوث اور نسر کے علاوہ الفلس، الیعبوب، باجر، الاقیصر، عبعب، ذوالللعبات، المحرۃ، نہم، سعد، ذوالکفین، ذوالشریٰ، عائم، سعیر، اساف، نائلہ، ذوالخلصہ، رئام، عمیانس، مرحب، دوالللبا اور ذریع شامل تھے۔

ان میں سے اکثر بتوں کے بارے میں یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ کن ہستیوں کی نمائندگی کرتے یا ان کی صورتیں کیا تھیں البتہ یہ بات سبھی کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ کہاں نصب تھے اور کون سے قبائل انھیں اپنے معبود قرار دیتے تھے۔ ہم ان میں سے بعض بتوں کی تفصیل اس غرض سے بیان کر رہے ہیں کہ معلوم ہو سکے کہ ان کی عبادت کر کے فی الواقع کن ہستیوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے۔

■ مناۃ:

محمد بن السائب الکلبی کی روایت کے مطابق یہ پہلا بت ہے جو حجاز میں نصب کیا گیا۔ یہ بابلیوں کے ہاں موت کی دیوی اور ''مامناۃ'' کے نام سے پہچانی جاتی تھی۔ نبطیوں کے ہاں بھی ان کے قدیم کتبوں میں مناۃ کا نام ملتا ہے۔ عربوں کے ہاں یہ موت کی مورتی تھی اور موت کے فرشتہ عزرائیل علیہ السلام کا بت تھا کیونکہ قرآن مجید میں اسے واضح طور پر فرشتے کی علامت کہا گیا ہے۔

مدینہ منورہ کے قریب تین یا چار منزل پر وادی مشلل میں قدید نامی پہاڑ کے دامن ساحل سمندر کے قریب نصب تھا۔ یہ اصلاً بنو ہذیل، بنو خزاعہ اور اوس وخزرج کا بت تھا۔ مدینہ اور اس کے

Marfat.com

گردونواح میں آباد دوسرے قبائل کے علاوہ قریش بھی اس کا احترام کرتے تھے۔ محسوس ہوتا ہے اس وقت تک چونکہ عدنانی قبائل عموماً دین ابراہیمی پر قائم تھے۔ بنو کنانہ اور مضر اور ربیعہ بھی دین ابراہیمی ہی کے پیروکار تھے اور مکہ اور اس کے گردونواح میں مناۃ کی تنصیب کے زمانے تک کسی بت کی تنصیب ممکن نہ تھی۔ عمرو بن لحی نے جو خود بھی یمن کی مشرکانہ تہذیب میں پلا بڑھا تھا۔ اس نے کامل ہوشیاری سے اس کی تنصیب میں وہی علاقہ منتخب کیا جس کے قریب شمال مشرق میں یثرب کے اندر اس کے ہم نسب اور یمن سے ہجرت کر کے آنے والے قبائل اوس و خزرج، شمال میں یمن ہی سے ہجرت کر کے آنے والے قبائل بنو قضاعہ اور جنوب میں مرالظہران کے اندر اس کا اپنا قبیلہ بنو خزاعہ آباد تھے اور یوں یہ بت عرب کے اندر بت پرستی کے لیے بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہوا۔

یوں تو سارا عرب ہی اس بت کی تعظیم کرتا تھا تاہم اوس و خزرج سب سے بڑھ کر اس کی تعظیم کرتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ حج پر آتے تھے تو ایام تشریق کے پورے دن یہاں نہیں گزارتے تھے بلکہ رمی جمار کر کے دوسرے دن چلے جاتے اور مناۃ پر حاضری دے کر وہیں حلق کرواتے تھے اور احرام کھولتے تھے۔ ان کے نزدیک اس کے بغیر حج مکمل ہی نہیں ہوتا تھا۔ عرب تعظیماً اپنے بیٹوں کے نام عبد مناۃ رکھتے تھے۔ پہلا نام جو رکھا گیا وہ مدرکہ کنانہ کے بیٹے عبد مناۃ کا نام ہے۔ یہ نضر بن کنانہ کا بھائی تھا۔ روایت یہ ہے کہ کنانہ دین ابراہیمی پر تھے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ باپ کی وفات کے بعد پیدا ہوئے ہوں اور ان کے کسی بھائی نے ان کا یہ نام رکھا ہو۔ ہوسکتا کہ ان کا نام تو کوئی دوسرا ہو مگر بعد میں یہ نام اختیار کر لیا ہو۔ وجہ کچھ بھی ہو یہ پہلا مشرکانہ نام ہے جو عرب میں مناۃ کے حوالے سے رکھا گیا ہے۔ سہیلی نے روض الانف میں لکھا ہے عبد مناف بن قصی کا نام عبد مناۃ تھا ان کی والدہ حبی بن حلیل خزاعیہ نے مناۃ کی خدمت کے لیے خاص کر دیا تھا بعد میں ان کے والد قصی نے یہ خیال کر کے کہ یہ عبد مناۃ بن کنانہ سے ملتا ہے۔ عبد مناف کر دیا تھا۔ اس لیے کہ عرب "ت" اور "ف" اکثر آپس میں بدل لیتے تھے۔

■ اللات

مکہ مکرمہ سے جانب جنوب میں ساٹھ میل کے فاصلہ پر طائف کے پُرفضا پہاڑی مقام پر لات کا بت خانہ تھا۔ لات ایک مربعہ پتھر تھا۔ ہوسکتا ہے نبطیوں کے ہاں کسی بت کی چوکی ہو مگر

Marfat.com

یہاں عمرو بن لحی نے بجائے خود ایک بت کے طور پر لگوائی تھی۔ لات کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس سے ایک روایت اس معنی میں بیان ہوئی ہے۔ آپ اسے تا کی تشدید کے ساتھ لات پڑھتے تھے اور اسے لت یلت سے مشتق مانتے تھے۔ ان کی روایت یہ ہے کہ ایک شخص یہاں زئران حرم کے لیے ستو لتھڑ کر رکھتا تھا اور کھلاتا تھا۔ اس لیے اس کا نام لات پڑ گیا۔ زمخشری کے نزدیک لوی یلوی سے مشتق ہے جس کے معنی مڑنے اور کسی کی طرف جھکنے کے ہیں۔ چونکہ مشرکین عبادت کے لیے اس کی طرف رجوع کرتے تھے اور اس کا طواف کرتے تھے اس لیے اس کو لات کہتے تھے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی مونث ہے۔ اصل میں اللہۃ تھا جو بعد میں لات ہو گیا۔ حضرت ابن عباس کی روایت ابن جریر نے دو طریق سے بیان کی ہے اور بخاری میں بھی حضرت ابن عباس سے اسی طرح کی روایت نقل ہوئی ہے۔ مگر مجاہد اور ابن عباس سے ملنے والی یہ روایت درایتاً لائق اعتماد نہیں ہے اس لیے کہ قرآن مجید میں لات تا کی تشدید کے بغیر بیان ہوا ہے۔ افرائتم اللات والعزیٰ ۔ ہمارے نزدیک ابن جریر کی توجیح زیادہ قابل اعتماد ہے کہ قرآن مجید میں اسے بھی مونث بیان کیا گیا ہے۔ فرشتے کی تمثیل بیان کیا گیا ہے۔

اس کے ارد گرد اس کا مندر تعمیر کیا گیا تھا۔ جس کے مجاور بنو ثقیف میں سے بنو عتاب بن مالک تھے۔ بنو ثقیف کے علاوہ قریش بھی اس کی تعظیم کرتے تھے۔ یہ بت عین اسی جگہ تھا جہاں آج مسجد کا مشرقی منارہ ہے عرب میں ''زید اللات'' و (تیم اللات)

العزیٰ

العزیٰ مناۃ اور لات دونوں کے بعد نصب کی گئی۔ یہ مکہ اور طائف کے درمیان وادی نخلہ شامیہ میں تھا۔ جسے وادی حراض کہتے تھے۔ یہ مکہ سے عراق جانے والے رستہ میں ذات عرق سے اوپر نو میل کے فاصلے پر تھا یہاں بت کے علاوہ جنگلی بیر (سموات) [1] کے تین پودے تھے جن سے لوگ آواز سنتے تھے۔ بابلیوں کے نزدیک عشار نام سے پرستش کا مرکز تھی۔ ان کے نزدیک زہرہ ستارے کی شبیہ تھی۔ ان کے فصل بہار کی دیوی تھی اور الالٰہ کی بیٹی گنی جاتی تھی۔ عربوں کے ہاں بھی یہ موسم سرما کی دیوی اور مونث گنی جاتی تھی۔ عمرو بن لحی نے عمرو بن ربیعہ اور الحارث بن کعب سے کہا تھا کہ تمھارا رب گرمیاں طائف کے سرد موسم کے سبب لات کے ہاں گزارتا ہے

[1] ابن الکلبی، کتاب الاصنام، مکتبہ امیریہ، قاہرہ، ۱۹۱۴ء: ص ۲۵

Marfat.com

جبکہ سردیاں نخلہ کی گرمی کے سبب عزیٰ کے پاس گزارتا ہے۔ قرآن مجید اس کے بارے میں بھی فرشتے کی شبیہ ہونے کا اشارہ دیتا ہے۔ عام طور پر کتب سیرت میں یہ بات لکھی ہوئی ہے۔ یہ یہی تین بیری کے درخت تھے اور وہاں کوئی بت نہیں تھا جبکہ ابن الکلبی نے واضح طور پر لکھا ہے کہ فتح مکہ کے بعد حضرت خالد جب عزیٰ کو ختم کرنے کے لیے گئے تو انھوں نے بت توڑا درخت کاٹے اور اس کے مجاور دبیہ کو قتل کیا۔ اس کے الفاظ ہیں:

فبعث النبی (صلی الله علیه وسلم) خالد بن الولید فقطع الشجر وهدم البیت وکسر الوثن۔

''رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا انھوں نے درخت کاٹے مندر گرایا اور بت توڑا۔''

اغلباً العزیٰ میکائیل علیہ السلام کا بت تھا کہ آپ رزق کی تقسیم پر مامور ہیں۔ اور یہ بت زرخیزی کی علامت گنا جاتا تھا۔ نیز یہ اہل مکہ کے نزدیک عشق و محبت کی دیوی تھی اور محبت کرنے والے یہاں آ کر محبوب کو پا لینے کی دعائیں کرتے اور منتیں مانتے تھے۔

قریش مکہ کے نزدیک یہ اللہ وحدہ لاشریک کے بعد سب سے بزرگ معبود تھا۔ اس کے گرد انھوں نے ایک بہت بڑی درگاہ تعمیر کر رکھی تھی۔ وادی حراض ہی میں سقام نامی وادی العزیٰ کی جاگیر اور ممنوعہ رقبہ تھا۔ جہاں عزیٰ کے لیے نذر دیے گئے جانور چرتے تھے۔ اس کے علاوہ غبغب نامی ایک قربان گاہ بھی موجود تھی۔ جہاں عزیٰ کے نام پر ذبح کیے جانے والے جانور ذبح کیے جاتے تھے۔ اسے نصب کہتے تھے۔ اس گوشت کی دیگیں پکا کر زیارت کے لیے آئے ہوئے لوگوں میں تقسیم کی جاتی تھیں۔

قریش کے علاوہ بنو کنانہ کے سارے قبائل میں العزیٰ کی بڑی مانتا تھی۔ بنو سلیم کے قبائل بھی اس کے خاص معتقد تھے اور انہی کی ایک شاخ بنو شیبان اس کے مجاور تھے۔ ان میں سے آخری مجاور ابن دبیہ تھا ان قبائل کے علاوہ تمام قبائل عرب اس کی تعظیم کرتے تھے۔

اہل عرب لات، مناۃ اور عزیٰ تینوں کو فرشتے اور اللہ کی بیٹیاں مانتے تھے۔ اسی کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

﴿اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی ○ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی ○

Marfat.com

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ○ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى﴾

(النجم:۲۲_۱۹)

"کیا تم نے لات اور عزیٰ اور تیسری مناۃ پر کبھی غور کیا کیا تمھارے لیے تو بیٹے ہیں اور اس کے لیے بیٹیاں ہیں یہ تو بڑی ٹیڑھی تقسیم ہے۔"

اہل عرب کا عقیدہ تھا کہ یہ چونکہ فرشتے ہیں لہٰذا یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اور اللہ ان کی سفارش رد نہیں کرتا۔ چنانچہ حج پر آتے ہوئے یہ نعرہ بلند کرتے تھے:

واللات والعزیٰ ومناة الثالثة الاخریٰ فانهن الغرانیق العلیٰ وان شفاعتهن لترتجیٰ۔

"قسم ہے لات اور عزیٰ کی اور تیسری مناۃ کی بے شک یہ بڑی بلند مرتبہ دیویاں ہیں۔ اور یقیناً ان کی سفارش قبول ہوتی ہے۔"

کعبہ کے بت

خانہ کعبہ وہ پہلی عبادت گاہ ہے جسے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا تھا۔ حضرت نوح کے طوفان میں مسمار ہوا اور جگہ تک معلوم نہ رہی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے وہ جگہ بتائی اور آپ نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کی مدد سے اسی جگہ اس گھر کو آباد کیا۔ یہ خالص اللہ کی عبادت کے لیے تعمیر کردہ گھر تھا جو خود اولاد ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں ایک بت کدے میں تبدیل ہو چکا تھا جس میں بتوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ تاہم ان کے بارے میں کوئی تفصیل میسر نہیں آتی۔ صرف تین بتوں کے بارے میں بعض تفصیلات میسر آتی ہیں۔ اور یہ اساف، نائلہ اور ہبل ہیں۔

■ اسفاف و نائلہ

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق اساف ایک مرد تھا اور نائلہ ایک عورت تھی۔ یہ اساف بن بغی اور نائلہ بنت دیک تھے دونوں کا تعلق بنو جرہم سے تھا۔ یہ ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ انھوں نے خانہ کعبہ کے اندر فرصت پا کر بدکاری کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں مسخ کر کے پتھر بنا دیا۔ صبح لوگوں نے دونوں کو پتھروں میں تبدیل پایا۔ تو انھیں سامان عبرت کے طور پر زمزم کے پاس نصب کر

Marfat.com

دیا۔ یہ بنوخزاعہ کے مکہ میں آنے سے پہلے کی بات ہے عمرو ابن لحی نے خانہ کعبہ میں بت نصب کیے تو یہ بھی پوجے جانے لگے تاہم بعثت کے وقت تک بہت سے لوگ ان کی اصلیت سے واقف تھے۔

■ ہبل

ہبل یاقوت سرخ کا بنا ہوا انسانی شکل کا بت تھا۔ عمرو بن لحی اسے شمالی ہندوستان سے لے کر آیا تھا اور اسے خانہ کعبہ کی عمارت کے پاس نصب کیا گیا تھا اور اس کے سامنے پانسے کے تیر رکھے رہتے تھے۔ اس بت کا دایاں ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا اور اہل مکہ نے سونے کا ہاتھ بنا کر لگایا تھا۔ جواد علی کی رائے یہ ہے کہ یہ چاند کا بت تھا۔ تاہم اس بات کا قوی امکان ہے کہ یہ بعل کا بت ہو خود بعل کے بارے میں یہ اختلاف موجود ہے کہ یہ چاند دیوتا تھا یا سورج دیوتا۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ یہ چاند کا نہیں سورج کا بت تھا۔ اس لیے کہ چاند کا بت عموماً بچھڑے کی صورت میں بنایا جاتا تھا۔ جبکہ سورج کا بت انسانی شکل میں ہوتا تھا۔ جس کے دائیں ہاتھ پر آگ کے رنگ کا جوہر رکھا ہوتا تھا۔ ہبل کا دایاں ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا ہو سکتا ہے عمرو بن لحی جب شمال سے یہ بت لایا ہو۔ تو اس نے دایاں ہاتھ اس لیے دانستہ توڑ دیا ہو کہ اولاد ابراہیم صابئیوں کو بے دین جانتی تھی اور سورج کا بت دیکھ کر وہ بدک نہ جائیں اور یوں اسے کسی بزرگ کی مورتی بنا دیا گیا ہو۔ اسی بت کے صاحب القداح سے عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کے ذبح کے موقع پر فال نکلوائی تھی۔ جنگ احد میں جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑے اور نبی اکرم ﷺ احد پہاڑ پر موجود تھے تو ابوسفیان نے اسی کا نعرہ بلند کیا تھا۔ اُعل ہبل اس پر نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ تم جواب میں کہو اعلی اللہ واجل۔ یہ بت خزیمہ بن مدرکہ کے دور میں نصب ہوا اور اسی کے نام سے ہبل الخزیمہ کہلاتا تھا۔

■ دیواروں پر تصاویر

ان بتوں کے علاوہ خانہ کعبہ کی اپنی عمارت کے اندر کی جانب دیواروں پر انبیاء کی تصاویر بنائی گئی تھیں۔ انھیں وہ اپنے الٰہوں میں شمار کرتے تھے۔ ان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویریں جن کے ہاتھوں میں پانسے کے تیر (ازلام) تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ اس وقت تک خانہ کعبہ کے اندر داخل نہیں ہوئے جب تک انبیاء کی یہ تصاویر جو غالباً پلستر پر بنی تھیں اکھاڑ کر باہر نہیں پھینک دی گئیں اور فرمایا کہ جب تک ان کے الٰہ موجود ہیں میں اندر داخل نہیں ہو سکتا۔ (الازرقی، اخبار مکہ، دارالاندلس، بیروت، ۱۹۶۹، ص ۱۶۵۔۱۶۶)

Marfat.com

اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم علیہا السلام کی تصویریں بھی بنی ہوئی تھیں اور ہم یہ بات عیسائیت کے باب میں لکھ چکے ہیں کہ آپ کی بعثت کے وقت عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت (ابن اللہ کے طور پر) شروع ہو چکی تھی۔ اور حضرت مریم علیہا السلام (بطور مادر خدا) پوجی جا رہی تھیں۔

قوم نوح کے بت

عرب کے شمالی اور جنوبی علاقوں میں بعض ایسے بتوں کی عبادت و پرستش جاری تھی جن کی عبادت قوم نوح کرتی تھی جس سے منع کرنے کے لیے حضرت نوح مبعوث ہوئے تھے۔ یہ ود، سواع، یعوق، یغوث اور نسر تھے۔ حضرت نوح نے ان کی عبادت سے منع کرنے کے ساڑھے نو سو سال مسلسل تبلیغ کی مگر ان کی قوم نے ایک نہیں مانی اور آخر کار غرق طوفان نوح ہوئے۔ بنی آدم میں قوم نوح میں پہلی بار بت پرستی نے باقاعدہ دین کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ اس طرح یہ دنیا کے قدیم ترین بت تھے۔ اس بت پرستی کا آغاز کس طرح ہوا۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے جسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدثنا ابراہیم بن موسیٰ قل اخبرنا ہشان عن ابن جریج وعطاء عن ابن عباس کی سند سے روایت کیا ہے۔

صارت الاوثان التی کانت فی قوم نوح فی العرب بعد اما ود کانت لکلب بدومة الجندل ، واما سواع کانت هذيل ، اما يغوث فكانت لمراد ، ثم لبنی عطيف بالجوف ، عند سبا ، واما يعوق فكانت لهمدان ، واما نسر فكانت لحمير لآل ذی الكلاع ، اسما رجال صالحين من قوم نوح ، فلما هلكوا اوحى الشيطان الى قومهم ، ان انصبوا الى مجالسهم والتی كانوا يجلسون انصابا وسموها بسمائهم ، ففعلوا ، فلم تعبد ، حتى اذا هلك اولئك وتنسخ العلم عبدت۔ (امام بخاری، صحیح بخاری، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱۹۶۱ء، ۷۳۲/۲:۲)

”قوم نوح میں جو بت تھے وہی بعد میں عرب میں بھی پوجے جانے لگے ود دومة الجندل میں کلب کا بت تھا۔ سواع ہذیل کا بت تھا رہا یغوث تو وہ مراد پھر اس کی شاخ بنو

Marfat.com

غطیف کا بت تھا سبا کے ہاں جرف میں نصب تھا۔ اور یعوق ہمدان کا الٰہ تھا اور نسر حمیر میں سے آل ذی الکلاع کا بت تھا یہ سب قوم نوح کے صالح لوگوں کے نام تھے۔ پھر جب یہ صالح لوگ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی قوم کو یہ بات سجھائی کہ جس جگہ یہ لوگ بیٹھتے تھے ان مقامات پر ان کے بت بنا کر نصب کر دو اور ان کو وہ نام دو جن کے یہ بت تھے۔ انھوں نے اسی طرح کیا مگر ان کی عبادت نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ جب یہ لوگ بھی فوت ہو گئے اور علم دینی اٹھ گیا تو ان کی عبادت ہونے لگی۔''

عبداللہ بن حمید نے محمد بن کعب کی روایت بیان کی ہے کہ یہ آدم اور نوح کے درمیانی عرصہ کے صالح لوگ تھے۔ ان کے بعد لوگ انہی کے طور طریقوں پر عبادت کرتے تھے۔ تو ابلیس نے انھیں یہ بات سجھائی کہ کیا ہی اچھا ہو اگر تم ان کے مجسمے بنا کر ان کی نشست گاہوں پر لگا دو پھر جب وہ نسل ختم ہو گئی تو اگلی نسلوں کو ابلیس نے یہ بات سجھائی کہ پہلے لوگ تو ان کی عبادت کرتے تھے۔ سو انھوں نے ان کی عبادت شروع کر دی۔ محمد بن قیس کہتے ہیں کہ ابلیس نے انھیں یہ بات سجھائی کہ اگلے لوگ ان کی عبادت کرتے تھے اور انہی کے واسطے سے بارش مانگا کرتے تھے۔

(الشیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب، مختصر سیرۃ الرسول: ص ۲۸)

یہ بت جزیرہ نمائے عرب میں کیسے آئے اس کے بارے میں کوئی بات وثوق کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی۔ ابن کلبی کی روایت یہ ہے کہ طوفان نوح میں یہ بت تیرتے تیرتے جدہ میں آ رکے پھر ریت کے نیچے دفن ہو گئے۔ عمرو بن لحی نے جب بت پرستی کا آغاز کیا تو چونکہ وہ کاہن تھا اس کے جن نے اسے بتایا کہ جدہ میں قوم نوح کے بت پڑے ہیں وہ وہاں سے کھود کر نکال لایا اور مختلف مقامات پر نصب کروا دیے۔ لیکن ایک بہت واضح شے اس روایت کو قبول کرنے نہیں دیتی۔ حضرت ابن عباس اور محمد بن کعب کی اوپر بیان کردہ ہر دو روایات یہ واضح کرتی ہیں کہ قوم نوح میں ان بزرگوں کے بت ان کی اپنی جسمی شکلوں میں موجود تھے۔ مگر ان کے جو بت عرب میں پوجے جا رہے تھے وہ ان کی صفاتی تصویریں تھیں۔ یہ بات بعید نہیں ہے کہ طوفان نوح میں جو صاحب ایمان تھے اور کشتی میں بچ گئے تھے ان کی اولاد نے ان سے اپنی قوم کے قصوں میں ان بتوں کے نام سنے ہوں۔ بعد میں جب ان کی نسل میں از سر نو شرک کی جہالت پھیلی ہو تو انھوں نے انہی معبودوں کے بت بنا کر انھیں پوجنا شروع کر دیا ہو اور چونکہ وہ ان کی شکلوں سے تو واقف نہ تھے۔

Marfat.com

ان کی ان صفات کی تجسیم کردی ہو جو بحیثیت معبود ان میں مشہور ہوگئی ہوں عرب میں سام بن نوح کی اولاد میں سے اس کے بیٹے لاوز کی اولاد میں سے طسم، عمالقہ اور امیم ارفخشد کی اولاد میں سے بنو اسماعیل، اور بنو قحطان اور ارم کی اولاد میں سے عاد، ثمود اور جدیس نامی قومیں آباد رہی ہیں۔ اور بنو قحطان کے علاقے میں قدیم عربی کتبات میں ودم ایم ''باباود'' نام کی ایک دیوی کا ذکر ملتا ہے۔

وَد

ود کا استھان دومۃ الجندل میں تھا اور یہ بنو کلب بن ویرہ کا بت تھا۔ جو بنو قضاعہ کی ایک شاخ تھی۔ بنو قضاعہ بھی عمرو بن لحی کی طرح یمن سے ہجرت کر کے شمالی عرب میں آباد ہوئے تھے اور یمن میں ودم ایم کی پوجا قدیم سے ہوتی چلی آئی تھی۔ ہو سکتا ہے اسی وجہ سے عمرو بن لحی نے انھیں یہ بت دیا ہو۔ کلبی کا بیان ہے کہ اس کا بت ایک عظیم الجثہ انسان کی صورت میں تھا۔ قریش کے لوگ بھی اسے اپنا معبود تصور کرتے تھے۔ ان کے ہاں اس کا نام وُدّ تھا اسی کی نسبت سے تاریخ میں ایک نام عبدود ملتا ہے۔

سواع

کلبی، ابن ہشام اور الازرقی کے مطابق بنو ہذیل کا معبود تھا۔ یہ بت کس مقام پر نصب تھا اس بارے میں کلبی نے دو روایات دی ہیں ایک یہ کہ یہ ینبع کے مقام پر بحرہ قلزم کے کنارے نصب تھا جو مدینہ منورہ کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ دوسری یہ کہ یہ وادی نخلہ میں رہاط کے مقام پر نصب تھا۔ اور یہ بت عمرو بن لحی نے بنو ہذیل کو دیا تھا۔ اخبار مکہ کے تشریحی حواشی میں رشیدی الصباح ملحسن نے لکھا ہے کہ آلوسی اور یاقوت بھی اسی روایت کی تائید کرتے ہیں اور یہی روایت صحیح محسوس ہوتی ہے اس لیے کہ بنو ہذیل مکہ کے گرد و نواح میں رہتے تھے۔ اور رہاط مر الظہران (وادی فاطمہ) کے مشرق اور حدیبیہ کی بستی کے مغرب میں واقع ہے۔ اس وادی میں پانچ چشمے ہیں اور بہت بڑی تعداد میں کھجور کے درخت اور جھنڈ ہیں اسی لیے نخلہ کہلاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

(رشیدی الصباح ملحسن، حواشی اخبار مکہ، ادارالاندلس بیروت، ص ۱۹۶۹: ۱/۱۳۱)

یہ بت عورت کی شکل کا تھا۔ حالانکہ سواع مرد تھا۔ ہو سکتا ہے صفاتی تصویر ہو۔ بنو ہذیل کی شاخ بنو لحیان اس کے مجاور تھے اور وہ سارے مضری قبائل جو اس جانب رہتے تھے وہ اس کی تعظیم کرتے تھے۔

Marfat.com

یعوق

یہ قبیلہ ہمدان کا بت تھا۔ اور صنعا سے دو منزل مکہ کی جانب واقع ایک بستی خیوان میں نصب تھا۔ خیوان ہمدان کی ایک شاخ تھی اور اسی کی آبادی تھی۔ یہ بت عمرو بن لحی نے ہمدان کے ایک شخص مرثد بن جشم بن حاشد بن جشم کو دیا تھا اور اس نے اسے اپنے گاؤں خیوان میں نصب کر دیا۔ یعوق گھوڑے کی شکل کا بت تھا۔ ہمدان چونکہ یمن میں تبابعہ کے باجگزار تھے۔ اسعد ابو کرب تبع نے یہودیت اختیار کر لی تو یعقوب کے عبادت گزاروں میں بھی خاصی کمی واقع ہو گئی۔

یغوث

یہ بنو مذحج کا بت تھا۔ بنو عطیف جو بنو مراد کی ایک شاخ تھے اس بت کے مجاور تھے۔ تمام بنو مذحج بالخصوص بنو مراد اور بنو غطیف اس کی تعظیم کرتے تھے۔ اسی طرح قبیلہ بنو طے کی شاخ الغم بھی اس کے عبادت گزار تھے۔ قریش بھی اس کی تعظیم کرتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ ان کے ہاں بھی بعض آدمیوں کا نام عبد یغوث ہے۔ بنو مذحج نے اسے یمن اور حجاز کی سرحد پر جرش کے مقام پر نصب کر رکھا تھا۔ اس کا بت شیر کی شکل میں تھا۔

نسر

یہ قبیلہ حمیر کی شاخ آل ذوالکلاع کا بت تھا اور اس کی شکل گدھ کی تھی۔ قوم سبا کے قدیم کتبوں میں اس کا نام نسور لکھا ہوا ملتا ہے۔ اس کے مندر بیت نسود اور اس کے پجاری اہل نسور کہلاتے تھے۔ عرب اور اس کے متصل علاقوں میں قدیم مندروں کے جو آثار پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے مندروں کے دروازے پر گدھ کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ یہ بت حمیر کے علاقہ میں یمن اور حضر موت کی سرحد پر واقع بلخع کے مقام پر نصب تھا۔

عرب کے بعض مشہور بت

ان بتوں کے علاوہ جن کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے عرب کے دور دراز علاقوں میں بت نصب تھے۔ ان میں سے بعض مشہور بتوں کا تذکرہ محض اس غرض سے کر رہے ہیں کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ مقصود ان پتھر سے بنے بتوں کی عبادت نہیں تھی۔ عبادت تو ان ہستیوں کی کی جاتی تھی جن کی نمائندگی یہ بت کرتے تھے۔ ان بتوں کے سامنے آداب عبادت ادا کرنے میں ان ہستیوں کو خوش کرنا پیش نظر ہوتا تھا۔

Marfat.com

ذوالخلصہ

یہ ایک سفید چٹان تھی جس پر تاج کندہ تھا۔ یہ تبالہ کے مقام پر تھا۔ جو مکہ سے سات منزل کے فاصلہ پر مکہ اور یمن کے درمیان ایک بستی تھی۔ قبیلہ بنو باہلہ کی شاخ بنو امامہ اس کے مجاور تھے۔ اس پر باقاعدہ ایک مندر بھی تعمیر کیا ہوا تھا۔ نعم، بجلیہ اور ازدسراۃ کے علاوہ ہوازن کی جو شاخیں یہاں آباد تھیں وہ سب اس کی تعظیم کرتے تھے۔ اس کے سامنے بھی ازلام کے تیر رکھے رہتے تھے۔ جن سے لوگ فال نکالتے اور اس کے پاس آ کر قربانی کے جانور ذبح کرتے تھے۔ یہ سورج کا بت تھا۔

ایک بار امرئ القیس بن حجر الکندی یہاں آیا۔ وہ اپنے باپ کا بدلہ لینے کے لیے بنو اسد پر حملہ کرنا چاہتا تھا اس نے یہاں رکھے ازلام کے تیروں سے فال نکالی کہ میں بدلہ لینے کے لیے حملہ کروں یا نہ کروں۔ فال میں ممانعت نکلی۔ اسے غصہ آیا۔ اور ازلام کے تیر توڑ کر اس کے منہ پر دے مارے۔ اور یہ شعر کہہ کر چلا گیا ؎

لو کنت یا ذوالخلص الموتوراً مثلی وکان شیخك المقبوراً

لم تنہ عن قتل العداۃ زوراً

”اے ذوالخلصہ اگر تجھے میری طرح اپنے مقتول کا بدلہ لینا ہوتا۔ اس لیے کہ تیرا باپ قتل ہو گیا ہوتا تو تو مجھے یوں غلط فیصلہ دے کر نہ روکتا۔“

پھر اس نے بنو اسد پر حملہ کر دیا اور غالب آ گیا۔ اس وقت کے بعد کسی نے دارالخلصہ کے پاس فال نہیں نکالی یہاں تک کہ فتح مکہ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے یہ بت منہدم کر دیا گیا۔ ابن الکلبی کی وفات ۲۰۷ھ میں ہوئی ہے وہ لکھتا ہے کہ اس وقت تبالہ کی مسجد میں وہ پتھر دہلیز کے طور پر لگا ہوا ہے۔

تبالہ ہی کی جانب مکہ اور یمن کے درمیان ارض خولان میں ذوالشریٰ کا بت تھا اور ازدسراۃ میں سے بنی الحارث بن یشکر اس کی عبادت کرتے تھے۔ اسی طرح ازدسراۃ کا بت عائم بھی ذوالشریٰ سے ایک منزل جانب جنوب میں ساحل بحیرہ قلزم کے قریب نصب تھا۔

عمیانس

یمن میں صنعاء سے بجانب مغرب بحیرہ قلزم کے قریب قبیلہ خولان کا بت عمیانس نصب

Marfat.com

تھا یہ علاقہ بہت زرخیز تھا۔ ہر طرح کی اجناس اور پھل پیدا ہوتے تھے اور خلان اپنی اجناس پھلوں اور جانوروں کا باقاعدہ ایک حصہ اللہ کے نام پر نکالتے اور ایک حصہ عمیانس کے نام پر بھی نکالتے تھے۔

■ ذوالکفین اور سعد

مکہ سے قریب بنودوس کے علاقے میں بنومنہب بن دوس کا بت ذوالکفین تھا تمام قبائل دوس اس کی تعظیم کرتے تھے اور اسی سے جانب جنوب مشرق میں بنومالک اور بنوملکان کا بت سعد تھا۔ یہ کوئی مجسمہ نہ تھا بلکہ ایک لمبی چٹان تھی۔ یہاں آ کر لوگ برکت لیتے، قربانیاں پیش کرتے اور قربانی کا خون اس چٹان پر ملتے تھے۔ ایک عرب یہاں اپنے اونٹ لے کر آیا کہ ان میں برکت ہو۔ مگر اونٹ خون سے اس لتھڑی چٹان کو دیکھ کر جدھر ان کا منہ آیا بھاگ کھڑے ہوئے۔ اسے بہت دکھ ہوا۔ اس نے اسے ایک پتھر کھینچ مارا اور کہا لا بارك الله فيك الها النفرت على ابلى۔ اللہ تجھے بطور الٰہ کے متبرک نہ بنائے تو نے میرے اونٹ بھگا دیے ہیں۔ اور یہ شعر کہہ کر چلا گیا۔

اتینا الی سعدٍ لیجمع شملنا
فشتتنا سعد فلا نحن من سعد

"ہم سعد کے پاس آئے کہ ہمارے معاملات سنوریں تو سعد نے ہمیں پراگندہ کر دیا سو ہمارا سعد سے کوئی تعلق نہیں۔

وھل سعد الا صخرة بتنوفةٍ
من الارض لایدعیٰ لغی ولا رشد

"اور کیا سعد بے آب صحرا میں کھڑی چٹان کے سوا کچھ ہے جس سے نہ بدبخت نہ نیک بخت کے بارے میں دعا کی جاتی ہے۔"

■ الفلس

اسی طرح شمالی عرب میں ودسب سے بڑا بت تھا تاہم اس کے علاوہ چند ایک بت اور بھی مشہور تھے جن میں سے ایک الفلس تھا۔ یہ انسانی شکل کا بنا ہوا سرخ پتھر کا بت تھا۔ یہ نجد کے شمالی حصے میں بلاد بن طے میں ان کے دو مشہور پہاڑوں سلمٰی اور اجاء کے درمیان نصب تھا۔ قبائل طے اس کی تعظیم کرتے تھے۔ اگر کوئی خوف زدہ اس کے مندر میں پہنچ جاتا تو اس کے دشمن بھی اسے

Marfat.com

کچھ نہ کہتے۔ کوئی جانور اگر اس کے احاطہ میں پہنچ جاتا تو اسی کا قرار پاتا اور وہاں سے اسے لے جانے کی کوئی جسارت نہ کرتا تھا۔ اس کی مجاورت بنو بولان کرتے تھے۔ اس کا ایک مجاور صیفی بنو کلب کی ایک ایسی عورت کی اونٹنی بھگا کر لے گیا جو مالک بن کلثوم جشعمی کی پناہ میں تھی اور لے جا کر انفلس کے صحن میں باندھ دی۔ اس عورت نے مالک سے شکایت کی تو مالک مندر میں پہنچ گیا اور مجاور سے کہا اونٹنی کو جانے دے۔ صیفی نے کہا یہ تو اب تیرے رب کی ہوگئی ہے۔ مالک نے نیزہ سیدھا کر لیا اور کہا۔ اونٹنی کو جانے دو۔ اس نے اونٹنی چھوڑ دی اور مالک وہ لے کر چلا گیا۔ مجاور الفلس کو اشارے کرتا رہا کہ وہ لے کر جا رہا ہے۔ وہاں اس وقت عدی بن حاتم اور کچھ دوسرے لوگ بیٹھے تھے۔ وہ مالک کی اس جسارت پر کانپ گئے کہ اب دیکھیں اس کا حشر کیا ہوتا ہے۔ جب اسے کچھ بھی نہیں ہوا تو عدی بن حاتم نے بتوں کی عبادت سے توبہ کر لی اور عیسائیت اختیار کر لی۔ شاید یہی شے بعد میں اس کے ایمان لانے کا سبب بنی۔

الاقیصر

جزیرہ نمائے عرب کے شمال مغربی حصہ میں شام کی سرحد پر پہاڑی علاقوں میں الاقیصر نامی بت نصب تھا۔ یہ قضاعہ، لخم، جذام، عاملہ اور غطفان کا بت تھا۔ یہ تمام قبائل اس کی تعظیم کرے تھے۔ اس کی زیارت کے لیے آتے اور اس کے پاس اپنے سر منڈواتے تھے اور جو شخص بھی بال ترشواتا تھا ان کے ساتھ ایک مٹھی آٹا بطور صدقہ ان بالوں پر ڈال دیتا تھا۔ لوگ آٹا اور بال ملنے سے پہلے آ جاتے تو وہ آٹا صاف حالت میں مانگ لیتے ورنہ آٹے میں سے بال چن لیتے اور میں جوؤں والے آٹے کو صاف کر کے پکا کر کھاتے تھے۔ یہ کام ہوازن کے غریب لوگ کرتے تھے اور ان کی اس حرکت پر کئی شعراء نے ان کی ہجو بھی کی ہے۔

متفرق

اسی طرح عرب کے مشرقی کنارے پر شمال کی جانب سعیر، ذوالکعبات کے بت تھے یہ ذوالکعبات کا بت بنو بکر اور تغلب کے علاقے میں تھا اسی طرح بحرین میں ایک بت ذوالّلبا نصب تھا۔

بتوں کی کثرت

ہم نے گزشتہ صفحات میں جزیرہ عرب میں پھیلے ہوئے بتوں میں سے بعض بڑے بڑے

Marfat.com

بتوں کا تذکرہ ذرا تفصیل سے کر دیا ہے۔ تاہم یہ گمان کرنا کسی طرح درست نہیں ہے کہ عرب میں یہی بت تھے۔ حق یہ ہے کہ ان بتوں کی تعداد بے شمار تھی۔ ہم تذکرہ کر چکے ہیں کہ اس زمانہ میں حرم کعبہ کی عمارت اور صحن میں تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ الازرقی نے اخبار مکہ میں لکھا ہے کہ عمرو بن لحی نے منیٰ میں سات بت نصب کروائے تھے۔ ایک بت مسجد منیٰ اور جمرہ اولیٰ کے درمیان نصب تھا۔ ایک جمرہ اولیٰ کے پاس، ایک مرعا پر، ایک جمرہ وسطیٰ پر نصب تھا۔ ایک بت جمرہ عظمیٰ پر نصب تھا۔ لوگ رمی جمار کے لیے آتے تو ان بتوں میں سے ہر ایک کو تین سنکر مارتے اور کہتے انت اکبر من فلاں۔ تم فلاں سے بڑے ہو۔ اسی طرح مکہ کے ہر گھر میں اپنا الگ بت نصب تھا۔ حجاز تہامہ نجد اور حساء میں جہاں یہ بڑے اور مشترکہ بت ہوتے تھے وہاں ہر قبیلہ اور قبیلہ کے ہر بطن کا اپنا الگ بت نصب تھا۔ وہ لوگ بت پرستی کے اتنے عادی تھے کہ سفر میں جہاں قیام کرتے تھے۔ خیمے لگانے کے بعد ہر گھر اپنے لیے چار پتھر چنتا تھا۔ جو سب سے خوبصورت ہوتا۔ اسے بت قرار دے کر اس کے گرد آداب عبودیت بجالائے جاتے۔ باقی پتھر چولھے کے لیے استعمال کر لیے جاتے اور انھیں اسافی کہا جاتا۔ جب کوچ کرتے تو انھیں وہیں چھوڑ دیتے۔ اور اگلی منزل پر نئے بت اسافی چن لیے جاتے تھے۔ جہاں ریگستان میں قیام کے دوران پتھر میسر نہ آتے۔ آٹے کا بت بنا کر عبادت کر لی جاتی اور پھر وہی آٹا پکا کر کھا لیا جاتا۔ پتھر اور آٹے کے یہ بت قبائل کے اپنے معبودوں کے قائم مقام گنے جاتے اور ان کے آگے بجالائے جانے والے آداب اصل بت کے آداب سمجھے جاتے اور بت اس شخصیت کا قائم مقام تھا جو ان کا اصلی معبود ہوتا تھا۔

کعبے

خانہ کعبہ پہلا گھر تھا جو ابتداء نبی نوع آدم کے ساتھ ہی اللہ کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا تھا پھر اس کی تعمیر ثانی حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ یہ اللہ کا مقرر کردہ قبلہ تھا۔ لہٰذا اہل عرب کے نزدیک نہایت عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اس کے متولیان اور خدام کو خود اسی کے حوالے سے مذہبی پیشوا کی حیثیت حاصل ہوتی تھی اور اس حوالے سے انھیں احترام کے علاوہ بہت مالی فوائد بھی حاصل ہوتے تھے۔ اور امن وسکون بھی۔ حمیری سلطنت کے اضمحلال اور شمال میں نبطی حکومت کے قبضے کے بعد تجارتی راستے پر اہل مکہ کا قبضہ اس احترام اور منافع پر اضافہ تھا۔ اس طرح بعض دوسرے علاقوں میں بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر اسی نوعیت کا کوئی

Marfat.com

عبادت خانہ اپنے ہاں تعمیر کر کے اسے اتنا جاذب بنا دیا جائے کہ لوگوں کا رجحان اس عبادت خانہ کی طرف ہو جائے تو وہ احترام، وہ سفری تحفظات، اور وہ مادی فوائد انھیں بھی حاصل ہو سکتے ہیں جو بنو کنانہ بالخصوص قریش کو حاصل ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی کوشش حبش کی عیسائی حکومت نے اس وقت کی جب انھیں پہلی بار یمن کی حمیری سلطنت پر قابض ہونے کا موقع ملا۔ انھوں نے نجران میں کعبہ کی طرز کی ایک عمارت تعمیر کی اس کے اردگرد حرم کعبہ کی طرز پر ایک حرم تعمیر کروایا۔ نجران کے علاقے میں اس وقت ۷۳ بستیاں آباد تھیں اور یہ عیسائی اس وقت دین عیسیٰ علیہ السلام پر تھے جس کا سبب غالباً فیمیون نامی ایک مومن عیسائی کی تبلیغی مساعی کا اثر تھا تاہم حکومت جو دین عیسیٰ سے انحراف کا شکار ہو چکی تھی۔ اس نے اپنی مادی اغراض کے تحت اس میں بت رکھے۔

کعبہ نجران

اس کعبے میں حضرت عیسیٰ کی تصویر کے علاوہ عرب بھر کے مختلف بت اس غرض سے نصب کیے گئے تھے تاکہ تمام قبائل عرب اس کعبہ کی طرف رجوع کریں اور اس کی تعمیر کی غرض بھی یہی تھی۔ اس کے راحب اور اسقف بھی اسی غرض سے حبشی لباس ترک کر کے عربی لباس پہنتے اور پگڑی باندھتے تھے کہ عرب قبائل ان سے اجنبیت محسوس نہ کریں اور یہاں آنا شروع کر دیں۔ ہو سکتا ہے کہ انھوں نے یہاں آنے والے لوگوں کو قیام و طعام کی سہولیات بھی مہیا کی ہوں۔ ہمارا گمان ہے کہ عمرو بن لحی نے بھی اسی غرض سے کہ جنوب کے یمنی اور شمال کے شامی اور کلدانی بت پرست قبائل کو کعبہ کی طرف راغب کرنے کے لیے یہاں بت نصب کروائے ہوں۔ تاہم ۳۷۸ء میں حبشی حکومت کے ختم ہونے کے نتیجے میں یہ عیسائی اپنے ان عزائم میں کامیاب نہ ہو سکے اور یہ عمارت جو کعبہ نجران کہلاتی تھی کبھی بیت اللہ کا سا احترام حاصل نہیں کر سکی۔

رضی

بنو ربیعہ بن کعب بن سعد بن زید مناۃ نے دیار ربیعہ میں نجد کے علاقے میں اسی نوعیت کی ایک عمارت تعمیر کر رکھی تھی۔ اس میں بھی عرب کے بتوں کو جمع کیا گیا تھا۔ تاہم یہ گھر کعبۃ اللہ کی حیثیت کیا اختیار کرتا۔ کعبہ نجران کی طرح کعبہ کا نام بھی نہیں پا سکا۔ اور رضی کا علاقائی مندر بن کر رہ گیا۔ یہ نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں موجود تھا۔ فتح مکہ کے بعد آپ کے حکم سے المستوغر نے اسے پیوند خاک کر دیا۔ (ابن الکلبی، کتاب الاصنام: ص ۴۵-۴۶)

Marfat.com

کعبہ ایاد

بنوایاد نے کوفہ وبصرہ کے درمیان میں کعبہ نما عمارت تعمیر کی تھی۔ مگر انھیں جلد ہی اس بات کا احساس ہو گیا کہ یہ ایک سعی لا حاصل ہو گی۔ اسی لیے شاید اس میں کبھی بت رکھنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ (ابن الکلبی، کتاب الاصنام: ص ۴۵-۴۶)

عبدالدار بن حدیب کی کوشش

اسی زمانے میں بنوجہینہ کے ایک شخص عبدالدار بن حدیب نے اپنی قوم کو یہ مشورہ دیا کہ آؤ ہم بھی اپنے لیے ایک عبادت گاہ بنائیں جس کے ذریعے ہم بھی اہل حرم کی سی عزت پائیں اور عرب کے اکثر لوگوں کا رخ اس طرف موڑ دیں مگر اس قوم نے کہا یہ گناہ ہے اور انھوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ (ابن الکلبی، کتاب الاصنام: ص ۴۵-۴۶)

القلیس

وہ عبادت گاہ ہے جو ابرہہ حبشی نے اسی غرض سے صنعاء میں تعمیر کروائی تھی کہ اسے عرب کا قبلہ بنا ڈالے۔ مگر ابابیلوں کے ہاتھوں تباہ ہو کر ایسا نہ کر سکا۔

مشرکانہ نظام عبادت

ہم قبل ازیں تفصیل سے لکھ چکے ہیں کہ عرب قبائل نہ صرف اللہ کے قائل تھے بلکہ بزعم خویش اللہ کو وحدہ لاشریک لہ مانتے تھے۔ ان بتوں اور دوسرے معبودوں کو اللہ کے ہاں سفارشی اور ذریعہ تقرب تسلیم کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ ان کا بھی مالک ہے اور ان کے اختیارات کا بھی مالک ہے۔ انھیں اللہ پر ایمان کا دعویٰ تھا مگر وہ مشرک تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ مَا یُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾

(یوسف: ۱۰۶)

"ان میں سے اکثر اللہ کو مانتے ہوئے بھی شرک کرتے ہیں۔"

وہ صدیوں تک دین ابراہیمی کی تعلیمات سے ناواقف ہونے کے سبب اللہ کی عبادت کے طریقوں سے تو قطعی طور پر ناواقف تھے۔ وہ الہامی طریق عبادت جس کی تعلیم انھیں اسماعیل علیہ السلام وحدہ لاشریک کی عبادت کے بتا گئے تھے وہ بھلا چکے تھے۔ مگر اپنے ان خود ساختہ

Marfat.com

معبودان باطل کی عبادت کا ایک مرتب نظام ان کے ہاں موجود تھا۔ جس کی جزئیات میں ان کے ہاں آئے دن اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ اس سارے نظام کی آسمانی سند ان کے پاس موجود نہیں تھی مگر یہ آسمانی تعلیمات سے کہیں زیادہ واجب الاتباع سمجھا جاتا تھا۔ وہ اس سے سر مو انحراف کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ اس کی ایک ہی سند ان کے پاس موجود تھی:

هذا ما وجدنا عليه ابائنا

''ہم نے اپنے آبا کو اسی طرح کرتے پایا ہے۔''

وہ انھیں نہ زمین و آسمان کا خالق مانتے تھے نہ مالک نہ مدبر الامر، نہ رزاق، نہ شافی۔ وہ انھیں اللہ وحدہ لاشریک کے اپنے سفارشی مانتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ خود اللہ کے غلام تھے۔ ان کے پاس جو اختیارات وہ تسلیم کرتے تھے اسی کے عطاء کردہ تھے۔ تاہم یہ ایسی ہستیاں تھیں جن کی سفارش اللہ رد نہیں کرتا۔ ان کا خیال یہ بھی تھا کہ چونکہ یہ اللہ کے ہاں درجہ تقرب پر فائز ہیں لہٰذا اللہ کا تقرب حاصل کرنے کا آسان ترین طریقہ ان کا توسل حاصل کرنا ہے۔ اگر یہ ہم پر مہربان ہو جائیں تو ہم بغیر کسی دوسری محنت اور بغیر کوئی پابندی قبول کیے اللہ کے مقرب بن جاتے ہیں۔ اور ان کی مہربانی حاصل کیے بغیر کوئی بھی شخص اللہ کا تقرب حاصل نہیں کر سکتا۔ ان مقرب ہستیوں کو خود پر مہربانی کرنے کے لیے انھوں نے عبادات کا ایک پیچ در پیچ نظام عبادات تراش رکھا تھا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نظام عبادات کو بیان کرنے سے پہلے خود بتوں کے بارے میں تھوڑی سی تفصیل بیان کر دی جائے جو دلچسپی کا باعث ہو سکتی ہے۔ بتوں کے بارے میں ادب عربی میں کوئی زیادہ تفصیلی اطلاعات نہیں ملتی ہیں۔ تاہم ود کے بارے میں ابن الکلبی نے تھوڑی سی تفصیل دی ہے جس پر باقی بتوں کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ ابن الکلبی کا کہنا یہ ہے کہ میں نے مالک بن حارثہ سے کہا میرے سامنے ود کی تصویر کشی یوں کرو کہ میں چشم تخیل سے اسے دیکھ سکوں۔ اس نے کہا یہ بت بالکل انسانی شکل کا تھا قد طویل تھا مگر اتنا ہی جتنا کسی طویل ترین آدمی کا ہو سکتا ہے۔ پتھر کی کٹائی یوں کی گئی تھی جیسے اس نے دو حلے لے رکھے ہوں۔ ایک حلہ پوری طرح زیب تن تھا۔ دوسرا حلہ تھوڑا سا الٹا ہوا تھا۔ گلے میں تلوار حمائل تھی۔ کندھے پر کمان لٹکی تھی۔ اس کے سامنے نیزہ تھا۔ جس میں جھنڈا تھا۔ اس کے علاوہ ایک ترکش جس میں تیر رکھے تھے۔

ود کے مجسمے کی یہ تفصیل ہم نے محض اس لیے عرض کی ہے کہ معلوم ہو جائے کہ مجسمہ سازی

Marfat.com

میں اس بات کا پورا اہتمام کیا جاتا تھا کہ اس ہستی کی عظمت اور بالاتری خود مجسمے سے واضح ہو رہی ہو اور دیکھنے والا اس عظمت سے متاثر ہو۔ پھر اس کو مختلف طریقوں سے آرائش و زیبائش اور خوبصورت اور بارعب اور باہیبت بنانے کی کوشش کی جاتی تھی۔

حفاظت وانتظام

ان بڑے بڑے بتوں میں سے اکثر کے مندر تعمیر کیے گئے تھے۔ جن کے اندر یہ بت نصب تھے۔ ان میں بت کے لیے الگ کمرہ ہوتا تھا۔ نگران یا مجاور کی رہائش اور نشست گاہ کا الگ اہتمام ہوتا۔ خدام کے لیے الگ کمرے بنائے جاتے تھے۔ مندر کو دروازوں اور محرابوں سے خوبصورت بنایا جاتا۔ ہر مندر کا ایک بڑا پجاری (سادن) ہوتا تھا۔ جس کو اس علاقے میں مذہبی عقیدت میسر ہوتی تھی۔ اس کے ماتحت ایک حاجب مقرر ہوتا تھا۔ جو سادن کا نائب گنا جاتا تھا۔ مندر کو کھولنا اور بند کرنا اسی کی ذمہ داری تھی۔ مندر کی صفائی کا انتظام بھی اسی کے ماتحت ہوتا تھا۔ نذر و نیاز وصول کر کے سادن کے حضور پیش کرنے کی ذمہ داری اسی کی ہوتی تھی۔ اسی طرح بعض بتوں کے پاس پانسے کے تیر بھی رکھے رہتے تھے۔ جن سے یہ لوگ اس بت کی رضا معلوم کرتے تھے۔ ان تیروں کے نگران کو صاحب القداح کہتے تھے۔ ان کے علاوہ مندر میں تنخواہ دار اور رضا کار خدام کی ایک فوج موجود رہتی تھی۔ حاجب وقت مقررہ پر مندر کھولتا اور بند کرتا تھا۔ البتہ مخصوص حالات میں یہ اوقات بدل بھی جاتے تھے۔ صفائی کا پورا اہتمام کیا جاتا تھا اور مقررہ تاریخوں پر مندر اور بتوں کو غسل بھی دیا جاتا تھا۔

آداب ورسوم

لوگ جب کسی بت کی زیارت کے لیے آتے تو ان بتوں کے گرد طواف کرتے۔ تبرکاً انھیں چھوتے ان کی مدح میں اشعار پڑھتے۔ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے عاجزانہ دعائیں۔ صحت اور رزق کی کشادگی کے لیے ان سے درخواستیں کرتے۔ مندروں کی چوکھٹوں کو چھوتے۔ سادن و حاجب کے آداب بجالاتے اور ان کے آگے جھکتے اور پیچھے چلے جاتے۔ ان سے ہاتھ ملانا اور ان کے جسم کو چھو لینا باعث خیر و برکت سمجھا جاتا۔ لوگ بتوں کے سامنے نذرانے پیش

Marfat.com

کرتے۔سفر پر جانے اور واپس گھر آنے سے پہلے بتوں کی ایسی حاضری ضروری خیال کی جاتی تھی۔شادی کے موقع پر دلہا اور دلہن تبرک کے لیے حاضر ہوتے تجارتی منافع میں سے بت کا حصہ نکالا جاتا تھا اور نذرانوں کی کئی مقررہ صورتیں بھی تھیں۔

نذرانے

حجاز و عرب کے لوگ خانہ بدوشی کی زندگی گزارتے تھے اور ان کا سب سے بڑا ذریعہ معاش جانور پالنا تھا۔یہی ان کی دولت تھی اور یہی ان کا زر مبادلہ بھی۔یہی ان کا دان اور بخشش کا ذریعہ تھا۔یہی ان کے ہدایا اور نذرانوں کا مال تھا۔چنانچہ مختلف منتوں کے پورا ہونے پر وہ ان بتوں کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے۔یہ جانور اس بت کے لیے مقرر کردہ قربان گاہ پر لے جا کر ذبح کیے جاتے۔ہر بت کی اپنی قربان گاہ مقرر تھی۔جس پر اس بت کے لیے ذبحہ کیے جانے والے جانور ذبح کیے جاتے۔یہ قربان گاہ نصب کہلاتی تھی۔جس کی جمع نصب ہے۔وہاں اسی غرض کے لیے گاڑے گئے پتھروں پر ان جانوروں کا خون اور گوشت لتھڑا جاتا۔جانور کو ذبح کرتے وقت پکار کر کہا جاتا بہ اسم فلاں۔جیسے بہ اسم اللات بہ اسم العزیٰ یا بہ اسم ود وغیرہ۔پھر یہ گوشت وہاں پر موجود لوگوں میں تقسیم بھی کیا جاتا اور دیگوں میں پکا کر وہاں پر موجود لوگوں کو کھلایا بھی جاتا۔اور وہ لوگ اسے عقیدتاً ثواب سمجھ کر کھاتے تھے اور تبرکاً گھر لے جاتے اور اہل خانہ کو کھلاتے تھے۔

ان ذبیحوں کے علاوہ دولت مند لوگ سونا اور چاندی بھی نذر گردانتے تھے۔مختلف پھل اور اجناس بھی نذر کی جاتیں۔لوگ اپنے قیمتی ہتھیار بھی چڑھاوے کے طور پر دے جاتے۔یہ سب اشیاء اس بت کے خزانہ میں جمع ہوتیں اور عملاً سادن (مجاور یا پجاری) کی ملکیت ہوتیں۔

لوگ مختلف معاملات میں فیصلہ کروانے کی غرض سے صاحب القداح کو ایک مقرر نذرانہ دے کر بت سے رہنمائی کی دعا مانگ کر زلام کے تیروں سے فال نکلواتے۔کسی مدعی کو اپنے قبیلہ کا فرد تسلیم کرنے یا رد کر دینے،قتل کا بدلہ لینے یا نہ لینے نیز قصاص یا دیت لینے تک کے معاملوں کا فیصلہ اسی طرح کیا جاتا۔زندگی کے چھوٹے بڑے سبھی اختلافات کا فیصلہ اسی طرح کیا جاتا تھا۔ان فیصلوں کو خدائی فیصلے مان کر تسلیم کیا جاتا تھا۔

Marfat.com

بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور

بتوں کے نام پر ذبح کیے جانے والے جانوروں کے علاوہ عرب اپنے ان معبودان باطل (طواغیت) کے نام پر مختلف جانور کھلے چھوڑ دیتے تھے۔ یہ جانور اس معبود کی ملکیت گنے جاتے تھے جس کے نام پر یہ چھوڑے گئے تھے۔ یہ جہاں چاہتے تھے چرتے تھے۔ جس کھیت یا چراگاہ میں چاہتے داخل ہوتے۔ انھیں روکنا یا وہاں سے بھگانا گناہ خیال کیا جاتا۔ ایسا کرنا اس معبود کی توہین سمجھا جاتا تھا۔ لوگ اس کی ناراضی کے وبال سے بچتے تھے۔ نہ ان پر کوئی شخص سواری کرنے کی جسارت کرتا نہ کوئی ان کی اون یا بال کاٹنے کی ہمت پاتا تھا۔ نہ کوئی ان کا دودھ دوہتا تھا۔ یہ سارے منافع اس معبود اور اس متولیوں اور مجاوروں کے لیے مخصوص تھے جو یا تو خود ان سے فائدہ اٹھاتے یا پھر مسافروں کی خدمت کرتے تھے یا باہر سے آنے والے مہمانوں کی مہمان نوازی میں کام میں لاتے تھے۔

یہ جانور بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کہلاتے تھے۔ ان کے لیے باقاعدہ اصول مقرر تھے کہ بتوں کے نام پر چھوڑا گیا کون سا جانور بحیرہ کہلائے گا کون سا سائبہ یا وصیلہ یا حام کہلائے گا۔ البتہ ان اصولوں کی روایت کرنے والوں میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں اختلاف روایات کے مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مختلف علاقوں اور مختلف قبیلوں میں اپنے معبودوں کے نام پر ان ناموں سے جانوروں کو چھوڑنے کے مختلف اصول تھے۔ یا ایک ہی نام سے مختلف شرائط کے ساتھ یہ جانور نذر کیے جاتے تھے۔

■ بحیرہ

① جو اونٹنی پانچ بچے دے چکتی اور پانچواں بچہ نر ہوتا۔ اس کا کان چیر کر بت کے نام پر چھوڑ دیا جاتا۔ (سیرۃ ابوالاعلیٰ مودودی، سیرت سرور عالم: ۵۸۶/۱، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم: ۱۱۱/۲)

② سائبہ کی بچی جو اس کے سائبہ بنا کر چھوڑے جانے کے بعد پیدا ہوتی۔ اس کا کان چیر کر بحیرہ بنا دی جاتی اور بتوں کے نام پر چھوڑ دی جاتی۔ (ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۸۹/۱)

■ سائبہ

① محمد بن اسحاق کی روایت یہ ہے کہ جب کوئی اونٹنی لگاتار دس بچے دے چکتی۔ جن میں

Marfat.com

کوئی بھی نر نہ ہوتا تو وہ سائبہ بنا کر بت کے نام پر چھوڑ دی جاتی۔

(ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۸۹/۱)

④ مجاہد کہتے ہیں۔ بکریوں میں سے جو بکری چھ بچے دے چکتی اپنی حالت پر رہتی البتہ جب ساتویں بار ایک بچہ یا دو بچے دیتی تو اگر وہ نر ہوتے تو مرد انھیں ذبح کر کے کھا جاتے مگر عورتیں یہ نہیں کھا سکتی تھیں پھر وہ بکری سائبہ بنا کر چھوڑ دی جاتی۔ (ایضاً: ۱۱/۲)

③ ابو روق کہتے ہیں کہ جب کوئی آدمی منت مانتا اور اس کی حاجت پوری ہو جاتی۔ تو وہ اپنے مال میں سے اونٹنی یا بکری سائبہ بنا کر چھوڑ دیتا۔ سعدی کہتے ہیں بیماری کی شفا کی منت پوری ہونے یا مال کی کثرت کی شرط پوری ہونے پر بھی اونٹنی یا بکری سائبہ بنا کر چھوڑی جاتی تھی۔ (ایضاً: ۱۱/۲)

وصیلہ

① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب بکری سات بار بچے دے چکتی تو ساتویں بار پیدا ہونے والا بچہ نر ہوتا۔ تو اسے صرف مرد کھاتے۔ اگر بچہ مادہ ہوتی تو زندہ رکھتے۔ اگر بچی اور بچہ دو ہوتے تو ماں کو وصیلہ بنا کر چھوڑ دیتے۔ (ایضاً: ۱۱/۲)

② محمد بن اسحاق کی روایت ہے جب بکری پانچ مرتبہ دو دو بچے جنتی تو وصیلہ بنا کر چھوڑ دی جاتی۔ (ایضاً: ۱۱/۲)

③ سعید ابن مسیّب بیان کرتے ہیں جب کوئی اونٹنی پہلی دو دفعہ میں بچہ جنتی تو وصیلہ بنا کر چھوڑ دی جاتی۔ وصیلہ کا کان چیرنے کی بجائے کاٹا جاتا۔ (ایضاً: ۱۱/۲)

حام

① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ابو روق اور قتادہ کہتے ہیں کہ جب ایک اونٹ کے نطفے سے دس بچے پیدا ہو جاتے تو سے حام بنا کر چھوڑ دیتے تھے۔ (ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم: ۱۱/۲)

② علی بن طلحہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جب ایک اونٹ کا پوتا پیدا ہو جاتا تو اسے حام بنا کر چھوڑ دیتے تھے۔ (ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم: ۱۱/۲)

Marfat.com

زمین کی پیداوار میں حصہ

حجاز کی سرزمین چونکہ پتھریلی تھی اس لیے یہاں روئیدگی کم ہوتی تھی تاہم یہاں بھی مختلف جگہوں پر کھجور کے درخت پائے جاتے تھے۔ جہاں نشیبی جگہوں پر پانی جمع ہو جاتا وہاں چھوٹے چھوٹے نخلستان پیدا ہو جاتے تھے۔ مرالظہران اور مدینہ منورہ میں چونکہ ہموار اور زرخیز زمین کی وادیاں تھیں لہٰذا کاشتکاری ہوتی تھی۔ مکہ مکرمہ کے جنوب میں طائف کا صحت افزا مقام تھا اور یہاں ہر طرح کے پھل اور کھجوریں عام تھیں۔ اسی طرح بحیرہ قلزم کے کنارے تہامہ میں جہاں جابجا پانی کے چشمے موجود تھے۔ زراعت ہوتی تھی یمن، نجران اور حضرموت نیز عمان اپنی آب و ہوا اور بارشوں کی کثرت کے سبب ہر طرح کی اجناس اور پھلوں کے لیے مشہور تھے۔ یمامہ اور نجد پھلوں کے علاوہ گندم اور دوسری اجناس کی کاشت کے لیے مشہور تھا۔ خیبر، تیمہ، فدک وغیرہ بھی زرعی علاقہ تھا۔

ان علاقوں کے لوگ اپنی اجناس میں سے جہاں اللہ کا حصہ نکالتے تھے وہاں اپنے شرکاء کا حصہ بھی نکالتے تھے۔ اللہ کے حصے میں تو کمی کر لیتے تھے مگر اپنے معبودان باطل کے حصے میں کبھی کمی نہ کرتے تھے۔

﴿وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِیْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا یَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ یَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ﴾ (الانعام:۱۳۶)

”زمین کی پیداوار اور جانوروں میں وہ اللہ کا حصہ مقرر کرتے ہیں اور اپنے زعم میں کہتے ہیں کہ اللہ کا حصہ ہے اور یہ ہمارے شرکاء کا حصہ ہے پھر جو ان کے شرکاء کا ہوتا وہ کبھی اللہ کو نہ پہنچتا اور جو اللہ کے لیے ہو وہ ان کے شرکاء کو پہنچ جاتا ہے۔ وہ بہت برا فیصلہ کرتے ہیں۔“

عرب جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے اللہ کو کائنات کا واحد مالک مانتے تھے۔ لہٰذا بزعم خویش اپنی زمینی پیداوار میں سے اللہ کی عبودیت کے اظہار کے طور پر اس کا حصہ تو الگ کر لیتے تھے اور اس میں سے کچھ اسی کے نام پر مساکین کو دیتے۔ تاہم اس میں سے بیشتر حصہ وہ اپنے

Marfat.com

شرکاء کے ہاں نذر کرآتے اور ان کا فلسفہ یہ تھا کہ یہ اللہ کی مخلوق اور اس برگزیدہ اور محبوب بندے ہیں۔ لہٰذا اللہ کے نام پر دیا جانے والا مال ان کو دے دینا مساکین جو بہرحال اس کے مقرب نہیں ہیں کو دینے سے بہتر ہے۔ مگر خود ان شرکاء کے حصے کے معاملے میں اتنے محتاط تھے کہ ان کا حصہ کبھی اللہ کے نام پر نہیں دیتے تھے۔

مقررہ ایام میں زیارت

ان شرکاء شفعاء یا بتوں کی عبادت میں سال بھر میں ایک بار مقررہ تاریخوں پر حاضری دینا بھی شامل تھا۔ ہر بت کے لیے زیارت کی یہ تاریخ کیسے مقرر ہوئی اور اس تقرر کی بنیاد کیا تھی اس بارے میں کوئی وضاحت موجود نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ موسمی حالات اور اقتصادی تجارتی ضروریات ہی اس کا سبب بنی ہوں۔ تاہم ان مقررہ تاریخوں پر اس بت کے عقیدت مند قبائل بت کے قرب و جوار میں جمع ہوتے۔ حلیف قبائل کو بھی دعوت دی جاتی۔ خیمے لگتے اور بازار سجتے تھے۔ لوگ بت کے حضور حاضری دیتے۔ بت کا طواف کرتے۔ ان کی تعریف و توصیف میں اشعار پڑھتے اور نعرے بلند کرتے۔ ان سے مصائب میں امداد طلب کرتے۔ حاجتوں کو پورا کرنے کی دعائیں کرتے۔ چوکھٹ کو بوسہ دیتے۔ تعظیم بجالاتے اور سجدے کرتے۔ متولیوں اور مجاوروں کو نذرانے پیش کرتے۔ اپنے مال میں سے بت کے لیے نکالا ہوا حصہ نذر کرتے بت کے قریب اعتکاف کرتے۔ ان بتوں کے نام پر جانور ذبح کرتے۔ ان جانوروں کا گوشت پکا کر زائرین میں تقسیم کرتے اور سادہ گوشت بھی تقسیم ہوتا۔ آہستہ آہستہ یہ اجتماع تجارتی منڈیوں اور میلوں میں تبدیل ہو گئے اور اسواق کہلانے لگے۔

اسواق

اس طرح کے میلے اور سوق پورے ملک میں پھیلے ہوئے تھے اور ان سے عربوں کی معاشرت پر عجیب اثرات مرتب ہوتے تھے۔ یہ اس طرح ترتیب وار منعقد ہوتے تھے کہ پورا سال میلوں اور تجارتی منڈیوں کے انعقاد میں گزرتا۔ ذی الحجہ میں خود مکہ کے اندر کوہ بوقبیس کے دامن میں سوق آباد ہوتا۔ ایام حج میں منیٰ کے قریب عکاز کا بازار سجتا۔ پھر ذوالمجاز اور ذوالمجنہ ذی قعدہ میں سجتے۔ اسی طرح دومۃ الجندل ہجر کے علاقہ دوبا جو موجودہ دبئی کے قریب تھا، مشقر، عرب امارات

Marfat.com

کے علاقے میں صحار، عمان میں خلیج فارس کے کنارے ایک میلہ لگتا۔ اسی طرح عدن، صنعا اور نجران میں بھی میلے منعقد ہوتے۔ نجران اور مکہ کے درمیان حباشہ کا میلہ منعقد ہوتا۔ یہ سارے میلے بتوں کی زیارت کے ایام پر منعقد ہوتے تھے۔

ان میلوں میں عجب سماں ہوتا۔ ہر قبیلے کے خیمے الگ ہوتے۔ سرداروں کے خیمے چمڑے کے بنے ہوتے جبکہ عام خیمے اونی ہوتے۔ شعراء اور پہلوانوں کے لیے الگ سرخ خیمے نصب ہوتے۔ قبائلی رہائشی خیموں کے بیچ، دکانوں کے خیمے ہوتے۔ ان میں اجناس کی دکانیں الگ سجتیں، ظروف اور ہاتھی، سونے چاندی اور لکڑی کی مصنوعات کا بازار الگ لگتا۔ اسلحہ کی دکانیں الگ لگائی جاتیں۔ جن میں تلواریں، نیزے، تیر کمانیں، زرہیں اور خود بکتے، عطریات اور سامان آرائش کا بازار الگ لگایا جاتا۔ کہیں غلاموں اور کنیزوں کی خرید وفروخت کا بازار ہوتا۔ کہیں جانوروں کی منڈی منعقد ہوتی۔ جہاں اچھی نسل کے گھوڑے، اونٹ، گائیں اور بھیڑ بکریاں فروخت ہوتیں۔ پارچات کی منڈی میں قالین، ریشمی پارچات حلے اور جبے فروخت ہوتے۔ عورتوں اور بچوں کے لیے الگ بازار سجتے۔ غرض جنگل میں چندروز کے لیے شہر آباد ہو جاتا۔

کھیلوں کا خصوصی اہتمام ہوتا۔ پہلوانی کے اکھاڑے جمتے، تیغ زنی، نیزہ پھینکنے اور تیراندازی کے مقابلے ہوتے، لوگ دوڑ میں حصہ لیتے، گھڑ دوڑ اور شتر دوڑ ہوتی۔ گھوڑوں اور اونٹوں کے ناچ کے مقابلے ہوتے۔ مجمع جمع ہوتا، خطباء خطبے دیتے، شاعر اپنا کلام سناتے۔ اس میں اپنے قبیلے کے فضائل گنواتے، اپنے کارنامے بیان کرتے، اپنے آباء کا ذکر بڑے جوش و جذبہ کے ساتھ اس معاملے اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کرتے۔ ان کی اسی خصوصیت کے سبب اسلام میں حج کے موقع پر ذکر الٰہی کرنے کا حکم ان الفاظ میں دیا گیا:

﴿فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَ اذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ وَ اِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا﴾

(البقرہ: ۱۹۸۔۲۰۰)

Marfat.com

''پھر جب تم عرفات سے واپس لوٹو تو مشعر حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو جیسے اس نے تمھیں ہدایت دی ہے۔ حالانکہ تم اس سے پہلے گمراہ تھے۔ پھر وہیں سے واپس لوٹو۔ جہاں سے لوگ واپس لوٹتے ہیں اور اللہ سے معافی مانگو بے شک اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔ پھر جب تم مناسک حج پورے کر لو تو اللہ کا ذکر اسی طرح کرو جیسے آبا کا کرتے تھے بلکہ اس سے زیادہ شدت سے ذکر کرو۔''

یہ اسواق یا میلے عربی زبان وادب کے فروغ کا بہت بڑا ذریعہ تھے۔ ان میں عرب خطیب اپنی خطابت کے جوہر دکھاتے۔ ان میں قیس بن ساعدہ الایادی، اکثم بن صیفی تمیمی، عمرو بن معدیکرب کندی اور حاجب بن زرارہ تمیمی بہت مشہور ہوئے۔ اسی طرح ان میلوں میں محفل مشاعرہ کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ جس میں اپنا کلام سنانے کے لیے شعراء بہت پہلے سے ریاض کرتے۔ میلہ میں محفل مشاعرہ جمتی تو کسی معمر اور مشہور شاعر کو میر مجلس مقرر کیا جاتا۔ وہی ثالث کے فرائض سرانجام دیتا۔ شعراء اپنا اپنا کلام سناتے۔ ثالث جس قصیدے کو بہترین قرار دیتا۔ اسے خانہ کعبہ میں لٹکایا جاتا۔ ان میں امراؤالقیس، نابغہ ذبیانی، زبیر بن ابی سلمہ، عنترہ بن شداد العبسی، اعشیٰ قیس، طرفہ بن العبد، عمرو بن کلثوم، حارث بن حلزہ اور لبید بن ربیعہ بہت مشہور ہوئے۔

ان بازاروں کے علاوہ بازار حسن بھی سجتا تھا۔ یہ کام لونڈیوں سے لیا جاتا تھا۔ ان کے خیموں پر جھنڈے لگے ہوتے تھے کہ پہچانی جائیں۔ جسم فروشی کی قیمت مالکان کو دی جاتی تھی۔ شراب کی دکانیں بھی موجود ہوتی تھیں۔ شراب وشاہد کی مجالس عام منعقد ہوتی تھیں۔ سخیوں کے درمیان دادودہش کے مقابلے ہوتے تھے۔

شرک کے اثرات

جس طرح دن کی روشنی اور رات کی تاریکی دو مختلف اور متضاد مظاہر فطرت ہیں اور انسانی زندگی پر بالکل متضاد اثرات مرتب کرتے ہیں۔ اسی طرح توحید اور شرک دو مختلف اور متضاد معتقدات ہیں اور انسانی زندگی پر بھی بالکل مختلف اور متضاد اثرات مرتب کرتے ہیں۔ اپنی کہانت کے اعتبار سے بھی متضاد ہیں اور اپنی بنیاد اور اصل کے اعتبار سے بھی۔ توحید یعنی اللہ وحدہ

Marfat.com

لاشریک کو اس کائنات کا واحد خالق، مالک، مدبر الامر، فرماں روا، سمیع و بصیر تسلیم کر کے اس کے احکام کو اپنی زندگی کا واجب الاتباع ضابطہ حیات تسلیم کر کے اس پر عمل پیرا ہونا زندگی پر ایک طرح کے اثرات مرتب کرتا ہے تو شرک بالکل دوسری طرح کے اثرات مرتب کرتا ہے۔ توحید کی بنیاد اس علم وحی پر ہے جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل کے ذریعے خود انسانوں تک پہنچایا ہے اور یہ کسی انسانی فکر و تدبر کا نتیجہ نہیں ہے ہاں یہ الگ بات ہے کہ انسانی فکر اس کی تردید کے لیے کبھی کوئی یقینی بنیاد فراہم نہیں کر سکی ہے۔ یہ ایک ایسا علم ہے جس کی بنیاد خالق کائنات کی عطا کردہ سند وحی ہے۔ جس کی نشانیاں اس کائنات میں بھی اور خود نفوس انسانی میں ہر جا موجود ہیں اور جس کی تصدیق حقائق کائنات کے مطالعہ و مشاہدہ دونوں کرتے ہیں۔ جبکہ شرک کی بنیاد کسی نوعیت کے یقینی علم پر ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کی بنیادیں، بے یقینی، ریب، ظن و تخمین، وہم و گمان پر ہے۔ جس کی پشت پر کوئی آسمانی یا انسانی تجرباتی یا مشاہداتی سند موجود نہیں ہے۔ توحید روشنی اور علم ہے تو شرک ظلمت و جہالت ہے اور ظاہر ہے کہ نہ روشنی و علم اور ظلمت و جہالت ایک ہو سکتے ہیں۔ نہ بینا اور نابینا کی زندگی یکساں ہو سکتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ انسانی زندگی کا آغاز توحید کے علم اور روشنی کے ساتھ ہوا۔ تخلیق ہونے والا پہلا انسانی جوڑا آدم و حوا کو توحید کی روشنی اور علم سے بہرہ وافر ملا تھا۔ وہ حقیقت سے واقف تھے۔ انھیں وہ ہدایت اور قانون حیات بتا دیا گیا تھا جس کے مطابق انھیں اور ان کی اولاد کو زمین پر کام کرنا تھا۔ ان کا طریق زندگی اللہ وحدہ لاشریک کی اطاعت (اسلام) تھا۔ وہ اپنی اولاد کو بھی یہی سکھا کر گئے تھے کہ وہ اللہ کے مطیع (مسلم) بن کر رہیں۔ مگر بعد کی صدیوں میں انسان دنیوی منافع، لذات اور مفادات میں پھنس کر اس صحیح طریق زندگی (دین) سے منحرف ہو گیا اور اس نے مختلف قسم کے غلط رویے اختیار کر لیے۔ انسان نے اللہ کی جانب سے ملی ہوئی ہدایات کو غفلت سے گم بھی کیا اور شرارت سے مسخ بھی کیا۔ اپنے ضمیر میں موجود آخرت کی جواب دہی کے احساس کی تسکین کے لیے اس نے زمین و آسمان کی مختلف انسانی اور غیر انسانی، خیالی اور مادی ہستیوں کو اللہ کے تقرب کی بنیاد پر اس کے ہاں شفیع بنا کر شریک ٹھہرا لیا۔ جس کی کوئی سند اللہ کی جانب سے اسے نہیں ملی تھی۔

انسانی تاریخ یہ ہے کہ یہ علم حقیقی سے جہالت علوم کی طرف منتقل ہوا ہے توحید اس کے

Marfat.com

ہاں قدیم اور شرک بعد کی پیداوار ہے۔ اس طرح وہ علم حقیقت (العلم) سے محروم ہو گیا اور اس نے اس میں طرح طرح کے نظریوں، فلسفوں اور اوہام کی آمیزش کر کے بے شمار مذاہب تراش کر اللہ پر افترٰی کا ارتکاب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو زمین پر آباد کرتے وقت ہی یہ ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی کہ وہ انسانوں کو علم حقیقت اور ہدایات پہنچاتا رہے گا۔ سو آخرت میں کامیاب وہی ہوں گے جو اس ہدایت پر عمل کریں گے اور جہنم کا ایندھن وہی بنیں گے جو اس کا انکار کر کے اپنے تراشیدہ نظریوں، فلسفوں اور اوہام پر زندگی گزاریں گے۔ چنانچہ جب بھی انسانوں نے العلم سے انحراف کیا اللہ نے مختلف وقتوں میں مختلف قوموں اور مختلف ملکوں میں انبیاء بھیجے تاکہ وہ لوگوں کو العلم اور اللہ کی طرف دعوت دیں پھر جو لوگ اس دعوت کو قبول کریں ان کو منظم کر کے ایک ایسی امت بنائیں جو خود اللہ کے قانون کی پابند ہو دنیا میں اللہ کے قانون کی اطاعت قائم کرے اور اس قانون کی خلاف ورزی روکنے کے لیے جدوجہد کرے۔

عربوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ وہ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے۔ انھیں ان ہر دو کی طرف سے علم حقیقت ملا تھا۔ صدیوں کے بعد میں وہ اس علم حقیقت (العلم) کو فراموش کر بیٹھے تھے۔ تاہم دوسری صدی کے آغاز تک وہ توحید الٰہی پر قائم تھے۔ مگر بے عملی اور دنیا پرستی میں مبتلا تھے۔ عمرو بن لحی کی ناپاک مساعی سے یہ شرک میں مبتلا ہو گئے تو اس کے اثرات کا مرتب ہونا فطری تھا۔ چنانچہ ان میں نئے نظریوں، جدید فلسفوں اور اوہام پرستی نے سر اٹھایا۔ اخلاقیات میں بگاڑ آیا۔ معاملات بگڑے اور معاشرت اضمحلال کا شکار ہو گئی۔

اعتقادی بگاڑ

■ عرب میں بت پرستی کے رواج نے مختلف قسم کے توہمات اور خرافات کے دروازے کھول دیے اور گونا گوں مشرکانہ معتقدات جنگل کے خودرو پودوں کی طرح اگنے لگے۔ بات ایسے شفعاء کے تصور سے شروع ہوئی تھی جو خود اللہ کے غلام تھے۔ اللہ ان کا بھی مالک تھا اور ان کے اختیارات اور جا پہنچی اللہ کی اولاد اور اس کے رشتہ داروں تک۔ عیسائی تو پہلے ہی ابن اللہ اور مادر خدا کے قائل تھے یہود بھی عزیز علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے تھے۔ عرب قبائل بھی اللہ کی ذات میں شرک کے قائل ہو گئے۔ ان کا عقیدہ یہ بن گیا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس اس بات

Marfat.com

کی بھی کوئی سند نہ تھی کہ فرشتے مذکر ہیں یا مونث۔ قرآن مجید میں اللہ وحدہ لاشریک کا ارشاد ہے:

﴿فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ○ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شَاهِدُوْنَ ○ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ○ وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ ○ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ○ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ○ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾

(الصافات:۱۴۹تا۱۵۵)

"پھر ذرا ان لوگوں سے پوچھو کیا ان کے دل کو یہ بات لگتی ہے کہ تمھارے رب کے لیے تو ہوں بیٹیاں اور ان کے لیے ہوں بیٹے! کیا واقعی ہم نے ملائکہ کو عورتیں بنایا ہے اور نہ آنکھوں دیکھی بات کہہ رہے ہیں خوب سن رکھو دراصل یہ لوگ اپنی من گھڑت سے یہ بات کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے اور فی الواقع یہ جھوٹے ہیں۔ کیا اللہ نے بیٹوں کے بجائے بیٹیاں اپنے لیے پسند کر لیں؟ تمھیں کیا ہو گیا ہے، کیسے حکم لگا رہے ہو۔ کیا تمھیں ہوش نہیں آتا۔"

اللات، العزیٰ اور مناۃ جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے فرشتوں ہی کے بت تھے۔

﴿اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ○ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ○ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ○ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى﴾

(النجم:۱۹تا۲۲)

"اب ذرا بتاؤ، تم نے کبھی اس لات اور عزیٰ اور تیسری ایک اور دیوی مناۃ کی حقیقت پر کچھ غور بھی کیا؟ کیا تمھارے لیے بیٹے ہیں اور بیٹیاں اللہ کے لیے ہیں۔ یہ تو بڑی ہی دھاندلی کی تقسیم ہے۔"

■ جن، رب کے رشتہ دار

فرشتوں کی طرح جن بھی چونکہ اللہ کی غیر مرئی مخلوق تھی۔ اہل عرب کو ان سے اپنے اسفار میں سابقہ پیش آیا رہتا تھا۔ اور ان کی غیر معمولی صلاحیتوں سے وہ انتہائی متاثر تھے لہٰذا انھوں نے یہ تصور اپنے ہاں پیدا کر لیا تھا کہ جس طرح فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اسی طرح جن بھی اللہ کے رشتہ دار ہیں۔

Marfat.com

﴿وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ○ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ﴾ (الصافات:۱۵۸تا۱۶۰)

''انھوں نے اللہ اور جنوں کے درمیان نسب کا رشتہ بنا رکھا ہے۔ حالانکہ جن خوب جانتے ہیں کہ یہ جواب دہی کے لیے پیش ہونے والے ہیں۔ اللہ ان چیزوں سے پاک ہے جو اس کے خالص بندوں کے سوا دوسرے لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔''

عربوں نے اپنی توہم پرستی کے نتیجے میں یہ عقیدہ گھڑ لیا تھا کہ ہر غیر آباد جگہ کسی نہ کسی جن کے قبضے میں ہے اور اگر کوئی شخص اس جن کی پناہ مانگے بغیر وہاں ٹھہر جائے تو وہ جن اسے خود ستاتا ہے یا دوسرے جنوں کو اس بات کی اجازت دے دیتا ہے کہ وہ انھیں ستائیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ کسی جگہ قیام کرنے سے پہلے اس جن سے پناہ لے لی جائے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے میں جب عرب کسی سنسان وادی میں رات گزارتے تھے تو پکار کر کہتے تھے: ''نعوذ بسید اھل ھذا الوادی'' ہم اس وادی کے سردار جن سے پناہ مانگتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت کی کئی روایات اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ اگر کسی جگہ پانی اور چارہ ختم ہو جاتا۔ تو بدو اپنا ایک آدمی بھیجتے کہ وہ کوئی ایسی جگہ تلاش کرے جہاں پانی اور چارہ مل سکے پھر جب اس جگہ پہنچتے تو پہلے پکار پکار کر کہتے ''ہم اس وادی کے رب کی پناہ مانگتے ہیں۔''

توہم پرستی

مختلف ہستیوں کو اللہ کی صفات اور اس کے اختیارات میں شریک کرنے کے بعد سب آہستہ آہستہ توہم پرستی کا شکار ہو گئے اور اس توہم پرستی نے مختلف معتقدات کی صورت اختیار کر لی۔ جس نے کہانت، عرافی اور نجوم پرستی کی صورتیں اختیار کر لیں۔ یہیں سے تعدد امراض، فال گیری، بدشگونی اور کئی دوسری صورتیں اختیار کر گئیں۔

کہانت

عرب میں کہانت ایک باقاعدہ ادارے کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ ملک میں جابجا کاہن موجود تھے۔ جن کے بارے میں عربوں کا عقیدہ تھا کہ وہ غیب دان ہیں۔ لوگ ان کے

Marfat.com

پاس جا کر مستقبل میں پیش آنے والے واقعات اور اپنی قسمت کا حال پوچھتے۔ ان میں سے بعض کاہن وہ تھے جن کا دعویٰ یہ تھا کہ ہمیں مستقبل بینی اور غیب دانی کی صلاحیت پیدائشی طور پر عطا ہوئی ہے کچھ ایسے کاہن تھے جنھوں نے سخت ریاضتوں سے یہ صلاحیت حاصل کر لینے کا دعویٰ کر رکھا اور بعض دوسرے کاہن وہ تھے جن کا دعویٰ یہ تھا کہ ان پر جن آتا ہے یا انھوں نے محنتوں اور ریاضتوں سے جن اپنے تابع کر لیا ہے۔ اور چونکہ جن غیب کی خبریں رکھتے ہیں لہٰذا ہم یہ خبریں انہی سے پوچھ کر بتاتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جن ہرگز غیب نہیں جانتے۔

■ عراف

کاہنوں ہی کی ایک قسم وہ تھی جو مقدمات واحوال سے استدلال کر کے یا مختلف منتر اور عمل کر کے معاملات کو معلوم کر لینے کا دعویٰ کرتے تھے۔ لوگ ان کے پاس اپنی گم شدہ اور چوری شدہ اشیاء تلاش کرنے کے لیے جاتے تھے اور وہ انھیں مختلف عملیات کر کے چوری کی گئی اشیاء کے بارے میں بتاتے کہ چوری کیسے ہوئی، چور کون ہے یا وہ چوری شدہ چیز کس جگہ موجود ہے۔

■ نجوم کی تاثیر

سورج کی روشنی وتپش اور اس سے حاصل ہونے والے منافع، چاند کے گھٹنے بڑھنے کا منظر اور سیاروں کی گردش ایسے مناظر ہیں جنھوں نے (العلم) علم حقیقت سے محروم افراد اور اقوام کو ہمیشہ اپنی طرف متوجہ ہی نہیں کیا۔ انھیں اوہام وتخلیات اور رسوم کی پُر پیچ وادی میں دھکیل دیا ہے۔ مشرک اقوام چاند کے طلوع وغروب اور اس کے گھٹنے بڑھنے، اس کی حرکت، اس کے گہن کا اثر انسانی قسمت پر مانتے رہے ہیں۔ اسی سبب سے وہ بعض تاریخوں کو سعد اور بعض کو نحس سمجھتے رہے ہیں۔ انہی وجوہ کی بنا پر مختلف اقوام میں سورج، چاند اور سیاروں کی پرستش ہوتی رہی ہے۔ اس سلسلے میں حضرت ابراہیم کی قوم کلدانی مشہور ہیں۔

ان لوگوں نے آسمان کی وسعتوں کو فرضی طور پر سات برجوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اپنی گردش کے دوران سورج، چاند، زحل، مشتری عطارد اور دوسرے سیاروں میں سے کسی بھی سیارے کے کسی بھی برج میں داخل ہونے سے اس کی تاثیر کے نتیجے میں مختلف تاثیرات پیدا ہوتی ہیں۔ جن کے نتیجے میں مستقبل کی پیشین گوئی ممکن ہوتی ہے۔ اس لیے کہ یہ تاثیر یقینی ہوتی ہے اسی طرح ان کا خیال یہ بھی تھا کہ مختلف تاریخوں میں پیدا ہونے والے انسان مستقلاً کسی

Marfat.com

خاص سیارے کے زیر اثر رہتے ہیں۔ ہر شخص کی قسمت کا اپنا ایک ستارہ ہوتا ہے اس شخص کی اپنی طبیعت اور اس کی ساری صلاحیتیں اسی ستارے کے اثرات ہوتی ہیں اور وہ شخص تمام عمر اس ستارے کے زیر اثر زندگی گزارتا ہے۔ ان توہمات و خرافات کے پیچھے یہ فلسفہ کارفرما تھا کہ اللہ وحدہ لاشریک تخلیق کائنات کے بعد ساری کائنات کو ان کی تاثیرات کے حوالے کر چکا اور انہی کے ذریعے اپنے احکام نافذ کرتا ہے جس کی کوئی سند اللہ کی جانب سے کسی نبی پر نازل نہیں ہوئی۔

یہ سارے تصورات ان اقوام سے عرب میں منتقل ہو چکے تھے۔ عجب حیرت کی بات ہے کہ آج کی دنیا میں بھی یہ تصورات خاصی مقبولیت رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ بے بنیاد توہمات ہیں جو کسی بھی تجربے پر پورے نہیں اترتے۔

شگون اور بدشگونی

اسی توہم پرستی کا شاخسانہ تھا کہ انھوں نے بعض ایام اور بعض مہینوں کو نحوست میں خاص قرار دے رکھا تھا۔ اسی طرح بعض جانوروں بعض مقامات کو نحوست کی علامت قرار دے لیا تھا۔ وہ بعض عورتوں کو بھی نحوست کا سبب قرار دیتے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ مقتول کی روح کو اس وقت تک چین نصیب نہیں ہوتا جب تک اس کا بدلہ نہ لے لیا جائے اور یہ ہامۃ یعنی الو بن کر اڑتی رہتی ہیں اور وادیوں اور پہاڑوں میں انتقام انتقام پکارتی پھرتی ہیں۔ پھر جب انتقام لے لیا جاتا ہے پھر آرام کرتی ہیں۔ (محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح بخاری، باب لا ہامۃ: ۸۵۷/۲)

اسی طرح جب وہ کوئی کام کرنا چاہتے تو کسی پرندے کو اڑاتے یا کسی ہرن کو دوڑاتے تھے اگر وہ دائیں جانب مڑ جاتا تو اسے برا شگون سمجھ کر اس کام سے رک جائے۔ اسی طرح اگر کہیں سفر پر جا رہے ہوتے اور کوئی پرندہ یا جانور ان کا راستہ کاٹتا تو اسے بھی بدشگونی خیال کرتے تھے۔

اسی طرح انھیں اگر کوئی مہم پیش ہوتی جیسے وہ کوئی بدلہ لینے کا ارادہ کرتے تو بتوں کے سامنے رکھے ہوئے تیروں سے فال نکالتے۔ اس کے لیے وہ صاحب الکداح کو نذرانہ دیتے۔ بت سے رہنمائی کی دعا مانگتے۔ اگر جواب میں ہاں والا تیر نکل آتا تو اسے اللہ کی اجازت خیال کرتے اور اپنے ارادے پر استقامت سے عمل پیرا ہو جاتے اور اگر جواب ''نہیں'' میں آتا تو اپنا ارادہ ترک کر دیتے اور ایک سال انتظار کرنے کے بعد دوبارہ فال نکالتے۔ وہ اسی طریقہ پر چلتے رہتے یہاں تک کہ جواب ہاں میں آ جاتا۔

Marfat.com

مذہب میں بگاڑ

جب کوئی قوم یا کوئی فرد اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان کے دعوے کے باوجود شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے تو شفعاء کا تصور اس کے دل سے بالکل فطری طور پر اللہ کا خوف اور اس کی اطاعت کا جذبہ نکال دیتا ہے۔ جب ایک شخص کو اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ اس کے پاس ایسے سفارشی موجود ہیں جن کی سفارش اللہ رد نہیں کر سکتا یا ان کے تقرب کے سبب وہ اسے رد کرتا نہیں ہے تو پھر ڈر کا ہے کا ہو گا خوف تو موجود نعمتوں کے چھن جانے کا ہوتا ہے۔ یا متوقع نعمتوں سے محرومی کا یا پھر اپنے غلط اعمال کی سزا کا۔ اور جب یہ یقین ہو کہ ہمارے سفارشی اتنے مقرب ہیں کہ ان کی سفارش کے سبب ہم ہر نعمت کے مستحق ٹھہرتے ہیں اور ہم انہی کی سفارش کے سبب برے اعمال کی سزا سے بچ جائیں گے تو اطاعت کیسی۔

شرک کا مذہب پر یہ اثر مرتب ہوتا ہے کہ عبادات میں اخلاص للہ مفقود ہو جاتا ہے۔ عبادات کی مقرر کردہ شکل لازم نہیں رہتی بدعتوں اور رسوم کا ایک طوفان بدتمیزی برپا ہوتا ہے اور عبادات اپنی اصل پر قائم نہیں رہتیں ان میں آئے دن نت نئی رسوم کا اضافہ محض اس بنیاد پر ہوتا رہتا ہے کہ آخر اس میں کون سی قباحت ہے۔ یہی مکہ میں اولاد اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔

بعثت کے وقت عرب صحف ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام ہی سے محروم نہ ہوئے بلکہ وہ نہ جانتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریق عبادت کیا تھا۔ انھیں معلوم نہیں تھا صلوٰۃ ابراہیمی کی صورت کیا تھی۔ ان میں سے بعض لوگ روزہ بھی رکھتے تھے مگر نہ جانتے تھے کہ صوم ابراہیم کے قوانین کیا تھے۔ ان میں سے چند لوگ رمضان مبارک میں اعتکاف بھی کرتے تھے اور اسے تحنث (تحنف) کا نام بھی دیتے مگر نہ جانتے تھے کہ اس کے آداب کیا ہیں۔

تاہم ان میں دو باتیں جوں کی توں موجود تھیں۔ ایک حج اور دوسرے اشہر حرم تاہم ان دونوں میں بھی شریک اپنا اثر دکھا چکا تھا۔ جہاں تک حج کا تعلق ہے اس کے مناسک اپنی اصلی حالت پر موجود تھے۔ وہ خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ طواف میں سات چکر لگاتے تھے۔ حجر اسود کو بوسہ دیتے تھے۔ مقام ابراہیم کی زیارت کرتے تھے۔ زمزم کا پانی پیتے تھے۔ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے تھے۔ آٹھ ذی الحجہ کو منیٰ میں جا کر قیام کرتے تھے۔ نو ذی الحجہ کو عرفات کا وقوف

Marfat.com

کرتے تھے۔ رات واپس آ کر مزدلفہ میں قیام کرتے تھے۔ دس ذی الحجہ کو منیٰ میں آ کر ایام تشریق میں قیام کرتے تھے۔ رمی جمار کرتے تھے اور ہدی کے جانور ذبح کرتے تھے۔

تاہم شرک نے ان ظاہری رسوم کے باوجود حج کی روح نکال لی تھی۔ حج ایک میلے کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ تلبیہ میں لا شریك لك کے بعد الا شریکاً ھو لك تملکه و مالك کا اضافہ کر لیا گیا تھا۔ طواف میں طہارت کے احکام کو وہ چھوڑ چکے تھے۔ دعاؤں کی جگہ تالیوں سیٹیوں اور خوشی کے دوسرے اظہارات نے لے لی تھی۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّ تَصْدِيَةً﴾

(الانفال:۳۵)

"بیت اللہ کے پاس ان کی نماز کیا ہوتی ہے، بس سیٹیاں بجاتے اور تالیاں پیٹتے ہیں۔"

ان کے حج کے اندر نہ ذکر الٰہی تھا نہ خشوع و خضوع جو حج کی اصل جان تھے۔ بس ایک بے معنی شور وغل اور لہو ولعب تھا۔ جس میں مناسک حج کی ظاہری صورت موجود تھی اور اس کا نام حج تھا۔ اللہ کے ساتھ شرکاء کی عبادت بھی اس حج کا مستقل حصہ تھا۔ دوران طواف و سعی وہ جس بت کے پاس سے گزرتے تھے۔ اسے عقیدت و احترام سے چھوتے یا استلام کرتے۔ قریش لات و منات اور عزیٰ کی عظمت کا راگ الاپتے۔ پکار پکار کر کہتے:

واللات والعزیٰ والمنوۃ الثالثة الاخویٰ فانهن الغرانیق اعلیٰ وان فاعتهن لترتجیٰ

"قسم ہے لات اور عزیٰ کی اور تیسری دیوی مناۃ کی بے شک یہ بڑی بلند مرتبہ دیویاں ہیں اور یقیناً ان کی شفاعت مقبول ہوتی ہے۔"

اسی علت کے لوگ یمن سے آتے جو عک بن معد بن عدنان کی اولاد تھے اور یمن میں جا کر آباد ہو گئے تھے اور وہیں کے لوگوں میں ضم ہو گئے۔ تو اپنے قافلے کے سامنے وہ سیاہ فام نوجوانوں کو لگا لیتے جو ناچتے اور یہ کہتے آتے: "نحن غرابا عك" ہم عک کے دو کوے ہیں۔ اور ان کے پیچھے عک یہ راگ الاپتے آتے:

Marfat.com

عك اليك عانيه عبادك اليمانيه

كما نحج الثانية

(ابن الکلبی، کتاب الاصنام، المطبعۃ الامیریہ، قاہرہ، ۱۹۱۴ء: ص ۷)

''عک تیرے مطیع وفرماں ہو کر آ رہے ہیں۔ یہ تیرے یمنی غلام ہیں اور خواہش رکھتے ہیں کہ پھر حج پر آئیں۔''

اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے مختلف قبائل اپنے اپنے راگ الاپتے اور الاپتے اپنے گیت گاتے ہوئے آتے تھے اور میلے کا سماں ہوتا تھا۔ حج بیت اللہ کی زیارت تھی اور اللہ کی عبادت کے لیے مخصوص تھا مگر یہ لوگ اسے بھی شرکاء کی خوشنودی کا ذریعہ بنانے پر عمل پیرا تھے۔ طواف کے دوران بتوں کو تبرکاً چھونے کے علاوہ بتوں کے لیے چڑھاوے چڑھاتے اور جانور انہی کے نام پر ذبح کرتے تھے۔

قریش کے حمس کے مفروضے نے حج کے تقدس کو پامال کرنے میں رہی سہی کسر بھی پوری کر دی تھی۔ باہر سے آنے والے لوگوں کے لیے لازم قرار دے دیا گیا تھا کہ یا تو وہ یہاں سے کپڑے لے کر ان میں طواف کریں۔ کیونکہ خانہ خانہ کعبہ کا تقدس اس کا تقاضا کرتا ہے کہ باہر سے آئے ہوئے کپڑوں میں طواف نہ کیا جائے یا پھر وہ باہر سے آئے ہوئے کپڑوں میں طواف تو کریں مگر لازم ہے کہ وہ ان کپڑوں کو حرم ہی میں پھینک جائیں اس لیے کہ ان کو حرم کی ہوا اور گرد نے مقدس بنا دیا ہے اور ان کو حرم سے باہر لے جانا حرم کی توہین ہے۔ قریش حرص کے الزام سے بچنے کے لیے ان کپڑوں کو استعمال بھی نہیں کرتے تھے اور یہ حرم میں پڑے پڑے گل سڑ کر خاک ہو جاتے تھے اور انھیں کوئی استعمال نہ کرتا تھا۔ یہ ایک بے ہودہ رسم اور اللہ کے دیے ہوئے رزق کی توہین تھی۔ وہ کپڑے جو کسی غریب کا تن ڈھانپنے کے کام آ سکتے تھے۔ قریش کی انا کی بھینٹ چڑھ کر راکھ ہو جاتے تھے۔ اور حرم میں کوڑا کرکٹ کے ڈھیروں میں بدل کر حرم کی صفائی میں مانع ہوتے تھے۔ اس سے بیہودہ بات یہ تھی کہ طے کر دیا گیا تھا کہ باہر سے آنے والے جو لوگ نہ تو حرم سے کپڑا خرید سکتے ہوں نہ یہ ہمت پاتے ہوں کہ کپڑوں میں طواف کر کے انھیں حرم ہی میں پھینک جائیں وہ ننگا طواف کر لیں رفتہ رفتہ ننگا طواف کرنا عبودیت کی انتہا قرار پا گیا اور یہ مفروضہ تراش لیا گیا کہ ہم اپنے پروردگار کے حضور اسی حال میں پیش ہوتے ہیں۔ جس میں اس نے ہمیں

Marfat.com

ماں کے پیٹ سے جنم دیا۔فحاشی و عریانی کا ایک سیلاب تھا جو حج کے موقع پر اُمڈ آتا تھا۔مرد مادرزاد ننگے طواف کرتے۔جو زیادہ باحیا ہوتے وہ آگے اور پیچھے ہاتھ رکھ لیتے۔عورتیں آگے اور پیچھے کی ستر پوشی کے لیے اتنا سا چیتھڑا لٹکا لیتی تھیں جس سے شرم گاہ ڈھک جائے اور اس خجالت کو چھپانے کے لیے یہ شعر الاپتی پھرتیں۔

الیوم یبدو بعضہ او کلہ
وما بدا منہ فلا احلہ

''آج سب کا سب ظاہر ہو جائے گا یا کچھ اور جو ظاہر ہو جائے میں کسی کے لیے حلال نہیں کرتی۔''

یہ سارا کام اسی بے خوفی کے ہاتھوں انجام پاتا تھا جو شرک کے بطن سے جنم لیتی ہے۔ حالانکہ ذاتی تراشیدہ مفروضوں کے سوا اس کی کوئی بنیاد نہیں تھی۔کوئی دین اس طرح کی بے حیائی و عریانی کا روادار نہیں تھا۔اللہ کبھی کسی نوعیت کی بے حیائی کی اجازت نہیں دیتا۔کجا کہ ابراہیم خلیل اللہ کی تعلیمات میں اس کے لیے کوئی جگہ تلاش کی جا سکے۔اسی شے کو قرآن مجید میں سختی سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی کوئی سند کسی دین میں موجود نہیں ہے۔اور اللہ کسی بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔

﴿يٰبَنِىْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِىْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّىَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْىَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (الاعراف:۳۱ تا ۳۳)

''اے بنی آدم، ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہو اور کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔اے محمد،

Marfat.com

ان سے کہو کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا جسے اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا اور کس نے اللہ کی بخشی ہوئی چیزیں ممنوع کر دیں؟ کہو یہ ساری چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی ایمان لانے والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے روز تو خالصۃً انہی کے لیے ہوں گی۔ اس طرح ہم اپنی باتیں صاف صاف بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ اے محمد ان سے کہو کہ میرے رب نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ یہ ہیں۔ بے شرمی کے کام خواہ کھلے ہوں یا چھپے اور گناہ اور حق کے خلاف زیادتی اور یہ کہ اللہ کے ساتھ تم کسی کو شریک کرو جس کے لیے اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور یہ کہ اللہ کے نام پر کوئی ایسی بات کہو جس کے متعلق تمھیں علم نہ ہو کہ وہ فی الحقیقت اسی نے فرمائی ہے۔''

حمس کے اسی خود تراشیدہ مفروضے نے ایک اور ستم یہ ڈھایا کہ قریش وقوف عرفہ سے محروم ہو گئے۔ اصل رکن حج تھا۔ انھوں نے یہ عقیدہ تراش لیا تھا کہ ہم اولاد ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ ہم اہل حرم ہیں۔ ہم اللہ کے گھر کے متولی ہیں۔ ہم مکہ کے باسی اور اس کے محافظ ہیں کسی کا حق ہمارے برابر نہیں ہے نہ کسی کا مقام و مرتبہ ہمارے برابر ہے۔ لہٰذا ہمیں حدود حرم سے باہر نہیں جانا چاہیے۔ حالانکہ حج کے علاوہ وہ ہر روز حدود حرم سے باہر جاتے رہتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہم حمس ہیں لہٰذا ہمیں حدود حرم ہی میں قیام کرنا چاہیے۔ لہٰذا وہ مزدلفہ کی آخری حد پر جا کر قیام کرتے تھے اور عرفات میں نہیں جاتے تھے۔ جو حدود حرم سے باہر تھا۔ حالانکہ جو وقوف عرفہ نہ کرے اس کا کوئی حج نہیں یہ تو خود حضرت ابراہیم کا مقرر کردہ رکن تھا۔ اور وہ اس سے محض مفاخرت کے لیے محروم ہو جاتے ان کی اسی روش پر تنبیہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (البقرہ:۱۹۹)

''پھر وہیں سے لوٹو جہاں سے دوسرے لوگ لوٹتے ہیں اور اللہ سے معافی چاہو وہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔''

اس حمس کے عقیدے کے تحت انھوں نے بالکل بے سند یہ مفروضہ قائم کر لیا کہ ہم

Marfat.com

چونکہ اللہ کے ہمسایے ہیں۔ بیت اللہ کے قریب آباد ہیں اور اس کے متولی ہیں لہٰذا ہمارے اور دوسروں کے درمیان حج کے ان ایام میں تفاوت قائم رہنا ضروری ہے۔ لہٰذا ہمارے لیے اون اور کپڑے کے خیموں میں سایہ گیر ہونا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ ایام حج میں جب تک حالت احرام میں ہوتے امراء اپنے لیے چمڑے کے تیار کیے ہوئے خیمے لگاتے اور ان کے اندر قیام کرتے اور غرباء یا تو قریش کے امراء کے خیموں میں آرام کرتے یا چلچلاتی دھوپ میں بھی بے سایہ رہتے۔ اور یوں اپنے لیے نسلی برتری اور مفاخرت کا سامان فراہم کرتے۔ حالانکہ ان کا یہ فعل نہ صرف یہ کہ اپنی کوئی مذہبی سند نہ رکھتا تھا بلکہ اس تقویٰ کے بھی خلاف تھا جس کا تقاضا حج کا مقدس اجتماع کرتا تھا اور وہ یہ بھول گئے تھے کہ آدم کی ساری اولاد اللہ کی مخلوق ہے اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔ وہ ایک ہی ماں باپ کی اولاد تھے۔ یہ محض اللہ کا فضل تھا کہ اس نے انھیں بیت اللہ کے قرب میں آباد کیا تھا اور اس کی تولیت کا شرف بخشا تھا۔ یہ شرف عجز وانکساری کا تقاضا کرتا تھا نہ کہ تکبر وتفاخر کا۔

حج ہی کے سلسلے میں انھوں نے یہ مفروضہ بھی قائم کر لیا تھا کہ حج سے واپسی پر گھر اس دروازے سے اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے جس سے نکل کر وہ حج پر روانہ ہوئے تھے۔ بلکہ اب لازم ہے کہ مکان کے پچھواڑے سے داخل ہوں۔ چنانچہ یا تو وہ مکان کے پچھواڑے میں مستقلاً کوئی کھڑکی رکھ لیتے تھے یا پچھلی جانب سے نقب لگا کر اندر داخل ہوتے یا سیڑھی لگا کر مکان کی چھت پر چڑھتے اور وہاں سے کود کر اندر داخل ہوتے اور ایسا کرنے کو نیکی خیال کرتے تھے۔ حالانکہ اس کی کوئی سند موجود نہیں تھی۔ یہ محض ظن وتخمین کا شاخسانہ تھا۔ محض ایک مذہبی ڈھکوسلا تھا جسے مذہب کے نام پر تراش لیا گیا تھا۔ جو اخلاص اور تقویٰ کے فقدان کے نتیجے میں تراش لیا گیا تھا۔ قرآن مجید میں واضح کہا گیا ہے کہ اصل مقصود تو خوف خدا اور تقویٰ ہے نہ کہ ظاہر داری کی یہ تراشیدہ رسمیں۔

﴿...... وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (البقرہ:۱۸۹)

"یہ کوئی نیکی کا کام نہیں ہے کہ تم اپنے گھروں میں پیچھے سے داخل ہوتے ہو۔ نیکی تو اصل میں یہ ہے کہ آدمی اللہ کی ناراضی سے بچے۔ لہٰذا تم اپنے

Marfat.com

گھروں میں دروازے ہی سے آیا کرو۔ البتہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ شاید کہ تمھیں فلاح نصیب ہو جائے۔"

اسی طرح انھوں نے ایک مفروضہ یہ بھی قائم کر لیا تھا۔ کہ ہم حمس ہیں اور ہمیں احرام کی حالت میں پنیر اور گھی کھانا حلال نہیں ہے۔ حالانکہ حلت و حرمت کے فیصلے کرنے کا حق سوائے اللہ کے کسی کو نہیں ہے۔

■ نسی

نسی کی غلط رسم کی وضاحت ہم نساۃ کے عنوان کے تحت کر چکے ہیں۔ حضرت ابراہیم کی اولاد میں دین ابراہیم کی باقیات میں سے ایک ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب کے مہینوں میں جنگ کی ممانعت تھی۔ یہی چار مہینے حج اور عمرے کے مہینے تھے۔ ان مہینوں میں اللہ کے حکم سے جنگ ممنوع تھی اور یہ اشہر حرام کہلاتے تھے۔ ان مہینوں کی یہی حرمت بیت اللہ کی آبادی کا سبب تھی۔ ان مہینوں میں عرب کے دور دراز علاقوں میں آباد قبائل ہدی کے جانور ہانکتے ہوئے دشمن قبائل کے علاقوں سے بھی بے خوف و خطر گزرتے تھے اور ان سے کوئی تعرض نہیں کرتا تھا۔ اسی طرح حج سے واپسی پر بھی لوگ بے خوف و خطر اپنے علاقوں میں پہنچ جاتے تھے۔ پورا عرب ان مہینوں میں امن و امان کا گہوارہ بنا ہوتا تھا اور کوئی اپنے باپ کے قاتل سے بھی کوئی تعرض نہیں کرتا تھا۔ یہ اللہ کی ایک نعمت تھی اور عرب صدیوں سے اس نعمت سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ جب تک اولاد اسماعیل علیہ السلام توحید پر قائم رہی اس میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی عمل میں نہیں آئی مگر شرک میں مبتلا ہونے کے بعد جب شفعاء کے تصور کے سبب عرب آخرت کی جواب دہی سے بے خوف ہو گئے تو مذہب کی بے لاگ اطاعت کا جذبہ بھی ماند پڑنے لگا۔ دوسری طرف ان شفعاء کے متولیوں کو معاشرے میں وہی حیثیت حاصل ہو گئی جو شفعاء کے نمائندوں کو حاصل ہو سکتی تھی تو یہ بھی ترمیم و اضافے کی زد پر آ گیا۔ بنو کنانہ کی شاخ بنو فقیم کے سردار القلمس نے ایک موقع پر اپنی کسی جنگی مہم کے پیش نظر رجب کے مہینے کو لڑائی کے حلال قرار دے دیا اور اس کے بجائے کسی دوسرے مہینے کو حرام قرار دے کر مہینوں کی تعداد برابر کر دی۔

القلمس چونکہ بنو کنانہ کی ایک شاخ بنو فقیم کا سردار تھا اور اسے قبائل بنو کنانہ میں ایک ممتاز حیثیت حاصل تھی جبکہ بنو کنانہ کو اولاد اسماعیل علیہ السلام میں قریش کے بعد سب سے معزز قبیلہ گنا

Marfat.com

جاتا تھا۔ خود قریش بھی بنو کنانہ ہی کی ایک شاخ تھے۔ بنو کنانہ کو العزیٰ کے پجاریوں میں بھی ایک معزز مقام حاصل تھا۔ القلمس کی اسی قبائلی اور مذہبی حیثیت کے سبب سے اس کے اس صریح کفر کو بھی قبول کرلیا گیا۔ اس کے بعد نسی باقاعدہ ادارے کی حیثیت اختیار کر گیا اور اس کے بعد اس ادارے کی سربراہی پر القلمس اور اس کے بعد اس کی اولا دنسلاً بعد نسل قائم رہی یہاں تک کہ اسلام غالب آ گیا اور یہ رسم بد ختم کردی گئی۔

کبیسہ

نسی ہی کی ایک شکل کبیسہ بھی تھی۔ تخلیق کائنات ہی سے سورج کی محوری گردش جہاں موسموں کی تغیر و تبدل کا ذریعہ بنتی ہے وہاں سال کی مدت کی پیمائش کا ذریعہ بھی ہے۔ اسی طرح چاند کی محوری گردش مہینے کی پیمائش کا ذریعہ ہے چاند کی یہ گردش سال میں بارہ دفعہ مکمل ہوتی ہے اس وجہ سے سال میں بارہ مہینے روز تخلیق سے ہی متعین ہیں۔ خلاق علیم نے سورج اور چاند کی محوری گردش میں یہ اہتمام کردیا ہے کہ یہ مہینے مختلف موسموں میں بدلتے رہتے ہیں۔ مذہبی عبادات کو اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم کے ساتھ ہی قمری مہینوں کے ساتھ مقرر فرما دیا تھا تاکہ یہ عبادات ہر موسم میں سرانجام پاتی رہیں۔ دین ابراہیمی میں بھی حج بیت اللہ کے لیے ۹ ذی الحجہ کا دن مقرر تھا۔ بعد میں مختلف اقوام نے بعض ایسی مادی ضروریات کے لیے جو مختلف موسموں سے متعلق تھیں ایک نئی غیر فطری اور فرضی تقویم بھی پیدا کرلی جس سے مہینے تو بارہ ہی رہے البتہ مہینے کے دنوں کو موسموں کے تغیر و تبدل کے حساب سے اس طرح تقسیم کردیا گیا کہ سورج کی محوری مدت دنوں اور مہینوں میں تقسیم ہو جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ مہینے اپنے اپنے مقررہ موسموں میں آتے ہیں اور کاشتکاری وغیرہ کے لیے وقت کا تعین آسان ہو جاتا ہے۔ اس طرح دنیا میں شمسی اور قمری دو تقویمی نظام رائج ہو گئے۔

عرب میں جیسا کہ ہم پہلے تحریر کرچکے ہیں۔ مختلف بتوں کی زیارت کے دنوں پر میلے لگتے تھے۔ اور یہ شمسی تاریخوں پر لگتے تھے۔ جبکہ حج کی تاریخ قمری حساب سے مقرر تھی۔ جو بجائے خود ایک تجارتی منڈی میں تبدیل ہو گئی تھی اور بہت زیادہ مادی مفادات اس کے ساتھ وابستہ ہو گئے تھے۔ مختلف موسموں میں ذی الحجہ کی گردش کے سبب بسا اوقات حج کسی دوسرے میلے کے ایام میں آ جاتا تھا۔ جس کے سبب حج پر آنے والے قبائل میں کمی آ جاتی نیز تجارتی وفود بھی بٹ جاتے۔ جس کی وجہ سے اقتصادی نقصان ہوتا۔ بسا اوقات یہی گردش سردیوں یا گرمیوں کے کسی تجارتی

Marfat.com

سفر میں رکاوٹ کا سبب بن جاتی۔ یہ اور اسی طرح کی دوسری زحمتوں نیز بدلتے موسموں میں آنے والے مہمانوں کی دیکھ بھال اور دوسرے انتظامات میں مشکلات سے بچنے کے لیے ضروری خیال کیا گیا کہ قمری مہینوں میں کبیسہ کے ایک مہینے کا اضافہ کر کے اسے شمسی تقویم کے مطابق بنا دیا جائے۔ اس طرح وہ ایک بہت بڑی سعادت سے محروم ہو جاتے تھے۔

حج نام ہے مقررہ ایام میں مخصوص لباس اور مخصوص عبادات و آداب کے ساتھ بیت اللہ کی زیارت کا جس کا اہم ترین رکن ۹ ذی الحجہ کو وقوف عرفہ کرنا ہے۔ کبیسہ کا تیرھواں مہینہ جو شمسی سال اور قمری سال کے دنوں کے فرق کو پورا کرنے کے لیے بڑھا جاتا تھا۔ ۹ ذی الحجہ کو اپنے مخصوص دن سے ہٹا دیتا تھا۔ اور یہ مسلسل ۳۳ سال تک اپنے مقام سے ہٹا رہتا تھا اور کہیں ۳۴ویں سال کو اپنے مقررہ دن پر آتا تھا۔ اس طرح لوگ مشقت اٹھانے کے باوجود حج کی سعادت سے محروم رہ جاتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ فداہ ابی وامی نے خطبہ حجۃ الوداع میں واضح فرمادیا کہ نہ تو اب کبیسہ کے مہینے کا اضافہ کر کے مہینوں کی تعداد میں اضافہ کر کے اسے شمسی تکوین پر لانے کی کوئی گنجائش ہے نہ نسی کے مطابق اب حرام مہینوں کو بدلا جائے گا۔ آپ نے یوم عرفہ کو بھی اور یوم نحر کو بھی خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

ان الزمان قد استدار کھیئۃ یوم خلق السموات والارض السنۃ اثنا عشر شھراً منھا اربعۃ حرم، ثلاث موالیات، ذوالقعدہ و ذوالحجۃ و المحرم ورجب مضر الذین بین جمادی و شعبان۔

(ابوداود، باب ای وقت یخطب یوم النحر :۱/۲۷۰)

''یقیناً زمانہ اپنی اسی ہیئت پر واپس آ گیا ہے جس پر وہ اس دن تھا۔ جس دن اللہ نے آسمانوں کو زمین کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ مہینے کا ہے۔ جس میں سے چار حرمت والے ہیں۔ تین لگاتار، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم اور (چوتھا) رجب مضر جو جمادی (الثانی) اور شعبان کے درمیان ہے۔''

نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان اللہ تعالیٰ کے اس حکم کا عملی نفاذ تھا جو نو ہجری میں سورۃ توبہ میں نافذ ہو چکا تھا جس میں نسی کی ان دونوں صورتوں کو حرام قرار دیا جا چکا تھا۔ یہ عجیب حادثہ ہے کہ

Marfat.com

مغربی تہذیب کی بالا دستی کے اس دور میں بھی اسلامی تقویم کے شمسی تقویم سے اختلاف سے بسا اوقات اچھے بھلے دین دار لوگ بھی پریشان نظر آتے ہیں۔

معاشرتی وسماجی بگاڑ

انسانیت میں ہر بگاڑ کی بنیادیں شرک پر استوار ہوتی ہیں۔شرک سب سے زیادہ بگاڑ انسان کی معاشرتی اور سماجی زندگی میں پیدا کرتا ہے۔شفعاء کا تصور بے عملی کے دور میں آخرت کی جواب دہی کے احساس اور آخرت کی ذلت و رسوائی سے بچنے کی آسان سبیل تلاش کرنے کی خواہش سے جنم لیتا ہے۔ مادی مفادات کی طلب اسے پروان چڑھاتی ہے اور اس کا نتیجہ آخرت سے بے خوفی اور معاشرے میں لاقانونیت اور انتشار کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔اس سے معاشرتی اور سماجی ادارے تباہ ہوتے ہیں۔اخلاقیات بگڑتے ہیں۔اور انفرادی سیرت و کردار نے جہت ہو کر رہ جاتی ہے۔عرب میں ظلم وتعدی خود غرضی و مفاد پرستی اور باہمی خلفشار و تصادم جس طرح پورے معاشرے کو جہنم زار میں تبدیل کیے ہوئے تھا۔اس کی تہہ میں یہی شرک کارفرما تھا۔ذرا اس پر ایک نظر ڈال لیجیے کہ شرک کی اس آفت نے معاشرے کے مختلف اداروں کو کس بری طرح تباہ کیا تھا۔

■ نکاح وطلاق

آدم وحوا کے زمین پر اترنے کے دن سے ہی ان کی اولاد کے اندر خاندان کی بنیاد رکھنے کے لیے اللہ وحدہ لاشریک نے ایک ہی قاعدہ مقرر فرمایا تھا کہ لڑکی اور لڑکا اپنے والدین اور اولیاء کی رضامندی سے علانیہ گواہوں کی موجودگی میں ایک دوسرے کو میاں بیوی کی حیثیت میں قبول کر کے دائمی رفاقت کا عہد باندھیں۔اس عہد کو اصطلاح میں نکاح کا نام دیا گیا۔یہ نکاح ہر آسمانی مذہب میں خاندان کی واحد بنیاد قرار پایا۔اس سے انحراف کر کے زن وشوہر کا ہر قائم کیا جانے والا تعلق غیر قانونی،حرام اور قبیح قرار دیا گیا۔مگر بنی آدم جب بھی گمراہی کا شکار ہو کر ترجیح دنیا میں مبتلا ہوئے اور انھوں نے توحید و دین کا راستہ چھوڑ کر شرک وطغیان کی راہ اختیار کی۔اس نے زنا،حرام کاری اور فحشاء کی مختلف صورتوں کو جائز اور حلال ٹھہرا کر نکاح کا درجہ دے ڈالا۔

اہل عرب جن کی اکثریت اولاد ابراہیم خلیل اللہ تھی۔ان میں دین ابراہیم میں مقرر کردہ وہی طریقہ نکاح رائج تھا کہ ایک آدمی کسی لڑکی کے والد یا اس کے ولی کے پاس اس لڑکی کے نکاح

Marfat.com

کا پیغام بھیجتا وہ اگر رضا مند ہوتا تو اس مرد کو بلا کر حق مہر مقرر کرتا اور گواہوں کی موجودگی میں نکاح کر دیتا۔ ❶ یہی ایک طریق تھا جو زن و شوہر کا جائز اور حلال طریقہ تصور کیا جاتا تھا۔ البتہ یہ لوگ شرک میں مبتلا ہو گئے اور حلال و حرام کی حدود مٹنے لگیں تو زنا کاری کی تین صورتیں اس معاشرے میں اتنی عام رواج پا گئیں کہ ان سورتوں میں پیدا ہونے والی والا داس مرد کی جائز اولاد قرار پا گئی۔

① آزاد شدہ لونڈیاں جن کی سرپرستی کرنے والا کوئی نہ ہوتا تھا وہ کسی گھر میں بیٹھ جاتیں اور عصمت فروشی کے ذریعے اپنی گزر اوقات کرتی تھیں۔ ان میں بسا اوقات وہ خاندانی آزاد عورتیں بھی شامل ہو جاتیں کہ زمانے کی دست برد کے ہاتھوں ان کی پشت پناہی اور سرپرستی کرنے والا کوئی خاندان یا کوئی فرد نہ ہوتا۔ وہ بیک وقت کئی کئی مردوں سے معاہدہ کر لیتیں کہ وہ انھیں خرچہ کی رقم دیتے رہیں گے اور جب چاہیں گے ان سے اپنی حاجت پوری کرتے رہیں گے۔ اس طرح جب کوئی بچہ پیدا ہوتا۔ تو وہ ان سب مردوں کو بلا لیتی اور جس کو وہ کہہ دیتی کی یہ تمھارا بچہ ہے۔ اس کے لیے مجال انکار نہ ہوتی اور پورا معاشرہ اسے اس کی جائز اولاد تسلیم کرتا۔ اس طرح باوجود اس کے کہ اسے برا سمجھا جاتا تھا۔ سفاح گنا جاتا تھا مگر عملاً یہ نکاح کی ایک صورت اختیار کر گیا تھا۔ ❷ اس میں معاہدہ کرنے والے مردوں کی تعداد دس سے کم ہوتی۔

② عربوں میں قحبہ گری عام تھی۔ کئی سرداروں نے باقاعدہ چکلے کھول رکھے تھے۔ جہاں وہ اپنی خوبصورت لونڈیوں کو مجبور کر کے فحاشی کے لیے بٹھا دیتے تھے۔ ان کو بغایا کہتے تھے۔ ان گھروں پر جھنڈے لگے ہوتے تھے۔ تا کہ حاجت مندوں کو معلوم ہو سکے کہ یہاں وہ اپنی حاجت پوری کر سکتے ہیں۔ یہاں لوگ مال دے کر اپنی حاجت پوری کرتے اور اس مال کو مہر البغی کہتے تھے۔ یہاں آنے جانے والوں کی کوئی تعداد مقرر نہیں تھی۔ جب ان عورتوں میں سے کسی کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو قیافہ شناس کو بلایا جاتا۔ سبھی شائقین بلائے جاتے۔ ان کی شکلیں دیکھ کر وہ قیافہ شناس بتاتا کہ یہ فلاں کا بچہ ہے تو اسے اس بچہ کو قبول کرنا ہوتا اور پورا معاشرہ اسے اس کا جائز بچہ تسلیم کرتا تھا۔ ❸

---

❶ ابو داود، سنن ابی داود، مکتبہ امدادیہ، ملتان، ۱۳۱۶ھ: ۱/ ۳۱۶

❷ ایضاً: ۱/ ۳۱۶ ❸ ایضاً: ۱/ ۳۱۶

Marfat.com

(۴) کوئی شخص اپنی بیوی کو کہتا کہ جاؤ اور فلاں شخص یا فلاں سردار کے پاس جا کر اس سے ہم بستری کرو۔ تا کہ تمہیں اس میں سے اولاد ملے۔ حمل کے واضح ہو جانے تک وہ عورت اس مرد کے پاس اس کی بیوی بن کر رہتی تھی۔ اس سارے عرصہ میں اس کا اصل خاوند اس سے ہم بستری نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ حمل کے واضح ہو جانے کے بعد وہ اپنی بیوی سے اگر چاہتا تو زن و شوہر کا تعلق قائم کر سکتا تھا۔ اسے نکاح استبفاع کا نام دیتے تھے۔ نکاح استبفاع اولاد کی بہتر خصوصیات حاصل کرنے کے لیے کیا جاتا۔ ❶ اس صورت میں پیدا ہونے والا بچہ اصل شوہر کا کہلاتا تھا۔ ابو داود نے یہ روایت حضرت عائشہ صدیقہ سے اپنی سند کے ساتھ روایت کی اس روایت کے آخر پر حضرت عائشہ صدیقہ نے وضاحت فرمائی ہے کہ اسلام میں صرف پہلی صورت نکاح کو جائز قرار دیا گیا اور باقی ساری صورتوں کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ ❷

عرب بعثت کے وقت بھی نکاح کی باشرف صورت اسی اولین صورت کو سمجھتے تھے باقی ساری صورتیں ان کے نزدیک باعث عار سمجھی جاتی تھیں تاہم وہ ان عربوں میں اس حد تک رائج ہو گئی تھیں کہ شاید ہی کوئی قبیلہ اس سے بچا ہوا ہو البتہ ایسے افراد ہر قبیلہ میں ضرور پائے جاتے تھے۔ جو سفاح اور زنا کاری کی ان صورتوں میں ملوث نہیں ہوتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا میرے اجداد میں سے سبھی نکاح سے پیدا ہوئے کوئی بھی صفاح سے پیدا نہیں ہوا۔

محرمات

دین ابراہیمی کے باقیات میں سے ایک عربوں کے ہاں محرمات کا تصور بھی تھا۔ عربوں کے ہاں انہی عورتوں سے نکاح حرام سمجھا جاتا تھا۔ جن سے اسلام نے نکاح کو حرام قرار دیا ہے۔ لیکن اس کی گرفت بھی شرک کے رواج کے بعد خاصی کمزور پڑ گئی تھی۔ چنانچہ وہ دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح پھوپھی اور بھتیجی نیز خالہ اور بھانجی کو ایک نکاح میں جمع کر لینے میں بھی کوئی باک محسوس نہ کرتے تھے۔ والد کی منکوحہ سے نکاح کر لینے کا رواج بھی ان میں عام تھا بلکہ والد کی بیویوں کو جوان کی اپنی والدہ کے علاوہ ہوں وراثت سمجھتے تھے۔ حیرہ کی سلطنت کے اثر میں بعض قبائل بالخصوص بنو تمیم کے لوگوں نے مجوسیت

❶ ایضاً: ۳۱۶/۱ ❷ ایضاً: ۳۱۶/۱

Marfat.com

اختیار کر لی تھی۔ ان میں محرمات کا تصور اور بھی دھندلا گیا تھا۔ چنانچہ زرارہ بن عدس التمیمی کے بیٹے حاجب بن زرارہ نے اپنی بیٹی سے شادی کر لی تھی بعد میں اسے ندامت ہوئی۔

لامحدود تعدادِ ازدواج

عربوں کے ہاں تعدادِ ازدواج کا رواج تو تھا ہی سب سے بڑی قباحت یہ تھی کہ اس کی کوئی تعداد مقرر نہ تھی جو شخص جتنی بیویاں چاہتا تھا۔ نکاح کے ساتھ انھیں اپنے ہاں لا سکتا تھا۔ چنانچہ لوگوں کے ہاں دس دس بلکہ اس سے بھی زیادہ بیویاں ہوتی تھیں۔ پھر اس پر ستم یہ کہ ان کے درمیان کسی نوعیت کے عدل کو لازمی نہیں سمجھتے تھے۔ جسے پسند کرتے تھے سر چڑھا لیتے تھے۔ جس سے ناراض ہو جاتے وہ بے چاری تنہائی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتی اور اس کا کوئی پرسان حال نہ ہوتا تھا۔ اسی طرح جب اتنی بیویوں کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہ رہتے تو اخراجات کو پورا کرنے کے لیے یتیموں اور زیردستوں کے حقوق غصب کرنے پر اتر آتے۔

حائضہ سے ظالمانہ سلوک

عربوں کے ہاں حائضہ سے ہم بستری کرنا ممنوع تھا۔ مگر خود ساختہ طہارت کے احساس کے تحت اسے بالکل ناپاک قرار دے لیتے تھے۔ یہ تصور ان قبائل میں کہیں زیادہ تھا۔ جو یہود کے ہمسایے میں رہتے تھے۔ اس حالت میں اس خاتون کے کھانے کے برتن تک الگ کر دیے جاتے تھے۔ اگر وہ کسی شے کو ہاتھ لگا لیتی تھی تو اسے ناپاک تصور کیا جاتا تھا۔ اگر اس کا جسم کسی سے چھو جائے تو بدن کو ناپاک سمجھ کر اس کی طہارت کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ اس طرح ہر ماہ ایامِ حیض میں اپنے ہی گھر میں اچھوت بن کر رہ جاتی تھی۔

طلاق

دینِ ابراہیمی کی باقیات میں سے یہ بات بھی ان کے ہاں موجود تھی کہ وہ میاں بیوی کے تعلقات کو طلاق کے ذریعے ختم کرتے تھے۔ عورتیں عدت گزارتی تھیں۔ عدت کے دوران مرد کو رجوع کا حق باقی رہتا تھا۔ مگر اس میں تبدیلی یہ کر لی گئی تھی کہ مرد کو لاتعداد طلاق دینے اور رجوع کرنے کا حق تھا۔ اس طرح ایک لمبے عرصے تک طلاق دیتے اور رجوع کرتے رہتے تھے۔ اور یوں انھیں معلق زندگی گزارنے پر مجبور کر دیتے تھے۔ نہ انھیں خود آباد کرتے اور نہ فارغ کرتے کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کر کے آرام و آسائش کی زندگی گزار سکیں۔ اسلام نے طلاق کی تعداد مقرر کر کے اس ظلم کی تلافی کر دی۔

Marfat.com

■ ظہار

اسی طرح ایک بری صورت یہ پیدا کر لی گئی تھی کہ کوئی مرد اپنی بیوی سے لڑتے ہوئے یہ کہہ دیتا کہ تیری پیٹھ میرے نزدیک اپنی ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو یہ تصور کر لیا جاتا کہ اب اس کے ساتھ میاں بیوی کا تعلق استوار کرنا اسی طرح حرام ہے جیسے اپنی ماں کے ساتھ۔ اس کی بنیاد اس جھوٹی انا کے سوا کچھ نہ تھی کہ قول مرداں جاں دارد۔ جب زبان سے یہ بات نکل گئی ہے تو اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ اس طرح مرد کی بات تو پوری ہو جاتی مگر عورت کی زندگی سراپا عذاب بن جاتی۔ نہ تو وہ کسی دوسرے مرد کے ساتھ شادی کر سکتی تھی کہ ایک مرد کے نکاح میں ہے۔ اسی کے ساتھ اپنی فطری خواہش کو پورا کر سکتی۔

■ تبنی

اسی قول پر قائم رہنے کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ اگر کوئی شخص کسی کو اپنا بیٹا بنا لیتا تو اس پر وہ ساری حرمتیں قائم سمجھی جاتیں جو ایک سلبی بیٹے سے قائم سمجھی جاتی تھیں۔ وہ شخص اپنے متبنی کی بیوی سے بعد طلاق بھی اسی طرح نکاح نہ کر سکتا تھا جس طرح اپنے نسبی بیٹے کی بیوی سے اس کے لیے نکاح حرام تھا۔ اسی طرح وہ بھی منہ بولے باپ کی منکوحہ سے بعد طلاق بھی نکاح نہ کر سکتا تھا۔ قرآن مجید میں انھیں باطل قرار دے دیا گیا۔

﴿وَ كَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَ لِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا يَفْتَرُوْنَ﴾ (الانعام: ۱۳۷)

"اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے لیے ان کے شریکوں نے اپنی اولاد کے قتل کو خوشنما بنا دیا ہے تا کہ ان کو ہلاکت میں مبتلا کریں اور ان پر ان کے دین کو مشتبہ بنا دیں۔ اگر اللہ چاہتا تو یہ ایسا نہ کرتے لہٰذا انھیں چھوڑ دو کہ اپنی افترا پردازیوں میں لگے رہیں۔"

عرب کے لوگ اپنے آپ کو حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کا پیرو کہتے تھے اور یہی سمجھتے تھے کہ ہم ان کے پیروکار ہیں۔ مگر جو دین ان لوگوں نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام سے سیکھا تھا۔ اس میں گزشتہ صدیوں میں ان کے مذہبی پیشوا، قبائل کے سردار اور مختلف قبائل کے

Marfat.com

بڑے بوڑھوں نے طرح طرح کے عقائد، اعمال اور رسوم کا اضافہ کرلیا۔ جنھیں آنے والی نسلوں نے نہایت عقیدت مندی کے ساتھ قبول کرلیا۔

قتل اولاد کی ایک شکل یہ تھی کہ لوگ مختلف منتوں کے پورا ہونے کے لیے شرکاء کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کی قربان گاہوں پر اپنی اولاد کو بھینٹ چڑھا دیتے تھے۔

دوسری صورت یہ تھی کہ کثرت اولاد اور قلت مال کے ہاتھوں تنگ آ کر لوگ اپنی اولاد کو قتل کردیتے تھے کہ ان کی پرورش ایک بوجھ بن جائے گی۔

تیسری صورت یہ تھی کہ بعض لوگ اپنی بیٹیوں کو محض اس جھوٹی انا کے لیے زندہ دفن کر دیتے تھے یا قتل کردیتے تھے کہ کوئی ان کا داماد نہ بنے۔

اسلام نے قتل اولاد کی ان ساری صورتوں کو ممنوع قرار دے دیا۔

■ منع اولاد

قتل اولاد کی قبیح ترین صورت منع اولاد ہے۔ شرک سے پیدا ہونے والی دنیا پرستی اور تعیّشات زیست کی طلب نے منع اولاد کو بھی رواج دے رکھا تھا۔ قتل اولاد تو کسی بھی معاشرے میں کبھی پسندیدہ فعل نہیں رہا۔ اس کی سفاکی و بہیمیت تو کبھی محتاج بیان نہیں رہی۔ یہ کھلا ہوا ظلم تھا۔ لہٰذا اس سے انسانی فکر نے ہمیشہ اِبا کیا ہے۔ البتہ منع حمل میں ایسی کوئی قباحت بظاہر محسوس نہیں ہوتی۔ لہٰذا ان علاقوں میں جہاں یہود آباد تھے۔ منع حمل کو ایک بالکل جائز فعل تصور کیا جاتا تھا۔ حالانکہ اس کے پس منظر میں بھی وہی دنیا طلبی اور جھوٹی انا ہی اصل محرک تھی۔ اور یہ اپنے نتائج کے اعتبار سے اسی طرح فعل قبیح تھا جیسے قتل اولاد۔ یہود کو چونکہ صدیاں کتاب اللہ کی معنوی تحریف کرتے گزر گئی تھیں اور انھیں اس بات میں یدطولیٰ حاصل ہو چکا تھا کہ کتاب اللہ کے احکام کی ظاہری پاسداری کرتے ہوئے ایسی ترکیب پیدا کرلی جائے کہ اصل غرض سے انحراف کرلیا جائے لہٰذا انھوں نے عزل کی ایک قبیح صورت ایجاد کرلی تھی۔ وہ یہ کہ بیوی سے ہم بستری کرتے ہوئے جب کوئی شخص انزال کے قریب پہنچے تو رحم کے اندر انزال کرنے کی بجائے آلہ تناسل نکال لیا جائے اور انزال باہر کیا جائے۔ یوں میاں بیوی ایک دوسرے سے لطف اندوز بھی ہو لیتے اور پرورش اولاد سے بھی بچ جاتے تھے۔ نیز قتل اولاد کے احساس گناہ سے بھی طبیعت پر بوجھ نہ پڑتا تھا۔

بعثت کے وقت اہل مدینہ میں یہ فعل قبیح رائج تھا۔ اس کے محرکات ان کے نزدیک اس

Marfat.com

وقت دو تھے۔ ایک یہ کہ لوگ اپنی لونڈیوں سے لطف اندوز ہوتے اور یہ بات پسند نہ کرتے کہ اس لونڈی کے بطن سے ان کے ہاں اولاد پیدا ہو اور لونڈی زادہ ہونے کی بنیاد پر شرف سے محروم رہے لہٰذا وہ اپنی لونڈی سے مجامعت کی صورت میں عزل کو ایک بالکل جائز فعل تصور کرتے تھے۔ دوسری صورت یہ تھی کہ قلت مال اور کثرت اولاد کی صورت میں پرورش اولاد کے مزید بوجھ سے بچنے کی خاطر اپنی بیوی کی اجازت سے عزل کرنا جائز سمجھتے تھے۔ آج کی مغربی مادہ پرستانہ تہذیب نے بھی وسائل کی کمی اور مسائل کی کثرت کی بنیاد پر خاندانی منصوبہ بندی کو ایک حل کے طور پر ایجاد کر لیا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ موجودہ تہذیب نے بھی مشرکانہ عیسائیت اور یونانی فلسفہ کے تعاون واشتراک سے جنم لیا ہے۔ تعیّشات کی طلب اور ترجیح دنیا اس کے امتیازات ہیں اور قتل اولاد اور منع اولاد کو خاندانی منصوبہ بندی میں اپنی عیش پرستی کی پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ اور قتل اولاد کو حرام مانتے ہوئے منع حمل کے جواز کے لیے عزل سے متعلقہ احادیث پر ہی اپنا پورا زور تاویل صرف کر رہے ہیں۔ حالانکہ ان میں اس کے جواز کے لیے کوئی بنیاد تلاش نہیں کی جا سکتی۔ اسلام نے قتل اولاد کی طرح منع حمل کو بھی کبھی پسند نہیں کیا۔ ہم اس پر معاشرتی اصلاح کے عنوان کے تحت تفصیلی گفتگو کا ارادہ رکھتے ہیں۔

یتیموں سے ناروا سلوک

شرک انسان کے دل سے خدا کا خوف اٹھا دیتا ہے۔ اور آخرت کی جواب دہی کے احساس سے محروم کر دیتا ہے۔ اس طرح آدمی کے اندر کمینہ صفات پروان چڑھنے لگتی ہیں۔ وہ کمزور اور بے یار و مددگار لوگوں کے مقابلے میں شیر بن جاتا ہے اور ان پر ہر طرح کے ظلم و زیادتی کو اپنا حق سمجھتا ہے۔ اسی طرح وہ طاقتور کا یہ حق تسلیم کرتا ہے کہ وہ خود اس پر ظلم کرے۔ وہ طاقت ور کے مقابلے میں اتنا ہی بودا ثابت ہوتا ہے جتنا کمزور کے مقابلے میں متکبر بنتا ہے۔ وہ کسی قانون سے آشنا ہوتا ہے نہ پابند بلکہ اس کے نزدیک دنیا کا ایک قانون واجب العمل ہوتا ہے۔ اور وہ ہے جنگل کا قانون۔ اس کے نزدیک بھینس اسی کی ہوتی ہے جو اپنے آپ کو لاٹھی والا ثابت کر دے۔

عرب میں شرک کے غلبے نے اسی قانون کو جائز قانون تسلیم کر لیا تھا اور اس کا شکار سب سے زیادہ وہ یتیم بچے ہوتے تھے جن کا کوئی پشت بان نہیں ہوتا تھا۔ مگر ان کے والدین ان کے لیے ورثے میں مال چھوڑ کر جاتے تھے۔ ان کے وصی ان کے مال پر پوری طرح قابض ہو جاتے

Marfat.com

تھے اور انھیں زندگی کی بنیادی ضروریات سے بھی محروم زندگی گزارنا پڑتی تھی۔

قاضی ابوالحسن الماوردی نے اپنی کتاب اعلام النبوہ میں نبی اکرم ﷺ کے معجزات کے ضمن میں یہ واقعہ تحریر کیا ہے کہ ابوجہل ایک یتیم بچے کا وصی تھا۔ بعد بعثت کا واقعہ ہے کہ ایک بار وہ یتیم بچہ اس حال میں خانہ کعبہ میں ابوجہل کے پاس آیا کہ اس کے تن پر موزوں کپڑے بھی نہیں تھے اور آ کر کہا کہ اے ابوالحکم مجھے میرے باپ کے چھوڑے ہوئے مال ہی میں سے کچھ دے دو۔ مگر اس ظالم نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور جب ایک لمبے وقفے کے لیے کھڑا رہنے کے بعد واپس ہونے لگا تو قریش کے سرداروں نے اس کے ساتھ ایک اور مذاق کیا۔ اسے کہا کہ تم محمد بن عبداللہ کے پاس جاؤ اور انھیں جا کر اپنا دکھڑا سناؤ۔ وہ اسے کہہ کر تمھارا مال لے دیں گے۔ وہ نابالغ بچہ حالات سے بے خبر تھا۔ اس نے آ کر نبی اکرم ﷺ کو اپنی بپتا سنائی۔ تو آپ فوراً اس کے ساتھ ہو لیے۔ ابوجہل سے جا کر کہا کہ اس کا مال اسے دے دو۔ اس نے خاموشی سے بچے کا مال واپس کر دیا۔ سرداران قریش کسی دلچسپ جھگڑے کی توقع رکھتے تھے انھیں مایوسی ہوئی۔ انھوں نے ابوجہل سے جا کر کہا یہ تو نے کیا کیا ہے۔ کیا تو نے دین آباء کو ترک کر دیا ہے۔ اس نے جواب میں کہا کہ نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے دین آباء ترک نہیں کیا۔ اصل میں جب انھوں نے مجھے مال واپس کرنے کا کہا تو میں نے دیکھا کہ آپ کے دونوں پہلوؤں سے دو حربے (چھوٹے نیزے) اس تیزی سے میری طرف بڑھ رہے ہیں کہ اگر میں نے انکار کیا یا حکم کی تعمیل میں دیر کی تو یہ میری چھاتی میں اتر جائیں گے۔ (سید ابوالاعلیٰ مودودی، سیرت سرور عالم ﷺ: ۱/۵۸۹)

یہ واقعہ جہاں ایک معجزہ کا بیان ہے وہاں یہ اس بات کو بھی واضح کر دیتا ہے کہ عرب کے مہذب ترین قبیلہ کے لوگ بھی یتیموں اور بے سہارا لوگوں سے کیسا نازیبا سلوک روا رکھتے تھے۔ ابوجہل ایک یتیم بچے کا وصی بن کر اس کے باپ کے چھوڑے ہوئے مال پر قابض تھا۔ بچے کی حالت زار دیکھ کر بھی کسی سردار کو رحم نہیں آیا۔ ان میں کوئی رجل رشید نہیں تھا جو ابوجہل سے یہ کہتا کہ کچھ خوف خدا کرو اسے اپنے پاس سے کچھ دینے کی توفیق نہیں رکھتے تو اسی کے باپ کے ترکے میں سے کچھ دے دو تا کہ یہ اپنا تن تو اچھی طرح ڈھانپ سکے۔ ان میں سے کسی کو بچے سے ہمدردی کی توفیق نہیں ہوئی بلکہ الٹا اس سے مذاق کرنے کی سوجھی کہ جاؤ جا کر محمد (ﷺ) سے کہو۔ اسی بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ باقی قبائل میں یتیموں کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھا جاتا ہوگا۔

Marfat.com

بچوں سے بھی زیادہ بچیاں اس ظالمانہ سلوک کا شکار ہوتی تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ عرب ان یتیم بچیوں پر بہت ظلم کرتے تھے جن کے والدین ترکے میں مال چھوڑ کر رخصت ہوتے تھے۔ اگر یہ بچیاں حسن صورت سے بھی متصف ہوتیں تو ان کے وصی یہ چاہتے تھے کہ خود ان سے نکاح کر لیں۔ نہ ان کا مہر ادا کریں نہ نفقہ دیں اور ان کے مال اور جمال دونوں سے فائدہ اٹھائیں اور اگر وہ بدصورت ہوتیں تو نہ تو خود ان سے نکاح کرتے اور نہ کسی دوسرے کو ان سے نکاح کرنے دیتے اور وہ مجرد زندگی گزارنے پر مجبور ہوتیں تاکہ کل ان کا کوئی سرداران کے حق کا مطالبہ نہ کرنے پائے۔ (ایضاً: ۵۸۹/۱)

اسلام نے ان سارے ظالمانہ رویوں کو ممنوع قرار دیتے ہوئے حکم دیا کہ کمزوروں اور یتیموں کے ساتھ حق وانصاف پر مبنی رویہ اختیار کیا جائے۔

﴿وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَ مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا﴾ (النساء: ۱۲۷)

”لوگ تم سے عورتوں کے معاملہ میں فتویٰ پوچھتے ہیں۔ کہو اللہ تمھیں ان کے معاملہ میں فتویٰ دیتا ہے اور ساتھ ہی وہ احکام بھی یاد دلاتا ہے جو پہلے سے تم کو اس کتاب میں سنائے جا رہے ہیں۔ یعنی وہ احکام جو ان یتیم لڑکیوں کے متعلق ہیں جن کے حق تم ادا نہیں کرتے اور جن سے نکاح کرنے سے تم باز رہتے ہو (یا لالچ کی بنا پر تم خود ان سے نکاح کر لینا چاہتے ہو) اور وہ احکام جو ان بچوں کے بارے میں ہیں جو کوئی زور نہیں رکھتے۔ اللہ تمھیں ہدایت کرتا ہے کہ تم یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو اور جو بھلائی تم کرو گے وہ اللہ سے چھپی نہ رہ جائے گی۔“

حلال وحرام کے احکام

شرک کا سب سے خوفناک بگاڑ جو کسی بھی مشرک معاشرے میں واقع ہوتا ہے وہ یہ ہے

Marfat.com

کہ قانون سازی کا حق اللہ اور اس کے رسول کی بجائے لوگوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے ایسے معاشرے میں لوگ اللہ وحدہ لاشریک لہ کو اپنا خالق، رازق اور منعم تسلیم کرتے ہیں۔ وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ زمین و آسمان کی ہر شے کا خالق اللہ ہے۔ وہی دن اور رات کو پیدا کرتا ہے اور اپنے وقت مقررہ پر اسے لانے کا اہتمام کرتا ہے۔ وہ یہ مانتے ہیں کہ آسمان کے ستاروں، سیاروں، چاند اور سورج کو وہی اپنے اپنے مدار پر چلا رہا ہے۔ اسی کے حکم سے موسم بدلتے اور ہوائیں چلتی ہیں۔ وہی بادلوں کو ہواؤں کے دوش پر اٹھا کر لاتا ہے۔ وہی ہے جو جہاں جس وقت جتنی بارش مناسب سمجھتا ہے برساتا ہے اور اس کے ذریعے مردہ زمین کو دوبارہ زندہ کر کے اس میں سے طرح طرح کی نعمتیں ان کے لیے اگا لاتا ہے۔ وہ جہاں اور جب چاہے بادلوں سے بجلی گرا کر جلا دیتا ہے۔ جہاں چاہے ژالہ باری کر کے پکی فصلیں برباد کر دیتا ہے۔ پانی اسی کی پیدا کردہ نعمت ہے وہ جب چاہے اسے اتنا کم کر دے کہ کسی کے لیے اس کا حاصل کرنا ممکن نہ رہے۔ زمین کو اسی نے رہائش کے قابل بنایا ہے۔ اسی نے اس کے اندر انسان کی ضرورت کی اشیاء نہایت یقینی اندازے کے مطابق رکھ دی ہیں کہ انسان ان سے حسب ضرورت استفادہ کر سکتے ہیں۔ اسی نے انسانوں کو پیدا کیا ہے اور اس معمورے میں آباد کیا ہے۔ وہ جب چاہے انسانوں کی زندگی کو اس زمین پر ناممکن بنا دے زلزلے، طوفان اور سیلاب اسی کے حکم سے آتے ہیں۔ ان آفات میں وہ جس کو چاہے ہلاک کر دیتا ہے اور جس کو چاہے بچا لیتا ہے۔ وہی ہے جو آسمانوں اور زمین سے ہر ذی روح کو جتنا مناسب سمجھتا ہے رزق دیتا ہے اور جب چاہتا ہے واپس لے لیتا ہے۔ وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ زندگی اور موت خالصۃً اس کے ہاتھ میں ہے انسانوں کو اسی نے پیدا کیا ہے۔ ان کا جسم، ان کی روح اور ان کی ساری جسمانی اور روحانی صلاحیتیں اسی کی عطا کردہ ہیں۔ ہماری آنکھوں ہمارے کانوں اور جسم کے پورے اعضا اور روح کی پوری قوتوں کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہے۔ وہ عالم الغیب والشہادہ ہے۔ وہ ہمارے ہر قول و فعل حتیٰ کہ دل میں اٹھنے والے خیالات تک سے ہر لحظہ آگاہ ہے۔ وہ ہماری ضروریات سے باخبر ہے اور وہی ہماری ضروریات کو پورا بھی کرتا ہے۔ وہ ہماری حاجتوں سے واقف ہے اور ہر لحظہ ہماری حاجت روائی کرتا ہے۔ بیماری اور شفا اس کے حکم پر موقوف ہیں۔ عزت اور ذلت ہر دو وہی دیتا ہے۔ جسے چاہے اختیار و اقتدار دیتا ہے اور جب چاہے چھین لیتا ہے۔ وہ زندہ سے مردہ کو اور مردہ سے زندہ کو نکال لاتا ہے۔ وہ عرش عظیم کا

Marfat.com

مالک بھی ہے مختار مطلق بھی۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور اسے روکنے والا کوئی نہیں ہے۔ اس کے احکام لاگو ہو کر رہتے ہیں۔

یہ سب کچھ تسلیم کرنے کے باوجود ایک مشرک معاشرہ اطاعت الٰہی سے محروم ہو جاتا ہے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ جب وہ یہ مفروضہ گھڑ لیتے ہیں کہ اللہ نے اپنی ہی مخلوق میں سے کچھ ہستیوں کو اتنا مقرب بنالیا ہے کہ وہ دنیا میں ان کی سفارش پر عطا کرتا ہے اور ان کی ناراضی پر محروم کر دیتا ہے اور آخرت میں کامیابی کا ذریعہ اطاعت و اعمال صالحہ نہیں ان ہستیوں کا توسل اور ان کی سفارش ہے تو دنیا میں اطاعت اللہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کچھ مخصوص رسوم کے ذریعے ان ہستیوں کی خوشنودی حاصل کرنا ہی اصل مسئلہ رہ جاتا ہے۔ پھر معاملہ انہی ہستیوں تک محدود نہیں رہتا بلکہ ان کے معابد کے متولی اور خدام ان ہستیوں کے نمائندوں کی حیثیت سے حلت و حرمت کے فیصلے کرنے کا حق رکھتے ہیں وہ جس شے کا حکم دے دیں خواہ وہ کتاب اللہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو حلال ٹھہرتی ہے اور جس کو وہ منع کر دیں وہ حرام ٹھہرتی ہے۔ صاحبان اقتدار اس دعوے کے ساتھ ان ہستیوں اور اللہ کے نمائندے ٹھہرتے ہیں کہ یہ اقتدار اور یہ مرتبہ انہی کا عطا کردہ ہی تو ہے۔ فرماں روائی و قانون سازی ان کا حق ٹھہرتی ہیں۔ وہ خود اس بات کے مدعی بھی ہوتے ہیں اور عوام اس حیثیت کو قبول بھی کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں نمرود کے بارے میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ وہ اسی استدلال کی بنیاد پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑتا تھا کہ اللہ نے اسے اقتدار بخشا ہے اور اس نے جو معاشرت قائم کر رکھی ہے وہ بالکل برحق ہے۔ اس کا یہ دعویٰ ہرگز نہ تھا کہ اس نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ یہ اس کی پیدائش سے پہلے موجود تھی۔ وہ پاگل نہیں تھا کہ ایسا دعویٰ کرتا۔ نہ اس کا یہ دعویٰ تھا کہ اس کائنات پر اس کا اختیار چلتا ہے لہٰذا وہ رب ہے اسے معلوم تھا کہ میری سلطنت کی حدود بس عراق تک محدود ہیں اور میں خود سلطنت ایران کا باجگزار ہوں۔ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ میں اللہ کا مقرر کردہ حاکم ہوں اور میں اس ملک کا رب ہوں۔ یہاں وہی ٹھیک ہے جسے میں درست قرار دوں۔ ابراہیم علیہ السلام کا جرم یہ ہے کہ وہ اس تہذیب کو خراب کرنا چاہتے ہیں جسے میں نے رائج کر رکھا ہے۔

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ﴾

(البقرۃ:۲۵۸)

Marfat.com

"کیا تو نے اس پر غور نہیں کیا جو ابراہیم سے اس لیے الجھ رہا تھا کہ اللہ نے اسے اقتدار بخشا تھا۔"

قرآن مجید حضرت موسیٰ کے مقابلے میں فرعون کا بھی یہی استدلال بیان کرتا ہے:

﴿وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِىْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِىْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِىْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِىْ هُوَ مَهِيْنٌ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ۝ فَلَوْلَآ اُلْقِىَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ﴾

(الزخرف: ۵۱ تا ۵۳)

"فرعون نے اپنی قوم کے درمیان پکار کر کہا لوگو کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے، اور یہ نہریں میرے نیچے نہیں بہہ رہی ہیں کیا تم لوگوں کو نظر نہیں آتا؟ میں بہتر ہوں یا یہ بے وقار کنگلا اور یہ اپنی بات بھی کھول کر بیان نہیں کر سکتا؟ کیوں نہ اس پر سونے کے کنگن اتارے گئے یا فرشتوں کا ایک دستہ اس کی اردل میں نہیں آیا۔"

یہی اعتراض اہل مکہ کو خود نبی اکرم فداہ ابی وامی وعرضی وعرض ابی پر تھا اگر اللہ کو اپنا کوئی رسول بھیجنا ہی ہوتا تو مکہ اور طائف کے سرداروں میں سے کسی رسول بنا کر بھیجتا۔ جنھیں اس نے دولت واقتدار سے نوازا تھا۔ اسے رسول بنا کر بھیجنے کے لیے یہی ملے ہیں۔ جن کے پاس دولت دنیا ہے نہ اقتدار جن کے پاس حسن صورت وسیرت اور اخلاق عالیہ کے سوا کوئی دولت نہیں۔

﴿وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾ (الزخرف: ۳۱)

"کہتے ہیں کہ یہ قرآن دونوں شہروں کے بڑے آدمیوں میں سے کسی پر کیوں نہ نازل کیا گیا۔"

حقیقت میں ایک مشرکانہ معاشرے کا امتیازی نشان ہی یہ ہے کہ اس میں حرام وحلال کے فیصلوں اور قانون سازی کے اختیارات اللہ کی بجائے انسانوں سے متعلق ہو جاتے ہیں۔ شرکاء کے متولیوں اور صاحبان اقتدار کے اس حق کو تسلیم کر لیا جاتا ہے کہ وہ جو حکم دیں اس کی

Marfat.com

اطاعت واجب ہے اور جس سے منع کریں اس کا ارتکاب قابل سزا ہے قطع نظر اس سے کہ وہ حکم خداوند کے احکام کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

شرک آدمی کو خواہشات کا بندہ بنا دیتا ہے۔ وہ یا تو ان سے ڈرتے ہیں۔ ان کی اطاعت کرتے ہیں یا اپنی خواہشات کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا﴾ (الفرقان:۴۳-۴۴)

”کبھی تم نے اس شخص کے حال پر غور کیا ہے، جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا الہ بنالیا ہے کیا تم ایسے شخص کو راہ راست پر لانے کا ذمہ لے سکتے ہو۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے اور سمجھتے ہیں؟ یہ تو جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔“

ہر وہ شخص جو اللہ کو مانتا ہے اس کی صفات کو تسلیم کرتا ہے۔ اس کی نعمتوں اور مہربانیوں کا معترف ہے۔ مگر اس نے کچھ ایسے سفارشی تراش لیے ہیں جن کے بارے میں اس کا خیال ہے کہ ان کی سفارش رد نہیں کی جاتی اور اللہ کے احکام پر عمل کرنے کی بجائے اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے یا کچھ لوگوں کے لیے حلت وحرمت کے فیصلے کرنے اور قانون سازی کا مطلق حق تسلیم کرتا ہے شرک میں مبتلا ہے۔ یہی وہ شرک تھا جس میں بعثت کے وقت عرب کے لوگ ہی نہیں دنیا بھر کے لوگ مبتلا تھے۔ اور یہی شرک ہے جس کا موجودہ مادی تہذیب بری طرح شکار ہے۔

عرب صدیوں کے الٹ پھیر میں نہ صرف صحف ابراہیم کھو چکے تھے بلکہ تعلیمات ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کو بھلا بھی چکے تھے تاہم عمرو بن لحی کے قبضہ سے پہلے وہ دین ابراہیمی پر قائم تھے۔ عمرو بن لحی نے پورے دین ابراہیمی کو الٹ کر شرک کو باقاعدہ ایک نظام کی شکل دے دی تو حلال وحرام بھی اسی نظام کی بنیاد پر مرتب ہونے لگے۔ بعثت نبوی کے وقت عرب میں حلال وحرام کا ایک ضابطہ رائج تھا۔ جس کی بنیاد شرک پر استوار تھی۔ وہ اپنے بتوں کے نام پر اپنی منتوں اور نذروں کے سلسلے میں جو جانور چھوڑتے تھے یا اپنی جو فصلیں اپنے بتوں کی نذر کرتے تھے۔ اس کے بارے میں انھوں نے باقاعدہ ایک شریعت بنا رکھی تھی۔ کہ انھیں ہر آدمی نہیں کھا سکتا۔ بلکہ

Marfat.com

انھوں نے طے کر رکھا تھا کہ ان کو فلاں فلاں لوگ ہی کھا سکتے ہیں۔ پھر انھوں نے اس شریعت کا ایک قاعدہ یہ بھی مقرر کر رکھا تھا کہ ان کا گوشت صرف مرد کھا سکتے ہیں۔ ان کا کھانا عورتوں کے لیے حلال نہیں ہے۔ البتہ اگر یہ مر جاتے تو ان کا گوشت کھانے میں سبھی شریک ہوتے تھے۔ ان جانوروں کو دوہتے وقت اور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا ممنوع سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ اسی دیوی یا دیوتا کا نام لیا جاتا جس کے نام پر یہ جانور بندھا ہوا تھا۔ ان جانوروں پر کوئی سواری نہیں کر سکتا تھا حتیٰ کہ حج پر جانے کے لیے بھی ان پر سواری ممنوع تھی کہ اس صورت میں ان کی پیٹھ پر بیٹھ کر لبیک اللھم لبیک کہنا ضروری تھا جبکہ یہ جانور بتوں کے نام پر چھوڑے گئے تھے اور ان کی پیٹھ پر اس بت کے سوا کسی دوسرے کا نام لینا خواہ وہ اللہ ہی ہو جائز نہ تھا۔

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن: ۱/۵۸۸)

ان بتوں کے نام پر چھوڑی جانے والی بکری بچہ جنتی تو اگر بچہ ہوتا تو ذبح کر کے زائرین میں سے مردوں کو کھلایا جاتا۔ عورتوں کے لیے اس کا کھانا حلال نہ تھا۔ اگر بچی ہوتی تو اسے بھی اس بت کے نام پر چھوڑ دیا جاتا اور اگر وہ مردہ پیدا ہوتا یا ذبح ہونے سے پہلے مر جاتا تو اسے مرد اور عورتیں سبھی مل کر کھاتے تھے۔ (ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم: ۲/۱۸۷)

اسی طرح انھوں نے حلال جانور کے مر جانے پر بھی حلال ٹھہرالیا تھا۔ اور دور کی کوڑی یہ لے آئے تھے کہ یہ کوئی عقل میں آنے والی بات نہیں ہے کہ اللہ جس نے جانور کو پیدا کیا ہے۔ تو وہ حرام ہو جاتا ہے اور اگر ہم ذبح کر کے اسے مار دیں تو وہ حلال ہی رہتا ہے۔

سورہ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ یہ قواعد انھوں نے خود ہی گھڑ لیے تھے۔ اس کی کوئی بنیاد کسی دین میں نہیں تھی۔

﴿وَ قَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّ حَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَ اَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَ اَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ وَ قَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَ مُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ﴾ (الانعام: ۱۳۸-۱۳۹)

Marfat.com

"کہتے ہیں یہ جانور اور یہ کھیت محفوظ ہیں، انھیں صرف وہ لوگ کھا سکتے ہیں۔ جنھیں ہم کھلانا چاہیں۔ حالانکہ یہ پابندی ان کی خود ساختہ ہے پھر کچھ جانور ہیں۔ جن پر سواری اور بار برداری حرام کر دی گئی ہے اور کچھ جانور ہیں جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے۔ یہ سب کچھ انھوں نے اللہ پر افترا کیا ہے۔ عنقریب اللہ انھیں ان افترا پردازیوں کا بدلہ دے گا۔ اور کہتے ہیں جو کچھ ان جانوروں کے پیٹ میں ہے۔ یہ ہمارے مردوں کے لیے مخصوص ہے۔ اور ہماری عورتوں پر حرام ہے۔ لیکن اگر وہ مرد ہو تو دونوں اس کے کھانے شریک ہو سکتے ہیں۔ یہ باتیں جو انھوں نے گھڑلی ہیں ان کا بدلہ اللہ انھیں دے گا۔ یقیناً وہ رحیم ہے۔ اور سب باتوں کی اسے خبر ہے۔"

قتل در قتل

شرک کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ وہ انسانی قلوب واذہان سے خوف خدا اور آخرت کی جواب دہی کے احساس کو کم ہی نہیں کرتا بلکہ اٹھا دیتا ہے۔ اور پھر وسائل کی کمی اور بڑھتی ہوئی خواہشات اسے درندہ بنا ڈالتی ہیں۔ حیات انسانی کی حرمت ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ کسی چھوٹی سی مادی غرض اور جھوٹی انا کی تسکین کے لیے قتل انسانی معاشرے کا معمول بن جاتا ہے۔ یہی عربوں کے ہاں ہوا۔ لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں پر قتل کا ارتکاب کرنے لگے۔ پھر چونکہ ملک میں کوئی ایسا ادارہ موجود نہیں تھا جو مظلوم کی دادرسی کر سکتا لہٰذا قتل کے انتقام کا رواج فطری تھا۔ شرک نے یہ ستم ڈھایا کہ توہم پرستی نے ہامہ کا عقیدہ تراش لیا۔ عربوں کا خیال یہ تھا کہ مقتول کی روح ایک چھوٹے سے الو کی صورت میں جنگلوں، پہاڑوں، صحراؤں اور وادیوں میں اڑتی اور اسقونی اسقونی (میری پیاس بجھاؤ، میری پیاس بجھاو) پکارتی رہتی ہے اور جب مقتول کا انتقام لے لیا جائے تو سکون اختیار کر جاتی ہے۔ اسے ہامہ کہتے ہیں۔ چنانچہ ذی اصبع کا شعر ہے ؎

یا عمرو، ان لاتدع شتمی و منقصتی
اضربك حتی تقول الهامة اسقونی

"اے عمرو اگر تو نے مجھے گالیاں دینا اور میری تنقیص نہ چھوڑی میں تجھ پر وار کروں گا یہاں تک کہ ہامہ میری پیاس بجھاؤ پکارتی پھرے گی۔"

Marfat.com

یوں اس عقیدہ کی بنیاد پر مقتول کا بدلہ لینا ورثا اور اہل قبیلہ کا مذہبی فریضہ بن گیا تھا جس نے قتل در قتل کے گرداب میں پوری اولاد اسماعیل علیہ السلام کو پھنسا دیا۔ قبائلی مفاخرت نے اس میں یہ شدت پیدا کر دی تھی کہ ایک قوم یا قبیلے کے لوگ اپنے مقتول کے خون کو جتنا قیمتی سمجھتے تھے۔ اتنی ہی قیمت کا خون اس خاندان یا اس قبیلہ سے لینا چاہتے تھے جس کے ایک فرد نے اسے قتل کیا تھا۔ محض قاتل کو قتل کر دینے سے ان کا دل ٹھنڈا نہ ہوتا تھا۔ وہ اپنے ایک آدمی کے بدلے میں دشمن کے بیسیوں اور سیکڑوں آدمیوں کو قتل کر کے رہتے تھے۔ داحس وغبر اور دوسری جنگیں اسی مفاخرت کا نتیجہ تھیں۔ اگر ایک قبیلہ کا کوئی معزز آدمی دوسرے قبیلہ کے کسی ادنیٰ آدمی کے ہاتھوں قتل ہو جاتا تو وہ دوسرے قبیلہ کے اتنے ہی معزز آدمی کو قتل کر کے مطمئن ہوتے تھے یا پھر دوسرے قبیلہ کے سیکڑوں افراد کو اپنے مقتول پر قربان کر دینا چاہتے تھے۔

■ عریانی و بے حیائی

اہل عرب لباس کو زیب و زینت کے اظہار اور موسمی اثرات سے بچاؤ کے لیے استعمال کرتے تھے۔ یہ ان کے نزدیک جسم کی ستر پوشی کے لیے نہیں تھا۔ انھیں اپنی شرمگاہوں کو دوسروں کے سامنے کھولتے ہوئے کوئی حجاب محسوس نہ ہوتا تھا۔ سرراہ پیشاب کے لیے بیٹھ جانا۔ کھلے عام ننگا نہا لینا اور ازار کے کھل جانے کی صورت میں ستر کی پرواہ نہ کرنا ان کے روز کے معمول تھے۔ اس معاملہ میں ان کی عورتیں مردوں سے بھی آگے تھیں۔ حمس کا عقیدہ تراش لینے کے بعد قریش کی طرف سے باہر سے آنے والے لوگوں پر جو پابندیاں عاید کر دی تھیں۔ انھوں نے اس بے حیائی میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ مرد اور عورتیں تمام کپڑے اتار کر مکمل برہنہ جسم کے ساتھ طواف کرتے تھے۔ اس سلسلے میں ان کے اشعار کا ذکر ہم گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔ قبل نبوت تعمیر کعبہ میں قریش عریاں ہی تعمیر کعبہ میں مصروف رہے۔ زبیر بن عبدالمطلب کے درج ذیل اشعار اس پر سند ہیں۔

فتمنا حاشدین الی بناء
لنا منه القواعد والتراب

"سو ہم اپنے کعبہ کی تعمیر کے لیے مٹی اٹھانے اور بنیادیں تعمیر کرنے کے لیے مستعد ہو کر اٹھے۔

Marfat.com

غداة ترفع للتاسيس منه
وليس على مسوينا ثياب

''جس صبح ہم اس کی تعمیر کے لیے یہ چیزیں اٹھا رہے تھے اس حال میں کہ ہمارے سراپا پر کپڑے نہ تھے۔''

خانہ کعبہ کا یہ ننگا طواف ان کے نزدیک کوئی قابل مذمت فعل نہیں تھا بلکہ ایک ایسا مہذب فعل تھا جس پر وہ اللہ سے اجر کی توقع رکھتے تھے۔

اس شے نے ان کے ہاں بے حجابی کو رواج دیا۔ عورتیں بن سنور کر کھلے چہرے مردوں کے سامنے آتیں دولت مندی نے آرائش و نمائش حسن کے سو طریقے ایجاد کر لیے تھے۔ عورتیں تجارت میں بالواسطہ بھی اور بلا واسطہ بھی حصہ لیتی تھیں۔ گو گھر کا سربراہ مرد ہی ہوتا تھا۔ تاہم عورتیں جب چاہتیں دو خاندانوں کے درمیان دشمنی کی آگ بھڑکا دیتیں اور جب چاہتیں اس آگ کو ٹھنڈا کر دیتیں۔

حنفاء

عرب جیسا کہ قبل ازیں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے صاحبزادے اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی اولاد تھے۔ صدیوں کے بعد ہر صحف ابراہیم اور تعلیماتِ اسماعیل علیہما السلام کو گم کر بیٹھنے کے باوجود وہ دوسری صدی عیسوی تک خالصاً دین ابراہیمی پر قائم تھے اور ان میں شرک کا کوئی عمل دخل نہ تھا۔ عمرو بن لحی کے بعد شرک کا دور دورہ ہوا۔ تاہم عربوں کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ دین ابراہیمی توحید پر مبنی تھا۔ بت پرستی کو انھوں نے اس تاویل کی بنیاد پر قبول کیا تھا جس کی تفصیل ہم بیان کر چکے ہیں۔ بعثت کے وقت پورا معاشرہ شرک میں مبتلا تھا۔ تاہم اس سارے عرصے میں ایسے افراد جا بجا موجود رہے ہیں جو شرک کی لعنت کو قبول نہیں کرتے تھے جو اللہ کو وحدہ لاشریک لہ مانتے تھے۔ بتوں کی عبادت کو برا جانتے تھے اور بتوں کے ذبیحہ اور ان پر دی جانے والی نذروں کو کھانے سے اجتناب کرتے تھے اور دین حنیف پر قائم ہونے کے دعویدار تھے اور حنفا کہلاتے تھے۔ خود نبی اکرم کے زمانہ کے بالکل قریب کے زمانے میں قس بن ساعدہ الدیادی، امیہ بن ابی الصلت، سوید بن عمرو المصطلقی، ابوقیس سرمہ بن ابی انس، زید بن عمرو بن نفیل، ورقہ بن نوفل، عثمان بن الحویرث، عبیداللہ بن جحش، زبیر بن ابی سلمیٰ اور کالد

Marfat.com

بن سنان بن غیث العبسی حنفاء کہلاتے تھے۔ یہ لوگ دین ابراہیمی پر ہونے کے دعویدار تھے، علی الاعلان توحید کو اصل دین قرار دیتے تھے۔ بتوں سے برأت کا اظہار کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کے ہاں توحید کا یہ تصور دین ابراہیم کی باقی ماندہ تعلیمات ہی سے آیا تھا۔ ان میں سے زید بن عمرو بن نفیل، ورقہ بن نوفل، عثمان بن الحویرث، عبید اللہ بن جحش مکہ کے رہنے والے تھے اور مکہ میں اپنے خیالات کا کھل کہ اظہار کرتے تھے۔ یہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت زندہ تھے۔

■ زید بن عمرو بن نفیل العدوی القرشی

آپ حضرت عمر بن الخطاب امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے چچا بھائی زید بن عمرو بن نفیل بن عبد العزی بن رباح بن عبد اللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر ہیں۔ حضرت حفصہ بنت عمر ام المومنین آپ کی رشتہ میں بھتیجی ہیں۔ آپ کے صاحبزادے سعید بن زید عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ قبل بعثت ان کے بہت اچھے تعلقات تھے۔ یہ توحید کے سختی سے قائل تھے۔ بتوں سے علی الاعلان اظہار برأت کرتے تھے۔ بتوں کے نام پر ذبح کیے جانے والے جانور کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔ آخرت اور جنت و دوزخ کے قائل تھے۔ خون اور مردار بھی نہیں کھاتے تھے۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے سے منع کرتے تھے۔ جب کوئی آدمی اپنی بیٹی کو زندہ دفن کرنے کا ارادہ کرتا تو اس کے پاس پہنچ جاتے اور کہتے اسے قتل نہ کرو۔ یہ مجھے دے دو۔ اسے گھر لے آتے۔ جوان ہو جاتی تو اس کے والد سے جا کر کہتے کہ اگر تم اسے واپس لینا چاہو تو لے لو ورنہ اس کی جملہ کفالت کی ذمہ داری میں لیتا ہوں۔

زید نے توحید پر مبنی اشعار بھی کہے ہیں۔ جن میں سے چند ایک بطور نمونہ پیش نظر ہیں۔

أربا واحداً أم ألف رب
أدين اذا تقسمت الامور

''ہم ایک رب کی عبادت کریں یا ارباب کی فوج ظفر موج کی۔ اختیارات تقسیم ہوں تو کوئی نظم باقی رہتا ہے۔

فلا عزى أدين ولا ابنتيها
ولا صنمى بنى عمرو أزور

''لہذا میں نہ عزی کی اطاعت کرتا ہوں نہ اس کی بیٹیوں کی نہ میں بنو عمر کے بتوں کی

Marfat.com

زیارت کو جاتا ہوں۔"

وهبلاً أدين مركان ربـاً
لنا في الدهر اذ حلمي يسير

"اور نہ میں ہبل کا اطاعت شعار ہوں حالانکہ جب میری عقل تھوڑی تھی تو ایک عرصہ تک یہ رب رہا۔"

ولكن اعبدالرحمن ربي
ليغفر ذنبي الرب الغفور

"بلکہ میں تو رحمٰن کی اطاعت کرتا ہوں جو میرا رب ہے تاکہ میرا معاف کرنے والا رب میرے گناہ معاف کرے۔"

فتقوى الله ربكم احفظوها
فتى ماتحفظوها لا تبور

"اللہ اپنے رب کے تقویٰ کی حفاظت کرو اور جب تک تم اس کی حفاظت کرو گے تباہ نہ ہو گے۔"

ترى الابرار دارهم جنان
وللكفار حامية سعيرٍ

"تمھیں علم ہونا چاہیے کہ اطاعت شعاروں کا گھر جنت اور ناشکروں کے لیے بھڑکتی آگ کا گڑھا ہے۔"

(شیخ عبداللہ بن شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ، مختصر سیرت الرسول ﷺ: ص ۴۴۔۴۵، ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۱/۲۲۶۔۲۲۷)

آپ کے یہ خیالات دین ابراہیمی کی تعلیمات کا حصہ تھے اور یہ بات قریش جانتے تھے مگر اپنے آباء کے خود تراشیدہ شرک کے خلاف اتنی جرأت مندانہ آواز کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرنا ممکن نہ تھا۔ اس لیے کہ اس آواز سے ان کی قیادت وسیادت اور مالی منافع پر زد پڑتی تھی۔ حالانکہ وہ خود دین ابراہیم پر ہونے کے دعویدار تھے اور اس دعوت کے دعوت ابراہیم علیہ السلام ہونے میں خود انھیں بھی کوئی شبہ نہ تھا۔ ان کی اس آواز پر سب سے زیادہ آتش زیرپا ان کے چچا خطاب ہوئے۔ انھیں یہ

Marfat.com

خطرہ محسوس ہوا کہ ان کا یہ بھتیجا کہیں ان کے لیے قبیلہ کی دشمنی مول لینے کا سبب نہ بن جائے۔ چنانچہ اس نے آپ کے خلاف قوم کے جہلاء اور بے عقل نوجوانوں کو اتنا بھڑکایا کہ ان کے لیے مکہ میں رہنا مشکل ہو گیا اور وہ کوہ حرا پر جا کر رہنے پر مجبور ہو گئے۔ مکہ میں چھپ چھپا کر داخل ہوتے اور کعبہ کا طواف کرتے اور پھر نکال دیے جاتے ❶ مگر حق کہنے سے باز نہ آتے تھے۔

ابن اسحاق نے ہشام بن عروہ بن زبیر عن ابیہ عن جدہ کی سند سے حضرت اسماء بنت ابی بکر سے روایت نقل کی ہے۔ کہ ''میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو دیکھا ہے وہ بہت بوڑھے تھے خانہ کعبہ سے اپنی پیٹھ لگائے کھڑے تھے اور کہہ رہے تھے۔ اے قریش کے لوگو! اس کی قسم جس کے ہاتھ میں زید بن عمرو کی جان ہے۔ تم میں سے میرے سوا کوئی بھی دین ابراہیم پر نہیں ہے۔ پھر بڑے درد سے کہا۔ اے اللہ اگر میرے علم میں ہوتا کہ عبادت کا کون سا طریقہ تجھے سب سے پسند ہے تو یقیناً میں اس کے مطابق تیری عبادت کرتا۔ لیکن مجھے معلوم نہیں ہے۔ پھر اپنی ہتھیلی پر سجدہ کرتے۔'' (شیخ عبداللہ بن شیخ محمد بن شیخ عبدالوہاب مختصر سیرت الرسول: ص ۴۴)

آخر کار زید نے دین ابراہیم کی تلاش میں مکہ کو خیر باد کہا اور تلاش حق کے لیے نکل کھڑے ہوئے موسیٰ نے کہا مجھے سالم بن عبداللہ نے بتایا اور مجھے نہیں معلوم کہ وہ ابن عمر کے سوا کسی اور سے روایت کرتے ہوں کہ زید شام میں ایک بہت بڑے یہودی عالم سے ملے اور انھیں مقدس سفر بیان کر کے کہا مجھے اپنا دین بتاؤ شاید میں تمھارا دین قبول کر لوں۔ اس نے کہا تم ہمارے دین پر چلو گے تو اللہ کے غضب کے مستحق ٹھہرو گے۔ زید نے کہا میں اللہ کے غضب کو برداشت کرنے کی توفیق نہیں رکھتا۔ کیا تم مجھے اس کے علاوہ کسی دین کے بارے میں رہنمائی کر سکو گے۔ اس نے کہا میں تو اتنا جانتا ہوں کہ حنیف آنے کو۔ ہے۔ زید نے پوچھا حنیف کیا ہے۔ اس نے کہا دین ابراہیم۔ وہ نہ یہودی تھے نہ نصرانی وہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرتے تھے۔ پھر آپ ایک عیسائی عالم سے ملے اور اس سے بھی وہی ذکر کیا۔ اس نے کہا۔ اگر تو ہمارے دین کو قبول کرے گا تو تجھے اللہ کی لعنت سے حصہ ملے گا۔ زید نے کہا میں تو اللہ کی لعنت ہی سے تو بھاگ رہا ہوں۔ میں تو اس کی لعنت اور اس کے غضب میں سے کچھ بھی اٹھانے کی توفیق نہیں رکھتا۔ زید نے کہا کیا تو مجھے اس کے علاوہ کسی دین پر دلالت کرے گا۔ اس نے کہا میں تو اس کے سوا نہیں جانتا کہ تو حنیف

❶ شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ، مختصر سیرت الرسول: ص ۴۳، ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۲۲۵/۱

Marfat.com

ہو جائے۔ اس نے پوچھا وہ حنیف کیا ہوتا ہے۔ اس نے کہا دین ابراہیم وہ نہ یہودی تھے نہ نصرانی اور اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرتے تھے۔ یہ بات سن کر زید دین ابراہیم کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر کہا:

'اللھم انی اشھدك انی علیٰ دین ابراھیم۔

''اے اللہ گواہ رہیو میں دین ابراہیم پر ہوں۔''

آپ اسی تلاش میں موصل، الجزیرہ اور شام کے سارے علاقوں میں گھومتے پھرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ ارض بلقاء میں میضہ کے مقام پر ایک راہب سے ملے جو عیسائیوں کا سب سے بڑا عالم تھا اور اس سے دین ابراہیم کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا اس وقت دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو تجھے دین ابراہیم سکھا سکے۔ البتہ ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں جو دین ابراہیمی پر مبعوث ہوں گے اور تمھارے اپنے شہر میں ہوں سکے۔ اور یہ ان کے مبعوث ہونے کا زمانہ ہے۔ آپ اسی وقت مکہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ بنو لخم کے علاقہ میں تھے کہ انھوں نے شہید کر دیا۔

ایک بار آپ کے بیٹے سعید بن زید اور آپ کے بھتیجے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا آیا ہم زید بن عمرو بن نفیل کے لیے مغفرت کی دعا کر سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

نعم فانه یبعث أمةً وحدهٗ

''ہاں وہ قیامت کے روز ایک الگ امت کے طور پر اٹھے گا۔''

ورقہ بن نوفل

آپ ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی تھے حضرت خدیجہ الکبریٰ ام المومنین کے چچازاد بھائی تھے۔ قبل بعثت ہی میں بتوں کی پوجا چھوڑ دی تھی۔ ان لوگوں میں شامل تھے جو حنفاء کہلاتے تھے۔ دین ابراہیمی کی تلاش میں نکلے اور عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ تورات اور انجیل کے عالم تھے اور کہا کرتے تھے کہ ابھی ایک نبی کو آنا ہے۔ لگتا ہے شام کے تجارتی سفر پر نبی اکرم ﷺ کو خدیجۃ الکبریٰ نے ان کے مشورہ پر بھیجا تھا۔ شادی کے بعد حضرت خدیجہ الکبریٰ ان سے نبی اکرم ﷺ کے حالات بیان کرتی تھیں۔ جس پر ورقہ بن نوفل کو آپ کے اعلان نبوت کا انتظار تھا۔ اس کا اظہار انھوں نے اشعار کی صورت میں بھی کیا ہے۔

Marfat.com

لججت وکنت فی الذکریٰ لجوجاً
لھم طالما بعث النشیجا

''میں نے جلدی کی خواہش کی ہے اور ایک خواہش کے سبب اس یاد میں میں جلدی ہی کا طلب گار ہوں مدت ہوئی کوئی آواز اٹھی تھی۔''

ووصفٌ من خدیجة بعد وصفٍ
فقد طال انتظاری یا خدیجا
ببطن المکتین علیٰ رجائی
حدیثك ان أری منه خروجا

''مکہ میں میری امت کے مطابق تیری روایت کے سبب کہ میں اس میں ایک نبی کی بعثت دیکھوں۔''

مما خبرتنا من قول قس
من الرهبان أکره ان یعوجا

''راہبوں میں سے ایک قس کے قول کے بارے میں جو تو نے بتایا میں اس کا غلط ہونا پسند نہیں کرتا۔''

بان محمداً سیسود فینا
ویخصم من یکون له حجیجا

''کہ محمد ہم میں رہنمائی کرے گا اور جو اس کے خلاف دلیل بازی کرے گا وہ اس پر غالب آئے گا۔''

ویظهر فی البلاد ضیاء نور
یقیم به البریة ان یموجا

''اور علاقے میں نور کی روشنی پھیلے گی اور دنیا بھٹکنے سے بچ کر سیدھی راہ پر چلے گی۔''

فیلقی من یحاربه خسارا
ویلقی من یسالمه فلوجا

''اور جو اسے جنگ کرے گا خسارا پائے گا۔ اور جو اس کا ساتھ دے گا دشمن پر غالب

Marfat.com

آئے گا۔" (ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۱/۱۹۱-۱۹۲)

بعثت کے وقت آپ بہت سن رسیدہ تھے اور بہت کم دکھائی دیتا تھا۔ جب نبی ﷺ پر غار حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو پیش آنے والے واقعات کی اطلاع دی تو انھوں نے ورقہ بن نوفل کے پاس جا کر اس کا تذکرہ کیا۔ ان واقعات کو سن کر ورقہ بن نوفل کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ وہ خوشی سے پکار اٹھے۔

قدوس قدوس والذی نفس ورقه بیده، لئن کنت صدقتینی یا خدیجه لقد جاء ه الناموس الاکبر الذی کان یاتی موسی وانه لنبی هذه الامه۔

"بہت پاکیزہ بہت پاکیزہ اس کی قسم جس کے قبضے میں ورقہ کی جان ہے اگر تو نے مجھے ٹھیک بتایا ہے اے خدیجہ تو اس کے پاس وہی ناموس اکبر آیا ہے جو موسیٰ کے پاس آتا تھا اور بے شک وہ اس امت کا نبی ہے۔"

پھر جب آپ ﷺ اپنے اعتکاف کے دن پورے کر چکے تو حسب معمول خانہ کعبہ میں طواف کرنے کی غرض سے تشریف لے گئے وہاں آپ کی ملاقات ورقہ سے ہوگئی تو انھوں نے کہا بھتیجے جو کچھ تو نے دیکھا ہے مجھے بیان کرو۔ آپ نے بیان کیا۔ تو اس نے کہا:

والذی نفسی بیده، انك لنبی هد الامة، ولقد جاءك الناموس الذی جاء موسیٰ، ولکتذبنه ولتودنیه، والتخرجنه ولفضاتلنه ولئن ادرکت ذلك الیوم۔

"اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ تو اس امت کا نبی ہے اور یقیناً تیرے پاس وہی ناموس آیا ہے جو موسیٰ کے پاس آیا تھا اور یقیناً اسے جھٹلایا جائے گا، اسے دکھ دیا جائے گا اور اسے نکال دیا جائے گا اور اس سے جنگ کی جائے گی اور اگر میں اس وقت ہوا تو اللہ کی ایسی مدد کروں گا کہ وہ جانے گا۔"

پھر اس نے آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

عبید اللہ بن جحش

یہ عبید اللہ بن جحش بن رئاب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کبیر بن غنم ابن دودان بن

Marfat.com

اسد بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس ہیں۔ یہ قبیلہ اسد بن خزیمہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی تھیں۔ یہ بھی ان لوگوں میں شامل تھے جو حنفاء کہلاتے تھے۔ بتوں کی عبادت سے مجتنب رہتے۔ آپ کے اعلان نبوت کے بعد ایمان لے آئے۔ آپ ابوسفیان کے داماد تھے۔ آپ نے اپنی زوجہ محترمہ ام حبیبہ کے ساتھ ہجرت حبشہ کی۔ حبشہ میں جا کر اس نے عیسائیت اختیار کر لی اور باوجود اس کے کہ قبل بعثت میں دین حنیف پر قائم ہونے کے دعویدار تھے۔ دین ابراہیمی کی تلاش میں تھے۔ دولت ایمان سے نوازے گئے۔ مگر مشیت الٰہی میں کچھ اور ہی تھا۔ دولت ایمانی سے محروم ہو کر عیسائیت اختیار کر لی اور یوں شرک کی اسی گندگی میں داخل ہو گئے جس سے نکلنے کے دعویدار تھے۔

حبش میں عیسائیت اختیار کر لینے کے بعد مسلمانوں کے پاس سے گزرتا تو ان پر زبان طعن دراز کرتا اور کہتا:

فقحنا و مأصأتم۔

''ہم نے تو آنکھیں کھول لی ہیں اور تم ابھی آنکھیں موندے ہو۔''

حبشہ میں عیسائیت پر ہی مرا۔ اس کی وفات کی خبر نبی اکرم ﷺ کو پہنچی تو آپ نے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی کے پاس ام حبیبہ بنت ابی سفیان کے لیے پیغام نکاح دے کر روانہ کیا۔ جسے انھوں نے بخوشی قبول کیا۔ نجاشی نے آپ کا نکاح ام حبیبہ سے کر دیا اور حق مہر کے طور پر چار سو دینار اپنے پاس سے ادا کر دیے۔ حضرت عمرو بن امیہ ضمری آپ کو لے کر مدینہ طیبہ آئے اور حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے بطور ولی انھیں آپ کے حرم میں پہنچا دیا۔

عثمان ابن الحویرث

یہ حضرت خدیجہ الکبریٰ کا چچازاد بھائی عثمان بن الحویرث بن اسد بن عبدالعزی بن قصی ہے۔ یہ بھی انہی لوگوں میں شامل تھا جو بتوں کی عبادت کے انکاری تھے۔ بتوں کے نام پر ذبح کیے جانے والے جانوروں کا گوشت کھانے سے انکاری تھے اور دین ابراہیمی پر ہونے کے دعویدار تھے۔ دین ابراہیمی کی تعلیمات کی تلاش میں گھر سے نکلے تھے۔ عثمان مکہ سے نکل کر قیصر روم کے دربار میں چلے گئے اور انھوں نے وہاں عیسائیت اختیار کر لی۔ سہیلی نے روض الانف میں لکھا ہے کہ قیصر روم نے ان کی بہت آؤ بھگت کی۔ انھیں تاج پہنا کر مکہ میں اپنا نائب مقرر کر دیا۔

Marfat.com

مگر اہل مکہ نے یہ کہہ کر اس کے تقرر کو قبول نہیں کیا کہ ہم کسی بادشاہ کی غلامی قبول نہیں کر سکتے۔ اس کے اپنے بھائی اسود بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی نے یہ کہہ کر اس کی اطاعت اختیار کرنے سے انکار کر دیا کہ اہل مکہ ایک آزاد قبیلہ ہیں یہ کسی بادشاہ کی اطاعت اختیار نہیں کر سکتے۔ اپنی اس خواہش میں ناکام ہو جانے کے بعد یہ شخص شام کے غسانی دربار سے منسلک ہو گیا۔ وہیں غسانی بادشاہ عمرو بن جفنہ نے اسے زہر دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ عثمان کو بطریق بھی کہا جاتا تھا۔ اس کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ (ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۲۲۴/۱)

حنفاء اہل مدینہ

اہل مدینہ میں سے بھی دو ایسے لوگوں کے نام ملتے ہیں جو قبل بعثت دین حنیف پر ہونے کے مدعی تھے۔ اور یہ ابو قیس صرمہ بن انس اور ابو عامر عبد عمرو بن صیفی تھے۔

ابو قیس صرمہ بن ابی انس

ابو قیس، صرمہ بن ابی انس بن صرمہ بن مالک بن عدی بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار انصار کے قبیلے بنو خزرج کی شاخ بنو نجار سے تعلق رکھتے تھے جو عبدالمطلب کا نہالی قبیلہ تھا۔ قبل بعثت ہی بتوں کی عبادت سے توبہ کر لی تھی اور دین ابراہیم اختیار کر لیا تھا۔ ترک دنیا اختیار کر لی تھی اور ایک عبادت گاہ بنالی تھی جس میں حائضہ عورت اور جنبی مرد کو داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ بتوں کی عبادت اور بتوں کا ذبیحہ کھانے سے اجتناب کرتے تھے۔ طہارت اختیار کرتے تھے۔ غسل جنابت کرتے تھے۔ موٹا پہنتے تھے۔ ایک وقت میں عیسائیت کی طرف میلان طبع رہا مگر عیسائیت قبول نہیں کی۔

ہجرت کے بعد جب رسول اللہ ﷺ قباء میں کلثوم بن الہدم کے مکان میں قیام پذیر تھے تو صرمہ بن ابی انس آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام سے مشرف ہوئے۔ اس وقت آپ بہت سن رسیدہ تھے [1]۔ ہمیشہ دین حق پر عامل رہے مگر ضعف عمر کے سبب کسی غزوہ میں شمولیت اختیار نہیں کی۔ چونکہ کتب احادیث میں ان سے کوئی حدیث روایت نہیں ہوئی لہٰذا اسماء الرجال کی کتابوں میں ان کا نام نہیں ملتا۔ آپ بہت اچھے شاعر تھے۔ نبی اکرم فداہ ابی وامی کے بارے میں ان کے یہ اشعار نقل ہوئے ہیں:

[1] شیخ عبداللہ بن شیخ محمد بن عبدالوہاب، مختصر سیرت الرسول

Marfat.com

ثوی فی قریش بضع عشرة حجةً
یذکر لو یلقی صدیقاً مواقیا
ویعرض فی اهل المراسم نفسه
فلم یر من یودی ولم یر داعیا

''آپ قریش میں سترہ سال تک یہ کہتے رہے کہ کاش کوئی موافقت کرنے والا دوست مل جاتا اور آپ حج کے لیے آنے والوں کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرتے رہے۔ مگر آپ کو کوئی داعی اور پناہ دہندہ نہیں ملا۔''

فلما اتانا اظهر الله دینه
ماصبح روراً طیبة راضیا

''پھر جب آپ ہمارے پاس آئے تو اللہ نے ان کے دین کو غالب کر دیا اور آپ طیبہ میں خوش اور راضی ہو گئے۔''

وألفی صدیقاً والهمانت به نویٰ
وکان له عوناً من الله بادیا
یقص لنا ما قال نوح لقمه
وما قال موسیٰ اذا جاب المنادیا

''آپ ہمیں بتاتے ہیں جو نوح نے اپنی قوم سے کہا اور جو موسیٰ نے کہا جب اس نے پکارنے والے کی بات قبول کر لی۔

فاصبح لا یخسی من الناس واحداً
قریباً ولا یخشیٰ من الناس نائیا

''سو آپ کو لوگوں میں سے نہ کسی قریبی سے خوف رہا نہ دور کے آدمی کا ڈر رہا۔''

بذلناله الاموال من حل مالنا
وانفسنا عندالوعی والتآسیا

''ہم نے اپنے حلال مال میں سے آپ پر خرچ کیا جنگ کے موقع پر تعاون اور جانیں نذر کیں۔

Marfat.com

ونعلم ان اللہ لاشئی غیرہ
ونعلم ان اللہ افضل ھادیا

''اور ہم جانتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی شے لائق توجہ نہیں اور ہم جانتے ہیں کہ اللہ ہی سب سے بہتر ہدایت دینے والا ہے۔''

نعادی الذی عادیٰ من الناس کلھم
جمیعا وان کان الحبیب المسافیاً

''ہم سارے ہی ایسے لوگوں سے عداوت رکھتے ہیں جو آپ کے دشمن ہیں خواہ وہ ہمارے جگری یار ہی ہوں۔''

ابو عامر عبد ابن عمرو بن صیفی

ان لوگوں میں جو قبل اسلام میں حنفاء کہلاتے تھے اور دین ابراہیم پر ہونے کے مدعی تھے ابو عامر بن عمرو بن صیفی بن النعمان بوھی تھا۔ یہ اوس کی شاخ بنو عمرو بن عوف سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ حنظلہ غسیل الملائکہ کا والد تھا۔ جاہلیت میں سردار تھا۔ اس نے زمانہ جاہلیت ہی میں ترک دنیا اختیار کر لی تھی۔ کپڑے پہنتا تھا اور جاہلیت ہی میں راہب (تارک الدنیا) کہلاتا تھا۔ غسل جناب کرتا تھا اور حائضہ عورتوں سے پرہیز کرتا تھا۔ مگر انتہائی بدنصیب آدمی تھا کہ نبی اکرم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو آپ کی دشمنی میں مبتلا ہو کر رحمت الٰہی سے محروم ہو گیا اور آپ کی عداوت میں بڑھتا چلا گیا۔

اس شخص کو دین حنیف پر ہونے کا اس قدر زعم تھا جسے ابن اسحاق نے جعفر بن عبداللہ بن ابی الحکم کی زبانی نقل کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو مدینہ چھوڑنے سے پہلے یہ آپ سے ملا اور کہا کہ یہ کیا دین ہے جو تم لائے ہو آپ نے فرمایا دین ابراہیم۔ اس نے کہا میں دین ابراہیم پر ہوں آپ نے فرمایا تم دین ابراہیم پر نہیں ہو۔ اس نے کہا کیوں نہیں بلکہ اے محمد تم نے دین ابراہیم میں وہ داخل کر دیا ہے جو اس میں نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا میں تو اسے صاف وشفاف لے کر آیا ہوں۔ اس نے آپ کی تردید کرتے ہوئے کہا جو جھوٹا ہو اللہ اسے اپنے لوگوں سے کٹا ہوا بے وطن اکیلا مارے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں جو جھوٹ کہہ رہا ہے اللہ اس کے ساتھ ایسا ہی کرے۔

Marfat.com

اللہ نے اس کے ساتھ ایسا ہی کیا۔ وہ غزوہ بدر میں قریش مکہ کی شکست پر اتنا مشتعل ہوا کہ مدینہ منورہ کو خیر باد کہہ کر مکہ مکرمہ میں چلا گیا۔ وہاں مسلمانوں کے خلاف اہل مکہ کی دشمنی کے جذبات کو ہوا دے کر ابھارنے میں لگا رہا۔ غزوہ احد میں اہل مکہ کو یہ کہہ کر مدینہ منورہ پر چڑھا لایا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں میری قوم مجھے دیکھ کر نبی اکرم ﷺ کا ساتھ چھوڑ دے گی۔ لشکر اسلام کے میدان جنگ میں پہنچنے سے قبل اسی نے میدان جنگ میں وہ گڑھے کھدوائے تھے جن میں سے ایک میں خود رسول اللہ ﷺ گر گئے تھے۔

فوجوں کے آمنے سامنے آنے پر اس نے اپنی قوم اوس کے لوگوں کو رسول اللہ ﷺ سے بے وفائی پر ابھارا۔ جب انھوں نے اسے پہچان لیا تو جواب دیا:

الا انعم الله بك عيناً يا فاسق يا عدو الله۔

''اللہ تیری آنکھیں کبھی ٹھنڈی نہ کرے اے فاسق اے اللہ کے دشمن۔''

محمد بن اسحاق نے محمد بن امام سے حنظلہ غسیل الملائکہ کی اولاد کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ اسے راہب نہیں فاسق کہا کرو۔ اپنی قوم کی طرف سے تلخ جواب پر اس نے کہا کہ میری قوم میرے بعد شر میں مبتلا ہوگئی ہے۔ جنگ احد کے بعد یہ فاسق واپس مکہ چلا گیا اور فتح مکہ تک وہیں رہا اور مسلمانوں کے خلاف ساری ہی جنگوں میں اس کی شر انگیزیاں شامل رہیں۔ مکہ فتح ہوا تو یہ طائف بھاگ گیا اور اہل طائف کو آپ کے خلاف ابھارتا رہا۔ اہل طائف ایمان لے آئے تو یہ وہاں سے بھاگ کر قیصر روم کے پاس چلا گیا اور ہرقل سے نبی اکرم کے خلاف مدد طلب کی۔ حقیقتاً غزوہ تبوک کا باعث بھی یہی فاسق بنا۔ ہرقل کے پاس سے اس نے اہل مدینہ کے بعض منافقین کو خطوط لکھے کہ میں جلد ہی ایک بہت بڑا لشکر لے کر مدینہ آرہا ہوں اور میں محمد ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو مدینہ سے نکال دوں گا۔ اس نے انھیں یہ مشورہ بھی دیا کہ تم اپنی الگ ایک مسجد بناؤ وہاں اپنی خفیہ ملاقاتیں کر کے مجھے حالات سے باخبر رکھو اور جو سامان حرب تم کو میسر آئے جمع کر رکھو۔ اسی ہدایت کے ماتحت منافقین مدینہ نے مسجد قبا کے نزدیک ٹھیک انہی ایام میں مسجد ضرار بنائی جب نبی اکرم ﷺ غزوہ تبوک کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے یہاں خفیہ منصوبہ بندی کی جائے اور اس پر مذہبی تقدس کا پردہ بھی قائم رکھا جائے۔ نیز ابو عامر کی طرف

Marfat.com

سے آنے والے جاسوسوں اور پیغام رسانوں کے لیے قیام طعام کا انتظام کیا جائے اور وہ مسافر اور درویش سمجھ کر نظر میں نہ آسکیں۔ اس مسجد کی تعمیر کے بعد یہ لوگ نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ہم نے اپنے محلے میں ایک مسجد تعمیر کی ہے۔ ایک بار آپ یہاں ایک نماز پڑھ کر اس کا افتتاح فرما دیجیے تا کہ برکت کا باعث ہو۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ فرما کر ٹال دیا کہ میں اس وقت ہرقل شاہ روم کے خلاف تیاریوں میں مصروف ہوں۔ واپسی پر دیکھیں گے۔

غزوہ تبوک سے واپسی پر آپ راستے ہی میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما کر ان کی اس قبیح سازش سے پردہ اٹھا دیا۔

﴿وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ لَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ﴾ (التوبہ: ۱۰۷۔۱۰۸)

''کچھ اور لوگ ہیں جنھوں نے ایک مسجد بنائی اس غرض کے لیے کہ (دعوت حق) کو نقصان پہنچائیں اور (خدا کی بندگی کرنے کی بجائے) کفر کریں، اور اہل ایمان میں پھوٹ ڈالیں، اور (اس بظاہر عبادت گاہ کو) اس شخص کے لیے کمین گاہ بنائیں جو اس سے پہلے خدا اور اس کے رسول کے خلاف برسر پیکار ہو چکا ہے۔ وہ ضرور قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہمارا ارادہ تو بھلائی کے سوا کسی دوسری چیز کا نہ تھا۔ مگر اللہ گواہ ہے کہ وہ قطعی جھوٹے ہیں۔ تم ہرگز اس عمارت میں کھڑے نہ ہونا۔ جو مسجد اول روز سے تقویٰ پر قائم کی گئی تھی وہی اس کے لیے زیادہ موزوں ہے کہ تم اس میں (عبادت کے لیے) کھڑے ہو۔''

آخر کار وہ اسی غریب الوطنی میں یکہ و تنہا روم میں ہی فوت ہو گیا۔

Marfat.com

امیہ بن الصلت (عرب کے بعض دوسرے حنفاء)

ابو عثمان امیہ بن ابی الصلت بن عبداللہ بن ربیعہ بن عوف الثقفی۔ یہ طائف کا باشندہ قبیلہ بنو ثقیف کا مشہور دانشور امیہ ابن ابی الصلت ثقفی تھا۔ غیر معمولی ذہانت و فطانت کا حامل تھا۔ تجارت پیشہ آدمی اور شام میں اپنے تجارتی قافلے لے جاتا تھا۔ یہ اہل کتاب کے علماء سے ملتا رہتا تھا۔ تورات اور انجیل پڑھ رکھی تھی۔ اسے علم تھا کہ ابھی ایک نبی کو مبعوث ہونا ہے اور یہ اس کے ظہور کا زمانہ ہے۔ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ وہ آنے والا رسول میں ہوں گا۔ وہ توحید کا قائل تھا اور اس پر اس کے بہت سے اشعار موجود ہیں۔

الحمدللہ لاشریک لہ
من لم یکن ھکذا فقد ظلماً

"شکر و سپاس سب اس اللہ کے لیے خاص ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ جو اس طرح نہ ہو، ظالم ہے۔"

ان آیاتِ ربنا باقیات
مایمادیٰ فیھن الاکفر

"ہمارے رب کی نشانیاں باقی ہیں ان میں سوائے کسی ناشکرے کے کوئی شک نہیں کرے گا۔"

خلق اللیل والنھار فکل
متبیں حسابہ مقدور

"اس نے رات اور دن پیدا کیے ہیں سو ان میں سے ہر ایک اپنا حساب مقدر واضح کرتا ہے۔"

ثم یجلو النھارب کریم
بمھاۃ شعاھا منسوز

"پھر وہ رب کریم دن کو روشن کرتا ہے۔ سورج کی شعاعیں پھیلا کر۔

کل دین یوم القیامۃ عنداللہ
الا دین الحنفیہ بود

Marfat.com

''قیامت کے روز اللہ کے نزدیک ہر دین سوائے دین حنفیہ کے تباہی و بربادی ہوگا۔''

ایک اور نظم میں کہتا ہے:

الـه العـالـمين وكل ارض
ورب الـراسيـات من الجبال

''وہ عالمین کا الہ ہے اور پوری زمین کا۔ پہاڑوں میں سے بلند و بالا پہاڑوں کا مالک ہے۔''

بـنـاهـا واتيـنـى سبـعا شداداً
بـلا عـمـد يـرين والا حبـال

''اس نے آسمان کو بنایا اور وہ سات مضبوط آسمان بن گئے جو بغیر کسی عمود اور رسی کے نظر آ رہے ہیں۔''

وسـواهـا وزيـنـهـا نبـودٍ
مـن الشـمـش المهئة والهلال

''اس نے انھیں مکمل کیا اور چمکتے سورج کے نور اور ہلال سے مزین کیا۔''

ومـن شـهـب تلالأ فى وجاها
مـراميهـا أشـد مـن النصال

''اور شہاب ثاقب سے جو اس کے اندھیروں میں چمکتا ہے اور تیر سے تیز چلتا ہے۔''

والشـا الـمـزن تدلج بالروايا
خـلال الـرعد مرسلة العزالى

''اور اس نے بادل بنائے جو کڑک کے درمیان پانی اٹھائے ٹھنگر زمین کی طرف بھیجے جاتے ہیں۔''

ليسقى الحرث والانعام عنها
سـجـال الماء حالا بعد حال

''تاکہ حالا بعد حال پانی برسا کر کھیتیوں اور جانوروں کو اس سے پانی دے۔

امیہ بن الصلت الثقفی آخرت اور جنت و دوزخ کا بڑا واضح تصور رکھتا تھا اس کے اشعار آپ بھی ملاحظہ کیجیے:

Marfat.com

وسیق المجرمون وهم عصاة
الی ذات المقامع والنکال

''اور مجرم چونکہ نافرمان ہیں انھیں گرزوں والی اور سزا کی جگہ پر لے جایا جائے گا۔''

اذا نضجت جلودهم اعیدت
کما کانت وعاد و فی سفال

''جب ان کے جسم جلیں گے دوبارہ جیسے تھے ویسے کر دیے جائیں گے اور پھر گہری آگ میں ڈال دیے جائیں گے۔''

ونادوا مالکاً ودعوا ثبوراً
وعجوا فی سلاسلها الطوال

''اور وہ مالک کو آوازیں دیں گے اور موت کی دعا کریں گے اور دوزخ کی لمبی زنجیروں میں قید ہوں گے۔''

فلیسوا میتین فیستریحوا
وکلهموا بحر النار مال

''انھیں موت بھی نہیں آئے گی کہ آرام کی کوئی صورت نکلے اور وہ سب آگ کی گرمی سے جلیں گے۔''

وحل المتقون بدار صدق
وعیش ناعم تحت الظلال

''اور متقی لوگ صدق کے گھر میں اتریں گے اور سایوں کے نیچے نعمتوں کی زندگی گزاریں گے۔''

ظلال بین اعنا وهل
وبنیان من الفردوس عال

''سائے جو انگور اور کھجور کے نیچے ہوں گے اور فردوس کے بلند محلات میں ہوں گے۔''

لهم ما یشتهون وما تمنوا
من اللذات فیها والجمال

Marfat.com

''وہ جو چاہیں گے اور جس کی تمنا کریں گے لذت و جمال میں سے وہ ان کے لیے موجود ہوگا۔''

ومن اسبرقٍ یکسبون فیھا
عطایا جمة من ذی المعالی

''اور انھیں اس میں ریشم کا لباس پہنچایا جائے گا اور یہ سب بلندیوں والے رب کی عطا ہوگی۔''

وکاس لذة لا غول فیھا
من الخمر المشعشة الحلال

''اور انھیں لذیذ اور شفاف و حلال شراب کے جام دیے جائیں گے جن میں بدمستی نہ ہوگی۔''

اسے خوب معلوم تھا کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اس کا شعر ہے:

الٰہ محمدٍ حقاً الٰھی
ودینی دینہٗ غیر انتحال

(الشیخ عبداللہ بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب، مختصر سیرت الرسول: ص ۴۹)

''محمد ﷺ کا الٰہ ہی حقیقتاً میرا اللہ ہے اور میرا دین اسی کا دین ہے بغیر کسی بے جا نسبت کے۔''

یہ طرفہ تماشا ہے کہ یہ شخص بت پرستی سے اظہار برأت اور اپنے ان سارے پاکیزہ خیالات کے باوجود شراب پیتا تھا اور نبی اکرم ﷺ کے دین کو دین حق تسلیم کرنے کے باوجود ایمان سے محروم رہا۔ اسے زعم تھا کہ آنے والا رسول میں ہوں گا۔ اور جب اس نے دیکھا کہ اس اللہ وحدہ لاشریک نے جس پر ایمان کا وہ دعویدار تھا۔ اسے مبعوث نہیں فرمایا اور کتب آسمانی کی پیش گوئی کے عین مطابق اولاد عبد مناف میں سے محمد بن عبداللہ ﷺ کو اپنا رسول مبعوث کر دیا ہے تو وہ اپنی ذات کے پندار میں نعمت ہدایت سے ہی محروم ہوگیا۔ اگر چہ اسے بعثت سے معاً بعد آپ کے دعوائے نبوت کی اطلاع ہوگئی تھی۔ تاہم وہ ہجرت مدینہ تک کبھی آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا آخر کار وہ مدینہ طیبہ میں اس ارادے سے آیا کہ ایمان کی شہادت ملے۔ مگر حسد نے

Marfat.com

اسے آپ کی خدمت میں حاضری سے محروم کر دیا اور وہ واپس طائف میں چلا گیا اور وہیں فتح مکہ سے پہلے حالت کفر پر فوت ہوا۔

یضل من یشاء و یهدی من یشاء و هو علیٰ کل شی قدیر۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ آیت امیہ بن ابی الصلت ہی کے بارے میں اتری ہے:

﴿وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا﴾

(الاعراف:۱۷۵)

''ان کے سامنے اس شخص کا تذکرہ کرو جسے ہم نے اپنی نشانیاں عطا کی تھیں پھر اس نے ان سے منہ پھیر لیا۔''

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اصدق کلمة قالها الشاعر قول لبید الا کل شیءٍ ماخلا الله باطل وکا راعیه بن ابی الصلت أن یسلم۔

''سب سے سچا کلمہ جو کسی شاعر نے کہا ہے قول لبید ہے کہ اللہ کے سوا ہر شے باطل ہے اور امیہ بن ابی الصلت اس کے بہت قریب تھا کہ ایمان قبول کر لیتا۔''

حضرت عمرو بن الشرید سے ان کے والد کے حوالے سے امام بخاری نے الادب المفرد میں یہ روایت بیان کی ہے کہ ایک بار نبی اکرم ﷺ نے مجھے امیہ بن الصلت کے اشعار سنانے کو کہا تو میں نے آپ کو سو قافیے سنائے۔

امیہ بن ابی الصلت کی ہمشیرہ عاتکہ بنت ابی الصلت ایمان لے آئیں۔

■ زہیر بن ابی سلمہ

زہیر بن ابی سلمٰی ربیعہ بن ریاح بن قرط بن الحارث بن ماذن بن ثعلبہ بن ثور بن بدر بن لاطم بن عثمان بن مزینہ شمالی عرب کا بہت بڑا شاعر تھا۔ یہ قبیلہ مزینہ کا فرد تھا جو مضر کی ایک شاخ ہے۔ تاہم زہیر اور اس کے ماں باپ اور خاندان کے لوگ نجد میں رہتے تھے۔ زہیر ان لوگوں میں شامل تھا جو توحید باری تعالیٰ کے قائل تھے۔ زہیر اللہ تعالیٰ کو حق تسلیم کرتا ہے۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ

Marfat.com

انسان اس کائنات میں بالکل بے بس ہے۔ وہ نہ کسی گزری شے کو واپس لانے کی توفیق رکھتا ہے نہ کسی آنے والی شے کو اس کے مقررہ وقت سے پہلے لانے کی ہمت رکھتا ہے۔

بدالی ان اللہ حق فزادنی
الی الحق تقویٰ اللہ ماکان بادیاً

''مجھے اس حقیقت کا عرفان حاصل ہوا کہ اللہ حق ہے۔ تو اللہ کے ڈر نے مجھے اس حقیقت سے اور قریب کر دیا۔''

بدالی انی لست مدرك مامضیٰ
ولا سابق شیئاً اذا کان جائیا

''مجھے اس بات کا بھی عرفان حاصل ہوا کہ میں نہ گزری شے کو واپس لا سکتا ہوں نہ کسی آنے والی شے کو وقت مقررہ سے پہلے کر سکتا ہوں۔''

وما اری نفسی تقیها منیتی
وما ان تقی نفسی کرائم مالیا

''اور میری جان میری موت سے بچ نہیں سکتی خواہ میں اسے بچانے کے لیے اپنے بہترین مال خرچ کر دوں۔''

اسی طرح زہیر آخرت اور جزا و سزا کا بھی قائل ہے۔ وہ اپنے مشہور معلقے میں کہتا ہے:

فلا تکتمن اللہ مافی نفوسکم
لیخفیٰ ومهما یکتم اللہ یعلم

''تم اپنے دلوں میں جو کچھ ہے اسے اللہ سے نہیں چھپا سکتے۔ تا کہ وہ مخفی رہے اور جتنا چھپاؤ گے اللہ جانتا ہے۔''

یوخر فیوضع فی کتاب فیدخر
لیوم حساب او یعجل فینتقم

''ہاں موخر کر دی جاتی ہے اور ایک کتاب میں لکھ کر محفوظ کر دی جاتی اور آخرت میں پیش ہو گی یا پھر اسی دنیا میں انتقام لیا جائے گا۔''

زہیر نے بہت لمبی عمر پائی اور ایک سو آٹھ سال کی عمر میں بعثت سے ایک سال پہلے فوت ہو گیا۔

Marfat.com

قس بن ساعدہ ایادی

قس بن ساعدہ بنی الایاد کا نامور خطیب تھا اور نجران کا پادری تھا۔ وہ پوری عرب قوم میں سب سے ممتاز قادر الکلام، شعلہ بیان اور سحر طراز مقرر تھا۔ فصاحت و بلاغت اور زبان پر قدرت کے سبب اس کی مثال دی جاتی تھی۔ اس نے توحید کا نعرہ بلند کیا۔ وہ مرنے کے بعد پھر جی اٹھنے اور حساب کتاب دینے کے عقیدے کا پرچار کرتا تھا۔ وہ عربوں کو بت پرستی چھوڑ کر صرف ایک خالق کے سامنے کی دعوت دیتا تھا۔ عام جلسوں، میلوں ٹھیلوں اور جشنوں کے موقعوں پر لوگوں کو عبرت و موعظت کے قصے اور حکمت و فلسفہ کی باتیں سنا کر ایمان و عمل اور حسن اخلاق کی طرف مائل کرتا تھا۔ لوگ اس کی نیک دلی، دانش مندی، معاملہ فہمی اور بے لوثی سے اس قدر متاثر تھے کہ اپنے پیچیدہ امور میں اس سے مشورہ لیتے۔ اپنے مقدمات میں اس کا فیصلہ سر آنکھوں سے تسلیم کرتے۔ قس بن ساعدہ مقدمات کا فیصلہ اس اصول کی بنیاد پر کرتا تھا کہ البینہ علی من ادعیٰ والیمین علیٰ من انکر۔ مدعی کے لیے جرم کا ثبوت پیش کرنا ضروری اور جو جرم سے انکار کرے اس پر قسم لازم ہے۔ خطبے میں حمد و ثنا کے بعد اما بعد کہنے کا رواج اسی نے شروع کیا۔ عرب میں قس ضرب المثل بن گیا تھا۔ احکم من قسی

نبی اکرم ﷺ نے قس بن ساعدہ کو عکاظ کے میلے میں تقریر کرتے ہوئے سنا تھا۔ جب وہ اپنے مٹیالے رنگ کے اونٹ پر بیٹھ کر تقریر کر رہا تھا۔ آپ اس کے بولنے کے دلکش انداز سے بھی اتنے متاثر ہوئے کہ آپ اس کے انداز کی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ قس کو زبان پر یہ قدرت اس لیے حاصل تھی اور اس میں تاثیر اس لیے تھی کہ وہ توحید کی دعوت دیتا تھا۔ قیامت اور جزا و سزا کے معانی بیان کرتا تھا اور خلوص و نیک نیتی پر لوگوں کو ابھارتا تھا۔

(جاحظ، البیان والتبیین، نخبۃ التالیف والترجمہ، مصر، ۱۹۴۸ء: ۵۲/۱، ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی، عربی ادب کی تاریخ: ص ۹۱)

قس بن ساعدہ کے قبیلہ بنو ایاد کا وفد جب نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے قس کے بارے میں پوچھا انھوں نے عرض کیا فوت ہو چکا ہے آپ نے فرمایا۔ اللہ اس پر رحم کرے مجھے وہ یوں یاد ہے جیسے میں عکاظ کے میلے میں اسے اپنے مٹیالے اونٹ پر بیٹھے یہ کہتے دیکھ رہا ہوں:

Marfat.com

ایھا الناس، استعموا وعوا من عاش مات، ومن مات فات وکل ماھو ات ات اما بعد فان فی السماء لخبراً وان فی الارض لعبراً، عریغور، نجم ثغور، اقسم قس باللہ قسما: ان لہ دنیا ارضیٰ من دین انتم علیہ مابال الناس یذھبون ولا یرجعون؟ سبیل موتلف وعمل مختلف۔

(الشیخ عبداللہ بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب، مختصر سیرت الرسول: ص ۴۱)

''اے لوگو! گوش ہوش سے سنو اور یاد رکھو کہ جو زندہ ہے اسے مرنا ہے۔ جو مر گیا وہ کھو گیا۔ جو چیز آنے والی ہے وہ آ کر رہے گی اما بعد بے شک آسمان میں بر ہے اور بے شک زمین میں عبرتیں ہیں۔ سمندر ٹھاٹھیں مارتے ہیں۔ اور ستارے چمکتے ہیں۔ چھت (آسمان) بلند کیا گیا ہے۔ اور بچھونا (زمین) بچھائی گئی ہے۔ قس اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہے۔ اللہ کا ایک خالص دین ہے جس کو وہ تمھارے دین سے زیادہ پسند کرتا ہے۔ جس پر تم ہو۔ یہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ جاتے ہیں تو آتے نہیں۔ کیا انھیں وہ جگہ ایسی بھا گئی ہے کہ وہیں کے ہو رہے ہیں یا ان کو وہاں چھوڑ دیا گیا ہے ور وہ سو گئے ہیں۔ رستہ جانا پہچانا ہے اور عمل مختلف ہیں۔''

پھر آپ نے فرمایا اس نے کچھ اشعار پڑھے تھے جو مجھے یاد نہیں۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا مجھے یاد ہیں یا رسول اللہ ﷺ اس نے درج ذیل اشعار پڑھے تھے:

فی الذاہبین الاولین
من القرون لنا بصائر

''گزشتہ صدیوں میں پہلے جانے والوں میں ہمارے لیے آنکھیں کھولنے والی سبق آموز باتیں ہیں۔''

لما رأیت موارداً
للموت لیس لھا مصادر

''جب میں نے دیکھا کہ موت کی طرف جانے کا راستہ تو ہے مگر لوٹ کر آنے کا کوئی راستہ نہیں۔''

Marfat.com

ورأیت قومی نحوها
تمضی الاکابر والاصاغر

"اور میں نے دیکھا کہ میری قوم کا ہر چھوٹا بڑا اس کی طرف رواں دواں ہے۔"

لایرجع الماضی ولا
یبقی من الباقین غابر

"جو چلا جاتا ہے وہ لوٹ کے نہیں آتا اور جو رہ گئے ہیں انھیں بھی جانا ہے۔"

ایقنت انی لامحالة
حیث صار القوم صائر

"تو میں نے بھی یقین کر لیا کہ میری قوم کے لوگ گئے ہیں وہیں مجھے بھی جانا ہے۔"

اس موقع پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

رحم الله قساء انی لارجوا ان یبعثه الله امةً وحده۔

"اللہ تعالیٰ قس پر رحم کرے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے روز تنہا ایک امت کی حیثیت سے اٹھائیں گے۔"

قس بن ساعدہ کا قیصر روم کے پاس اکثر جانا ہوتا تھا۔ وہ اس کے علم و فضل اور فلسفہ و حکمت سے بہت متاثر تھا۔ ایک دن قیصر روم نے اس سے پوچھا:

سب سے بہترین عقل مندی کیا ہے؟

قس نے جواب دیا "آدمی کا اپنے علم کی حد پر ٹھہر جانا۔"

قیصر روم نے پوچھا "مروت (انسانی شرافت) کا بہترین نمونہ کیا ہے؟"

قس نے کہا "آدمی کا اپنا بھرم قائم رکھنا۔"

قیصر نے پھر پوچھا "بہترین مال کیا ہے؟"

قس نے کہا "وہ دولت جس سے حقوق ادا کیے جائیں۔"

قس نے آخری عمر میں دنیا بالکل ترک کر دی تھی۔ ہر وقت عبادت و ریاضت میں مصروف رہتا اور روکھی سوکھی پر گزر اوقات کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ قس نے بہت طویل عمر پائی تھی۔ آخر کار ۶۰۰ء میں آپ کی بعثت سے پہلے وفات پا گیا۔

Marfat.com

وقت کا اہم تین تقاضا بعثت

اللہ وحدہ لاشریک لہ اس کائنات کا تنہا خالق، مالک، مدبر الامر اور فرماں روا ہے۔ اس کائنات میں پائی جانے والی ہر شے اس کی مخلوق بھی ہے اور محتاج بھی۔ ہر شے اس کی بے چوں و چرا مطیع و فرمان بھی۔ ﴿بدیع السموات والارض کل لہ قانتون﴾ وہ ہر شے کو عدم سے وجود میں لایا ہے اور ہر شے اس کی مطیع و فرمان ہے۔ جمادات سے لے کر فرشتوں تک، ذوی الارواح ہوں یا غیر ذوی الارواح، ذوی العقول ہوں یا غیر ذوی العقول اس کے اس طرح مطیع و فرماں بردار ہیں کہ کسی میں سرکشی و سرتابی کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ البتہ جنوں اور انسانوں کا معاملہ مختلف ہے۔ اس قادر مطلق نے اپنی مشیت کے تحت انھیں اس کائنات میں زندگی گزارتے ہوئے یہ صلاحیت بخشی ہے کہ وہ اپنے ارادہ و اختیار سے اطاعت و سرکشی دونوں کی توفیق رکھتے ہیں۔

انسان اللہ وحدہ لاشریک لہ کی مخلوق ہے۔ اس نے انسان کو جو جسم و روح کے بہترین امتزاج پر پیدا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ O وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ O وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ O لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾

(التین: ۱۔۴)

"قسم ہے انجیر کی قسم ہے زیتون کی اور طور سینین اور اس امن والے شہر کی قسم ہم نے انسان کو بہترین تقویم (جسم و روح کے بہترین امتزاج) پر پیدا کیا۔"

ساری ذی روح مخلوقات میں انسان کو بہترین روح کے ساتھ پیدا کیا گیا۔ اس کی روح میں جو روحانی قویٰ اسے ودیعت کیے گئے ہیں کسی دوسری مخلوق کو عطا نہیں کیے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جاننے اور سوچنے اور سمجھنے کی قوتیں عطا فرمائیں۔ بھلائی اور برائی کی تمیز عطا کی۔ انتخاب اور ارادے کی آزادی عطا فرمائی۔ اس کائنات کی مختلف اشیاء پر تصرف کے اختیارات بخشے۔ اور زندگی کے اندر اللہ کی اطاعت اور نافرمانی ہر دو اس کو الہام کیں اور ایک گونہ خود اختیاری دے کر زمین میں ایک با اختیار مخلوق کی حیثیت سے کرہ زمین پر آباد فرمایا۔

Marfat.com

اسے اپنی صلاحیتوں اور کائنات میں اس کی حیثیت کا مشاہدہ کروایا اور اس سے اپنی غلامی کا میثاق لیا۔

﴿وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ﴾ (الاعراف:۱۷۲)

''اور اے نبی لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جبکہ تمھارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انھیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا ''کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں'' انھوں نے کہا ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں۔ ہم اس پر گواہی دیتے ہیں۔ یہ ہم نے اس لیے کیا کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر تھے۔''

انھیں بڑے غیر مبہم الفاظ میں بتا دیا گیا کہ ہم نے انسان کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ جہاں اس کائنات کا ذرہ ذرہ بلا ارادہ و بلا اختیار ہماری اطاعت و فرماں برداری کر رہا ہے۔ وہاں یہ پورے شعور و ادراک کے ساتھ اپنے ارادہ و اختیار کو کام میں لاتے ہوئے خوش دلی کے ساتھ اللہ کے غلام کی حیثیت سے اپنی زندگی گزارے یہی اس کا مقصد تخلیق بھی ہے اور یہی اس کا وہ شرف ہے جس کی وجہ سے اسے اشرف المخلوقات ہونے کا اعزاز بخشا گیا ہے۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ﴾ (الذاریات:۵۶)

''ہم نے انسانوں اور جنوں کو محض اسے لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری غلامی میں زندگی گزاریں۔''

اپنی بے پایاں مملکت کے اس حصے میں جسے ہم زمین کا نام دیتے ہیں۔ انسانوں کو آباد کرتے وقت ان کے کان کھول کر ان پر یہ بات واضح کر دی گئی۔ اس کائنات کا مالک، معبود اور حاکم میں ہوں اسی طرح تمھارا خالق، مالک، معبود اور حاکم بھی میں ہوں۔ میری اس سلطنت میں نہ تم خود مختار ہو کہ تم اپنی خواہشات کا اتباع کرنے لگو اور اپنی فہم و فراست کے مطابق اپنی زندگی کے اصول اور ضابطے مرتب کرنے لگو اور اس کے مطابق اپنی زندگی گزارنے لگو نہ میرے

Marfat.com

سوا کوئی دوسرا تمھاری اطاعت و بندگی اور پرستش کا مستحق ہے۔ نہ تمھیں اس بات کا حق ہے کہ اپنی صلاحیتیں بروئے کار لاتے ہوئے اپنی فکر و دانش کی بنیاد پر میری مرضی کا تعین کرنے لگو اور اس کو اپنی زندگی کا دین قرار دے کر اپنی خواہشات کا اتباع کرنے لگو اور ساتھ ہی میری بندگی و طاعت کے پندار میں مبتلا ہو کر اپنی آخرت برباد کر لو۔ میں خود اپنی طرف سے ہدایت بھیجوں گا۔ جو اس ہدایت پر عمل کرے گا وہ اس دنیا میں بھی امن و سکون میں رہے گا اور آخرت میں بھی اسے کوئی خوف ہوگا نہ غم اور جو کوئی دوسری روش اختیار کرے گا۔ میں آخرت کی دائمی زندگی میں اسے آگ میں ڈالوں گا۔

﴿اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (البقرہ:۳۸۔۳۹)

”تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔ پھر جو میری طرف سے ہدایت تمھارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے۔ ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا اور جو اس کو قبول کرنے سے انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہ آگ میں جانے والے ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔“

انھیں بتا دیا گیا کہ دنیا کی یہ زندگی جس میں تمھیں اختیارات دے کر بھیجا جا رہا ہے۔ دراصل تمھارے امتحان کی مدت ہے۔ اور اسی زندگی میں تمھارے رویے پر آخرت میں تمھاری کامیابی یا ناکامی کا دار و مدار ہے۔

﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾

(الملک:۲)

”اس نے موت اور زندگی اس غرض سے پیدا کی ہے کہ تمھیں آزمائے کہ عمل کے حساب سے کون بہتر ہے۔“

یہ مہلت تمھاری اصل زندگی نہیں ہے نہ تمھیں یہاں دائماً رہنا ہے۔ اس زندگی کی

Marfat.com

حیثیت یہ ہے کہ تم اسے آخرت کی دائمی زندگی کا سامان بناؤ۔ اس مدت کو غنیمت جانتے ہوئے اپنی آخرت سنوارنے کی کوشش کرو۔ اس زندگی کے بعد تمھیں میرے پاس آنا ہے۔ میں اس دنیا میں تمھارے کام کو جانچ کر یہ فیصلہ کروں گا کہ تم میں سے کون اس امتحان میں کامیاب ہوا ہے اور کون ناکام ہوا ہے۔

امتحان کی اس مدت میں تمھارے لیے صحیح رویہ یہ ہوگا کہ دنیا کی اشیاء کو اپنا سامان امتحان سمجھو اور انھیں اپنا مقصود بنا کر اپنا وقت برباد نہ کرو۔ مجھے اپنا واحد معبود اور حاکم تسلیم کرو۔ جو ہدایت میں بھیجوں اس کے مطابق عمل پیرا رہو اور دنیا کو دارالامتحان سمجھتے ہوئے اس احساس اور شعور کے ساتھ زندگی بسر کرو کہ تمھارا اصل مقصد اس دنیا کی نعمتوں پر قبضہ جمانا نہیں میرے آخری فیصلہ میں کامیاب ہونا ہے۔ تمھارے لیے ہر وہ رویہ غلط ہوگا جو اس سے مختلف ہو۔ جو لوگ پہلا رویہ اختیار کریں گے (جس کو اختیار کرنے کے لیے تم آزاد ہو) انھیں اس دنیا میں بھی امن و اطمینان نصیب ہوگا۔ آخرت میں اسے دائمی راحت و مسرت کا وہ گھر دوں گا جسے جنت کہتے ہیں۔ اور اگر اس روش کو چھوڑ کر کوئی سا بھی دوسرا رویہ اختیار کرو گے۔ (جس پر چلنے کی بھی تم کو آزادی ہے) تو ایسے لوگوں کو دنیا میں فساد اور بے چینی کا مزا چکھنا پڑے گا۔ دنیا کی اس زندگی کے بعد جب ایسے لوگ عالم آخرت میں آئیں گے تو ابدی رنج و مصیبت کے اس گھڑے میں پھینک دیے جائیں گے جس کا نام دوزخ ہے۔

انسان کو دنیا پر آباد کرتے وقت چونکہ اپنے احکام انسانوں کو پہچانے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لی تھی لہٰذا اس نے آدم اور حوا کو یہ ہدایات براہ راست دے کر دنیا پر آباد کیا تھا۔ جن کے مطابق انھیں اور ان کی اولاد کو زمین پر کام کرنا تھا۔ وہ حقیقت سے آگاہ تھے۔ انھیں ان کا قانون حیات بتا دیا گیا تھا۔ یہ اولین انسان جہالت اور تاریکی کی حالت میں پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انسانی زندگی کا آغاز علم و عرفان کی پوری روشنی کے ساتھ کیا۔

ان کا طریق زندگی خدا کی اطاعت (اسلام) تھا انھیں صاف یہ ہدایت دی گئی تھی کہ

﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾

(الروم: ۳۰)

Marfat.com

''اللہ کی اطاعت پر یکسوئی کے ساتھ قائم رہو یہی اللہ کی تخلیق کردہ فطرت ہے۔جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں یہی مضبوط دین ہے۔''

یہی بات وہ اولین افراد اپنی اولاد کو سکھا کر گئے کہ وہ مطیع خدا (مسلم) بن کر رہیں۔

■ انسانی المیہ

ابتداء تو اولاد آدم اسی طریق اطاعت پر قائم رہی لیکن بعد کی صدیوں میں انسان رفتہ رفتہ اس طریق زندگی (دین) سے منحرف ہو گئے اور مختلف قسم کے غلط رویوں کی طرف چل پڑے۔سبب اس کا یہ ہوا کہ حیات دنیا کی نعمتیں اس کے نزدیک محض متاع زر ہیں بلکہ بجائے خود مقصود قرار پا گئیں۔اور اس کے نزدیک اس سے کہیں زیادہ جاذب اور حسین بن گئیں جتنی ان کی حیثیت اس مہلت امتحان میں تھی۔وہ سامان امتحان تھیں مگر انعام کی حیثیت اختیار کر گئیں۔

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ﴾ (العمران:۱۴)

''لوگوں کے لیے مرغوب نفس۔عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں بڑی خوش آئند بنا دی گئی ہیں، مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں۔حقیقت میں جو بہتر ٹھکانہ ہے، وہ تو اللہ کے پاس ہے۔''

اسی ترغیب نفس کے ہاتھوں بڑھتی ہوئی خواہشات نے اس دنیا کی نعمتوں کو ان کا مقصود بنا دیا اور وہ اسے آخرت پر ترجیح دینے لگے۔اس طرح کہ وہ طلب زر اور جلب منفعت میں ایسے مگن ہوئے کہ وہ آخرت کی جواب دہی کے احساس تک سے محروم ہو گئے اور ہوس زر اور ہوس اقتدار نے مختلف انسانی گروہوں کے درمیان آویزش کی راہ نکال کر زندگی ہی کو جہنم میں بدل دیا۔انھوں نے اللہ کی اطاعت سے کسی علم کی بنیاد پر انحراف نہیں کیا بلکہ دنیا کی نعمتوں کو بلا شرکت

Marfat.com

غیرے اپنے لیے خاص کر لینے کی خواہش کی کوکھ سے جنم لینے والی دشمنی کی بنیاد اس انحراف کا سبب بنی۔ اس انحراف کے سارے فطری نتائج برآمد ہوئے۔ اخلاق بری طرح تباہ ہوئے۔ انسانوں کے معاملات دگرگوں ہوئے۔ قتل وغارت کا بازار گرم ہوا اور زندگی ایک جہنم زار میں بدل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ہدایت بھیجنے کا وعدہ پورا کیا۔ صدیوں پر پھیلی تاریخ انسانی میں بے شمار انبیاء کو انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے بھیجا گیا اور ہر بار انبیاء کی تعلیمات پر ایمان لا کر امن و سکون کا تجربہ کرنے والے مومنین صدیوں بعد پھر اسی المیہ کا شکار ہوئے۔

انھوں نے غفلت سے انبیاء کی تعلیمات کو گم بھی کیا اور شرارت سے اسے مسخ بھی کر ڈالا۔ انھوں نے زمین و آسمان کی مختلف ہستیوں مثلاً اجرام فلکی کے علاوہ فرشتوں، جنوں اور نیک انسانوں ہی کو خدا کا شریک نہیں ٹھہرایا بلکہ بے شمار خیالی ہستیوں کو بھی اپنے شرکا کی فہرست میں شامل کر لیا۔ انھوں نے خدا کے دیے ہوئے علم حقیقت (العلم) پر اللہ کے غلاموں کی طرح عمل کرنے کی بجائے اس میں طرح طرح کے اوہام فلسفوں اور نظریوں کی آمیزش کر لی۔ قوانین زندگی اپنی خواہشات نفس اور اپنے تعصبات کے مطابق تراش لیے جس سے خدا کی زمین بار بار ظلم سے بھر جاتی رہی۔

یہ انبیاء مختلف قوموں اور ملکوں میں مبعوث ہوتے رہے۔ انبیاء کا یہ سلسلہ ہزار ہا برس تک چلتا رہا۔ یہ انبیاء ہزاروں کی تعداد میں مبعوث ہوئے۔ اس سب کی بعثت کا ایک ہی مقصد تھا کہ وہ انسانوں کو اللہ کی بھیجی ہوئی اس دعوت اور اللہ کے دین کی طرف بلائیں۔ جو لوگ ان کی دعوت کو قبول کریں۔ ان کو منظم کریں اور ترتیب کر کے انھیں ایک ایسی امت بنا دیں جو ایک طرف خود الہ کے احکام کو اپنے دائرہ اختیار میں نافذ کرے۔ دوسروں میں اس دین کی تبلیغ کرے۔ خود اپنے طرز زندگی سے دوسرے انسانوں کے سامنے شہداء علی الناس بن کر رہیں اور دوسری طرف اس کے خلاف برپا ہونے والی ہر کوشش کو ختم کرنے کی کوشش کریں۔ ان پیغمبروں نے اپنے اپنے دور میں اپنے اس فریضہ کو نہایت خوبی سے ادا کیا مگر ہر دفعہ یہی ہوتا رہا کہ انسانوں کی ایک بڑی تعداد نے تو ان کی دعوت کو قبول ہی نہیں کیا اور جنھوں نے اس دعوت کو قبول کیا انبیاء پر ایمان لائے اور امت مسلمہ بن کر ابھرے وہ بھی ایک عرصہ کے بعد رفتہ رفتہ اسی دنیا طلبی کا شکار ہو کر فساد میں مبتلا ہو گئے۔

Marfat.com

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد انبیاء کا سلسلہ ان کے بڑے صاجزادے اسحاق علیہ السلام کی اولاد بنو اسرائیل میں چلتا رہا۔ اس سلسلہ کے آخری رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بعد چھ مکمل صدیاں گزر چکی تھیں اور دنیا ایک بار پھر اسی المیے کا شکار ہو کر جہالت کی تاریکیوں میں ڈوب چکی تھی۔ یہودی جن کے پاس اللہ کی جانب سے تورات، زبور اور دوسرے انبیاء کے متعدد صحیفے نازل ہوئے تھے۔ ان سے اتنے غافل ہو گئے تھے کہ بخت نصر کے حملے میں تورات ہی سے محروم ہو گئے۔ اور پھر انھیں تورات کبھی مل نہیں سکی۔ اس کے ایک سو سال بعد......

(جملہ مکمل ہونے سے پہلے مہلت عمر تمام ہوئی)

دفتر تمام گشت و بہ پایان رسید عمر
ما ھمچنان در اوّلِ وصفِ تو ماندہ ایم

Marfat.com